ابتدائیہ

سرگوشیاں — مدیرہ — 12

حمد — صبیح رحمانی — 13

نعت — غفور عابد — 13

در جواب آں — مدیرہ — 14

دانش کدہ

مالکِ یوم الدین — مشتاق احمد قریشی — 18

ہمارا آنچل

عشا نور/محمدی بی بی — ملیحہ احمد — 23
عمرانہ شاہین/البنیٰ سید

بہنوں کی عدالت

نازیہ کنول نازی — ادارہ — 27

سلسلہ وار ناول

موم کی محبت — راحت وفا — 73

ٹوٹا ہوا تارہ — سمیرا شریف طور — 147

مکمل ناول

کرن وسجدہ ایک خدا کو — سیدہ غزل زیدی — 33

دل بڑی مشکل سے ہارا — نزہت جبین ضیاء — 177

ناولٹ

شاہراہِ دل — سلمیٰ فہیم گل — 113

مجھے ہے حکم اذاں — اُم مریم — 225

رفاقتوں کے نئے خواب — نبیلہ نازش راؤ — 247

افسانے

ناں ہوندی میں — نگہت عبداللہ — 107

ظرف اپنا اپنا — اُم ایمان قاضی — 133

شام دل سو کھ اور دسمبر — سمیرا غزل صدیقی — 211

گواہی دل کی معتبر ٹھہری — نظیر فاطمہ — 267

یخ بستگی دسمبر — فائزہ کنول — 277

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: ثانیہ فرید..... آرائش: روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

روحانی مسائل کا حل	حافظ شبیر احمد	279	دوست کا پیغام آئے	ہما احمد	295
بیاضِ دل	میمونہ رومان	281	یادگار لمحے	جویریہ سالک	301
ڈش مقابلہ	طلعت آغاز	283	آئینہ	شہلا عامر	306
بیوٹی گائیڈ	روبینہ احمد	287	ہم سے پوچھیے	شمائلہ کاشف	314
نیرنگ خیال	ایمان وقار	289	آپ کی صحت	ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا	317
کام کی باتیں	حنا احمد	321			

خط وکتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 info@aanchal.com.pk
کے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل

"حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب العزت اس شخص پر رحم نہیں کرتے جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔" (متفق علیہ)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
دسمبر ۲۰۱۴ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

موسم کی گرما گرمی ختم تو نہیں ہاں کم ضرور ہوگئی ہے ایسے ہی وطن عزیز میں سیاسی سرگرمیاں بھی شاید سرد پڑ رہی ہیں کہنے والے کہہ رہے ہیں کہ سیاسی انقلاب دستک دے رہا ہے آنے والے انقلاب کے نقیب تو 15 اگست سے انقلاب کے ڈنکے بجا رہے ہیں اب پھر نئے سرے سے صف بندی کا عندیہ دے رہے ہیں اور 30 نومبر کی تاریخ بھی دے دی۔ اللہ خیر کرے وطن عزیز کو ان سیاسی بازی گروں نے اپنے مفادات کا اکھاڑا بنا رکھا ہے تمام ہی سیاسی بازی گر اپنے اپنے مفادات کے حصول کے لیے آنکھیں بند کر کے اقتدار کی طرف دوڑ رہے ہیں کسی کو ذرا سا بھی احساس نہیں کہ جس قوم کی رہنمائی کے وہ دعوے دار ہیں وہ کس حال میں ہے قوم کا جو بھی حشر نشر ہو رہا ہے اس سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں بس کسی لکیر کے فقیر کی مانند اپنے مفادات کے حصول کا رونا رو رہے ہیں۔ وطن عزیز میں مہنگائی نے آگ لگا رکھی ہے غربت و بے روزگاری کے عفریت نے عوام کا بیڑا غرق کر رکھا ہے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں، عوامی نمائندگی کے یہ سارے کے سارے دعوے دار عوام کے مفادات کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف اپنے مفادات کے چولہوں پر اپنی ہانڈی تیار کر رہے ہیں اپنے چولہوں میں عوام کو ایندھن کی طرح جھونک رہے ہیں۔ عالمی منڈی میں ہر قسم کی معیشت و اقتصادیات میں استحکام آ رہا ہے چیزوں کی قیمتیں کم ہو رہی ہیں جس سے عوام کو براہ راست فائدہ پہنچ رہا ہے لیکن ہماری تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی ہے ہمیں تو ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے سے فرصت نہیں عوامی مفادات کی کیونکر فکر ہو سکتی ہے۔ وطن عزیز میں غربت بدامنی بے روزگاری و مہنگائی ہر آنے والے دن کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں معاشی و اقتصادی دوڑ میں ہم ہر آنے والے دن پیچھے ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم تمام خواتین اپنے اپنے طور پر اگر کوشش کریں تو وطن عزیز میں سکھ شانتی لا سکتے ہیں۔ ہماری تعداد کل آبادی کا 55 فیصد ہے۔ انقلاب تو درحقیقت اس دن آئے گا جب آبادی کا یہ بڑا حصہ جسے صنف نازک قرار دے کر الگ بٹھا دیا گیا ہے وہ اپنے حقوق اپنے وطن اپنی قوم کے حقوق کے لیے میدان عمل میں کود پڑے اور ایوان اقتدار پر قابض ہو جائے۔

جانے آج قلم کیوں بہک گیا ہے شاید اس لیے کہ ہم بہنوں کے حقوق کی باتیں کرنے والے بھی مرد حضرات ہی ہوتے ہیں جو اپنے مفادات کے لیے ہماری جنس کا استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں بحیثیت محب وطن بن کے سوچنا سمجھنا چاہیے اور اپنے کردار کا تعین اگر ہم خود نہیں کر سکیں گے تو کوئی اور ہمارے بارے میں کیوں سوچے گا۔

2014ء کا یہ سال بھی بہت جلد ہم سے وداع ہو جائے گا۔ ادارہ آنچل جہاں سال نو کی مبارک باد تمام قارئین کو پیش کرتا ہے وہیں یہ دعا بھی ہے کہ اے کاش اس نئے سال میں وہ انقلاب آئے جو ہمارے پیارے نبی آج سے چودہ سو سال پہلے لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نئے سال میں اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہم سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے۔

اس ماہ کے ستارے

- ☆ کروں سجدہ ایک خدا کو — جذبہ ایمان کو گرما دینے والا سیدہ غزل کا شاہکار ناول منفرد انداز میں۔
- ☆ تاں ہوندی میں — مختصر، منفرد و موثر پیغام کی حامل بہن نگہت عبداللہ کی خوبصورت تحریر۔
- ☆ شاہراہ دل — محبت کے مفہوم سے آشنا کراتی سلمیٰ فہیم شاہراہ دل پر گامزن ہیں۔
- ☆ ظرف اپنا اپنا — جس میں جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے کہ سانچے میں ڈھلی ام ایمان کی خوب صورت تحریر۔
- ☆ دل بڑی مشکل سے ہارا — بہن نزہت جبیں "ہارے بھی تو بازی مات نہیں" کا انداز لیے جلوہ گر ہیں۔
- ☆ شام دل سوز کہر اور دسمبر — دسمبر استعارہ ہے تیری یادوں کا سمیرا غزل ایک نئے موضوع کو لیے حاضر ہیں۔
- ☆ رفاقتوں کے نئے خواب — حیدرآبادی گھرانے کا شگفتہ انداز لیے نبیلہ نازش خوب صورت ناولٹ کے ہمراہ شریک محفل ہیں۔
- ☆ گواہی دل کی معتبر ٹھہری — نظیر فاطمہ پہلی بار مختصر و پراثر افسانے کے ذریعے گواہی دل کو اعتبار سونپ رہی ہیں۔
- ☆ یخ بستگی دسمبر — دسمبر کی کہر آلود شاموں میں الفاظ کی گرمی سموئے فائزہ کنول پہلی بار رونق افروز ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

حوصلہ دے فکر کو اور بارش فیضان کر
ہے ثنا تیری بہت مشکل اسے آسان کر

رفتہ رفتہ کھول مجھ پر رازہائے جسم و جاں
دھیرے دھیرے مجھ پہ ظاہر تو مری پہچان کر

زیست کے تپتے ہوئے صحرا میں ہوں اس سے نکال
میرے سر پر بیکراں رحمت کی چادر تان کر

کفر آلودہ فضاء میں سانس لینا ہے محال
پھر سے اس گم کردہ رہ کو صاحب ایمان کر

ختم ہوجائے بساط خاک کا سب شور و شر
بے سکونی کو عطا پھر حسن اطمینان کر

خیمۂ شب سے یہی آواز آتی ہے صبیح
حمد لکھ اور اس طرح بخشش کا کچھ سامان کر

صبیح رحمانی

نعت

ہر سانس ہے اب ان پر درودوں کے لیے وقف
اس دل کا دھڑکنا بھی ہے بس ان کے لیے وقف

یہ جسم یہ جاں ان پر فدا اے مرے مولا
ہر چیز ہے دنیا کی محمد ﷺ کے لیے وقف

یہ کون و مکاں گردشِ دوراں یہ زمانہ
ہیں ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے وقف

صدیوں کا سفر طے ہوا اک چشم زدن میں
معراج کی شب وقت رہا ان کے لیے وقف

سب شجر و حجر پڑھنے لگے نغمہ توحید
مطرب بھی مغنی بھی سبھی ان کے لیے وقف

بخشش تو گناہگار کی اللہ ہی کرے گا
امت کی شفاعت ہے مگر ان کے لیے وقف

خواہش ہے نہ جنت کی نہ دولت کی حشم کی
عابد کی تمنائیں تو ہیں ان کے لیے وقف

غفور عابد

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

آمنہ ریاض...... اوکاڑہ

پیاری بہن! جیتی رہو آپ کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کی خبر سن کر نہایت دکھ ہوا رب تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کسی بڑے جانی و مالی نقصان سے محفوظ رہیں۔ بے شک ہم اب مزید کسی نقصان کے متحمل ہو بھی نہیں سکتے‘ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو ہر مصیبت و ناگہانی آفت سے محفوظ رکھے اور آپ کو شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ تمام قارئین سے بھی عزیز مصنفہ بہن آمنہ ریاض کے لیے صحت دعائے کی اپیل ہے۔

سیدہ برجیس رباب...... ٹیکسلا

ڈیئر برجیس! سدا سہاگن رہو سب سے پہلے تو ہماری جانب سے آپ کو شادی کی ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نئی زندگی کی بہت سی خوشیاں عطا کرے آمین۔ مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کی تحریروں نے درجہ قبولیت حاصل کرلیا ہے آنچل سے آپ کی محبت والہانہ جذبات قابل قدر ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی بھابی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

شازیہ فاروق احمد...... خان بیلہ‘ رحیم یار خان

ڈیئر شازیہ! جگ جگ جیو محبتوں اور چاہتوں سے بھرپور آپ کا طویل خط موصول ہوا پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کا مشاہدہ عمیق اور گہرا ہے جب ہی ان حالات کو آپ کہانی کے سانچے میں ڈھال لیتی ہیں۔ رب تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے‘ آپ کی تحریر موصول ہوگئی ہے جلد پڑھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔ باقی معلومات آپ آفس کے نمبر پر رابطہ کرکے حاصل کرلیجیے‘ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

سیدہ شبانہ عظیم...... نامعلوم

ڈیئر شبانہ! طویل عرصے کی خاموشی کے بعد آج آپ کی آمد بھلی لگی بے شک آپ کا کہنا بجا ہے شادی اور بچوں کی مصروفیت میں انسان اپنے ذاتی شوق و مشاغل بھول جاتا ہے۔ اپنی اس مصروف زندگی سے کچھ پل نکال کر آپ نے ہمارے نام کیے بے حد اچھا لگا۔ آپ کا ناول پڑھنے کے بعد ہی کوئی رائے دے پائیں گے‘ فرحت آنی کی طرح اب بھی اپنی ہر بات آنچل سے شیئر کرسکتی ہیں۔

شبانہ امین...... کوٹ رادھا کشن

پیاری بہن! جیتی رہو چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور آپ کا نامہ موصول ہوا۔ ہر لفظ آپ کی ہمت و حوصلہ کی داد دیتا نظر آیا‘ اتنے کٹھن حالات و خرابی طبیعت میں قلم اٹھانا بے شک ہمت کا کام ہے رب تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو جلد از جلد شفائے کاملہ اور مکمل صحت و تندرستی عطا فرمائے‘ آمین۔ آپ کے دلی جذبات و خواہشات کو قبولیت کا درجہ مل جائے‘ فرحت آپا کے لیے ارسال کیا گیا آپ کا تحفہ نہایت انمول ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔ رب تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے‘ آپ کی نگارشات محفوظ کرلی گئی ہیں آئندہ ماہ ضرور شامل کریں گے رب تعالیٰ آپ کو ڈھیروں خوشیاں عطا کرے آمین۔

نیلم...... UK

ڈیئر نیلم! سدا خوش رہو دور دیس سے آپ کی میل موصول ہوئی‘ آپ کو لکھنے کا شوق ہے جان کر اچھا لگا۔ آپ کسی بھی موضوع پر اپنا مختصر افسانہ یا پھر اسی کہانی کو جس کا مرکزی خیال آپ نے لکھا ہے اسی ایڈریس پر میل کردیں‘ کہانی پڑھنے کے بعد آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے‘ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

امبرین کوثر...... ملتان خرد

ڈیئر امبر! شاد و آباد رہو مشکل و کٹھن حالات کا جس بہادری سے آپ نے سامنا کیا قابل قدر ہے۔ رب تعالیٰ آپ کے والد کو صحت کاملہ عطا فرمائے‘ آمین۔ آپ کا تعارف باری آنے پر لگ جائے گا۔

نورین مسکان سرور...... ڈسکہ

ڈیئر نورین! سدا مسکراؤ آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کی لگن و ہمت قابل تحسین ہے۔ بے شک ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنانے والے لوگ ہی کامیاب ٹھہرتے ہیں آپ کی دونوں کہانیاں موصول ہوگئی ہیں بہت جلد پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے‘ ہمیں آپ کی کوئی بھی بات گراں نہیں گزرتی یہ آپ کا اپنا پرچہ ہے اور اس پر آپ کا پورا حق ہے۔

صبا قریشی...... عبدالحکیم

پیاری صبا! شاد و آباد رہو سب سے پہلے تو انٹر کے امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کرنے پر ڈھیروں مبارک باد۔ آپ کے احتجاج کو خاطر میں لاتے آپ کو داخلے کی اجازت مل گئی جان کر خوشی ہوئی۔ رب تعالیٰ آئندہ بھی آپ کو ایسے کامیابی و کامرانی عطا فرمائے آمین۔ اور آپ اپنے والدین کے لیے باعث فخر بن سکیں، تاخیر سے موصول ہونے کے سبب پیغام شامل نہ کرسکے۔

نگہت بشیر...... ڈنگہ

پیاری نگہت! سدا مسکراؤ، آپ کی غزل متعلقہ شعبے میں ارسال کردی ہے رد وقبول کا فیصلہ وہیں طے پاتا ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ "محبت یوں بھی ہوتی ہے" آپ کی تحریر ہمارے پاس محفوظ ہے ان شاء اللہ باری آنے پر لگادیں گے۔

سحر جان...... ڈسکہ

ڈیئر سحر! جگ جگ جیو آپ سے یہ نصف ملاقات بہت اچھی لگی اگر آپ نے قلم تھام لیا ہے تو جلد ہی اس کا حق ادا کرنے کی اہلیت بھی پیدا ہوجائے گی سب ہی ان مرحلوں سے گزر کر آگے بڑھتے ہیں۔ آپ کی نگارشات آئندہ کے لیے محفوظ کرلی گئی ہیں۔

ملالہ اسلم...... خانیوال

ڈیئر ملالہ! شاد و آباد رہو خفگی و ناراضگی سے بھرپور خط موصول ہوا گڑیا آپ کی محبت اور والہانہ پن قابل قدر ہے۔ آپ کے بھائی آپ کو چڑانے کی غرض سے ایسا کہہ دیتے ہیں، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض اوقات تاخیر سے موصول ہونے کے سبب ڈاک شامل اشاعت ہونے سے محروم رہ جاتی ہے۔

ثمینہ...... کوٹ ادو

ڈیئر ثمینہ! جیتی رہو خط کے ساتھ آپ کی تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں دیگر رائٹرز کی تحاریر کا بغور مطالعہ کریں پھر بعد میں کسی موضوع پر قلم اٹھائیے گا۔

فریحہ شبیر...... شاہ تکڑ

ڈیئر فریحہ! جگ جگ جیو آپ کی نانی امی کی وفات کا پڑھ کر دل بے حد رنجیدہ ہوا بے شک بزرگوں کا سایہ ان کی پرخلوص دعائیں ان کا انداز فکر لیے لہجہ سب ہی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تحفہ ہوتا ہے جب یہ دولت ہاتھ سے چھن جائے تو ضیاع کا احساس بہت گہرا اور شدید ہوجاتا ہے۔ رب تعالیٰ آپ کی نانی امی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر و استقامت عطا فرمائے آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں۔

طیبہ سعدیہ عطاریہ...... سیالکوٹ

ڈیئر طیبہ! جیتی رہو شکوہ و شکایات سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا ہمیں آپ کی مشکلات کا اندازہ ہے کہ آپ کتنی محنت سے اپنی نگارشات محکمہ ڈاک کے سپرد کرتی ہیں پھر انتظار کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔ بہرحال مایوسی کفر اور ناامیدی غلط بات ہے آپ کا تعارف جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے، آپ اور دیگر بہنوں کی راہنمائی کے لیے "کام کی باتیں" میں اکثر اس قسم کی رہنمائی فراہم کرتے ہیں بہرحال آپ کی تجویز نوٹ کرلی ہے امید ہے خفگی دور ہوجائے گی۔

شگفتہ خان...... بھلوال

پیاری شگفتہ! سدا مسکراؤ، ہم آپ کو قطعاً نہیں بھولے وقتاً فوقتاً آپ کی تحریروں کو شامل اشاعت بھی کرتے رہتے ہیں البتہ بعض اوقات صفحات کی کمی اور ڈاک کی تاخیر سے موصولی کے سبب ایسا ہوجاتا ہے، اس لیے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سال نے واقعی آپ کو بہت بڑا تحفہ عنایت کیا ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔

شازیہ کنول...... حاصل پور

ڈیئر شازیہ! جیتی رہو دس سال کی خاموشی کو توڑ کر آپ نے آنچل میں شرکت کی بے حد اچھا لگا۔ آنچل آپ اور دیگر بہنوں کو کتھارس کا موقع فراہم کرتا ہے آپ کی یہ سوچ ہمارے لیے باعث فخر ہے۔ ہماری جانب سے آپ کو بالکل اجازت ہے آپ آنچل کے لیے اپنی نگارشات ارسال کردیں، مختصر افسانے کی صورت میں آپ اپنی تحریر بھی بھیج سکتی ہیں، معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

ارم کمال...... فیصل آباد

ڈیئر ہمشیرہ! جیتی رہو آج کے اس دور میں جہاں خلوص و محبت کا فقدان ہے وہاں آپ بہنوں کی خوب صورت باتیں بہت اچھا تاثر قائم کرتی ہیں۔ آپ ضرور اپنی باتیں ہم سب سے شیئر کرسکتی ہیں ہمیں خوشی ہوگی کہ آپ ہمیں اس قابل سمجھتی ہیں

آپ مختصر افسانہ ارسال کردیں معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عمارہ ظفر' عافیہ ظفر' فائزہ علی...... سوہاوہ' جہلم

ڈیئر سسٹرز! شاد و آباد رہو آپ کا خط موصول ہوا جو آپ کے والہانہ جذبات و احساسات کی بخوبی عکاسی کررہا ہے۔ آپ کی ارسال کردہ تحریر کا جواب فی الحال دینا مشکل ہے آئندہ ماہ تحریر پڑھنے کے بعد آپ کی اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے اس لیے تھوڑا انتظار تو کرنا پڑے گا' بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔

فاطمہ مصطفی...... سرگودھا

ڈیئر فاطمہ مصطفی! سدا مسکراؤ' خفگی و ناراضگی سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا' آپ کا اندازہ بالکل غلط ہے کہ ہم ڈاک ضائع کردیتے ہیں' گڑیا! تاخیر سے موصول ہونے پر ڈاک آئندہ کے لیے رکھ دیتے ہیں اور پھر اگلے پرچے میں شائع کردیتے ہیں۔ محکمہ ڈاک کا نظام جس ابتری کا شکار ہے آپ بخوبی جانتی ہیں دیر سویر ہوجاتی ہے۔ اچھی اور معیاری چیز کے رد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' آپ یہ خوف دل سے نکال دیں۔

سائرہ سردار...... فیصل آباد

اچھی بہن سائرہ! شاد و آباد رہو بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید آپ کی تحریر موصول ہوگئی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر پڑھنے کے بعد آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔

نادیہ کامران...... راولپنڈی' کھوتہ

پیاری بہن! سدا خوش رہو رب تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ اس رحمت پر ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے بچوں کی بہت سی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے' عائشہ نام بھی بہت خوب صورت ہے۔ "آپ کی صحت" سلسلے کے لیے الگ سے لفافے کا استعمال کیا کریں۔

صبا الیاس...... گوجر خان' ماهندر

پیاری صبا! جگ جگ جیو آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کو لکھنے کا شوق ہے آپ کی تحریر پڑھ کر ہم ضرور آپ کی رہنمائی کریں گے۔ ابھی کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا' اس لیے امید کا دامن تھامے رکھیے۔

عابد محمود...... ملکہ ہانس

برادر محترم! آپ کے خط اور تبصرے کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آنچل سے آپ کا قلمی تعلق کافی گہرا اور پختہ ہے۔ آپ کا تبصرہ شامل اشاعت ہونے سے محروم رہا البتہ ہماری توجہ ضرور حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہرا۔ یہ خواتین کا پرچہ ہے اور ان کی نگارشات کو ہی پذیرائی بخشی جاتی ہے' البتہ نظمیں غزلیں ضرور ہمیں ارسال کرسکتے ہیں۔ آپ "نئے افق" میں اپنی نگارشات کے ذریعے شرکت کرسکتے ہیں' اسی پتے پر" ماہنامہ نئے افق" لکھ کر آپ اپنا شوق اور قلمی سفر جاری رکھ سکتے ہیں۔

ثمینہ فیاض...... کراچی

ڈیئر ثمینہ! سدا مسکراؤ' آپ کے خط سے آپ کے قلمی سفر اور کامیابیوں کے متعلق جان کر اچھا لگا' آپ آنچل کے لیے لکھنا چاہتی ہیں بے حد خوشی ہوئی۔ آپ کی تحریر پڑھ کر ہی ہم آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کرپائیں گے' اس لیے تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔

فضہ ہاشمی...... عارف والا

ڈیئر فضہ! جیتی رہو سب سے پہلے تو کہانی کی اشاعت پر ڈھیروں مبارک باد۔ آپ کی دوسری کہانی بھی جلد آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالے گی امید کا دامن تھامے رکھیے فی الحال آپ آفس کے نمبر پر رابطہ کرکے اپنا مکمل ایڈریس نوٹ کرادیں تاکہ آپ سے رابطہ بحال رکھا جاسکے۔

عائشہ خان...... ٹنڈو محمد خان

پیاری عائش! جگ جگ جیو "پھر سے برسا ابر رحمت" کے عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی' سال نو کی حوالے سے لکھی گئی آپ کی تحریر موضوع کا چناؤ اچھا اور درست ہے لیکن آپ کا انداز تحریر کمزور ہے۔ کہانی پر بہت سی جگہ آپ کی گرفت کمزور ہے' مزید محنت اور وسیع مطالعے کے بعد آپ اچھا لکھ سکتی ہیں' کوشش جاری رکھیں۔

نوشین اعوان...... پھلوال' سرگودھا

ڈیئر نوشی! جیتی رہو آپ کی تحریر "منفرد نام اک پہچان" آپ کی پہچان بنانے میں ناکام ٹھہری۔ موضوع کا چناؤ کمزور ہے آپ کا انداز تحریر صحیح ہے لیکن موضوع کے چناؤ میں احتیاط کی ضرورت ہے آپ کسی اور موضوع پر مختصر افسانے کی صورت میں طبع آزمائی جاری رکھیں۔

نوشین مشتاق...... فیض آباد' لودھراں

پیاری نوشین! سدا سلامت رہو آپ کی جانب سے دو کہانیاں "محبت بھرا احساس" "محبت بہتی آبشار" کے عنوانات

سے موصول ہوئیں' دونوں تحریروں میں آپ کا انداز تحریر کمزور ہے آپ طوالت سے گریز کرتے کسی اصلاحی موضوع پر مختصر افسانے پر طبع آزمائی کریں۔ ابھی آپ کو بہت محنت اور وسیع مطالعے کی ضرورت ہے' اس کے بعد ہی آپ اچھا اور بہتر لکھ پائیں گی امید ہے عمل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گی۔

حمیرا قریشی...... لاہور

ڈیئر حمیرا! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "بے سائباں شجر" کو آنچل تلے پناہ مل گئی ہے' مطلب آپ کی تحریر منتخب ہوگئی ہے۔ آئندہ آپ کسی اور موضوع پر طبع آزمائی کیجیے گا "اور بھی درد ہیں زمانے میں محبت کے سوا' راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا" اس بات پر عمل کرتے کسی اور موضوع پر قلم اٹھایئے گا۔

دیا احمد...... چکوال

ڈیئر دیا! سدا مسکراؤ' آپ کی تحریر "پہلی نیکی" پڑھ ڈالی مگر کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام رہی۔ موضوع اصلاحی اور بہتر ہے لیکن کہانی پر گرفت کمزور ہے' مزید مطالعہ اور محنت کی بنا پر آپ بہتر لکھ سکتی ہیں۔ امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔

ثوبیہ صابر...... کوٹھہ کلاں' سمبڑیال

پیاری بہن! شاد وآباد رہو آپ کی تحریر "متاع حیات" وصول ہوئی' کہانی بے جا طوالت کا شکار ہے اسی وجہ سے دلچسپی کا عنصر کم ہوگیا ہے۔ آپ کسی اور موضوع پر مختصر افسانہ لکھیں' ابتدا میں ناول اور ناولٹ پر طبع آزمائی کے بجائے افسانے کی صنف میں اپنا قلم آزمائیں۔ امید ہے تشفی ہو پائے گی۔

حنا اصغر...... خانیوال

ڈیئر ہنی! جیتی رہو "زندگی کے چند ورق" کے عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی' نہایت حساس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا' آپ کے الفاظ میں جذبات واحساسات رکھنے والوں کے لیے درد کی لمبی داستان موجود ہے لیکن یہ تحریر آنچل کے صفحات پر جگہ نہ بنا سکی آپ کسی اور موضوع پر قلم اٹھائیں۔ آپ کا انداز تحریر پختہ اور بہتر ہے ذرا سی محنت اور کوشش کے بعد آپ اچھا لکھ سکتی ہیں۔ امید ہے اس ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنائیں گی۔

فرحین اظفر...... کراچی

ڈیئر فرحین! شاد وآباد رہو' آپ کی تحریر "ندامت سے پہلے" آپ کے منفرد وپختہ اسلوب تحریر کی بدولت جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہری لیکن موضوع کے چناؤ میں آئندہ ذرا احتیاط کیجیے گا اس موضوع پر پہلے بھی دیگر رائٹرز بہت لکھ چکی ہیں۔ آئندہ کسی منفرد موضوع کے ساتھ ضرور شرکت کیجیے گا۔

بشریٰ باجوہ...... اوکاڑہ

ڈیئر بشریٰ! سدا خوش رہو' مصروفیات کے لمحات میں بھی آنچل سے آپ کا رشتہ استوار رہا' جان کر خوشی ہوئی۔ آپ کی سوچ اور تجاویز' ہمیں بھی پسند آئیں' نام بھی آپ نے خوب بتایا ہے جہاں تک آپ کا افسانہ "محبت ہار جاتی ہے" تو یہ کہانی ناقابل اشاعت ٹھہری تھی اس کا جواب مئی 2012ء کے شمارے میں غالباً دے دیا گیا ہے شاید آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔

ناقابل اشاعت:

تجھے چاہنا میری بھول تھی' سحر ہونے تک' اے دل ناداں' محبت یوں بھی ہوتی ہے' اعتبار کھویا' تم ہی ہو' زندگی مسکرانے لگی' چھوٹی سی نیکی' پہلی نیکی' زندگی کے چند ورق' کمیونیکیشن' متاع حیات' محبت' بہتی آبشار' محبت بھرا احساس' میری منزل تم' میرا آنچل' بے لگام خواہشات' نئے سال کا تحفہ' کہو ایسا کرو گے تم' معافی' بوجھ' ونی' پھر سے برسا ابر رحمت' انا اور محبت' عہد وفا' قسمت کے کھیل' آرزو' بلا عنوان' روشن ستارہ۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں' صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7' فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

مشتاق احمد قریشی

کچھ لوگوں کا خیال ہی نہیں بلکہ کہنا بھی ہے کہ انسان تو خود کچھ نہیں کرسکتا وہ وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے۔ انسان تو بے بس و مجبور ہے جو مقدر میں لکھ دیا گیا ہے وہ تو ہو کر رہے گا پھر کیوں خواہ مخواہ اپنی دنیا کو ڈر خوف کے ساتھ بسر کرے جو کرنا ہے کرلے جو عیش کرنے ہیں کرلے پھر موقع نہیں ملے گا۔

ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی .... چاہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا

اس مسئلے کو بھی اگر سمجھ لیا جائے تو انسان کو اپنی آخرت کی تیاری میں آسانی ہوجائے گی اور وہ کسی غلط فہمی میں زندگی کے عرصے کو نہیں گنوائے گا۔ سورۃ الاعلیٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ اور جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔ (الاعلیٰ۔۳)

تقدیر کے معنی کسی چیز کی کمیت اور مقدار کو بیان کرنا تقدیر کا استعمال قدرت عطا کرنے کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ تقدیر الٰہی کی دو صورتیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو قدرت عطا کرنا دوسرے حسب تقاضہ حکمت الٰہی اشیاء کا مقدار مخصوص اور وجہ مخصوص قرار پانا۔ فعلِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک ایجاد بالفعل جس کے معنی میں کسی چیز کو پہلی دفعہ اسی طرح مکمل کرنا کہ جب تک مشیتِ الٰہی اس کو فنا یا تبدیل نہ کردے اس میں کمی بیشی نہ ہو جیسے آسمان اور آسمان کا تمام کارخانہ جو پہلے دن سے جس طرح تخلیق کیا گیا آج تک اسی طرح قائم ہے اور قیامت تک ایسے ہی قائم اور کام کرتا رہے گا۔

دوسرا یہ کہ اصولِ اشیاء کو تو بالفعل وجود عطا فرمایا مگر ان کے اجزا کو بالقوہ اور ان کے اندازے اور مقدار کو اس طرح متعین فرمادیا کہ اس کے خلاف ظہور پذیر نہ ہوسکے مثلاً کھجور کی گٹھلی کے متعلق تقدیر الٰہی یہی ہے کہ اس سے کھجور ہی پیدا ہوگی سیب یا زیتون کا درخت نہیں اُگے گا۔ ایسے ہی انسان کے نطفے سے انسان ہی پیدا ہوگا جانور نہیں پیدا ہوسکتا۔ پس اللہ کی تقدیر کے دو معنی ہوئے ایک چیز کے متعلق اللہ کا حکم کہ ایسا ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا۔ دوم کسی چیز پر قدرت عطا فرمانا۔ جب تقدیر کا فاعل انسان ہو تو اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے عقل کے تقاضے کے مطابق کسی بھی امر یعنی فعل کے بارے میں غور و فکر کرنے اور اندازہ کرنے کے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے یہ طے کردیا کہ اسے دنیا میں کیا کام کرنا ہے اور اس کام کی مقدار کیا ہوگی اس کی شکل و صورت کیا ہوگی اس کی صفت کیا ہوگی اس کا مقام کس جگہ ہوگا اس کی بقا اور قیام و فعل کے لئے کیا مواقع اور ذرائع فراہم کئے جائیں گے کس وقت وہ وجود پائے گا اور کب تک اپنے حصے کا کام کرے گا اور کب اور کس طرح ختم ہوجائے گا۔ اس پوری اسکیم یا منصوبے کا نام تقدیر ہے۔ اور یہ تقدیر اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کے لئے اور مجموعی طور پر پوری کائنات کے لئے بنادی ہے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تمام تر تخلیقات پوری پوری منصوبہ بندی کے ساتھ تخلیق فرمائی ہے اور کائنات کے تمام کام اور

انسانی زندگی اور دیگر مخلوقاتِ الٰہی کے تمام افعال و حرکت سب کچھ اللہ تعالیٰ کی پیشگی منصوبہ بندی کے مطابق ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو بس پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر چیز جس کام کے لئے پیدا کی ہے اُسے اُس کے انجام دینے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں ہے وہ ہادی بھی ہے اللہ نے یہ ذمہ بھی لیا ہے کہ جو چیز جس کام جس حیثیت میں پیدا کی گئی ہے اس کو ویسی ہی ہدایت دی کہ جس کے وہ لائق ہے اور تمام مخلوقاتِ الٰہی اپنی ملنے والی ہدایت کے مطابق ہی اپنے اپنے کاموں میں مصروفِ عمل ہیں۔ مثلاً ایک قسم کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے زمین، چاند سورج اور دیگر سیاروں اور ستاروں کو دی ہے۔ جس کے مطابق وہ اپنے اپنے کاموں اور راستوں پر اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ ہوا، پانی، روشنی اور جمادات و معدنیات، نباتات کو جو ہدایات دی ہیں وہ بھی حکمِ الٰہی کے مطابق اپنا اپنا مقررہ کام سرانجام دے رہے ہیں۔ ایک اور ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیقات کو اپنی پیشگی منصوبہ بندی کے تحت دی۔ جس کا تمام انسان اعلانیہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ حیرت انگیز مظاہرہ جانوروں کی زندگی اور ان کے کاموں میں دیکھتے ہیں مختلف قسم کے جانوروں کو کوئی ایسا الہامی علم حاصل ہوتا ہے جس کا ادراک انسان نہیں کر سکتا ہر جانور اپنی ہی نسل کے جانور سے جوڑا بناتا ہے اس کی خوراک اس کا رہنا سہنا سب ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے انہیں کوئی بنانے سکھانے والا نہیں ہوتا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے بھی الگ الگ نوعیت کی ہدایتیں دی ہیں جو اس کی دو الگ الگ حیثیتوں سے مطابقت رکھتی ہیں۔

ایک وہ ہدایت ہے جو اس کی حیوانی زندگی کے لئے ہے جس کے مطابق ہر بچہ پیدا ہوتے ہی از خود دودھ پینا سیکھ لیتا ہے، اس ہدایت الٰہی کے مطابق ہی انسان کے تمام اعضاء آنکھ، ناک، کان، دل، دماغ، پھیپھڑے، گردے، جگر، معدہ، آنتیں، اعصاب، رگ و پٹھے اور شریانیں سب اپنا اپنا کام کر رہے ہیں بغیر اس کے کہ انسان کو اس کا کچھ شعور ہو یا اس کے ارادے کا ان اعضاء کے کاموں میں کوئی دخل ہو یہی ہدایتِ الٰہی ہے جس کے تحت انسان کے اندر بچپن، بلوغت، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کے وہ سب جسمانی اور ذہنی تغیرات پیدا ہوتے ہیں جس میں انسان کی مرضی ارادے یہاں تک کہ شعور کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

دوسری ہدایت انسان کی عقل اور شعوری زندگی کے لئے ہے۔ جس کی نوعیت غیر شعوری زندگی کی ہدایت سے قطعی مختلف ہے۔ کیونکہ زمین کی زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک قسم کا اختیار دیا ہے جس کی ہدایت طریقہ بے اختیار زندگی سے بالکل الگ اور مختلف ہے۔ انسان اس آخری قسم کی ہدایت سے منہ موڑنے کی خواہ کتنی ہی کوشش و محنت کرے لیکن وہ ایسا کر نہیں سکتا کیونکہ خالق نے ساری کائنات کی ہر ہر چیز کے لئے اس کی ساخت اور حیثیت کے مطابق ہی ہدایت کا انتظام کیا ہے اس نے انسان کے لئے تقدیر تو بنا دی کہ وہ اس دنیا میں اپنے اختیار سے تصرف کرے گا۔ لیکن اسے اپنے اختیار کو استعمال کرنے کے درست اور غلط طریقوں سے آگاہ نہ کیا ہو؟ یہ ذمے داری بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے کہ وہ بندوں کی رہنمائی بھی کرے انہیں بتائے سمجھائے کہ کیا غلط ہے کیا درست ہے نوعِ انسانی کی رہنمائی کی ذمے داری از خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر عائد کر رکھی ہے جیسا کہ سورۃ النحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جب کہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں‘ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ (النحل۔ ۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے دونوں راستے کھلے رکھے ہیں اور ہدایت وضلالت دونوں کو واضح بھی کردیا ہے‘ اگر اللہ اپنی مشیت سے سب کو ہی اپنے حکم کے ذریعے راہ راست پر لگادیتا تو پھر آزمائش نہ ہوتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے کسی کو مجبور نہیں کیا کسی پر کوئی جبر نہیں فرمایا دونوں راستوں کی نشاندہی کرکے انسان کو ارادے کی آزادی واختیار دے دیا۔

اللہ تعالیٰ انسان کی رہنمائی کی ذمے داری اس طرح ادا فرماتا ہے کہ سارے انسانوں کو پیدائشی طور پر اپنی دوسری تمام بے اختیار مخلوقات کے مانند برسرہدایت بنادیتا۔ لیکن یہ اس کی مشیت کا تقاضہ نہیں تھا۔ اللہ کی مشیت ایک ایسی ذی اختیار مخلوق کو وجود میں لانا تھا جو اپنی پسند اور اپنے اختیار سے صحیح اور غلط کا انتخاب کرسکے اور انتخاب کے لئے ہر طرح کے راستوں پر جانے کی آزادی رکھی ہو۔ اس آزادی کے استعمال کے لئے اس کو علم کے ذرائع سے آراستہ کیا‘ عقل وفکر وادراک کی صلاحیتیں دی گئیں‘ خواہش اور ارادے کی طاقتیں بخشی گئیں‘ اپنے اندر اور باہر کی بے شمار چیزوں پر تصرف کے اختیارات عطا کئے گئے اور باطن وظاہر میں ہر طرف بے شمار ایسے اسباب رکھ دیئے گئے جو اس کے لئے ہدایت وضلالت‘ دونوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ بے معنی ہوجاتا اگر وہ پیدائشی طور پر راست رو بنادیا جاتا۔ اور ترقی کے ان بلند ترین مدارج تک انسان کا پہنچنا ممکن ہی نہ ہوتا جو صرف آزادی کے درست استعمال ہی کے نتیجے میں اسے مل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لئے جبری ہدایت کے طریقے کو چھوڑ کر رسالت‘ ہدایت کا طریقہ اختیار فرمایا تاکہ انسان کی آزادی بھی برقرار رہے اور اس کے امتحان کی غرض ومنشا بھی پوری ہوسکے‘ اور راہ راست کو بھی معقول ترین طریقے سے انسان کے سامنے پیش کردیا جائے۔

اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات اور دیگر مخلوقات کے ساتھ ساتھ انسان کا بھی خالق ہے اور خالق کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی پوری طرح رہنمائی کرے اسے درست بنائے جس سے وہ اپنا مقصد وجود پورا کرسکے‘ اسی لئے قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کی تعلیم کے لئے نازل فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کا ہی تقاضا نہیں ہے بلکہ اس کے خالق ہونے کا لازمی اور فطری تقاضہ ہے۔ خالق اپنی مخلوق کی رہنمائی نہیں کرے گا تو کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی تعلیم کا انتظام ہونا اس کی خالقیت کا تقاضہ ہے کوئی عجیب بات نہیں ہاں‘ اگر یہ انتظامِ تعلیم نہ ہوتا تو بڑی ہی عجیب بات ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پوری کائنات میں جو چیز بھی بنائی ہے اس کو صرف پیدا کرکے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو موزوں ترین ساخت بھی دی جس سے وہ نظام فطرت میں اپنے حصے کا کام کرنے کے قابل ہوسکے‘ جو کام اُسے کرنا ہے اس کا طریقہ بھی سکھادیا۔ خود انسان کے جسم کا ایک ایک رونگٹا اور ایک ایک خلیہ (Cell) وہ کام سیکھ کر پیدا ہوا ہے جو اسے انسانی جسم میں انجام دینا ہے۔ پھر انسان بجائے خود اپنے خالق کی تعلیم ورہنمائی سے بے نیاز یا محروم کیسے ہوسکتا ہے۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس بات کو دہرایا گیا ہے۔

انسان کا بولنا اس کا وہ امتیازی وصف ہے جو اسے دوسرے حیوانات سے اور تمام ارضی مخلوقات سے ممتاز

اور اشرف کرتا ہے‘ بولنا اور اپنا مطلب ومدعا بیان کرنا یہ محض قوت گویائی ہی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے عقل وشعور‘ فہم وادراک‘ تمیز وارادہ اور دوسری ذہنی قوتیں کارفرما ہوتی ہیں جن کے بغیر انسان کی قوتِ ناطقہ کام نہیں کرسکتی۔ اس لئے بولنا‘ دراصل انسان کے ذی شعور اور ذی اختیار مخلوق ہونے کی صریح علامت ہے۔ اور یہ امتیازی وصف جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے تو ظاہر ہے اس کے لئے تعلیم کی نوعیت وہ نہیں ہوسکتی جو دوسری بے شعور اور بے اختیار مخلوق کی رہنمائی کے لئے موزوں ہے۔ اسی طرح انسان کا دوسرا اہم ترین امتیازی وصف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایک اخلاقی حس (moralsense) رکھ دی ہے جس کی وجہ سے وہ فطری طور پر نیکی اور بدی‘ حق و ناحق‘ ظلم اور انصاف‘ بجا اور بے جا کے درمیان فرق کرتا ہے‘ اور یہ وجدان اور احساس انتہائی گمراہی وجہالت کی حالت میں بھی اس کے اندر سے نہیں نکلتا‘ ان دونوں امتیازی خصوصیات کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ انسان کی شعوری اور اختیاری زندگی کے لئے تعلیم کا طریقہ پیدائشی طریق تعلیم سے مختلف ہو جس کے تحت مچھلی کو تیرنا‘ پرندے کو اڑنا‘ اور خود انسانی جسم کی تمام حرکات جیسے پلک جھپکنا‘ آنکھ کا دیکھنا‘ کان کو سننا اور معدے کو ہضم کرنا سکھایا گیا ہے۔ انسان خود اپنی زندگی کے اس شعبے میں استاد اور کتاب‘ مدرسے اور تبلیغ وتلقین‘ تحریر وتقریر اور بحث واستدلال جیسے ذرائع کو وسیلہ تعلیم مانتا ہے اور پیدائشی علم وشعور کو کافی نہیں سمجھتا پھر یہ بات آخر کیوں عجیب ہو کہ انسان کی جتنی تعلیم ورہنمائی اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور جو رہنمائی مختلف طور پر فطرتِ انسانی کے مطابق کی گئی ہے اور جو اختیار کی آزادی دی گئی ہے اس کا تقاضہ ہے کہ انسان اپنی آزادی اور اختیار کو کام میں لاکر اللہ کی فراہم کی اور دی ہوئی تعلیم کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے راہ راست اختیار کرے اور اپنی آخرت کی جواب دہی کی تیاری کرکے اپنی دائمی زندگی کا بہتر بندوبست کرے۔

آخرت......؟

آخرت پر ایمان لانا اسلام کا پانچواں بنیادی عقیدہ ہے‘ آخرت کے بارے میں اسلام بتاتا ہے کہ انسان کی زندگی موت کے ساتھ ہی ختم نہیں ہوجاتی بلکہ آخرت کو ہم اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ایک عرصہ گزار کر باہر دنیا میں آتا ہے تو وہ لمحہ جب وہ دنیا میں سانس لیتا ہے تو ایک طرف تو وہ دنیا میں اس کی نئی زندگی کی ابتدا کا لمحہ ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ لمحہ ماں کے پیٹ میں رہنے کا آخری لمحہ ہوتا ہے یعنی اس آخری لمحے میں اُس کی دنیا میں آنے کی تکمیل ہوئی بالکل ایسے ہی جب انسان کی دائمی یعنی ہمیشہ زندہ رہنے والی زندگی کی ابتدا ہوگی جب اُس نئی اور دائمی زندگی کے لیے دنیا کی زندگی ختم کردی جائے گی تو جہاں وہ دنیا کی زندگی کی آخرت ہوگی وہیں وہ آخرت کا لمحہ وہ آخرت کا دن نئی اور دائمی زندگی کی آغاز کا لمحہ بھی ہوگا اور اس ابتدا کے لیے کہ کون کہاں اور کیسے قیام کرے گا کا فیصلہ رب العالمین فرمائے گا۔

روزِ آخرت‘ دنیا کی مختصر زندگی کا آخری دن ہوگا۔ جب پہلا صور پھونکا جائے گا تب تمام مخلوقاتِ الٰہی ختم ہوجائیں گی‘ اس کے بعد جب دوسرا نفخ صور پھونکا جائے گا اور تمام مخلوقاتِ الٰہی قیامت کے واقعے کے بعد زندہ کردی جائیں گی اور میدانِ حشر میں جمع کردی جائیں گی تو یوم الدین کا آغاز ہوگا‘ یہ آغاز یا ابتدا دراصل

یوم الدین کے حوالے سے تمام انسانوں اور جنوں کی نئی اور دائمی حقیقی زندگی کی ابتدا ہوگی۔ یوم الدین کے بعد موت کو بھی موت آچکی ہوگی۔ پھر کسی کو موت نہیں آئے گی' چاہے اس کا ٹھکانا جنت ہو یا جہنم ہر دونوں جگہوں کا قیام جزا اور سزا کا بھی دائمی ہوگا' کبھی نہ ختم ہونے والا' مسلسل قائم رہنے والا۔ یوم الدین کے بعد شروع ہونے والی زندگی کے لیے ہی دنیا کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دارالامتحان بنایا ہے تاکہ انسان اپنے اعمال' اقوال وافعال کے ذریعے اپنی دائمی زندگی بسر کرنے کا تعین خود کرسکے۔ یوم الدین تو نئی زندگی کے الاٹمنٹ آرڈر کا دن ہوگا۔ اس کے بعد اسے آخرت کی ابدی زندگی ملے گی۔ جو کچھ انسان اس دنیا میں بوتا ہے آخرت میں وہی کچھ کاٹے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔'' آج کا مادہ پرست انسان ہی نہیں بلکہ ہر دور کا مادہ پرست انسان آخرت کے تصور کو اپنی فکر کی پرواز سے ماورا سمجھتا رہا ہے اور اس سے انکار کرتا رہا ہے۔ مادہ پرست لوگوں کا خیال ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی میں مل کر مٹی ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس کے دوبارہ زندہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ آنکھ یہی دیکھتی ہے اور شیطان یہی کچھ سمجھاتا ہے۔

آخرت پر ایمان رکھنے والا انسان خود کو ذمہ دار اور جواب دہ تصور کرتا ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ دنیا میں وہ احکام الٰہی اور سنتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی بسر کرے اور اللہ کے احکام وقوانین کے مطابق ہر قدم اٹھائے وہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خاص خیال رکھتا ہے۔ اللہ کے سامنے پیش ہونے اور جوابدہی کے تصور سے ہی خوف زدہ رہتا ہے اور بہت غور و فکر کے ساتھ اپنا ہر قدم اٹھاتا ہے۔

آخرت کا مفہوم ہے کہ کسی بھی خاتمے یا انجام کے بعد جس عمل کا آغاز ہو' اسے آخرت کہا جائے گا۔ گویا عالم آخرت کا وجود ہے جو ہماری موجودہ دنیا کے خاتمے کے بعد شروع ہوگا اصطلاحاً موت سے لے کر قیامت رونما ہونے تک کے وقفے کو عالم برزخ کہا گیا ہے اور قیامت کے بعد حشر کا دور شروع ہوگا جس میں تمام مخلوقات خصوصاً انسانوں اور جنوں کا حساب کتاب ہوگا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ میدانِ حشر میں حساب کتاب کے ذریعے ہی فیصلہ ہوگا کہ کسے کس طرف جانا ہوگا جن کے نیک اعمال زیادہ ہوں گے ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے وہ حساب سے جلدی فارغ کردیئے جائیں گے اور جن کے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوں گے انہیں میزان کی ناپ تول سے گزارا جائے گا پھر ان کا فیصلہ ہوگا جسے جنت میں جانا ہوگا وہ جنت کی طرف چلا جائے گا اور جسے جہنم کی طرف جانا ہوگا وہ جہنم نشین ہوجائے گا۔

(جاری ہے)

عشانور

ملیحہ احمد

پیارے آنچل کے تمام قارئین اور آنچل اسٹاف کو میرا پرخلوص سلام۔ مجھے عشانور کہتے ہیں میرا تعلق نواب شاہ شہر سے ہے میری تاریخ پیدائش 6 ستمبر ہے۔ سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہوں ہم دو بہنیں ہیں میرا پہلا نمبر ہے اب کچھ بات ہوجائے پسند اور ناپسند کی مجھے شاعری جنون کی حد تک پسند ہے میرے فیورٹ شاعر وصی شاہ ہیں اس کے علاوہ محسن نقوی، امجد اسلام امجد، پروین شاکر اور احمد فراز بھی پسند ہیں۔ مجھے مطالعہ کرنے اور لکھنے کا بہت شوق ہے آنچل کی کیا بات کروں آنچل پڑھ کر کچھ دیر کے لیے زندگی کی تلخیوں کو بھول جاتے ہیں۔ حساس طبیعت کی مالک ہوں چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتی ہوں منافقت سے نفرت ہے مجھے منافق، حاسد اور خودغرض لوگ پسند نہیں پرخلوص اور سچے لوگ اچھے لگتے ہیں۔ خامیوں اور خوبیوں کی بات ہوجائے تو خامیوں اور خوبیوں کے بارے میں تو لوگ ہی بہتر بتا سکتے ہیں بقول میری پیاری فرینڈ وزیراں کے ''خامی یہ ہے کہ میں اپنی باتیں شیئر نہیں کرتی اور خوبی یہ ہے کہ کم بولتی ہوں۔'' خوب صورت مناظر بہت پسند ہیں جیسے کہ آبشار، بادل، سرسبز پہاڑ اور غروب آفتاب کا منظر، چاندنی راتیں دل کو بہت بھاتی ہیں بہار کا موسم پسند ہے اور بارش کی تو دیوانی ہوں پھولوں میں سرخ گلاب پسند ہے۔ پسندیدہ رنگوں میں پنک، وائٹ، پرپل، بلیو اور بلیک شامل ہیں قسمت پر یقین رکھتی ہوں۔ میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لباس میں مجھے فراک اور چوڑی دار پاجامہ پسند ہے۔ کھانے میں جو بھی مل جائے کھا لیتی ہوں مگر بریانی میری فیورٹ ہے میٹھے میں رس گلے اور گلاب جامن پسند ہیں۔ اب کچھ بات ہوجائے ان لوگوں کی جن کے دم سے میری زندگی میں رونق ہے۔ میری پیاری مما جان اور بابا، آئی لو یو الاٹ اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تاقیامت سلامت رہے۔ میری سویٹ سویٹ فرینڈز جو مجھے کبھی اداس ہونے نہیں دیتیں۔ ماہی، ایمی، مہک، جیا، عطیہ ارم، حنا، نیلم، کائنات، نظیراں، پری، اسماء، وظیراں، اقرا، مہک، اقرا، مس شاہ بی بی ہمیشہ میرے ساتھ رہنا۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو ہمیشہ خوش رکھے۔ محبت پر یقین رکھتی ہوں محبت کے ہزاروں رنگ ہیں ہر رنگ میں ہر روپ میں خوب صورت ہے۔ محبت کا ایک ایسا ہی خوب صورت رشتہ آنچل سے بھی ہے۔ میوزک سننا پسند ہے عاطف اسلم، کمار سانو، علی ظفر، شریا گھوشال، موہت چوہان، الکا اور لتا جی کی آواز پسند ہے۔ غزلیں بھی پسند ہیں۔ ڈائجسٹ پڑھنے کا بہت شوق ہے میری فیورٹ رائٹرز میں نمرہ احمد، نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طور، سباس گل، عنیزہ سید، نبیلہ عزیز شامل ہیں اور نازیہ کنول نازی کی شاعری بے حد پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آنچل ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے، آمین۔ اب اجازت اور مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔

محمدی بی بی

السلام علیکم! میری پیاری بیٹیو! میں اپنی نواسی کی پسند پر آپ سے باتیں اور اپنی پسند و ناپسند آپ تک پہنچا رہی ہوں، جائے پیدائش کا کوئی علم نہیں عمر ماشاء اللہ سے تقریباً 70 سال ہے۔ ہم چار بھائی اور دو بہنیں تھیں مگر اب بدقسمتی سے صرف اکیلی رہ گئی ہوں مگر میرے بھائی کا بیٹا حاجی کندن خاں جس نے مجھے نا صرف بہنوں کی طرح پالا اور پیار دیا بلکہ ہر مشکل وقت میں انہوں نے میرا ساتھ دیا اور میرا حوصلہ بڑھایا۔ میرے ابو جان کا نام سمن خاں تھا میری پسندیدہ ہستی قائد اعظم اور مولانا طارق جمیل ہیں ۔ سبزیوں میں آلو بینگن اچھے لگتے ہیں رنگوں میں موتیا رنگ اچھا لگتا ہے۔ پلاؤ پسند ہے اور جلیبیاں کھانا پسند کرتی ہوں مگر پھر بھی میٹھے کی زیادہ شوقین نہیں ہوں، شلوار قمیص پہنا اچھا لگتا ہے اور ویسے بھی ہم بزرگوں کو اور کسی لباس کا انتخاب کرنا بھی نہیں چاہیے گانے سننا پسند کرتی ہوں میرا پسندیدہ گانا "شہباز قلندر" ہے نعتیں بھی سنتی ہوں اور خود بھی خوب صورت آواز کی مالک ہوں پھلوں میں سردا اچھا لگتا ہے کھانے کے بارے میں بہت محتاط ہوں سہیلیاں نہیں ہیں اور نا ہی اپنی بیٹیوں کو بنانے دیتی ہوں۔ کرکٹ میچ پسند ہے اور آفریدی اچھا لگتا ہے پاکستان میں ماشاء اللہ سے بہت ہی خوب صورت شہر ہیں ویسے بھی پاکستان ایک خوب صورت ملک ہے۔ مگر مجھے لاہور اور پنڈی زیادہ پسند ہیں فارغ وقت میں پڑھنا اچھا لگتا ہے اللہ سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے اللہ ہم سب مسلمانوں کو ایمان پر قائم رکھے، آمین۔ اپنی خوبی یہ اچھی لگتی ہے کہ میں نماز پڑھ کر خود کو پرسکون محسوس کرتی ہوں اور اگر نہ پڑھوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بہت ہی قیمتی چیز گنوا بیٹھی ہوں اور برائی یہ بری طرح کھٹکتی ہے کہ میں غصہ بہت زیادہ کرتی ہوں اور اگلے بندے کو بولنے نہیں دیتی یعنی لڑتی بہت زیادہ ہوں پرندوں میں کبوتر اچھے لگتے ہیں خصوصاً جب نیلے صاف آسمان پر اڑ رہے ہوں اور جانوروں میں بھینس پسند ہے، بقول میری نواسی کہ بھینس دودھ دیتی ہے اسی لیے نانی اماں کو پسند ہے۔ حج کرنے کا بہت ہی شوق رکھتی ہوں اور اپنے بھائی حاجی کندن خاں کے ساتھ بیت اللہ شریف جانا چاہتی ہوں۔ اسکول یا مدرسہ جاتے ہوئے بچے بہت ہی پیارے لگتے ہیں انہیں دیکھ کر دل خوش ہوجاتا ہے میں نے اپنی اولاد کو پڑھانے کی بہت کوشش کی ہے مگر انہوں نے میری یہ خواہش پوری نہیں کی۔ خاندان میں اور اپنی اولاد میں اپنے بیٹے شمس الدین کو پسند کرتی ہوں اور اس کے بارے میں فکرمند بھی ہوں۔ کیونکہ وہ یونان کی جیل کی ہوا کھا رہا ہے خدا اسے جلد رہائی نصیب کرے اور وہ واپس وطن لوٹ آئے اس کے ساتھ کافی سارا وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اچھی زندگی بسر کرے اگر یہ کتابیں باہر کے ملکوں میں جاتی ہیں تو میں اپنے بیٹے شمس الدین عرف شما کو پیار بھرا سلام پیش کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنی پیاری پیاری بیٹیوں اور بہنوں کو یہ ہدایت دوں گی کہ نماز قائم کریں اور اللہ سے لو •

لگائیں خدا آنچل کو ہمیشہ ترقیوں اور کامیابیوں سے نوازتا رہے، آمین۔

عمرانہ شاہین

میری پیاری پیاری ننھی منی دوستو، بہنوں اور آنٹیوں، السلام علیکم میں نے سوچا میں بھی ''ہمارا آنچل'' میں انٹری دے کر اپنا نام رجسٹرڈ کروالوں ما بدولت کو عمرانہ شاہین (مانو) کہتے ہیں۔ 7 جولائی 1992ء کو اس دنیا میں تشریف لائی (اف، گرمی کے ساتھ) میری دو بڑی بہنیں اور پھر تیسرا نمبر میرا اور مجھ سے چھوٹے دو بھائی ہیں۔ میرا پسندیدہ کلر ریڈ اور بلیو ہیں کھانے میں مجھے کباب، بریانی، سموسے پکوڑے (سی، منہ میں پانی بھر آیا) پسند ہیں پہننے میں مجھے چوڑیاں پسند ہیں اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف (سوچنا پڑے گا) میں کوشش کرتی ہوں کہ میری طرف سے کسی کا دل نہ دکھے، بڑوں کی بہت زیادہ عزت کرتی ہوں غصہ بہت جلد آجاتا ہے مگر کنٹرول کرلیتی ہوں پسندیدہ کھلاڑی شاہد خان آفریدی، عامر، سعید اجمل، عمر اکمل اور کامران اکمل ہیں، میرے پسندیدہ ڈی جیز زخرف، سر وحید شیخ، خرم اور اس کے علاوہ سید ذیشاں عادل، حسنین رضا، علی حسنین (تسی گریٹ او) یہ سب ایف ایم 101 کے ڈی جیز ہیں پسندیدہ رائٹرز تقریباً سب ہی ہیں مگر عشنا باجی کی تو بات ہی کوئی اور ہے (بہت اچھی) ''اور کچھ خواب'' میں عشنا کوثر سردار کو سلوٹ کرتی ہوں (واہ، بہت اعلیٰ) اس کے علاوہ پسندیدہ فنکاروں میں سمیع خان، سہیل سمیر، احسن خان، فیصل قریشی، ہمایوں سعید بہت اچھے ہیں۔ پسندیدہ شہر لاہور اور کراچی (ہائے رے حسرت) ہیں۔ میری اچھی دوستیں رخسانہ، فرزانہ، اقرا، نفیسہ اور ایک میری سب سے پیاری ''مانی'' دوست ہے۔ کزن میں سب سے اچھی سعدیہ، شازیہ، نائلہ فرید، شاہدہ، زاہدہ، نادیہ، عابدہ، حمیرا، آسیہ ہیں اس کے علاوہ انا احب (فیصل آباد) مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ (اوہ مجھے خیال ہی بھول گیا) تو جی میں ''ڈھوک لاہم'' کی رہنے والی ہوں۔ آخری میسج زندگی میں کبھی مایوس نہیں ہونا کیونکہ مایوسی خود بہت بڑی ناکامی ہے ٹیک کیئر اینڈ اللہ حافظ۔ خدا سب کو خوش رکھے، آمین۔

لبنیٰ سید

جی تو جناب ما بدولت کو لبنیٰ سید کہتے ہیں موتھیاں مانسہرہ کی رہنے والی ہوں، 9 ستمبر 1995 بروز جمعہ صبح 10 بجے اس دنیا میں تشریف لائے۔ ویسے اسٹار تو میرا Virgo ہے جس کی کچھ کچھ خوبیاں اور خامیاں ما بدولت میں موجود ہیں۔ میں اپنی دادو سے بہت پیار کرتی ہوں، Grand Mother I Love You والدین کے پیار کو بہت ترستی ہوں جب کوئی اپنے والدین سے لاڈ اٹھوائے یا ماں کی گود میں سر رکھ کر اپنے دکھوں کو بانٹے تو میری بھی یہ خواہش جاگتی ہے۔ میری پسندیدہ شخصیت یعنی میرے آئیڈیل حضرت محمد مصطفیٰ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور فیورٹ بک قرآن مجید ہے اور اگر بات آئے میری پسند نہ پسند کی تو موڈی ہوں کبھی کوئی چیز بہت اچھی لگتی ہے اور کبھی بالکل بھی نہیں فیورٹ کلر میں بلیک، بلیو، پنک شامل

ہیں پرفیومز جا ہے جو بھی ہو اس کی تو میں دیوانی ہوں مجھے مٹی کی خوشبو جب اس پر پانی کا چھڑکاؤ کریں تو بہت اچھی لگتی ہے۔ میں پاکستانی میچز بہت شوق سے دیکھتی ہوں اور کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق ہے۔ مجھے گانے اچھے لگتے ہیں اور اکثر گنگناتی بھی رہتی ہوں۔ کمار سانو، سونو نگم کے گانے بھی کافی اچھے لگتے ہیں۔ ایف ایم بہت شوق سے سنتی ہوں اور خاص کر ایف ایم 104 پر آر جے طاہر عباس کی کمپیئرنگ اور آواز بہت اچھی لگتی ہے۔ فیورٹ ایکٹرز میں عامر خان، سلمان خان، احسن خان، عمران عباس اور ریتک روشن اور ایکٹریس میں ریما، آمن، ارم اختر، کرن شہزاد کرینہ کپور اور ایشوریہ شامل ہیں۔ لباس میں لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پسند ہے۔ سویٹ ڈیشیز چاکلیٹس کی تو میں دیوانی ہوں اور آئس کریم بھی بہت پسند ہے۔ گرمیوں کی لمبی شامیں اور سردیوں کی تیز بارشیں ہوں اور کانوں میں فل والیوم میں ہینڈ فری ہو کیا ہی بات ہے، موجاں ہی موجاں۔ اب آتے ہیں خامیوں اور خوبیوں کی طرف خوبیوں کا تو البتہ کوئی پتا نہیں کیونکہ سب کہتے ہیں کہ خوبی نام کی کوئی چیز نہیں تم میں۔ خامیاں تو وافر ہیں میں غصے کی بہت تیز ہوں برداشت نام کی کوئی چیز نہیں رونا بہت جلد آتا ہے خاص کر اپنے بارے میں کوئی غلط بات سن کر اعتبار بہت جلد کرلیتی ہوں اپنی ذات پر تنقید برداشت نہیں کرسکتی مگر پھر بھی برداشت کرلیتی ہوں۔ رائٹرز میں ساری ہی موسٹ فیورٹ ہیں فرحت اشتیاق کا ناول ''تو متاع جان ہے'' بہت مرتبہ پڑھا ہے اس کے علاوہ اقرا صغیر، نازیہ کنول نازی، لبنیٰ جدون ٹاپ پر ہیں۔ جیولری میں بریسلیٹ اور رنگ اور ایئر رنگز بہت پسند ہیں چوڑیاں خاص کر سلک کی بلیک کلر کی بہت اچھی لگتی ہیں۔ شاعروں میں وصی شاہ اور نازیہ کنول نازی کی شاعری بہت پسند ہے اب آتے ہیں دوستوں کی طرف دوستوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اسکول میں تو ساری کلاس میری فرینڈ تھی میری سب سے بیسٹ فرینڈ عائشہ ہے اس کے علاوہ عتیقہ، صبا عاصمہ، اقصیٰ، زاہدہ سائرہ، نادیہ شاہ بی بی گل، سنیہ اور جن کے نام نہیں ہیں ان سے معذرت اور کزنز میں میری فیورٹ کزن نوشین ستار ہے۔ ڈیئرز آئی نو کہ ہماری نازک طبیعت کے افسانے پڑھتے پڑھتے آپ کو وقت گزرنے کا احساس نہیں رہا او بھول گئی چڑیل کو یاد آ گئی رملہ یہ بھی میری پھوپھو کی بیٹی ہے میری قریبی فرینڈ، او کے باس اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ آپ سب کی رائے کی منتظر رہوں گی۔ رب راکھا، اللہ حافظ۔

بہنوں کی عدالت

نازیہ کنول نازی

ادارہ

السلام علیکم دوستو! ہنستی مسکراتی زندگی کی ہزاروں پر خلوص دعاؤں کے ساتھ گزری ہوئی عیدالاضحیٰ مبارک۔ گزشتہ سال کی طرح یہ عیدالاضحیٰ بھی عید قرباں نہیں صرف گوشت کی خرید وفروخت رہی۔ اسلام جیسے بے مثال مذہب میں عید قرباں ایک ایسے تہوار کا نام ہے جسے غریبوں کی عید کہا جاتا ہے۔ سنت ابراہیمی کی پیروی میں اس موقع پر تمام امراء اپنی دولت خرچ کرکے اللہ رب العزت کی رضا کے لیے جو جانور قربان کرتے ہیں اس کا گوشت غریبوں میں تقسیم کرکے وہ اللہ کے ہاں بلند درجات پاتے ہیں مگر افسوس آج کے بہت سے امراء کی قربانی اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ رشتہ داریاں اور دوستیاں پکی کرنے کے لیے ہیں اپنے اپنے فریج بھرنے کے لیے۔ غریب لوگ اپنی جھونپڑیوں میں گوشت کا انتظار کرتے بلآخر آلائشوں کے ڈھیر سے چھیچھڑے اور ہڈیاں اٹھا کر پکا لیتے ہیں یوں اپنا اور اپنے خاندان والوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔

آپ بتائیے کیا لاکھوں خرچ کرکے اپنے فریج بھرنے والوں کی یہ قربانیاں اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہوں گی؟ ضرور سوچئے گا۔

آج کی اس نشست میں سب سے پہلے میں بہن عائشہ خان کا خط شامل کروں گی لاہور سے لکھتی ہیں۔

☆ نازیہ آپی میں نے آپ کے تقریباً تمام ناولز پڑھے ہیں ان سب میں ہیرو ہیروئنز اینڈ میں اچھے ہو جاتے ہیں لیکن آپی حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا آپ کا ایک شعر پڑھا تھا جو آپ نے اپنی ایک قاری کے لیے لکھا تھا۔

اب نہیں آتے ہیں شہزادے بدلنے کو نصیب
لڑکیاں مرجاتی ہیں تکتی ہی ٹھکرائی ہوئی

شعر میرے دل پر لگا تھا میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ آپ ایک ایسا ناول لکھیں جس میں مرد کی بے وفائی' جھوٹے وعدے اور تسلیاں بیان کریں اور آج کل کی لڑکیوں کو اس کے ذریعے پیغام دیں کہ وہ صرف اپنے شوہر پر بھروسہ کریں۔ دل صرف اسی کے لیے سنبھال کر رکھیں جس کو خدا نے آپ کے لیے چنا ہے' یہ آپ نے "برف کے آنسو" میں دکھایا بھی ہے (سندان جیسے جھوٹے مرد کی صورت) میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ آج کل کی لڑکیوں کو اپنی تحریر کے ذریعے بتائیں کہ محبت صرف سبق دیتی ہے مگر پھر بھی ہم لڑکیاں سبق حاصل نہیں کرتیں۔ آخر میں یہ ضرور کہوں گی کہ میں نے جب آپ کا پہلا ناول "جھیل کنارہ کنکر" پڑھا تب سے میں آپ کی فین ہوں کیونکہ آپ کی ہر تحریر دکھ سے نکال کر ایک الگ دنیا میں لے جاتی ہے۔ اس ناول کے بعد میں نے ایک ایک کرکے آپ کے سارے ناول ڈھونڈ کر پڑھ ڈالے نازیہ آپی سچ کہوں گی آپ کے ایک ایک لفظ میں جادو ہے جو ہمارے دلوں کو جکڑ لیتا ہے' اللہ آپ کو زندگی کی تمام خوشیاں دے اور حج کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔

❖ عزیز از جان عائشہ! آپ کا پیغام خود آپ کے لفظوں کے توسط سے تمام بہنوں تک پہنچ گیا' میں تو حتیٰ المقدور کوشش کرتی رہتی ہوں کہ میری کسی تحریر سے کسی کی زندگی برباد نہ ہو آپ کی محبت اور پسندیدگی کے لیے بے حد شکریہ۔

☆ کراچی سے بہن ماہ روش خان لکھتی ہیں:۔

نازیہ جی میں نے آپ کو بہت کم پڑھا ہے مگر اس میں میرا کوئی قصور نہیں کیونکہ آپ شعاع' خواتین اور کرن میں لکھتی ہی نہیں اور ہمارے گھر میں صرف یہی تین پرچے آتے ہیں۔ آج اتفاق سے فیس بک پر آپ کا آفیشل پیج وزٹ کیا تو آپ کے شاہکار ناول پڑھنے کو ملے' ویل ڈن نازیہ جی! مجھے سب سے زیادہ جس چیز نے متاثر کیا وہ ہے آپ کا حسن اخلاق' مجھے سب سے زیادہ یہی چیز متاثر کرتی ہے اللہ آپ کا حسن اخلاق سلامت رکھے' آمین۔ میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ چند عرصہ قبل ماہنامہ کرن میں معروف فنکاروں کے انٹرویوز کا سلسلہ کیا کرتی تھیں جو کہ بہت دلچسپ تھا وہ کیوں چھوڑ دیا؟

❖ بہت زیادہ مصروفیت کی وجہ سے کیونکہ انٹرویوز میں بہت زیادہ محنت اور وقت صرف ہوتا ہے جہاں تک شعاع' خواتین اور کرن کی بات ہے تو آنچل کے ساتھ ساتھ میں نے ان پرچوں کے لیے بھی بہت لکھا ہے۔ ایک لمبی قطار ہے ناولز کی شاید وہ آپ کی نظر سے نہیں گزرے بہرحال ان پرچوں کے دروازے مجھ پر کبھی بند نہیں ہوئے۔ اصل میری بہت اچھی دوست ہیں اور میں گاہے بگاہے میں لکھتی رہتی ہوں آپ کے گھر آنچل نہیں آتا یہ جان کر دلی افسوس ہوا آپ آنچل میں سلسلہ وار ناولز ضرور پڑھا کریں پلیز۔

☆ بورے والا سے بہن سنبل بٹ کے بہت دلچسپ سوالات' اگلے ناول کے لیے بہت سی پرخلوص دعاؤں کے ساتھ پوچھتی ہیں' اگر آپ کو لکھنے سے روک دیا جائے تو آپ کیا کریں گی اس کے بعد؟

❖ کچھ نہیں دوسری رائٹرز کے اچھے اچھے ناولز پڑھوں گی یا پھر ملک سے باہر چلی جاؤں گی اور کسی پرسکون سی جگہ ٹھہر کر قدرت کے بہت پیارے پیارے مناظر کی مصوری کروں گی۔

☆ شادی کب کریں گی؟

❖ جب اللہ رب العزت کا حکم ہوا میری کوئی پلاننگ نہیں۔

☆ اگر آپ کو کسی سے محبت ہو جائے مگر آپ کی فیملی اسے پسند نہ کرے تو آپ کیا کریں گی؟

❖ کچھ نہیں اپنی پسند کو چھوڑ دوں گی کیونکہ میرا ایمان ہے میری فیملی میرے لیے کسی اچھے شخص کو ناپسند کر ہی نہیں سکتی۔ ماؤں کے دل اولاد کے لیے بہترین سگنل ہوتے ہیں پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص میرے لیے بہت اچھا ہو مگر میری ماں اسے ناپسند کردے۔

☆ محبتوں پر کتنا یقین رکھتی ہیں؟

❖ جتنا زندگی اور دل کی دھڑکنوں پر رکھتی ہوں۔

☆ آپ کا پسندیدہ ایکٹر کون ہے؟

❖ فواد خان...... ماضی میں کافی لوگ پسند تھے مگر اب صرف فواد خان اور عمران عباس ہی پسند ہیں۔

☆ اپنے شوہر میں کون سی پانچ خوبیاں دیکھنا چاہتی ہیں اور وہ کیا پانچ خامیاں ہوں گی جن سے آپ کو خاص فرق نہیں پڑتا؟

❖ دلچسپ مگر مشکل سوال ہے یہ آپ کا سنبل! ایک شوہر میں پانچ خوبیاں یہ ہونی چاہیے میری نظر میں۔

۱۔ سب سے پہلے وہ آپ کا بے حد اچھا دوست ہو آپ کو سمجھتا ہو اور محبت کے ساتھ ساتھ آپ کی عزت بھی کرتا ہو غیر ذمہ دار قطعی نہ ہو۔

۲۔ وہ آپ کے ساتھ بے حد مخلص ہو کسی بھی معاملے میں بد دیانتی یا فریب نہ کرے۔

۳۔ آپ کی خامیوں کے ساتھ ساتھ آپ کی خوبیوں پر بھی نظر رکھتا ہو اور انہی خوبیوں کی بناء پر آپ کی خامیوں کو بھی نظر انداز کردے۔

۴۔ زندگی میں کتنا بھی کٹھن وقت آئے کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے نہ آپ کی جگہ کسی اور کو دے۔ آپ کا دکھ سکھ اور آپ کی خوشی اس کی خوشی ہونی چاہیے۔

۵۔ کسی بھی معاملے میں آپ پر مکمل اعتماد رکھتا ہو شک نہ کرے اگر کچھ غلط محسوس بھی ہو تو آپ سے کلیئر کرلے مگر آپ کی طرف سے بدگمان نہ ہو۔

☆ پانچ خامیاں جو میری نظر میں خاص اہمیت نہیں رکھتیں۔

۱۔ آپ کو تنگ کرنے کے لیے نظر انداز کرے۔

۲۔ صرف آپ کی دل آزاری نہ ہو اس لیے زندگی کے کسی معاملے میں مصلحتاً جھوٹ بول دے۔

۳۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے آپ کو وقت نہ دے پائے۔

۴۔ غریب ہو اور چاہتے ہوئے بھی آپ کی خواہشات پوری نہ کرپائے۔

۵۔ تنہائی میں تعریف کرے مگر سب کے سامنے بالکل تعریف نہ کرے۔

☆ رائٹر نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟

❖ کرزیا پھر گھریلو وائف......!

☆ آپ کی نظر میں آپ کے فینز کی آپ کی زندگی میں کیا اہمیت ہے؟

❖ وہی جو پھول میں خوشبو کی ہوتی ہے یا پھر گاڑی میں پیٹرول کی۔

☆ آپ کی زندگی کی خوب صورت شرارت جو آپ کو کبھی بھی ہنسا دے؟

❖ ایک اور بہت خوب صورت سوال' بچپن میں زیادہ شرارتی نہیں تھی اپنی مما کی بہت اچھی بچی تھی۔ یہ ابھی چار سال پہلے کی بات ہے جب مما کے علاج کی میں سلسلے میں مجھے بہاولپور ایک بہت پیاری سرائیکی فیملی کے گھر قیام کرنا پڑا میری ایک بہت گندی عادت ہے کہ میں اپنے ہاتھ کے سوا اور کسی کے ہاتھ کی روٹی نہیں کھاتی' اس روز میں ہسپتال سے واپس آئی تو وہاں بھابی نے کچھ اسپیشل بنا رکھا تھا وہ لے آئیں۔ اب میری سسٹر میرے منہ کی طرف دیکھے اور میں اپنی سسٹر کے منہ کی طرف کیونکہ ہم وہاں یا تو باہر سے کھانا کھاتے تھے یا خود بنا کر اس وقت بھابی کھانا دے کر چلی گئیں کہ شاید انہیں میرے سامنے کھاتے ہوئے شرم آتی ہے تب جیسے ہی وہ گئیں میں نے سسٹر سے کہا کہ تھوڑی سی روٹی توڑ کر بیگ میں رکھ لو ہم کہیں گے ہم نے کھالی۔ سسٹر ابھی روٹی توڑ کر بیگ میں رکھ ہی رہی تھیں کہ وہ اوپر سے آگئیں اب سسٹر کا منہ دیکھ کر میرا ہنس ہنس کر بُرا حال ہوگیا کیونکہ وہ عین ٹائم پر پکڑی گئی تھیں بھابی کو سمجھ نہ آئی کہ میں کیوں ہنس رہی ہوں۔ سسٹر نے روٹی کا ٹکڑا جلدی جلدی بغل میں چھپالیا' بھابی نے پوچھا کیسا لگا کھانا ہم نے کہا بہت مزے دار' انہوں نے پوچھا نازیہ نے کھایا؟ میں نے کہا جی بھابی لیکن سسٹر نے کہا نہیں بھابی آپی نے نہیں کھایا بس پھر کیا تھا وہ بڑا سا نوالہ بنا کر میری طرف آگئیں میں صوفے پر چڑھ گئی بڑا کہا کہ بھابی میں نے کھایا ہے مگر بھابی نے ایک نہ سنی اور زبردستی منہ پکڑ کر نوالہ منہ میں ڈال دیا اب وہ جیسے میں چبا رہی تھی میرا وہ منہ دیکھ کر سسٹر ہنس ہنس کر گر پڑی' بھابی حیران کہ ان کو کیا ہوا ہے۔ میری شرارت مجھے ہی مہنگی پڑ گئی' ابھی بھی یاد کرکے ہنس ہنس کر بُرا حال ہو رہا ہے اُف......

☆ میرے لیے کوئی اچھی سی نصیحت؟

❖ زندگی میں کبھی کسی کا اعتبار مت توڑ دیجیے کیونکہ یہ وہ محل ہے جو بننے میں سالوں کے سال لگتے ہیں مگر ٹوٹنے میں صرف ایک پل۔

☆ لاہور سے میرب مہر کا سوال:۔

آپی آپ شعاع خواتین میں کیوں نہیں لکھتیں؟

❖ لکھتی ہوں یار! مگر آنچل کی طرح ریگولر نہیں لکھ پاتی وجہ میری سستی اور کام کی زیادتی' ٹائم کی قلت بس۔

☆ حیدرآباد سے رابعہ شیخ کا سوال:۔

السلام علیکم! آپی میرا سوال یہ ہے کہ آپ اپنے ناولز میں گاؤں کا بہت اچھا نقشہ کھینچتی ہیں اگر آپ کی شادی کسی گاؤں میں

ہوگئی تو آپ کے لیے یہ بات قابل قبول ہوگی یا نہیں؟

❖ رابعہ شیخ میری جان! دیہی زندگی میری نظر میں حقیقی زندگی ہے دیہاتوں میں سوائے تعلیم کے فقدان اور کوئی خامی نہیں۔ مجھے اپنے تمام دیہی علاقوں اور لوگوں سے بہت پیار ہے اگر ایسا ہوا بھی تو میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں کیونکہ نازیہ صرف محلوں کی شہزادی نہیں ہماسے مٹی سے زیادہ عشق ہے۔

☆ ساہیوال سے شہزادی پوچھتی ہیں:۔

آپی آپ کی زندگی میں کبھی ایسا وقت آیا جب آپ بہت تکلیف میں ہوں اور آپ کا کوئی اپنا آپ کو اس تکلیف میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا ہو؟

❖ شہزادی ڈیئر! اپنا صرف وہی ہوتا ہے جن کے ساتھ آپ کا احساس اور دل کا رشتہ ہو باقی خون کے رشتوں کو میں اپنا نہیں مانتی کیونکہ مشکل وقت میں یہ اپنے صرف آپ پر پتھر پھینکنے کے لیے ہی ہوتے ہیں میرے جو احساس اور دل کے رشتے ہیں الحمدللہ انہوں نے کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔

☆ نامعلوم مقام سے بہت پیاری سی بہن ہادیہ پوچھتی ہیں؟

آپی میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں میری خواہش ہے کہ کاش میں آپ سے مل سکوں اور آپ کے ہاتھ چوم سکوں جو ایسے شاہکار ناول تخلیق کرتے ہیں کیا ایسا ممکن ہے؟

❖ ہادیہ ڈیئر! یہ صرف آپ کا حسن نظر ہے بہرحال مجھ سے ملنے پر کوئی پابندی نہیں۔

☆ کراچی سے مہہ جبیں لکھتی ہیں:۔

پہلے تو نازیہ آپ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے میرا سوال ہے کیا آپ کو سیاست میں دلچسپی ہے؟ کیا آپ سیاست پر کوئی ناول لکھیں گی جیسے آسیہ مرزا لکھا کرتی ہیں؟

❖ مہہ جبیں یار آسیہ مرزا تو ایک بڑی رائٹر ہیں میں تو بہت معمولی سی رائٹر ہوں مجھے سیاست سے نفرت ہے کیونکہ عافیہ صدیقی جیسی پیاری بیٹی بہن ماں اس سیاست کی بھینٹ ہی تو چڑھ گئی۔ یہ سیاست ہی تو تھی جس میں سینکڑوں اللہ اور اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ وسلم سے پیار کرنے والے راتوں رات ڈالروں میں بک کر دشمن ملک کے حوالے ہوگئے۔ یہ سیاست ہی تو تھی جو سیالکوٹ میں مغیث اور منیب جیسے معصوم بچے حافظ قرآن اپنے ہی ملک میں درندگی کی بدترین شکل کی بھینٹ چڑھ گئے۔ یہ سیاست ہی تو ہے جو آج جیلوں میں لاکھوں معصوم بچے اور خواتین زندگی کا بھیانک روپ دیکھنے پر مجبور ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں کسی کو ان کے بارے میں سوچنے کی فرصت نصیب نہیں تیس تیس سال سے اوپر کے لوگ بند سلاخوں کے پیچھے سڑ رہے ہیں زندگیاں بیت گئیں مگر چاند دیکھنا نصیب نہیں ہوا کوئی فیصلے ہی نہیں کرتا ان کا ایسی سیاست سے کیسے دلچسپی ہو سکتی ہے یار؟ سیاست ہو تو اسلامی معاشرے جیسی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی نہیں تو نہ ہو

بہرحال میں نے کئی ناول لکھے اس ایشو پر "جھیل کنارہ کنکر" ان میں سے ایک ہے۔

☆ نامعلوم مقام سے ہی بہن علیزے علی اور رخ نذیر کے سوال:۔

آپی آپ اپنے ہر ناول میں کچھ کرداروں کو مار کیوں دیتی ہیں؟

❖ پتا نہیں یار بس آپ کہہ سکتی ہیں کہ یہ میرا Way Of Writing ہے۔

☆ آپی میں آپ کی دیوانی ہوں آپ کے ناولز بہت اچھے ہوتے ہیں آپ کی کہانیوں سے پتا چلتا ہے کہ آپ بہت شدت پسند ہیں میں چھٹی کلاس سے ڈائجسٹ پڑھ رہی ہوں مگر کبھی کچھ لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی پلیز میرا سوال ضرور شامل کیجیے گا۔ آپ کی شاعری کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں مجھے آپ سے پوچھنا ہے اگر میں فیس بک پر آپ سے رابطہ کروں تو کیسے کروں آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتیں کہ مجھے آپ سے کتنا پیار ہے اللہ آپ کو ڈھیروں کامیابیاں دے آمین۔

❖ بہت شکریہ علیزے! فیس بک پر آپ میرے ان باکس میں پیغام ارسال کرسکتی ہیں۔

☆ سرگودھا سے مریم بٹ پوچھتی ہیں:۔

نازیہ آپی میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں مگر آج تک آنچل میں کچھ لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ میں آپ کو بہت زیادہ پسند کرتی ہوں میرا سوال ہے جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو کیا آپ کو تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟ اگر ہاں تو اس وقت کس نے آپ کا حوصلہ بڑھایا؟

❖ سب سے پہلے تو روزنامہ جنگ کے ایڈیٹر جناب افسر خان ہزاروی صاحب نے میری تحریریں رد کیں تب میں نے ان کو چیلنج کیا کہ ایک دن میں ان کو بڑی رائٹر بن کر دکھاؤں گی اب پتا نہیں وہ حیات ہیں کہ نہیں بہرحال اس وقت روزنامہ خبریں نے میرا حوصلہ بڑھایا اور کوئی تحریر رد نہیں کی۔ خبریں میرے لیے ایسے ہی تھا جیسے آج آنچل ہے۔ میں نے وہاں بڑے سلسلے شروع کیے تھے وہاں سے پھر جواب عرض کے مدیران اور قارئین نے گویا آسمان پر بٹھا دیا جواب عرض کے بعد آنچل اور کرن میں بھی کوئی تحریر آج تک رد نہیں ہوئی جہاں تک تنقید کی بات ہے تو سعد اللہ شاہ اور ثناء اللہ شاہ نے بڑی رعونیت کے ساتھ میری شاعری کو تنقید کا نشانہ بنایا مگر اسی وقت جناب کرامت بخاری صاحب جن کے ادبی قد کے سامنے یہ دونوں بھائی کچھ بھی نہیں میری بہت حوصلہ افزائی کی۔ جناب اعتبار ساجد منان قدیر منان ارشد ملک ابصار عبدل علی یاسمین طاہر جمیل ملک صاحب مرحوم اور کئی نامور لکھاری جن کے نام ابھی ذہن میں نہیں آرہے میرے لیے وہ مشعلیں تھیں جنہوں نے ادب کی دنیا میں مجھے راستہ دکھایا میری رہنمائی کی ورنہ لاہور کے الحق پبلشرز کے پبلشر "عبدالحق صاحب" نے تو میری پہلی

کتاب کی اشاعت کی خواہش پر نہایت گھمنڈ سے یہ تک کہہ دیا تھا کہ آپ کی کتاب نہیں چھپ سکتی' جب چھپے تو مجھے ضرور دکھانا۔ آج الحمدللہ میری کتابوں کی تعداد ان کی شاپ میں موجود کتابوں سے زیادہ ہے' یہ لوگ نئے لکھنے والوں کی راہ میں پتھروں کی مثال ہیں۔

☆ خضدار (Khuzdaar) سے بہن ماہ نور کا بہت دلچسپ سوال:۔

کیا آپ نے کبھی کوئی ایسی کہانی پڑھی ہے جسے پڑھ کر آپ نے سوچا ہو کہ کاش اس رائٹر کی جگہ میں نے یہ کہانی لکھی ہوتی؟

❖ بہت سارے ایسے ناول اور کہانیاں ہیں جنہیں پڑھتے ہوئے یہ خیال آتا ہے' مثال کے طور پر سعدیہ راجپوت کا ناول "عشق آتش" نمرہ کا ناول "قراقرم کا تاج محل" عمیرا کا ناول "دربار دل' لا حاصل" مگر افسوس میں ایسا لکھ نہیں سکتی۔

☆ شیخوپورہ سے' بہن نبیہ نور کا سوال:۔

آپ کا موڈ آف ہو اور کوئی آپ سے مسلسل بات کرتا رہے تو آپ کیا کرتی ہیں؟ مطلب اسے کہہ دیتی ہیں کہ میرا موڈ نہیں ہے بات کرنے کا یا پھر سنتی رہتی ہیں؟

❖ نہیں نبیہ! موڈ آف ہو تو میں کسی سے بات کرتی ہی نہیں اگر کر بھی رہی ہوں تو کہہ دیتی ہوں کہ میرا موڈ ٹھیک نہیں میں ابھی بات نہیں کر سکتی کیونکہ صرف دل رکھنے کے لیے مجھ سے منافقت نہیں ہوتی۔

☆ آپ کے اردگرد اتنے محبت کرنے والے لوگ ہیں آپ کے گھر والے دوست پھر بھی آپ اتنی اداس کیوں رہتی ہیں۔ دنیا کے دکھوں پر تو ہر وقت اداس نہیں رہا جا سکتا پھر ایسا کیوں؟

❖ نبیہ ڈیئر!

دوستو کے ہجوم میں ناصر
میرے اندر کا شخص تنہا ہے

جن لوگوں کے گرد جتنی زیادہ محبتوں کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے وہ اندر سے اتنے ہی تنہا ہوتے جاتے ہیں' آپ دنیا سے ظلم اور زیادتی مٹا دیں' غربت کا خاتمہ کر دیں' امن قائم کر دیں' جیلوں سے تمام خواتین' بچوں اور بے گناہ قیدیوں کو رہا کر دیں' وطن عزیز میں ہر طرف خوشحالی دکھا دیں پیدا کرنے والے پیارے رب کی قسم نازیہ آپ کو بھی اداس نہیں ملے گی۔

☆ ممبئی انڈیا سے' بہن عدینہ خان پوچھتی ہیں:۔

السلام علیکم! نازیہ آپی! میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ بھارت کے خلاف کیوں ہیں؟ ہر انسان کو اپنے وطن سے پیار ہوتا ہے اگر کوئی اس کے وطن کو دشمن ملک کہتا ہے تو اسے برا لگتا ہے۔

❖ ڈیئر عدینہ! سرزمین ہند میں پاکستان کو جتنا دشمن ملک کہا جاتا ہے آپ سوچ بھی نہیں سکتیں' میں یہاں صرف اپنی وضاحت دوں گی کیا کوئی اپنے آباواجداد کی سرزمین کو گالی دے سکتا ہے؟ وہ سرزمین جہاں آپ اپنے وطن سے زیادہ پڑھے اور پسند کیے جاتے ہوں کیا آپ اس سے نفرت کر سکتے ہیں؟ نہیں' مجھے ہندوستان کی سرزمین اور لوگوں سے ادب اور ریڈیو میں اتنا پیار ملا ہے کہ میں بھی چاہ کر بھی اس سرزمین کے خلاف نہیں لکھ سکتی مگر جہاں خلاف لکھتی ہوں وہاں وہ ملک ان لوگوں کا ملک شمار کر کے لکھتی ہوں جو با اختیار ہیں' ظالم ہیں' انسان اور بالخصوص مسلمانوں کو چیونٹیوں کی طرح مسل کر پھینکتے ہیں میں سیاست کے خلاف لکھتی ہوں ڈیئر لوگوں کے خلاف نہیں۔

☆ گوجرانوالہ سے انا کونین کا سوال:۔

آپی جو لوگ بہت حساس اور دل کے نرم ہوتے ہیں وہی ہمیشہ دھوکہ کیوں کھاتے ہیں؟

❖ وہ اس لیے ڈیئر انا کیونکہ "شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں۔"

☆ آپی آپ کے گروپ فیس بک پر نظر نہیں آتے اور آپ ہماری فرینڈز ریکوسٹ بھی قبول نہیں کرتیں' کیوں؟

❖ گروپ سیکرٹ ہیں یا کلوز اور فرینڈ ریکوسٹس کا اک سمندر ہوتا ہے یار! اس لیے میں دیکھتی ہی نہیں۔

☆ آپی پہلی نظر کی محبت کیا ہوتی ہے؟

❖ میری نظر میں تو سوائے بکواس کے اور کچھ نہیں۔

☆ فیصل آباد سے بہن سیدہ نازیہ حسن کے دلچسپ سوالات:۔

آپی آپ اپنے انٹرویوز میں کبھی اپنے ابو کا ذکر کیوں نہیں کرتیں؟

❖ میں ان سے زیادہ کلوز نہیں ہوں ڈیئر نازیہ شاید اس لیے۔

☆ آپی کیا ہم آنچل سے ایڈریس لے کر کبھی آپ کو کال کر سکتے ہیں یا ملنے آ سکتے ہیں اور پلیز یہ بتا دیں آپ کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہے؟

❖ جی ملنے آ سکتی ہیں میری آنکھوں کا رنگ ڈارک براؤن ہے۔

☆ آپی کچھ ماہ پہلے آنچل میں آپ کے نئے ناول "آنسو جو پتھر ہو گئے" کے بارے میں لکھا تھا کہ جلد آئے گا مگر اب بتا رہے ہیں کہ "شب ہجر کی پہلی بارش" آئے گا تو وہ ناول کہاں گیا؟

❖ ڈیئر نازیہ! "شب ہجر کی پہلی بارش" اصل میں خصوصی ناول ہے' جن دنوں آنچل میں "آنسو جو پتھر ہو گئے" کا بتایا گیا ان دنوں میرا ارادہ تھا کہ میں یہ ناول کرن ڈائجسٹ میں دے دوں گی کچھ قاری بہنیں جو آنچل نہیں پڑھتیں ان کی یہ فرمائش بھی تھی مگر بعد میں جب میں نے آنچل مدیرہ کے ساتھ یہ سب ڈسکس کیا تو انہوں نے حکم دیا کہ یہ ناول آنچل میں ہی شائع ہوگا میری اپنی بھی دلی خواہش یہی تھی کیونکہ آنچل میں بہت ایزی ہو کے لکھتی ہوں اور بہنوں کا رسپانس بھی زیادہ ملتا ہے تو اب آنسو جو پتھر ہو گئے اس کا نمبر شب ہجر کے بعد رکھ دیا گیا ہے' ان شاءاللہ "شب ہجر" اپنی طرز

کا انتظار رہے گا بہت بہت شکریہ۔

☆ آپی میں پوچھتی ہوں آپ کبھی بھی اپنا کوئی ناول ڈراما تشکیل کے لیے پسند کریں گی کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں؟

❖ ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا آپ بے فکر رہیں، یوسف کے آنسو کی ڈھیروں تعریف کے لیے بہت شکریہ۔

☆ پنڈ دادن خان جہلم سے سدرہ صادق اور شہلا صادق کے خوب صورت سوالات:۔

آپ کی کہانی ہو یا شاعری اسی میں ہمیشہ ہجر کا ذکر کیوں آتا ہے؟

❖ شاید مجھے یہ لفظ بہت پسند ہے، شاید مجھے اس لفظ سے عشق ہے اس لیے۔

☆ آپ کا کوئی ایسا ناول جسے لکھتے وقت آپ بہت روئیں؟

❖ میرے ”مژگان محبت...... “ساحل پا کے ڈوب گئے“

☆ آپ سادگی پسند ہیں یا بجنا سنورنا اچھا لگتا ہے؟

❖ فطرتاً سادگی پسند ہوں بے وجہ بجنا سنورنا پسند نہیں۔

☆ آپ بہت بہادر رائٹر بھی ہیں اور مجھے بھی مگر کیا زندگی میں کبھی ایسا وقت آیا جب آپ حوصلہ اور ہمت ہار گئیں؟

❖ جی کئی بار آیا، آپ سنیں جب میری ماما بیمار ہوئیں اس وقت مجھے لگا جیسے میں زندگی ہی ہار گئی ہوں۔

☆ جب بھی آپ بہت اداس ہوتی ہیں یا تو کیا کرتی ہیں؟

❖ ناول پڑھتی ہوں یا سو جاتی ہوں، پہلے سیڈ سیڈ پرانے گیت سن لیتی تھی اب وہ شوق نہیں رہا اب تو اداسی میں بس ناول پڑھتی ہوں رات کا وقت ہو تو چاند کو تکتی رہتی ہوں۔

☆ آپ کی زندگی میں میری کتنی اہمیت ہے اور اگر کبھی آپ کو زندگی میں موقع ملا تو ملنے آئیں گی؟

❖ میں ضرور آؤں گی میری جان! بس اسی جملے سے آپ میری زندگی میں اپنی اہمیت کا اندازہ کرلیں۔

☆ شیخوپورہ سے ماہا بھٹی رانا موگا سے صوفی اور پارسا ملک کا ایک ہی سوال:۔

آپی کیا آپ ہماری آپی بنیں گی ہم سے پکی دوستی کریں گی؟

❖ بالکل آپ کی آپی بنوں گی اور بھلا کیوں نہیں کروں گی دوستی یہ لیں آج سے ہوگئی ہماری دوستی خوش؟

☆ فیصل آباد سے شرلی خان کا سوال:۔

آپ کی زندگی میں کوئی ایک ایسا شخص جو بہت خاص ہو؟

❖ جس حوالے سے آپ پوچھ رہی ہیں اس حوالے سے فی الحال ایسا کوئی شخص نہیں جو بہت خاص ہو۔

☆ آپ کی زندگی میں کبھی آپ کو اپنی فیلڈ، اپنے کیریئر اس شخص میں سے (جو آپ کے لیے بہت خاص ہوگا کسی) ایک کو چننا پڑے تو آپ کسے چنیں گی؟

❖ جو شخص میرے لیے بہت خاص ہوگا میں اس کے لیے اپنی فیلڈ چھوڑ دوں گی کیونکہ میری زندگی میں رشتوں سے بڑھ کر کچھ نہیں ڈیئر شرلی۔

☆ نامعلوم مقام سے، بہن مینی شاہ کا سوال:۔

ایک کہانی لکھنے کے پورے عرصے میں کیا کرداروں کے ساتھ انسیت ہوتی ہے؟

❖ بہت زیادہ، اے مژگان محبت میں جب ارش احمر کی ڈیتھ ہوئی تھی میں کتنے ہی دن روتی رہی دو تین دن کھانا بھی نہیں کھا سکی۔

☆ حیدرآباد سے، بہن نازش حسن شاہ نقوی پوچھتی ہیں:۔

آپ کی ایجوکیشن کتنی ہے اور آپ شادی کب کریں گی؟

❖ میں نے اردو ادب میں ماسٹرز کیا ہے اور شادی جب اللہ کا حکم ہوا تبھی کروں گی ان شاء اللہ۔

☆ ”وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا“ آپ نے بتایا تھا کہ یہ حقیقی ناول ہے اگر یہ حقیقی کہانی ہے تو آپ کو یہ کہانی کہاں سے ملی؟

❖ ایک بہت عزیز دوست نے سنائی تھی اسی کی فرمائش پر میں نے یہ ناول لکھا اور لکھ کر اسے گفٹ کیا۔

☆ کیا آپ مجھے اپنا کوئی پیارا سا ناول گفٹ کریں گی؟

❖ ان شاء اللہ کبھی ایسا موقع آیا تو ضرور کروں گی۔

☆ کراچی سے، بہن زری راؤ خان پوچھتی ہیں:۔

آپ جو کہانیاں بھی لکھتی ہیں ان میں کتنا سچ ہوتا ہے؟

❖ زری راؤ خان بہنوں کے بقول میری تحریریں شاید اسی لیے زیادہ پڑھی اور پسند کی جاتی ہیں کہ وہ حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں آئینہ دکھاتی ہیں۔ خوابوں کی فریبی دنیا سے نکال کر حقیقت کی تلخیوں سے آشنا کرواتی ہیں' کرنٹ افیئرز پر لکھنا ہی اس وقت میرا مشن ہے۔

☆ میرے لیے کوئی اچھی سی نصیحت؟

❖ کسی کے لیے کوئی ایسی بات کبھی مت کریں جو آپ اپنے لیے سننا پسند نہ کرتی ہوں خوش رہیں۔

☆ عائشہ منزل' کراچی سے ایک دیوانی بہن لائبہ کا سوال:۔

شریک ہمسفر کے بارے میں آپ نے کیا سوچا کہ کیسا ہونا چاہیے؟

❖ باکردار، مخلص اور ہینڈسم۔

☆ آپ نے کبھی سوچا تھا کہ ایک دن اتنی بڑی رائٹر بن جائیں گی؟

❖ ابھی بڑی رائٹر تو بننا ہے یار! ویسے میں نے کبھی نہیں سوچا تھا لیکن میرے مدیران اور میری ٹیچرز اکثر مجھے کہتی ہیں کہ تم میں بہت ٹیلنٹ ہے تم زندگی میں بہت آگے جاؤ گی۔

☆ لوگ آپ کو محبت کی دیوی کہتے ہیں کیا آپ کو کسی سے محبت ہوئی؟

❖ میں اس قابل کہاں یار کہ محبت جیسا خوب صورت آفاقی جذبہ میرے دل میں پنجے گاڑھتا؟ آسان لفظوں میں نہ ہم جیسے

لوگوں کی محبت کوئی مجھ پاتا ہے نہ ہم ایسی محبت کر پاتے ہیں جس کا فیشن چلا ہو آپ کے دیدہ زیب خوب صورت پین کے لیے جو آپ نے گفٹ کیا ہے بے حد شکریہ۔

☆ اٹک سٹی سے بہت پیاری بہن صائمہ ناز کے سوال:۔
ناول "جھیل کنارہ کنکر" لکھنے کا خیال کیسے آیا؟

❖ بس یار دل میں بہت غبار تھا' بہت درد تھا۔ سوچا لفظوں کا کفن پہنا کر اس درد اور غبار کو دفنا دوں سو دفنا دیا۔

☆ اپنا اور میرا رشتہ تین لفظوں میں بیان کریں؟

❖ محبت + اپنائیت + اخلاص

☆ ایسا جانی اعتبار ہمیشہ ہی ٹوٹ کیوں جاتا ہے؟

❖ ٹوٹنے والی چیز کہیں نہ کہیں ٹوٹ جاتی ہیں ڈیئر صائمی! اس لیے احتیاط لازمی ہے۔

☆ فیملی کے علاوہ وہ رشتے جو آپ کے دل کے بہت قریب ہیں؟

❖ احساس کے رشتے' قلم کے رشتے' زبان کے رشتے' ان سب رشتوں میں جو جو لوگ آتے ہیں وہ سب مجھے بے حد عزیز ہیں۔

☆ آپ کی زندگی کا خوشگوار لمحہ؟

❖ وہی لمحہ جب میرا ایڈووکیٹ کزن ملک الطاف تعلق شہزادوں کی طرح گیا اور میرے بھائی کو شیطانوں کے جال کاٹ کر اپنی گاڑی میں گھر لایا اس وقت پورا ایریا' پورا شہر جشن منا رہا تھا۔ اندھیرے میں ڈوبے ہمارے گھر کو میرے بھائی نے گھر آتے ہی روشنیوں سے جگمگا دیا' ساری لائٹس آن کر دیں۔ وہ دن' وہ لمحہ' وہ وقت تازیہ کنول نازی کی ایک ایک سانس پر بھاری ہے کیونکہ وہ لمحہ میری زندگی تھا۔

☆ آپ کے لیے محبت کیا ہے؟

❖ ایک ایسا جذبہ جو کسی بھی قسم کے شرک سے پاک ہو' میں سمجھتی ہوں محبت دنیا کی وہ واحد چیز وہ واحد جادوئی فارمولا ہے جس کے استعمال سے آپ جنگل کے جانوروں کو بھی سدھار سکتے ہیں' جیل کے خطرناک ترین قیدیوں کو بھی مہذب شہری بنا سکتے ہیں۔

☆ آپ کی زندگی کی سب سے قیمتی ملکیت؟

❖ میرا ایمان' میرے رشتے' میرا قلم۔

☆ آپ کا خواب؟

❖ اللہ رب العزت کے گھر کے ساتھ ساتھ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مدینے کی کسی گلی کوچے میں عزت و ذلت کے ساتھ تدفین۔ آپ کی محبت کا بے حد شکریہ صائمی!

☆ آج کی اس نشست میں سب سے آخری سوال شامل کروں گی لاہور سے بہن زندگی شاہ کا لکھتی ہیں:۔
آپی مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ ایک رائٹر ہیں اور آپ کا تاج بھی بہت ہے پلیز مجھے بتائیں کہ اگر ایک مرد آپ کو خود دوستی کی آفر کرے پھر آپ کی ناراضگی بھی اس کو تکلیف دے وہ آپ کی کیئر بھی بہت کرتا ہو چاہے آپ ہمیشہ اس کی بے عزتی کرتے رہیں پھر بھی وہ آپ سے ناراض نہ ہو مگر...... اچانک وہ آپ کو نظر انداز کرنا شروع کر دے اور بات تک نہ کرے آپ کے لاکھ پوچھنے پر یہی کہے کہ وہ جسٹ ٹائم پاس کر رہا تھا تو آپ کے مشاہدے کے مطابق وہ سچ کہہ رہا ہے؟ کیا واقعی وہ کبھی سنجیدہ نہیں تھا؟ میں آپ کے مشاہدات اور سوچ کو بہت پسند کرتی ہوں پلیز میری یہ الجھن حل کر دیں پلیز......؟

❖ ڈیئر زندگی! سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ دلوں کے حال صرف اللہ جانتا ہے اور کوئی نہیں' اس لڑکے کا آپ سے رابطہ کرنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے میں نہیں جانتی مگر میرے مشاہدات کے مطابق لڑکیاں محبت یا کسی بھی تعلق کو جتنی جذباتیت سے لیتی ہیں' لڑکے ویسے نہیں لیتے' میں نے فیس بک پر خود اپنی آنکھوں سے سینکڑوں اچھے لڑکوں کو صرف ایڈوانچر کے لیے لڑکیوں کو محبت کا لالی پاپ دے کر بے وقوف بناتے ہوئے دیکھا ہے شاید محبت عورت کی وہ واحد کمزوری ہے جس کا نام لے کر کسی بھی اچھی سی اچھی لڑکی کو کبھی بھی زیر کیا جاسکتا ہے اس لیے میں کہوں گی وہ لڑکا واقعی مخلص نہیں ہوسکتا' اس کے اچانک بدلنے کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں:۔

ا۔ وہ آپ سے بور ہوگیا ہو اور اس نے جس مقصد کے تحت بھی رابطہ کیا ہو وہ ترک کر دیا ہو۔

۲۔ اسے آپ سے بہتر کوئی اور شکار مل گیا ہو' جو اس کی پسند کے مطابق ہو۔

یہ بات کنفرم ہے کہ وہ کسی طور آپ سے مخلص نہیں ہے کیونکہ مخلص لڑکے بغیر کسی وجہ کے کبھی چھوڑ کر نہیں جاتے' آپ بس ایک بات جان لیں کہ کسی بھی غلط رستے سے صحیح منزل کبھی نہیں مل سکتی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ نے کسی نیکی کے عوض آپ کو بڑے دکھ اور نقصان سے بچا لیا ہو' اللہ رب العزت کی پاک ذات کل جہان کی بیٹیوں کی عزت کی چادر شفاف اور محفوظ رکھے آمین۔

❖ میں آخر میں تمام بہنوں سے ہاتھ جوڑ کر اپیل کرتی ہوں کہ خدارا جذباتیت کی بھینٹ چڑھ کر قدم قدم پر برباد ہونا چھوڑ دیں' کہانیوں افسانوں کی محبت کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ میری تمام رائٹرز سے بھی گزارش ہے کہ کسی بھی غلط تعلق یا محبت کا انجام سہانا مت دکھائیں کیونکہ لڑکیاں رائٹرز کو بہت فالو کرتی ہیں' میری اپنی سب فین گرلز کے لیے یہی نصیحت ہے کہ:۔

تمہارے گھر کی چوکھٹ ہی تمہارے سر کی چادر ہے
سنو اے لڑکیو نادانیاں اچھی نہیں ہوتیں

(جاری ہے)

کرو سجدہ ایک خدا کو

کچھ نہ مانگوں گا جو اس بات کو پورا کردے
جو نہیں میرا الٰہی اسے میرا کردے
عمر بھر تیرے خیالوں میں یونہی کھویا رہوں
تجھ کو بھولوں تو یہ قدرت مجھے اندھا کردے

نگاہیں اٹھ کر بار بار غلاف کعبہ پر گئی تھیں اور پھر جھک گئیں کوئی خواہش تھی یا حسرت جو دل میں پھانس کی طرح چبھ رہی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکی تھیں اور آنسو زمین پر گرے تھے۔ ایک عکس نمایاں ہوا تھا وہ جس دربار میں تھا وہاں کیوں اور کیا کا تو سوال ہی نہیں ہوتا تھا وہاں تو صرف عطا کیا جاتا تھا وہ جو ایک بار نگاہ میں جگمگائے زبان پر آجائے یا پھر دل میں ہو۔

"وہ تو قادر مطلق ہے ہر غیب سے واقف کوئی شے کوئی راز اس سے پوشیدہ نہیں چاہے وہ پاتال ہو سمندر کی گہرائی میں موجود گوہر انمول یا پھر دل میں چھپا ہوا کوئی راز۔ وہ تو سب جانتا ہے سب کچھ تو پھر......" اس نے زمین پر گرنے والے آنسوؤں میں نمایاں عکس کو چھوا تھا اور وہ یک دم صرف پانی کے قطرے رہ گئے تھے۔ وہ عکس وہ سایہ کہیں نہیں تھا۔ اس نے زمین پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شدت غم سے آنکھیں بند کرلی تھیں غالباً وہ اپنی آنکھوں میں ابھرنے والے آنسوؤں کو جذب کرنا چاہتا تھا۔

"احمد بیٹا!" اس کی اماں نے اس کا کندھا پکڑ کر اسے جھنجوڑا۔ "اٹھو بیٹا! کب سے یہاں بیٹھے ہو جلدی چلو فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔" اس کی اماں اس کے پیچھے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھیں۔ وہ کب سے اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ انہیں یہاں آئے بیس دن ہوگئے تھے وہ تقریباً ہر سال ہی اپنے بیٹے کے ساتھ حج و عمرے کے لیے وہاں آیا کرتی تھیں۔ تین دن پہلے ہی انہوں نے حج ادا کیا تھا اور آج ان کی پاکستان کے لیے فلائٹ تھی۔ آج فجر کی نماز اور ناشتے سے فارغ ہو کر وہ خانہ کعبہ آگئے تھے مگر اچانک ہی احمد نظروں سے اوجھل ہوگیا اور وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے بالآخر اس تک پہنچ ہی گئی تھیں۔

"آپ چلیں اماں! میں آتا ہوں۔" اس نے قدرے سنبھلتے ہوئے کہا اور آنسو صاف کرتا ہوا ان کے پیچھے چل پڑا۔ ان کے برابر پہنچ کر اس نے ان کا ہاتھ تھاما۔ اس کی پلکیں نم تھیں انہوں نے اس کے سر پر بڑی محبت سے ہاتھ پھیرا اور پھر مخاطب ہوئیں۔

"بس تیری لمبی عمر اور دائمی خوشیوں کی دعا مانگتی ہوں ہمیشہ۔ اللہ پاک تجھے خوش آباد پھلتا پھولتا اور مسکراتا رکھے آمین۔" وہ قدرے بے بسی سے مسکرایا تھا۔ وہ ماں ہیں اور ماں کا دل تو بہت بڑا ہوتا ہے۔ اتنا بڑا کہ دنیا کے سات سمندر اس میں سما سکتے ہیں۔

❁......❁......❁

"مجھے حیرت ہوتی ہے لوگوں کی سوچ پر کتنے آرام سے کہتے ہیں کہ اسلام ایک ٹاپک ہے جب کہ خوب جانتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جسے اللہ پاک نے بنی نوع انسان کے لیے ایک کامل دین کے طور پر پسند فرمایا ہے اور جس کے اپنی طرف سے بنی نوع انسان کے لیے نعمت ہونے کی تصدیق اپنے کلام قرآن مجید میں کی ہے۔" ایک بہت مہذب آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے اسلامک اسٹڈیز ڈیپارٹمنٹ کی کینٹین میں بیٹھا اپنے دوست کا انتظار کر رہا تھا۔ انتظار کر کر کے اس کا پارہ ویسے ہی ہائی ہو رہا تھا اور یہ جملے تو جیسے اس کے تن بدن میں آگ لگا گئے تھے اس نے پلٹ کے

دیکھا۔ دو لڑکیاں کینٹین میں اس کے پیچھے والی ٹیبل پر آ کر بیٹھ رہی تھیں۔ وہ دونوں ہی چادروں میں تھیں ایک براؤن اور دوسری بلیک کلر کی چادر میں۔ براؤن چادر والی لڑکی کا رخ اس کی جانب تھا لیکن بلیک چادر والی لڑکی کی پشت اس کی جانب تھی۔ اس نے غور سے دیکھا اسے بلیک کلر کے بند شوز ان شوز تک لٹکتی بلیک چادر۔ اس نے چادر کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں تک لاکر اس طرح پن کیا ہوا تھا کہ اس کی کلائیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ صرف لمبی مخروطی انگلیاں نظر آ رہی تھیں۔ سفید دودھیا رنگت۔

"ہونہہ..... نان سینس!" اس نے حد درجہ ناگوار انداز میں بلند آواز میں کہا تو وہ دونوں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ اس نے دیکھا اس کی بلیک چادر ماتھے سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے لاکر پن کی ہوئی تھی اس کی سیاہ پُرنور آنکھوں میں کچھ حیرت نمایاں تھی وہ بنا پلکیں جھپکائے دیکھتا رہا۔ اب وہ لڑکی اپنا رخ اپنی دوست کی جانب کر چکی تھی اور اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کچھ دیر پہلے چھا جانے والی روشنی یک دم معدوم ہوگئی ہو اس نے بھی رخ موڑ لیا تھا مگر اس کا دھیان ان تیز روشن نگاہوں میں ہی رہ گیا تھا اور اب اسے اس جگہ سے جھنجلاہٹ محسوس ہونے لگی تھی تبھی اس نے کینٹین کے مین ڈور سے عدیل کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا' اس کا غصے سے برا حال ہو رہا تھا اس نے کھا جانے والی نظروں سے عدیل کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری!" اس پر نظر پڑتے ہی عدیل نے دروازے سے ہی معذرت کرنی شروع کردی تھی۔

"دفع ہو جاؤ۔" جان نے بہت غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارے یار کیا کروں وہ میم میمونہ نے روک لیا تھا' فائلنگ کروانے کے لیے' اسی میں مصروف ہوگیا تھا' اسی لیے وقت کا دھیان نہیں رہا۔" عدیل نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا اور سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"وقت کا یا میرا دھیان؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اچھا بابا! اب معاف بھی کردو' یہ بتاؤ تم نے کچھ کھایا؟" عدیل نے ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں! اور اس کی ضرورت بھی نہیں۔ تم یہ بتاؤ مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟" اس کا غصہ اب کچھ کم ہوا تھا اور عدیل نے اسے بتانا شروع کیا تھا کہ وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں ہونے والے میلاد کا فوٹو سیشن اس سے کرانا چاہتے ہیں۔ عدیل کی بات سنتے ہوئے اس کی نگاہ غیر ارادی طور پر ایک بار پھر اس بلیک چادر والی لڑکی پر جا رکی۔ وہ اب اپنی ٹیبل سے اٹھ کر باہر کی جانب جا رہی تھی' وہ پھر سے اس کا تجزیہ کرنے لگا۔ اس نے پہلی بار کسی لڑکی کو چادر کا اتنا بھرپور استعمال کرتے دیکھا تھا یہاں تک کہ اس کے بال اور کپڑے بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

"یہ بلیک چادر والی لڑکی کون ہے؟" اس نے اسی پر نگاہیں ٹکائے عدیل سے پوچھا اور عدیل نے فوراً اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

"ارے وہ تو میری کلاس میٹ اور نیکسٹ ڈور نیبر عمیرہ عباد ہے۔" عدیل نے کچھ پُرجوش لہجے میں بتایا۔

⁂
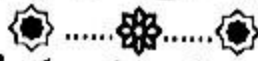
زناٹے دار تھپڑ سے کمرے کی فضا گونج گئی تھی۔

"بکواس بند کرو اگر اب تم نے اپنے منہ سے ایک بھی کفریہ کلمہ نکالا تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔" غصے کے سبب ان کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر رقیہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے انہیں مخاطب کیا تھا۔

"بس کریں اتنا غصہ آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔" وہ تلملا کر ان کی طرف پلٹے۔

"غصہ نہ کروں' یہ آپ کہہ رہی ہیں رقیہ بیگم؟" ان کا غصہ مزید بڑھ گیا اور پھر انہوں نے پلٹ کر کمرے کے وسط میں کھڑے دانیال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

"کتنا ناز تھا' ہمیں اپنے اس بیٹے پر' کتنی امیدیں تھیں ہمیں اس سے..... لیکن کیا کیا اس نے خاک میں ملادیں ہماری ساری خواہشات' سارے خواب' کیا کیا نہیں سوچا تھا ہم نے اور اس نے....." انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور

غصے سے بھرپور نگاہ دانیال پر ڈالی تھی جو سر جھکائے کھڑا تھا۔

"کہہ دیں اس سے یہ جو چاہتا ہے وہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔" انہوں نے رقیہ بیگم کو مخاطب کرکے کہا۔

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے ابا جان! میں اپنی محبت کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ آپ کو مجھے جتنا مارنا ہے مارلیں مگر میں اپنے فیصلے سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"بے حیا' بے شرم!" وہ آگے بڑھ کر اس پر ٹوٹ پڑے دو تین تھپڑ مزید اس کے گالوں کو سرخ کرگئے اور وہ زمین پر گر پڑا تھا منہ کے بل اور اس کے ہونٹ سے خون بہہ نکلا تھا۔

"کیا ہوگیا ماں' بابا۔" شور کی آواز پر برابر کے کمرے سے نائلہ بھاگ کر وہاں آئی اور دانیال کو فرش پر پڑا دیکھ کر وہ لپک کر اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر نائلہ کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

"چھوڑ دو اس مرتد کو مت ہاتھ لگاؤ اسے۔" وہ پوری قوت سے دھاڑتے ہوئے ایک بار پھر دانیال کی جانب بڑھے تھے مگر نائلہ اور رقیہ بیگم نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا۔

"چھوڑ دو مجھے آج میں اسے جان سے مار ڈالوں گا۔"

وہ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

"ہاں مار ڈالیں مجھے' نہیں جینا چاہتا میں ایسی زندگی جو میری مرضی اور خواہش کے مطابق نہیں۔ آج تک آپ کی ہر بات مانی' ہر حکم کی تعمیل کی اور آپ سے بدلے میں صرف یہ امید رکھی کہ میں جس لڑکی سے محبت کرتا ہوں اسے آپ لوگ قبول کریں۔" وہ الماری کا سہارا لیتے ہوئے کھڑا ہوگیا۔

"تُو نے خدمت کی ہماری' ہمارا کہنا مانا تو احسان نہیں کیا ہم پر۔" افتخار صاحب اب اپنے آپ کو نائلہ اور رقیہ بیگم سے چھڑانے میں کامیاب ہوچکے تھے۔ "بچپن سے لے کر شعور کی دہلیز تک ہم نے بھی اسی طرح تیری خدمت کی۔ راتوں کو جاگ کر تیری دیکھ بھال کی مگر کبھی تجھ پر احسان نہیں جتایا مگر تُو یہ کیسے سمجھ سکتا ہے تُو تو وہ انسان ہے جو اپنے رب کے احسانات کا منکر ہو رہا ہے تو ہمارے احسانات کیونکر تجھے یاد رہ سکتے ہیں۔" انہوں نے شدید غصے اور طنز سے بھرپور لہجے میں کہا۔ وہ گردن جھکائے کھڑا سنتا رہا۔

"اس کا سب سے بڑا احسان تو یہ ہے تجھ پر کہ اس نے تجھے وہ قلب و ذہن عطا کیا جس میں اس کا کلام محفوظ ہو۔ تجھے وہ آواز دی جس سے تُو اس کی ثناء کرسکے اور تُو اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے شرک کر رہا ہے۔" ان کے لہجے میں تلخی تھی۔

"میں کافر نہیں ہوں۔" دانیال نے کچھ تیز لہجے میں کہا۔

"ایک کافرہ سے محبت کفر نہیں تو اور کیا ہے۔" انہوں نے تلملا کر کہا۔

"وہ کافرہ نہیں اہلِ کتاب ہے۔" وہ کچھ سنبھل کر مخاطب ہوا۔ "وہ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتی ہے جو اس کی قوم پر اور اس سے پہلے نازل ہوئیں۔" دانیال کا لہجہ پُرعزم تھا۔

"اور اللہ کی وحدانیت پر؟" افتخار صاحب نے طنز سے بھرپور لہجے میں پوچھا اور دانیال خاموش ہوگیا۔

"جو لڑکی اللہ کو یکتا و دانا ماننے کے بجائے اسے صاحب اولاد کہتی ہو نعوذ باللہ...... " وہ شدت غم سے نڈھال ہوگئے تھے انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیسے سمجھائیں۔

"ہر انسان کی زندگی میں ایک ایسا وقت آتا ہے جب اس کا ایمان جانچا جاتا ہے تاکہ اللہ ان میں جو صاحب ایمان ہیں اور ان میں جو صاحب ایمان ہونے کا صرف گمان کرتے ہیں فرق واضح کردے۔" انہیں ایک مجذوب کا کہا ہوا قول یاد آیا تھا اور بہت افسوس سے انہوں نے دانیال کو دیکھا تھا۔ آج انہیں وہ ان لوگوں کی فہرست میں نظر آرہا تھا جو صاحب ایمان ہونے کا صرف گمان رکھتے ہیں مگر حقیقتاً نہیں ہوتے۔ وہ آج اسے ان لوگوں کی فہرست میں دیکھ رہے تھے جن کا عمل ان کے دلوں میں نفاق کا سبب بنتا ہے اور وہ نفاق انہیں ان لوگوں میں شامل کردیتا ہے یعنی وہ لوگ جو حق بات کو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ

سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ سوچ کے اس بے ربط سلسلے نے افتخار صاحب کی ہمت توڑ دی تھی اور وہ زمین پر بیٹھتے چلے گئے تھے ان کو یوں گرتا دیکھ کر نائلہ اور رقیہ بیگم کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ ان کی چیخوں پر دانیال نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا اور بھاگ کر ان کی جانب آیا تھا۔

"نہیں! میرے قریب مت آنا۔" انہوں نے ہاتھ تھام کر اسے اپنے قریب آنے سے روکا۔ "میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں کیا تم اس لڑکی کا ساتھ نہیں چھوڑو گے؟" ان کا لہجہ حد درجہ مایوس تھا۔

"نہیں!" وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے' جیسا تم چاہو۔" وہ ہمت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے برابر سے گزر کر الماری کی طرف بڑھے' وہ تینوں ہی کچھ نا سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھ رہے تھے اور جب وہ واپس پلٹے تو ان کے ہاتھ میں کچھ دستاویزات تھیں۔

"تم نے تو بیٹے ہونے کا فرض نہیں نبھایا دانیال' مگر میں اپنے باپ ہونے کا فرض ضرور نبھاؤں گا تاکہ روزِ محشر تم میرا گریبان نہ تھام سکو۔" انہوں نے بہت بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"یہ ہماری زمینوں کے کاغذات ہیں' جو میں نے بہت پہلے ہی تمہارے نام کر دیے تھے۔ یہ کاغذات لو اور ابھی اسی وقت یہ گھر چھوڑ کر چلے جاؤ۔ تمہارے لیے اب اس گھر میں کوئی جگہ نہیں' اس گھر سے اور ہم سب سے تمہارا ہر رشتا آج ختم ہو گیا ہے۔" انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور ان کی یہ بات ان تینوں کو ہی اپنی جگہ ساکت کر گئی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں افتخار!" رقیہ بیگم تڑپ کر بولیں۔

"یہی بہتر ہے رقیہ بیگم!" انہوں نے تھکسانہ لہجے میں کہا۔ "بھٹکے ہوئے دلوں کو ہدایت دینا اللہ عزوجل کا کام ہے' ہم اپنے طور پر جس حد تک سمجھا سکتے تھے سمجھا چکے' اب آخرت میں ہم اس کے جوابدہ نہیں ہوں گے۔" ان کی یہ بات رقیہ بیگم کو بے حال کر گئی تھی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ نائلہ نے آگے بڑھ کر انہیں اپنے گلے لگا لیا مگر خود اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ دانیال اور نائلہ ہی تو ان کی کل کائنات تھے اور آج رقیہ بیگم کی وہ کل کائنات تہس نہس ہو رہی تھی۔ دانیال نے کانپتے ہاتھوں سے وہ کاغذات پکڑے اور اماں اور نائلہ کو دیکھا۔ وہ دونوں ہی اسے بہت عزیز تھیں اور وہ کسی بھی طور ان سے دور نہیں جانا چاہتا تھا۔

"کیا جینی کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی آپ اسے قبول نہیں کریں گے؟" اس نے پُر امید نگاہوں سے افتخار صاحب کو دیکھا۔ "مجھے یقین ہے وہ میری خاطر دین اسلام قبول کر لے گی۔" اس کا لہجہ پر امید تھا۔

"مجھے افسوس ہے دانیال کہ حافظِ قرآن ہونے کے باوجود بھی تم دینِ اسلام کو نہیں سمجھے' یہ وہ دین نہیں جو محض کسی انسان کی خاطر قبول کیا جائے۔ یہ دین جس پاک ربّ کا پسندیدہ دین ہے یہ صرف اسی کی محبت کو محسوس کر کے قبول کیا جائے تو کوئی بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا اہل مانا جاتا ہے ورنہ نہیں' اگر محض ایسا ہوتا کہ کلمہ پڑھنے سے لوگ مسلمان ہو جاتے تو اللہ پاک سورۃ بقرہ میں منافقوں کے لیے اتنی طویل آیات کو بیان نہ کرتا اور نہ ان کی منافقت پر عذاب دردناک کی وعید سناتا۔ اللہ پاک نے اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے اور جس دل میں ان کی محبت نہ ہو اس دل میں ایمان کیونکر ہو سکتا ہے۔" ان کے لہجے میں کڑواہٹ اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"لو ان کاغذات کو اور دفع ہو جاؤ' کل کا سورج نکلنے سے پہلے۔" انہوں نے اپنا رخ اس کی جانب سے پھیر لیا تھا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" دانیال نے ہمت کر کے کہا۔

"کیسے نہیں جاؤ گے تم' تمہیں جانا پڑے گا۔ میں ایک مرتد کو اپنے گھر میں ہرگز جگہ نہیں دے سکتا۔" انہوں نے حتمی انداز میں کہا۔

"پلیز ابا جان! آپ کو مجھے جتنا بُرا بھلا کہنا ہے کہہ

لیں جتنا مارنا ہے مارلیں مگر گھر سے نہ نکالیں۔ میں آپ کے بغیر جی نہیں پاؤں گا' مرجاؤں گا۔" شدتِ غم سے دانیال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"لگتا ہے تم ایسے یہاں سے نہیں جاؤ گے۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر کی طرف بڑھے تھے۔ نائلہ اور رقیہ بیگم روتی پیٹتی ان کے پیچھے بھاگی تھیں۔

"آپ یہ کیا کررہے ہیں افتخار؟ ایک ہفتے کا انتظار تو کرلیں' ایک ہفتے کے بعد نائلہ کی شادی ہے۔ لوگ پوچھیں گے دانیال کا تو ہم کیا کہیں گے؟" انہوں نے پیچھے آتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہا۔

"کہہ دینا مرگیا ہمارا بیٹا!" افتخار صاحب کے لہجے سے غم وغصہ عیاں تھا۔ ان کے اس جملے کے ساتھ ہی نائلہ اور رقیہ بیگم کے قدم تھم گئے تھے۔ وہ دانیال کو لیے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ وہ التجائیں کررہا تھا مگر انہوں نے اس کی ایک نہ سنی اور دروازہ کھول کر اسے باہر دھکیل دیا تھا۔ وہ اوندھے منہ سیڑھیوں پر گرا تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے چھوٹ جانے والی کاغذات کی فائل بھی کھینچ کر اسے ماری تھی اور دروازہ بند کرلیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر سکتے کی حالت میں اس اندھیرے میں بیٹھا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ ہورہا تھا۔ اس کے ساتھ جسے ماں باپ نے بے تحاشا شفقت اور محبت دی تھی۔ چھوٹی بہن جس پر اپنی جان چھڑکتی تھی۔ اپنی ہتھیلیوں سے آنسو صاف کرتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فائل تھامے وہ اندھیرے میں ہی چل پڑا اور یک دم ہی اس کا ذہن شیطان کے شکنجے میں آ گیا تھا۔

"کیا دیا اس دین نے مجھے یہ انعام ملا مجھے حافظِ قرآن ہونے کا۔ نہیں مانتا میں ایسے دین کو جس میں انسان کی خواہشات کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ جس میں صرف نفس کشی ہے اور کچھ نہیں' کچھ بھی نہیں۔" اس کا نفس غیر محسوس طور پر غالب ہوگیا تھا۔ وہ رو رہا تھا اور آستینوں سے آنسو صاف کررہا تھا۔ اس وقت اندھیرے میں چلتے ہوئے وہ اندازہ ہی نہیں کر پارہا تھا کہ وہ اب تک اندھیرے میں جی رہا تھا یا پھر اب اندھیرے میں آ گیا تھا۔

✿ ...... ✿ ...... ✿

"کیا ہوگیا ہے دانی! کچھ تو بتاؤ' تمہاری یہ خاموشی میرا دل دہلا رہی ہے۔" جینی نے پریشان کن لہجے میں پوچھا۔ دانیال کو اس کے گھر آئے تقریباً ایک گھنٹہ ہوگیا تھا مگر وہ خاموشی سے ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور ہاتھوں پر سر لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے دانیال؟" جینی نے بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور اب کی بار دانیال نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"ہم ابھی شادی کرسکتے ہیں؟" دانیال کا انداز سوالیہ تھا۔

"اس وقت؟" جینی نے حیرت سے اسے دیکھا اور اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھرے تھے۔

"یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا ہے؟ جھگڑا ہوا ہے تمہارا تمہارے والدین سے؟" جینی نے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھا جس پر جگہ جگہ انگلیوں کے نشان تھے اور ہونٹ کے کونے سے خون رس رہا تھا۔

"جینی میں نے سب کو چھوڑ دیا ہے صرف تمہارے لیے' اب تم میرا ساتھ مت چھوڑنا۔" اس نے جینی کا ہاتھ تھام کر بری طرح روتے ہوئے کہا۔

"ریلیکس دانیال! میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گی لیکن مجھے یہ تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟" جینی نے اسے مطمئن کرتے ہوئے کہا اور وہ دھیمے لہجے میں اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا۔

"میں نے کہا تھا ناں دانی! تم سے' تمہارے والدین کبھی بھی مجھے قبول نہیں کریں گے۔ یہی تو فرق ہے تمہارے اور میرے دین میں۔ ہم کسی کو باؤنڈ نہیں کرتے مگر مسلمان یہی کرتے ہیں۔ اس سے ملو اس سے مت ملو

اس سے شادی جائز اس سے ناجائز ہے۔ وہ اپنا وقت تمام بے کار سوچوں میں ضائع کرتے ہیں۔" جینی نے نفرت اور حقارت سے بھرپور لہجے میں کہا اور دانیال نے سر جھکا دیا تھا۔ "خیر چھوڑو ماں بابا گھر پر ہی ہیں میں انہیں تمہارے آنے کے بارے میں بتاتی ہوں تم اتنے میں اپنا حلیہ درست کرلو۔" جینی چیئر سے اٹھتے ہوئے بولی اور اسے ایک کمرے میں بھیج کر وہ اپنے والدین کے پاس چلی آئی تھی کچھ دیر بعد جینی کے ساتھ اس کے والدین سامنے بیٹھا تھا۔

"ڈیرسن! جینی نے ہمیں تمہارے بارے میں سب کچھ بتایا ہے بہت افسوس ہوا تمہارے پیرنٹس کے رویے کے بارے میں جان کر۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن اب کیا کیا جاسکتا ہے جب کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے۔" جینی کی مما اس سے کہہ رہی تھیں اور وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا تھا جب کہ جینی اس کی چیئر پر ہاتھ رکھے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

"ہمیں تم دونوں کی شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم کل صبح ہی تمہاری شادی کرادیں گے لیکن پہلے تم ہمیں یہ بتاؤ کہ شادی کے بعد تم ہماری بیٹی کو کہاں رکھو گے گھر تو تم چھوڑ چکے ہو؟" جینی کے فادر نے اسے مخاطب کیا۔

"ہم لوگ شہر چلے جائیں گے میرے پاس جائیداد کے کچھ پیپرز ہیں انہیں بیچ کر میں اپنا کوئی کاروبار شروع کرلوں گا آپ اس بات سے بے فکر رہیں کہ میں آپ کی بیٹی کو بھوکا نہیں رکھوں گا۔" اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی جینی کے فادر نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔

وہ رات اس نے جینی کے گھر میں ہی گزاری تھی۔ صبح جینی نے آکر اسے بیدار کیا تھا سات بج چکے تھے شاید یہ اس کی زندگی کی پہلی صبح تھی جب اس نے فجر کی نماز ادا نہیں کی تھی نہ ہی صبح بیدار ہونے کی دعا پڑھی تھی نہ کلمہ اور نہ درود شریف۔ اس کا ذہن بالکل خالی تھا پچھلی رات کا کوئی زخم نہ اس کے دل پر تھا اور نہ جسم پر۔ ہر زخم ایسے مٹ گیا تھا جیسے ساحل سے ٹکرا کر لوٹنے والی لہریں اپنے ساتھ ساحل پر لکھے ناموں کو مٹا دیتی ہیں۔

"دانیال! شادی سے پہلے تمہیں اصطباغ (Baptism) عیسائی کرتے وقت دیا جانے والا غسل) لینا پڑے گا جسے عام زبان میں بپتسمہ بھی کہتے ہیں۔" جینی نے دھیمے دھیمے کہا تھا۔ دانیال نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

"بابا تمہارا باہر ویٹ کررہے ہیں وہ تمہیں چرچ کے پادری کے پاس لے جائیں گے اور وہ تمہیں بپتسمہ دیں گے۔" جینی نے مسکرا کر تفصیل بتائی تو وہ اب بھی خاموش ہی رہا اور جینی اسی طرح مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ جینی کے فادر اور چرچ کے پادری کے ساتھ ایک نہر کے کنارے کھڑا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ لوگ اسے یہاں کیوں لائے تھے۔

"مائی ڈیرسن!" چرچ کے پادری نے اسے مخاطب کیا۔ "آج تم بہت بڑا کام کرنے جارہے ہو۔ یہ ایک بہت پاک غسل ہے اس بپتسمہ کا مقصد اپنے آپ کو گناہوں کی گندگی سے پاک کرنا اور جیز ز کرائسٹ کو دل سے تسلیم کرنا کہ بے شک وہ خداوند خدا ہیں۔ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔" پادری نے بہت تقدس کے ساتھ ان جملوں کو ادا کیا تھا مگر اس کے یہ جملے دانیال کو ہلا گئے تھے جسے وہ کل تک شرک کہتا تھا آج وہ اسے قبول کرے گا۔ بہت بڑی حقیقت اس کے سامنے تھی مگر وہ خاموش ہوگیا۔ نہر سے نکلنے کے بعد پادری نے اس کے گلے میں صلیب باندھی اور کہا تھا۔

"آج تم ہمارے مذہب میں داخل ہوگئے ہو آج سے تمہارا نام ڈینی ہے۔" پادری کا لہجہ مسرت سے بھرپور تھا۔ جینی کے فادر نے خوشی سے اسے گلے لگالیا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

چرچ میں داخل ہوتے ہوئے اسے کچھ گھبراہٹ سی ہوئی تھی مگر جینی کی طرف دیکھتے ہی وہ بھی دور ہوگئی تھی۔ وہ اس وقت شادی کے لیے جینی اس کی بہن پیرنٹس اور کچھ عزیزوں کے ساتھ چرچ میں موجود تھا۔ وہ دونوں فادر کے

آگے کھڑے تھے وہ ہاتھ میں بائبل لیے دانیال سے مخاطب تھے۔

"میرے بیٹے ڈینی! کیا تم جینی کو اپنی بیوی کے طور پر تسلیم کرتے ہو؟" اس نے مسکرا کر جینی کو دیکھا اور پھر کہا۔

"ہاں میں تسلیم کرتا ہوں۔" اس کے بعد فادر نے جینی سے بھی یہی پوچھا' اس نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا' وہ بہت خوش تھی اور خوشی اس کے ہر انداز سے عیاں تھی۔

......
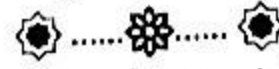
شادی کے فوراً بعد ہی وہ بس اسٹاپ کے لیے نکلے تھے۔ دانیال وہاں ایک لمحہ بھی نہیں رکنا چاہتا تھا۔ جینی کے پیرنٹس نے بہت اصرار کیا تھا رکنے پر مگر وہ نہیں مانا تھا۔ جینی نے اس کے فیصلے کی تائید کی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد بس میں بیٹھے تھے' کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے دانیال کی نظر ایک بزرگ مجذوب پر پڑی تھی' وہ اسی کی طرف دیکھ رہے تھے اور اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

"حق اللہ...... موجود اللہ! سب کا خالق تو' اللہ کرم کرے گا۔ اے بچہ! اس مجذوب کی یہ بات یاد رکھنا' جس نے تمام جہانوں کے مالک کو پالیا اس نے کچھ نہیں کھویا لیکن جس نے اسے گنوادیا اس نے تو کچھ پایا ہی نہیں۔ نا اس دنیا میں نا آخرت میں۔"

"ڈینی!" جینی نے اسے پکارا اور اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور جب دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھا وہ مجذوب کہیں نظر نہیں آیا' اس کا ذہن الجھ گیا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ مجذوب!" اس نے ذہن پر زور دیا مگر اسے یاد نہیں آیا تھا۔ بس چل پڑی اور اس کی زندگی کے ایک نئے اور انجانے سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔

......

وہ ایک گھنے جنگل میں کھڑا تھا' چاروں طرف صرف لمبے اور گھنے درخت تھے اور ان کے اس قدر گھنے ہونے کے سبب ہی اندھیرا ہو رہا تھا۔ اس پر ایک عجیب وحشت اور خوف کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ اندھیرے کے سبب اسے اپنا وجود بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے حلق کے بل چیخنا شروع کیا مگر کوئی ہوتا تو اس کی مدد کو آتا' دور تک سناٹا اور گہری خاموشی تھی۔ اس نے چلنا شروع کیا تاکہ اپنے طور پر اس جنگل سے باہر نکل سکے۔ اسے اب اپنے سامنے دو راستے نظر آ رہے تھے' ایک بالکل تاریک جب کہ دوسرا کسی حد تک روشن۔ اس نے دوسرے راستے کا انتخاب کیا' اس راستے پر چلتے ہوئے وہ مسلسل خدا کے بیٹے خداوند خدا کو یاد کر رہا تھا اور راستے کے اختتام پر پہنچ کر وہ حیران رہ گیا وہ ایک تنگ گلی میں کھڑا تھا۔ بہ مشکل اس گلی میں سے گزر کر جب باہر نکلا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی وہ ایک بار پھر اس گھنے جنگل میں ہی تھا' وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا اور اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر ایک بار پھر چیخنا شروع کر دیا۔

"کوئی میری مدد کرے۔" اس پر خوف کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ "اے خداوند! میری مدد کر...... او جیزز! میری مدد کر...... او میرے خدا! میری مدد فرما......" غیر محسوس طور پر اس کے لفظ بدلنے لگے اور پھر اس کے منہ سے اچانک ہی نکلا تھا۔

"اے میرے اللہ! میری مدد کر۔" اس جملے کے ساتھ ہی اس کے کانوں سے وہی پُر وقار مردانہ آواز ٹکرائی' جو بچپن سے وہ ہمیشہ خواب میں سنتا آیا تھا۔

"اللہ اکبر...... اللہ اکبر (بے شک اللہ سب سے بڑا ہے)۔" اس پُر وقار آواز کے لفظوں کا ترجمہ کوئی اسے بتا رہا تھا ایک بہت مہذب نسوانی آواز' وہ پہچانتا تھا اس آواز کو۔ ایک بار پھر وہی لفظ اس کے کانوں سے ٹکرائے تھے اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ بھی۔ اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اس آواز کی جانب دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر ہاتھ ہٹاتے ہی ایک بہت تیز روشنی اس کی آنکھوں کو چندھیا گئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ "میں گواہی دیتی ہوں' اللہ ایک ہے۔" یہ جملہ بھی دو بار پڑھا گیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر سر اٹھا کر دیکھا اور اب کی بار وہ دیکھ پایا تھا' سر تا پیر سفید چادر میں ملبوس بلاشبہ وہ نوری پیکر تھی مگر اس

نوری پیکر کا رخ اس کی جانب نہیں تھا وہ آہستہ سے قدم اٹھاتی اس رستے کی جانب بڑھ رہی تھی جسے خود اس نے چھوڑ دیا تھا۔ وہ حیرت سے دیکھ رہا تھا وہ نوری پیکر جہاں قدم رکھ رہی تھی وہ رستہ وہاں سے روشن ہوتا جارہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔

"میں گواہی دیتی ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔" وہ خود کو اس کے پیچھے ان جملوں کو دہراتا ہوا محسوس کررہا تھا۔ سحرزدہ انداز میں وہ اس کے قدموں کے نشان پر قدم رکھتے ہوئے چل رہا تھا۔ اس بات سے بالکل بے خبر کہ وہ نوری پیکر اسے کہاں اور کیوں لے جارہی تھی۔ بس وہ صرف یہ محسوس کرسکتا تھا کہ وہ نوری پیکر اسے جس راستے پر لے جارہی تھی وہ راستہ منزل کی طرف جاتا تھا' اس نے دیکھا وہ اب اس کی جانب پلٹ رہی تھی۔ وہی پُرنور آنکھیں اس کے روبرو تھیں۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں اور پھر کھل گئی تھیں' وہ وہیں بیٹھا تھا چرچ کے Confession Box میں۔ (چرچ میں موجود ایک کمرا جہاں عیسائی اپنے عقیدے کے مطابق جیزز کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں)۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے۔ وہ ہر رات وہاں آیا کرتا تھا تاکہ جیزز سے دن بھر میں کی جانے والی غلطیوں کی معافی مانگ سکے۔ وہ ابھی کچھ سمجھنے کے لائق ہوا ہی تھا کہ کنفیشن بوکس کا دروازہ کھلا اور فادر جوزف حیران و پریشان اندر داخل ہوئے تھے۔

"کیا ہوا فادر؟" وہ چیئر سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"وہ ہوا جو آج تک نہیں ہوا مائی سن؟" ان کے لہجے میں خوف تھا۔ "تمہاری جلائی ہوئی تمام کینڈلز بجھ گئیں' جیزز نے آج تمہاری توبہ قبول نہیں کی۔" ان کے لہجے میں خوف اب بھی تھا۔

"کیا......؟" جان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"جان! مجھے یہ بتاؤ آج تم سے ایسی کون سی بڑی غلطی ہوئی ہے جو جیزز تم سے ناراض ہوگئے ہیں۔" انہوں نے متفکر انداز میں پوچھا۔ جان سوچنے لگا وہ صبح عدیل سے ملنے اس کے ڈیپارٹمنٹ گیا تھا۔ گھر آکر سو گیا تھا اور پھر اٹھنے کے بعد سیدھا چرچ آیا تھا یک دم ہی اس کی ذہن میں وہ نوری پیکر ابھری تھی' جس کی پیروی اس نے کی تھی اور جس کے ساتھ ان جادوئی لفظوں کو دہرایا تھا۔ اس کے دل نے گواہی دی تھی یقیناً یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔

"کیا سوچ رہے ہو جان؟" فادر جوزف نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ہلایا اور وہ ہڑبڑا گیا تھا۔

"ک......ک......کچھ نہیں۔" وہ بُری طرح ہکلایا۔

"م......میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔" وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ اس نے کیوں فادر جوزف کو اس لڑکی کے بارے میں نہیں بتایا۔

"تم میرے ساتھ آؤ۔" فادر جوزف اسے بوکس سے باہر لے آئے اور سینٹرل دیوار پر لگے جیزز کے بڑے سے پتلے کے سامنے کھڑا کر کے اسے صلیب دی اور تاکیداً کہا تھا۔

"تم ہمیشہ اسے یا تو کہیں رکھ کر بھول جاتے ہو یا پھر یہ تمہارے گلے سے ٹوٹ کر گر جاتی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ یہ صرف تمہارے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے' میں نے بھی صلیب پہنی ہے میرے ساتھ تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تم صلیب نہیں پہنتے ہو اسی لیے آج یہ ہوا ہے۔" انہوں نے اس کے گلے میں صلیب باندھتے ہوئے قدرے خفیف لہجے میں کہا اور جان نے نگاہیں چرائی تھیں۔ وہ انہیں یہ سمجھانے سے قاصر تھا کہ وہ جب بھی اس صلیب کو پہنتا ہے اس کی حالت عجیب ہوجاتی ہے اور وہ بے قرار ہوکر اسے نوچ کر اپنے گلے سے پھینک دیتا ہے۔

"میں آج ہی تمہاری مما سے بات کروں گا کہ صلیب کے معاملے میں تم پر سختی کریں۔" انہوں نے ٹھوس لہجے میں کہا اور وہ خاموشی سے سر جھکائے چرچ سے باہر آ گیا۔

"یہ سب کچھ صرف اس خواب کی وجہ سے ہوا ہے لیکن میں نے اسے کیوں دیکھا خواب میں؟" کار میں بیٹھتے اس کے ذہن میں وہ خواب گردش کررہا تھا بیک ویو مرر میں اس کی نظر اپنے گلے میں پڑی صلیب پر پڑی' اس نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر تقویت محسوس کرنے کی کوشش کی مگر

ہمیشہ کی طرح اسے جھنجلاہٹ ہوئی تھی اور اس نے صلیب نوچ کر ڈیش بورڈ پر ڈال دی تھی۔

"کون ہے وہ؟ ایک انسان یا پھر نوری مخلوق! کیوں میں نے اس کی پیروی کی..... کیوں؟" اسے غصہ آرہا تھا۔

"وہ وہی تھی' وہی جس کی ایک نظر نے میرے پورے وجود کو ہلا یا تھا۔ وہی عبیرہ عباد" اس نے حد درجہ نخوت سے سوچا تھا۔ وہ لڑکی جس کے نام کے سوا وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا وہ چند لمحوں کے لیے آئی اور اس کی سالوں کی ریاضتوں کو برباد کر گئی تھی۔ اس نے غصے سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا تھا۔

"عبیرہ عباد!" اس نے دانت پیس کر کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁
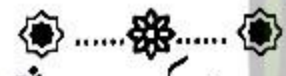
"میرے سجدوں میں کہیں ملاوٹ نہیں ہے میرے مالک! میں نے جب بھی سر جھکایا ہے پورے اخلاص کے ساتھ صرف تیری ہی عبادت کی ہے' تیری محبت اور عبادت میں کبھی کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ جسے تُو نے پسند فرمایا اسے اختیار کیا اور جسے ناپسند کیا اس سے دور ہی رہی ہوں میں۔ میں بے حد گناہ گار ہوں میرے مالک! لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے میرے مولا کہ میں آپ کی اور آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی طلب گاروں میں ہوں۔ میں ان لوگوں میں شامل ہونا چاہتی ہوں اللہ پاک جو آپ کے نزدیک صالح اور متقی ہیں۔ میں ان میں سے ایک ہونا چاہتی ہوں جن کی طرف آپ روزِ محشر متبسم نگاہ ڈالیں گے۔" تقریباً پندرہ منٹ ہوگئے تھے اسے سجدہ میں دعا مانگتے' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور سجدے کی جگہ گیلی ہو رہی تھی۔

"آپا..... آپا....." پھولی سانس کے ساتھ عالی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ عبیرہ نے سجدہ سے سر اٹھا کر گھور کر دیکھا اور عالی کی دھڑکنیں تھم گئی تھیں خوف کے سبب۔

"کتنی بار کہا ہے اس طرح پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی نہ آیا کرو' زمین پر رحم کھاؤ تاکہ وہ اپنے رب کے حکم سے تم پر رحم کرے۔" عبیرہ نے جائے نماز تہ کرتے ہوئے کہا۔

"احمد بھائی آئے ہیں۔" عالی نے ذومعنی انداز میں کہا۔

"ک..... ک..... کیا.....؟" وہ بُری طرح ہکلائی۔

"کیوں آئے ہیں؟" عبیرہ نے بمشکل اپنا جملہ مکمل کیا۔

"آپ خود ہی پوچھ لیں۔" عالی نے حد درجہ بے فکری سے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" عبیرہ کا لہجہ ڈپٹنے والا تھا۔ تبھی اس نے دروازے پر احمد کو کھڑا دیکھا' بلیک کلر کی ڈریس پینٹ اور اس پر قدرے شوخ کلر کی شرٹ۔

"میں اندر آسکتا ہوں۔" اس نے عبیرہ سے اجازت مانگی اور عبیرہ نے اس سے نگاہیں چرائی تھیں۔ اس کا دل بہت تیز دھڑک رہا تھا۔ منگنی کے بعد وہ پہلی بار اس کے روبرو کھڑا تھا۔ عبیرہ کے خاموش رہنے پر عالی مخاطب ہوئی تھی۔

"احمد بھائی! آپ کو تو اب کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اب تو آپ کو پکا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے' کیوں آپا؟" عالی نے بہت شوخ لہجے میں کہا تو وہ مسکراتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔

"عالی بیٹا! آپ میرے لیے ایک کپ چائے بنا لائیں۔" اس نے عالی کو مخاطب کیا اور وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اب وہ عبیرہ کی جانب متوجہ تھا۔ سفید چادر نماز کے انداز میں باندھے وہ زمین پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی۔

"آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اماں اور بابا دونوں ہی گھر پر نہیں ہیں۔" اس کے لہجے میں گھبراہٹ کا رنگ نمایاں تھا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے عبیرہ! ایک سال پہلے منگنی کے بعد جب میں اسپشلائزیشن کے لیے امریکہ گیا تھا تب بھی آپ سے ملنے کی خواہش لیے ہی چلا گیا تھا اور اب واپس آیا ہوں تو بھی آپ میرا حال دریافت کرنے کے بجائے مجھے واپس جانے کا کہہ رہی ہیں۔ آپ نے مجھے تکلیف

دی ہے۔" احمر نے ناراضی کا اظہار کیا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے اب پہلی بار اس کی جانب نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ "مجھے معاف کردیں۔" عبیرہ کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

"آپ بیٹھیں پلیز۔" عبیرہ نے چیئر کی جانب اشارہ کیا۔ وہ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بیٹھ گیا۔ کمرے میں فرنیچر کے نام پر صرف ایک چیئر تھی' جائے نماز رکھنے کا ایک ریک تھا جو سامنے والی دیوار پر لگا ہوا تھا۔ کچھ فلور کشنز تھے جو کھڑکی کے ساتھ رکھے ایک فرشی بیڈ پر بہت سلیقے سے رکھے۔ وہ خود بیڈ پر بیٹھ گئی تھی' اس کی نگاہیں اب بھی زمین پر ٹکی تھیں وہ مسکرا دیا۔

"مجھے دیکھنے سے آپ کو گناہ نہیں ملے گا عبیرہ!" اس جملے پر عبیرہ نے نگاہیں اٹھائی مگر حیا کے سبب وہ دوبارہ جھک گئی۔ "اگلے مہینے ہماری شادی ہے آپ کو پتا ہے ناں عبیرہ!" عبیرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اسی لیے میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں آپ جانتی ہیں عبیرہ! میں ایک براڈ مائنڈڈ لڑکا ہوں اور میرا سرکل ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے بہت بڑا ہے۔ میرا اٹھنا بیٹھنا بہت ہائی کلاس سوسائٹی میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں گی۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور عبیرہ بہت زیادہ تشویش کا شکار ہوئی تھی آخر ایسا کیا کہنے والا تھا وہ جو اتنی تمہید باندھ رہا تھا۔

"آپ مذہبی لڑکی ہیں' اچھی بات ہے انسان کو کسی حد تک ہونا بھی چاہیے۔ مگر مجھے آپ کا اتنی بڑی بڑی ٹینٹ نما چادریں پہننا بالکل بھی پسند نہیں۔" اس کا یہ جملہ عبیرہ کے دل پر آری چلا گیا تھا۔

"اگر آپ اس حلیے میں میرے ساتھ پارٹیز میں جائیں گی تو میرے کولیگز' میرے جونیئر اور سینئر سب ہنسیں گے مجھ پر اور مجھے شکی مزاج کہیں گے اور یہ میرے لیے بہت انسلٹنگ ہوگا۔" عبیرہ غیر یقینی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ امریکہ جانے سے پہلے تک تو اسی عبیرہ کا چادر پہننا اچھا لگتا اور آج وہ اپنی ہی بات سے پھر گیا تھا۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ کو یہ سب سمجھنے میں کچھ وقت لگے گا مگر امریکہ جانے کے بعد سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ میں نے وہیں سیٹل ہونے کا سوچا ہے۔" عبیرہ دیکھ سکتی تھی اس کی ہر بات میں صرف "میں......میں" تھا۔ اسے خود سے غرض تھی اور کسی کے جذبوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔

"ماحول بدلنے سے دل نہیں بدل جاتے۔ میرا دل صرف ایک اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں دھڑکتا ہے۔ میں دنیا کے کسی کونے میں بھی چلی جاؤں رہوں گی میں انہی کی تابع فرمان۔" عبیرہ نے حتمی لہجے میں کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی' اس کا یہ رویہ احمر کو بہت بُرا لگا تھا۔

......

پورے کمرے میں معطر فضا تھی۔ میرون کلر کا بہت فائن ڈیزائن کا کارپیٹ بچھا تھا' دیواروں پر جابجا خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی تصویریں آویزاں تھیں۔ دیواروں کے ساتھ لکڑی کے شیلف رکھے تھے جن میں مختلف دینی کتابیں اور قرآن پاک کی تفاسیر رکھی تھی۔ وہ گلاس ٹیبل کے دوسرے طرف بیٹھی تھی' اس کے سامنے بڑی سی کرسی پر ایک بہت معزز شخصیت' پروفیسر خالد عباسی بیٹھے تھے۔ ان کی عمر ستر کے لگ بھگ تھی' ان کے چہرے پر بہت نور تھا۔ اس کے برابر والی کرسی پر اس کی دوست بیٹھی تھی' پروفیسر صاحب نے یک بارگی ان دونوں کو دیکھا اور پھر ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے اسے کہا۔

"پڑھو لا الہ الا اللہ" اس نے نمناک پلکوں اور بھیگے لہجے میں پڑھا وہ جو اللہ کی وحدانیت پر مبنی تھا۔ "محمد رسول اللہ" انہوں نے جملہ مکمل کیا۔ اس نے لڑکھڑاتی زبان سے مکمل کیا اور اپنے ہاتھ چہرے پر رکھ کر بے تحاشا روئی تھی۔ وہ جانتی تھی اب وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوچکی ہے اب وہ ہر تنگ نظری اور بدظنی سے محفوظ ہوگئی ہے۔ اب وہ اس دین کا حصہ بن گئی ہے جو امن وسلامتی اور کاملیت کا مرکز ہے۔ اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر آنسو صاف کیے' اب اس کے چہرے پر پُرسکون مسکراہٹ ابھری تھی۔ اس نے

نم پلکوں اور مشکور نگاہوں سے پہلے اپنی دوست اور پھر پروفیسر صاحب کو دیکھا۔ وہ دونوں بھی اسے دیکھ کر مسکرادیئے تھے۔

❁......❁......❁
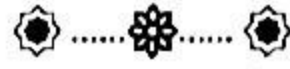
آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

ایک بہت خوب صورت آواز پورے ماحول کو اپنے سحر میں لیے ہوئے تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی وہاں پہنچا تھا ایک عرصے کے بعد وہ غزل کی کسی محفل میں شرکت کررہا تھا' بلیک تھری پیس ود وائٹ شرٹ۔ گول میز کے گرد لگی چیئرز میں سے ایک پر وہ بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ کی دونوں چیئرز خالی تھیں۔ ٹیبل کی دوسری طرف اس کے کچھ کولیگز اور ورکرز بیٹھے تھے سب ہی لوگ گفتگو میں محو تھے' مگر وہ ہمیشہ کی طرح اپنی خاموش طبع کے سبب آج بھی منظور نظر تھا' کتنی ہی نگاہیں اس پر جمی تھیں مگر خود اس کی نگاہیں کہیں اور تھیں کہیں' بہت دور۔

بھول جاتا ہوں میں ستم اس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے

''ستم؟'' اس کا ذہن بھٹکا۔ ''نہیں! ہرگز نہیں' میں ایسے انسان کو اپنی زندگی کا حصہ نہیں بناسکتی جو اللہ سے محبت نہیں رکھتا۔'' ایک آواز اس کے کانوں میں گونجی اور اس کے چہرے پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے

اس کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ ماحول میں سات رنگ بکھیر رہی تھی۔ وہ اس سے کچھ دور رکھی کرسی پر بیٹھی تھی' وہاں اب ان کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ اذان بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا پلکیں جھپکنے کا انجام۔ وہ وہاں نہیں ہوگی۔

روح کو بھی مزا محبت کا
دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے

اس کے لب ہل رہے تھے وہ کچھ کہہ رہی تھی مگر کیا؟ وہ سن نہیں پارہا تھا۔ اذان کی آنکھوں میں سوزش بڑھنے لگی اور ساتھ ہی دل کی دھڑکن بھی۔ وہ جانتا تھا کسی بھی لمحے جھپکنے والی پلک اسے اذان کی آنکھوں سے ایک بار پھر اوجھل کرجائے گی اور ایسا ہی ہوا تھا اور پندرہ منٹ پر اس کی آنکھیں بند ہوگئی تھیں' اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں وہ اسی احساس میں رہنا چاہتا تھا کہ وہ اب بھی اس کے روبرو ہے۔

''سر کیا ہوا آپ کو نیند آرہی ہے۔'' اس کے پی اے نے اسے ہلایا تو اس نے دھیمے سے آنکھیں کھولی تھیں' اس کے سامنے رکھی وہ کرسی اب خالی تھی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اب وہاں ایک پل بھی رکنا اس کے لیے مشکل تھا وہ اسے ہر جگہ ہی تو یاد آتی تھی۔ ایک وہی تو تھی جسے وہ خانہ کعبہ کے روبرو کھڑے ہوکر بھی نہیں بھولتا تھا۔ وہاں سے لے کر کار میں بیٹھنے تک اس کے لبوں پر ایک ہی دعا تھا۔

''یہ کیسی منافقت ہے میرے مالک! یہ کیسی منافقت ہے تیرا بندہ ہوکر میں' میں اس کی بندگی کررہا ہوں۔ تیری محبت میں خیانت کررہا ہوں' میں ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ نہیں سوچنا چاہتا نہیں یاد رکھنا چاہتا میں اسے لیکن پھر بھی وہ یاد آتی ہے اتنی ہی شدت سے۔'' کار اب مین روڈ پر آگئی تھی۔ سردیوں کی رات تھی اسی لیے سڑک پر زیادہ رش نہیں تھا۔

''میں خالصتاً آپ سے محبت کرنا چاہتا ہوں مگر وہ مجھے ایسا نہیں کرنے دیتی۔ وہ میرے دل میں میری روح پر قابض ہے یا تو اس کی محبت کو میرے دل سے نکال دیجیے یا پھر...... یا پھر اسے ہمیشہ کے لیے میری زندگی کا حصہ بنا دیجیے۔'' یک دم روڈ کے دوسری طرف سے ایک کار نمودار ہوئی تھی' سامنے سے آنے والی کار کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس نے تیزی سے اسٹیئرنگ گھمایا تھا ورنہ وہ اس کی کار سے بری طرح ٹکراتی خود اس کی کار پیڈیسٹرین کراسنگ پر چڑھ گئی تھی' پیچھے سے ایک دھماکے کی آواز سنائی دی' وہ فوراً کار سے اترا تھا۔ وہ کار ایک درخت سے ٹکرائی تھی' دروازہ کھلا تھا اور ایک دلہن کار سے باہر لٹک رہی تھی' اس کی چوڑیاں ٹوٹ کر کلائیوں میں کھس گئی تھیں۔ وہ نیم بے

ہوشی کی حالت میں اوندھے منہ پڑی تھی' اذان تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے قریب پہنچ کر اسے سیدھا کیا تھا' اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اذان اپنی جگہ منجمد رہ گیا تھا۔

......

''ہم اس دنیا کے کسی کونے میں بھی چلے جائیں' کسی بھی شے پر نظر ثانی اور غور وفکر کریں' ہمیں ہر شے میں' ہر منظر میں' اس کی قدرت' اس کی شانِ کریمی' رحمت ونعمت اور عظمت وبزرگی کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دے گا۔ وہی پاکیزہ ہستی جس کا نام ہر انسان کے دل کی دھڑکن میں دھڑکتا ہے' وہی جو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہی اللہ عزوجل! جو اس کائنات کا سب سے بڑا عالم ہے' جس کا نام بڑا بابرکت ہے۔ جس کا علم نہ تو محدود ہے اور نہ ہی اس کی کوئی معیاد ہے' اس کی ذات ہر برائی سے منزہ (پاک) ہے۔ وہ اپنی صفات اور اوصاف میں سب سے برتر واعلیٰ ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے جب کچھ نہ تھا اور ہمیشہ رہے گا جب کچھ نہ ہوگا۔''

وہ کوریڈور سے گزر رہا تھا جب اس کے کانوں سے وہی آواز ٹکرائی تھی' جس نے اس کی زندگی اتھل پتھل کردی تھی عمیرہ عباد کی آواز۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا تو کوریڈور خالی تھا۔ تبھی اس کی نگاہ ایک کلاس کے ادھ کھلے دروازے پر پڑی۔ وہ بہت دھیمے سے قدم اٹھاتا ہوا دروازے کے قریب پہنچا۔ وہ بورڈ کے سامنے کھڑی تھی اس کے ہاتھ اس کے گرد بندھے تھے اور اس کی نگاہیں اسٹوڈنٹس پر تھیں۔ اس نے نہ جانے کیا سوچتے ہوئے بہت آہستگی سے دروازہ کھولا کہ آواز پیدا نہ ہو اور آخری سیٹ پر بیٹھ گیا' وہ اسے بیٹھتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ اسٹوڈنٹس کی پشت پر ہونے کی وجہ سے کسی نے اسے دیکھا نہیں تھا۔ عمیرہ کے دیکھ لینے پر وہ سوچ رہا تھا کہ شاید وہ ٹیچر سے اس کی کمپلین کرے گی مگر ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی دوسرا ٹیچر اسے کلاس میں نظر آیا تھا۔ بورڈ پر جلی حروف میں لکھا تھا۔

''عالم اور عالم!'' وہی عالم ہے' جس نے انسان کو اوّل بار پیدا کیا' جو اسے موت دیتا ہے اور وہی اسے قیامت کے دن جلا اٹھائے گا۔ اسی کے اختیار میں علم غیب ہے اور اس علم میں سے وہ جتنا چاہتا ہے اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا ہے جیسے انبیاء ورسول۔ وہی ہر ظاہر باطن کو جاننے والا ہے۔ وہ اسے بھی جانتا ہے جو اسے پہچانتا ہے اور اسے بھی جو اسے پہچان کر بھی نہیں پہچانتا۔ یعنی عالم کو تو مانتا ہے مگر عالم کو نہیں مانتا۔''

اس کے لہجے میں ایک عجیب سا سحر تھا دوسرے اسٹوڈنٹس کی طرح وہ بھی دم سادھے اب اس کی باتوں پر غور کررہا تھا۔

''کیا آپ میں سے کوئی ہے جو اپنے وجود سے انکار کرسکے؟'' مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

''نہیں' میرے خیال میں ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہے گا' وہ لوگ بھی جو اللہ کو مانتے ہیں اور وہ بھی جو اللہ کو نہیں مانتے۔ جب ہم اپنے ہونے سے انکار نہیں کرسکتے جو اس عالم کی ایک نہایت عاجز اور حقیر سی مخلوق ہیں تو ہم اس کے نہ ہونے پر کیسے بحث کرسکتے ہیں۔ کیا ہمارا علم اس کے علم سے زیادہ وسیع ہے کہ ہم اس کے نہ ہونے پر دلائل پیش کریں وہ جس کے علم کے بارے میں قرآن مجید میں سورۃ الملک میں ارشاد ہے۔

''کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین اور پورا باخبر ہے۔'' اور اسی طرح سورۃ المجادلہ میں ارشاد ہے: ''کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (یعنی اللہ) اور پانچ کی (سرگوشی) ہوتی ہے' جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس (عدد) سے کم (میں) ہوتی ہے (جیسے دو چار آدمیوں) اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ (ہر حالت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں پھر ان (سب) کو قیامت کے دن ان کے کیے کام ہتلا دے گا۔ بے شک اللہ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔''

وہ حد درجہ حیرت کا شکار ہورہا تھا ایسا کیسے ممکن ہے کہ اسے ایک ایک آیت یاد ہے اور وہ بھی معنوں کے ساتھ۔

وہ اب موازنہ کرنے لگا تھا۔

''فادر جوزف کو تو آج تک میں نے کبھی اس طرح بائبل کی Verses کو زبانی لوگوں کو سناتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے خود بھی بائبل کو اتنی بار پڑھا ہے' اس کے احکامات پر عمل کیا ہے مگر کبھی اس کی Verses تو مجھے یاد نہیں رہ سکیں۔'' ایک بار پھر عمیرہ کی آواز نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو توڑا تھا۔

''عالم کو دیکھ کر تو عالم کے وجود سے انکار ہی ناممکن ہے اور یہ تو اللہ کی صرف ایک صفت ہے اس کا علم اگر ہم اللہ پاک کی دوسری صفات پر نظر ڈالیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ کوئی بھی اس کے مثل نہیں۔ کیا کوئی ہے جو اس جیسا رحیم ہو' مہربان' کریم ہو کہ انسان کے کبیرہ گناہوں کے باوجود بھی وہ اسے اپنے نعمتوں سے محروم نہیں کرتا۔ اس کی سب سے بڑی نعمت' زندگی' اگر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں روح نہ پھونکتا۔ انہیں زندگی جیسی نعمت سے فیض یاب نہ کرتا تو کیا اس کی ذات کے حوالے سے ایسے شکوک پیدا ہوتے؟ اس نے انسان پر اپنی نعمتیں تمام کردیں اور اس کے بدلے میں کیا چاہا صرف خلوص دل سے اپنی عبادت' صدق دل سے اپنی ذات سے محبت مگر ہم خود غرض اور احسان فراموش' ناشکرے انسان اسے وہ بھی نہ دے سکے اگر قرآن پاک میں اللہ پاک نے یہ فرمایا ہے کہ ''اے بنی آدم! تو نے میری وہ قدر نہ کی جیسی تجھے کرنی چاہیے تھی۔'' تو بہت ٹھیک کہا ہے۔'' وہ ایک لمحے کے لیے رکی اور پھر خاموشی طویل ہوگئی تھی' جان کو بے چینی ہونے لگی تھی وہ کیوں خاموش ہوگئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اس نے جب سر اٹھایا تو اس کے چہرے پر عجیب سی شرمندگی تھی' وہ کس بات پر شرمندہ تھی جان سمجھنے سے قاصر تھا۔

''میری آپ تمام اسٹوڈنٹس سے گزارش ہے کہ خدارا پلیز اپنی حقیقت کو پہچانیے۔ ہم پر سب سے پہلا حق ہمارے خالق کا ہے' اس کے بعد کسی دوسرے کا۔ وہی سب سے زیادہ مستحق ہے ہمارے سجدوں کا' ہماری ریاضتوں کا اور کوئی بھی اس سب میں اس کا شریک نہیں'

ہرگز نہیں۔'' وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی پھر وہ اسٹوڈنٹس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''کوئی سوال!'' کوئی سوال نہیں کیا گیا۔ سوال کی ضرورت بھی نہیں تھی' بیل رنگ سنائی دی تھی غالباً پیریڈ ختم ہوچکا تھا۔ اسٹوڈنٹس آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے باہر نکل رہے تھے مگر وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا تھا۔ اسے دیکھتا رہا وہ اپنا فولڈر سیٹ کررہی تھی جان کو وہاں بیٹھا دیکھ کر عمیرہ کو لگا تھا شاید وہ کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔

''کوئی سوال؟'' عمیرہ نے خصوصی پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ جلدی سے اٹھا جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔

''کیا ہوگیا ہے جان تمہیں؟'' وہ باہر نکلتے ہوئے خود کلامی کررہا تھا' وہ دروازے سے کچھ آگے بڑھا تھا کہ اسے پیچھے سے قدموں کی آواز آئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا عمیرہ کلاس سے باہر نکل کر اس کی مخالف سمت میں جارہی تھی وہ اسے دیکھتا رہا جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگئی اور اس کے بعد وہ خود بھی مخالف سمت میں مڑ گیا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

''گھٹنوں کے گرد سیاہ چادر میں لپٹے ہاتھ' ہاتھوں پر رکھا چہرہ اور آنکھوں کے کونوں سے بہتی نمی۔'' وہ کس کے لیے رو رہی تھی اس طرح اکیلے بیٹھ کر جب سب میلاد میں مصروف تھے' کس کے لیے اور کیوں؟ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جب عدیل نے اسے جھنجوڑا۔

''یہ عمیرہ کی تصویر کب' کہاں اور کیوں کھینچ لی تم نے؟'' عدیل نے تصویر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے غصے سے کہا۔ وہ دونوں اس وقت میکڈونلز میں بیٹھے تھے۔ صبح عدیل کے ڈیپارٹمنٹ میں میلاد تھا اور میلاد میں کھینچی جانے والی تصاویر جان عدیل کو دکھانے کے لیے لایا تھا جنہیں وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ سے شائع ہونے والے ماہنامہ میگزین میں شائع کرنے والا تھا۔

عدیل ان تصاویر کو دیکھ کر ان پر تبصرے کررہا تھا کہ اچانک ان تصاویر میں سے عمیرہ کی تصویر نکل آئی تھی۔

جان نے حیرت بھرے لہجے میں تصویر پکڑتے ہوئے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" جان نے دیکھا تھا تصویر اسی جگہ کی تھی جہاں اس نے عبیرہ کو اکیلے بیٹھے روتا دیکھا تھا۔

"یہ ممکن ہے یا نہیں، یہ تمہیں پتا ہونا چاہیے کیونکہ تصویریں تم کھینچ رہے تھے میں نہیں۔" جان نے پُرسوچ لہجے میں کہا اور عدیل نے گھور کر اسے دیکھا۔

"میں اتنی دیر سے اور کیا بکواس کررہا ہوں کہ تمہیں ڈیپارٹمنٹ کے اوپر والے پورشن میں بھیجا تھا' گیلری کی طرف کہ وہاں سے اسٹیج کی ایک مین تصویر بھی بنالو مگر تم نے نہیں بنائی۔" عدیل کا پارہ ہائی ہوگیا تھا۔ جان نے غور سے تصویر کو دیکھتے ہوئے مسکرانا شروع کیا اور پھر وہ مسکراہٹ ایک بلند و بانگ قہقہے میں تبدیل ہوگئی تھی۔ عدیل نے گھور کر اسے دیکھا۔

"سوری یار! وہ دراصل میں تصویر کھینچنے ہی گیا تھا اور کھینچی بھی تھی مگر وہ اسٹیج کے بجائے عبیرہ کی کھنچ گئی۔" جان نے ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"جسٹ شٹ اپ! بہت اچھی حرکت کی ہے ناں جو ہنس رہے ہو۔ اب وجہ بھی بتادو کیوں کیا تم نے ایسا؟" عدیل نے خفا ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں کیا میں نے یہ......؟" جان کا اپنا انداز بھی سوالیہ تھا۔

"مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ میں نے...... میں نے یہ کب کیا؟" جان کو اپنی وہ محویت یاد آئی جب وہ عبیرہ کو دیکھ رہا تھا اور تب تک دیکھتا رہا تھا جب تک اس نے آنکھیں نہیں کھول دی تھیں اور وہاں سے اٹھ کر نہیں چلی گئی تھی۔

"کیا تم پاگل ہوگئے ہو؟" عدیل نے تصویر اس کے ہاتھ سے کھینچ لی۔ "تمہیں پتا بھی ہے جو تم کہہ رہے ہو اس کا مطلب کیا ہے؟" عدیل نے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔

"نہیں' مجھے نہیں پتا عدیل! مجھے کچھ بھی نہیں پتا۔ میں اپنی ہر بات ہر احساس کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مجھے نہیں سمجھ آتا کہ کیوں مجھے اس میں ایک عجیب سے کشش محسوس ہوتی ہے' کیوں جب میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے کچھ اور دکھائی نہیں دیتا' اسے سنتا ہوں تو صرف اسی کو سننا چاہتا ہوں اور اسے سوچتا ہوں تو کچھ اور سوچنے کے لائق نہیں رہتا۔" عدیل کو اس کی باتیں بالکل پاگل پن لگ رہی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے عدیل! جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا' اس کی وہ پُرنور نگاہیں میرے وجود میں اتر گئیں' آج تک میری زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ ایک مشہور راہب کا بیٹا ہونے کے باوجود میں خواب میں تم مسلمانوں کی اذان سنتا ہوں اور اب وہ ایک مسلمان لڑکی' وہ ہر رات مجھے خواب میں نظر آتی ہے۔ وہ مجھے روشنیوں سے بھرے ایک راستے پر لے جاتی ہے اور میں کسی زرخرید غلام کی مانند اس کی پیروی کرتا جاتا ہوں۔ اندھیروں سے نکل کر روشنیوں کی طرف چلتا جاتا ہوں۔ میں کیوں کرتا ہوں ایسا' میں نہیں جانتا۔ کیوں میں اسے اپنے حواسوں پر سوار ہونے سے نہیں روک پاتا' میں نہیں جانتا عدیل! میں نہیں جانتا۔" جان نے ہار جانے والے انداز میں کہتے ہوئے اپنا سر ٹیبل پر رکھ دیا اور عدیل حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ کیا یہ وہی جان تھا' جو مسلمانوں سے خار کھاتا تھا' جسے پکے مسلمان ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے' وہ جان ویراج چوہان آج ایک مسلمان لڑکی سے محبت کر بیٹھا تھا اور شاید اس بات سے بالکل بے خبر تھا۔ عدیل کی نگاہوں میں خوف کے سائے لہرا رہے تھے' جان اس کا عزیز دوست تھا اور وہ اپنے دوست کو کبھی ہارتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ جان یہ بازی روزِ اوّل ہی ہار چکا ہے۔

⊛......⊛......⊛

"احمد کی ماں نے کہا ہے کہ تمہیں شادی کے بعد اپنا رنگ ڈھنگ بدلنا پڑے گا کیونکہ یہ احمد کی خواہش ہے۔" وہ دونوں اس وقت کچن میں کھڑی تھیں اور رات کے کھانے کی تیاری کررہی تھیں۔

"اماں! آپ نے یہ بات سن کیسے لی۔ کیا تبدیلی لاؤں میں اس انسان کے لیے اپنے اندر اور کیوں لاؤں؟

میں جیسی ہوں وہ مجھے ویسے ہی اپنانے کے لیے تیار ہے تو ٹھیک ہے ورنہ...... ورنہ آپ یہ رشتہ ختم کردیں۔" اس نے اٹک کر یہ جملہ مکمل کیا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا' رشتہ توڑنے کا مطلب سمجھتی ہو۔ کتنی بدنامی ہوگی ہماری۔ کتنی باتیں بنیں گی تمہارے بارے میں' کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں اس بات کا۔" انہوں نے عبیرہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا مجھے اماں! لوگوں کی عادت ہے دو چار دن باتیں کریں گے اور پھر بھول جائیں گے۔" عبیرہ کے انداز میں بے فکری تھی۔

"مجھے لگ رہا ہے کہ آج تم واقعی ہوش میں نہیں ہو۔ خیر جو بھی ہو' شادی کے بعد تو تمہیں وہی کرنا پڑے گا جو احمد چاہے گا کیونکہ وہ تمہارا مجازی خدا ہوگا۔" ان کا لہجہ حتمی تھا۔ عبیرہ نے بے بس نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتیں گھر کے داخلی دروازے سے عباد صاحب داخل ہوئے اور بلند آواز میں سلام کیا تھا' یہ ان کی عادت تھی وہ جب بھی نماز پڑھ کر گھر آتے تو سلام کیا کرتے تھے۔ وہ محلے کی چند معزز شخصیات میں سے ایک تھے اور ایک سرکاری اسکول میں بطور قاری اور اسلامیات کے ٹیچر تھے۔ گھر کا خرچ پورا کرنے کے لیے عبیرہ بھی ٹیوشن پڑھاتی تھی اور اس کی اماں سلائی کیا کرتی تھیں۔

"عبیرہ کی اماں' ذرا ادھر تو آئیں۔" انہوں نے صحن میں لگے درخت کے نیچے رکھے تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا اور وہ فوراً ہی کچن سے نکل کر ان کے پاس آ بیٹھی تھیں۔

"آغا صاحب ملے تھے' وہ کہہ رہے تھے کہ اگلے ہفتے عبیرہ اور احمد کا نکاح کردیں تاکہ عبیرہ کا امریکہ کے لیے ویزا بن سکے۔ رخصتی اگلے مہینے ہی کردیں گے تو میں نے ہاں کردی ہے اب آپ لوگ تیاری کرلیجیے گا۔ اگلے جمعہ عصر کے بعد نکاح ہے۔" اس بات نے جہاں عبیرہ کی اماں کو بہت خوش کردیا تھا وہیں عبیرہ کو بہت مایوس کردیا تھا' مایوسی کو کفر ماننے والی لڑکی آج غیر ارادی طور پر کفر کر بیٹھی تھی۔

......

"ماما میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں۔" وہ ان کے گلے لگے کئی بار یہ جملہ کہہ چکا تھا اور وہ مسکرا رہی تھیں۔

"میرا بیٹا مجھے یاد نہیں کرے گا تو پھر کسے کرے گا۔" انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے ماتھے کا بوسہ لیا۔ جان ان کی اکلوتی اولاد تھا اور انہیں بے حد عزیز بھی۔ جان کے والد اس کی پیدائش کے ایک ڈیڑھ سال بعد ہی وفات پاگئے تھے اور وہ بچپن سے ہی ان کے قصے سنتے ہوئے بڑا ہوا تھا۔ اس کے والد ایک گارمنٹ فیکٹری کے مالک تھے' سوشل لائف کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی مذہبی لائف کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا وہ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے مختلف شہروں میں جاتے تھے اور ان کی بدولت عیسائیت کو بہت ترقی مل رہی تھی اسی لیے مسلمان رہنماؤں نے انہیں قتل کرادیا تھا۔ یہ سب کچھ اسے اس کی مما نے بتایا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اسے مسلمان رہنماؤں سے نفرت تھی۔

"اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں تمہاری؟" انہوں نے کھانا کھاتے ہوئے پوچھا۔

"بہترین! آج کل ڈاکومینٹری پر بھی کام کررہے ہیں ہم لوگ۔" اس نے خوشی خوشی بتایا۔

"گڈ اور ماسٹرز کے بعد کیا ارادہ ہے' جاب یا پھر بزنس۔" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ کو پتا ہے مما! بزنس میری فیلڈ نہیں ہے اگر ہوتی تو میں بی بی اے کرتا ماس کوم نہیں۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"ہوں' اسی لیے میں نے کبھی تمہیں فورس نہیں کیا۔" وہ کھانا ختم کرکے اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"جان! تمہاری صلیب کہاں ہے جو فادر جوزف نے لاسٹ ویک تمہیں دی تھی۔" انہوں نے اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے پوچھا اور ان کی اس بات پر جان سٹپٹا گیا۔

"و...... و...... وہ۔" اس نے گردن پر ہاتھ رکھ کر یاد کرنے کی کوشش کی تھی تبھی اس کی مما نے ہاتھ آگے بڑھایا

اور اسے ہتھیلی پر وہ صلیب دکھی نظر آئی تھی۔

"شاید اپنی کار کے ڈیش بورڈ پر پھینک آئے تھے ہے ناں۔" ان کے لہجے میں طنز تھا۔ جان نے آنکھیں چرائی تھیں۔

"یہیں ہے۔" جان نے وہ صلیب ان کے ہاتھ سے لے کر گلے میں ڈال لی تھی۔

"آپ کو کچھ اندازہ بھی ہے جان آپ کی اس حرکت سے جیز ز ہم سے ناراض بھی ہوسکتے ہیں اور ہو کیا سکتے ہیں ہو رہے ہیں۔" ان کے اس جملے سے وہ سمجھ گیا کہ ان کا اشارہ پچھلے ہفتے ہونے والی بات پر تھا۔

"آئی ایم سوری ماما!" جان شرمندہ ہوا۔

"اگر اب آپ نے یہ کراس اتارا تو میں آپ سے کبھی بھی بات نہیں کروں گی۔" ان کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔ جان گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

"آئی ایم سوری ماما! میں اب ایسا کبھی نہیں کروں گا پلیز آپ مجھ سے ناراض مت ہوں' پلیز۔" جان کا لہجہ ملتجی تھا اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے بہت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور ایک گہری سوچ میں غرق ہوگئی تھیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"یہ آپ کیا کہہ رہیں عبیرہ!" عباد صاحب کبھی عبیرہ کو دیکھ رہے تھے اور کبھی عبیرہ کی اماں کو۔

"آپ کو کچھ اندازہ ہے آپ کے اس فیصلے کا کیا نتیجہ ہوگا۔" انہوں نے حیرت سے عبیرہ کو دیکھا وہ تو بہت سلجھی ہوئی اور نرم مزاج لڑکی تھی مگر آج وہ حد درجہ بے عقلی کی باتیں کر رہی تھی۔

"میں اسے سمجھا کر تھک گئی ہوں' اب آپ ہی اسے سمجھا سکتے ہیں۔" عبیرہ کی اماں نے عباد صاحب کو مخاطب کیا اور پھر کمرے سے باہر چلی گئی۔

"آپ احمد سے رشتہ اس لیے توڑنا چاہتی ہیں کیونکہ اس نے آپ کو چادر پہننے سے منع کیا ہے' کیا یہ بات اتنی اہم ہے کہ جس پر آپ اتنا جذباتی قدم اٹھائیں۔" انہوں نے بہت نرم لہجے میں پوچھا۔

"کیا آپ کی نگاہ میں یہ بات اتنی اہم نہیں ہے بابا جانی۔" عبیرہ کو حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں ہے آپ ادھر آئیں میرے پاس۔" انہوں نے بہت شفقت اور محبت سے کہا اور عبیرہ میکانکی انداز میں چلتی ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"آپ اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت کرتی ہیں مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے لیکن آپ ایک بات کو بھول گئیں دینِ اسلام میں اللہ پاک نے کچھ حدود بنائی ہیں اگر انسان ان حدود سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ حدِ اعتدال سے بڑھ جانے والوں میں یا پھر انتہا پسندوں میں شامل ہو جاتا ہے اور دینِ اسلام میں انتہا پسندوں کے لیے کوئی جگہ نہیں اور میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ آپ انتہا پسند ہوتی جا رہی ہیں عبیرہ!" انہوں نے اس کا سر اپنے سینے پر لگا کر اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا اور عبیرہ کو عجیب سی تسکین مل رہی تھی۔

"آپ اللہ سے اتنی محبت کرتی ہیں کیا آپ یہ چاہیں گی وہ آپ کو اپنے ناپسندیدہ لوگوں شامل کرلے نہیں ناں تو پھر جو ہو رہا ہے اسے ہونے دیں کیونکہ اللہ کبھی بھی اپنے بندوں کے حق میں برا نہیں کرتا۔" انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"یہ میری دعا ہے آپ کے حق میں عبیرہ! ایک باپ کی دعا' جس کی رضا میں اللہ نے اپنی رضا ظاہر کی ہے اللہ پاک آپ کو ایک صالح شوہر کا ساتھ نصیب کرے جو آپ سے بے حد محبت کرے' آپ کا بہت خیال رکھے' جیسی آپ ہیں ویسے ہی آپ سے محبت کرے اور ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" وہ رات گئے تک اپنے بابا جانی کی باتیں سوچتی رہی اور پھر اس کا دل مطمئن ہوگیا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"تم ناراض تو نہیں ہو ناں عدیل؟" جان نے بے

ترتیب ہوتی سانسوں کے ساتھ پوچھا۔ وہ دونوں اس وقت جاگنگ ٹریک پر تھے۔ عدیل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"مجھے پتا نہیں میں اس دن کیا کیا بکواس کرتا رہا مگر مجھے اتنا پتا ہے کہ میں غلط تھا۔ تم ناراض تو نہیں ہو ناں۔" جان نے ایک بار پھر پوچھا۔ عدیل رک کر سانس درست کرنے لگا تھا۔ جان نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا رک کیوں گئے؟" جان نے الٹے قدموں پیچھے ہوتے ہوئے کہا پوچھا اور اچانک ہی وہ بہت زور سے کسی سے ٹکرایا تھا۔ جان کی کہنی پیچھے سے آنے والے شخص کے پیٹ میں پوری قوت سے لگی تھی اور وہ پیٹ پکڑ کر زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔

"اوہ آئی ایم سوری۔" جان جلدی سے پلٹا۔ "سوری میں آپ کو دیکھ نہیں پایا۔" جان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی مگر اس نے جان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"اندھے ہو دکھائی نہیں دیتا' جب ٹریک پر چلنے کا طریقہ نہیں آتا تو شیخی دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔" اس کا انداز بہت بدلحاظ تھا' جان کو بہت غصہ آیا تھا۔

"مائنڈ یو لینگویج مسٹر! اگر آپ مجھے اندھا کہہ رہے ہیں تو اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ میری تو پھر بھی آپ کی طرف پیٹھ تھی آپ تو مجھے دیکھ سکتے تھے یا میری طرح آپ بھی اندھے ہیں۔" جان نے اب کی بار اسی کے انداز میں بات کی تھی۔

"یو باسٹرڈ!" اس لڑکے نے اٹھتے ہوئے جان کا گریبان تھاما تھا' جواباً جان نے بھی یہی کیا تھا۔ اتنے میں عدیل اور کچھ لوگ بھی ان تک پہنچ گئے تھے۔ ان لوگوں نے بڑی مشکل سے ان کا بیچ بچاؤ کرایا تھا۔

"آئی ایم سوری احمد بھائی! جان نے دیکھا تھا عدیل اس بدلحاظ لڑکے کو جانتا تھا۔

"تم ایسے لوگوں سے دوستی کر رکھی ہے عدیل تم نے جنہیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ آؤں گا میں انکل سے تمہاری شکایت کرنے۔" احمد عدیل پر بری طرح غصہ کر رہا تھا۔

"آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا میرے دوست سے اس طرح بات کرنے کا۔" جان غراتا ہوا اس کی جانب بڑھا تھا۔

"جان! خاموش ہو جاؤ' چلو یہاں سے۔" عدیل زبردستی اسے گھسیٹتا ہوا وہاں سے لے گیا۔

❁ ......❁...... ❁
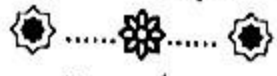
جان کا غصے سے برا حال ہو رہا تھا اور اسی لیے کار بہت تیز چلا رہا تھا۔

"تم بیچ میں کیوں آئے عدیل! میں مار مار کر اس کا وہ حال کرتا کہ اسے اپنی نانی یاد آ جاتی۔" جان نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اور تمہیں کیا ضرورت تھی اس سے یوں معافیاں مانگنے کی وہ انسان تو بات کرنے کے بھی لائق نہیں۔" جان نے دیکھا عدیل بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ "تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا۔" جان نے اسے متوجہ کرنا چاہا اور عدیل نے کچھ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "کیا ہوا؟" جان کو الجھن ہوئی تھی۔

"وہ عجیرہ کا فیانسی ہے۔" عدیل کے اس جملے پر جان کی گرفت اسٹیئرنگ پر ڈھیلی ہوئی مگر دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو نارمل ظاہر کیا تھا۔

"وہ عجیرہ کا فیانسی ہو یا شوہر آئی ڈونٹ کیئر۔" جان نے بے فکری سے کہا۔

"شوہر بھی بن جائے گا اگلے ہفتے۔" عدیل نے ایک اور بم پھوڑا اور جان کی رنگت مزید پھیکی ہوئی تھی مگر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ عدیل کو اس کے گھر ڈراپ کر کے وہ خود بھی گھر آ گیا تھا مگر طبیعت کچھ بوجھل سی ہو گئی تھی۔

اس نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور کار کی چابی بیڈ پر ہی ایک طرف ڈالتے ہوئے وہ خود بھی بیڈ پر دراز ہو گیا۔ بنا جوگنگ ڈریس تبدیل کیے اور جاگرز اتارے۔ وہ کتنی دیر بے حس و حرکت پڑا رہا تھا۔ جیسے وجود میں جان ہی نہ ہو جیسے دل ہی نہ دھڑک رہا ہو۔ اندھیرا دم میں مزید بڑھ گیا

تھا‘ مگر ایک عجیب سی روشنی اسے اپنے وجود میں محسوس ہوئی تھی‘ اس نے آنکھیں بند کی اور عبیرہ کا چہرہ اس کی آنکھوں میں ابھرا تھا اور اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

”یہ اسی کی روشنی ہے‘ اسی کی......“ اس نے خود کو مخاطب محسوس کیا تھا۔

”کیا تم میرے وجود میں کہیں ہو عبیرہ عباد؟“ اس نے خود سے پوچھا تھا۔

”کہاں؟“ وہ ایک بار پھر مخاطب تھا یک دم اس کی آنکھیں ایک انجانے خوف سے پھیل گئی اور وہ اپنی جگہ اٹھ بیٹھا تھا۔

”کہیں...... کہیں تم میرے دل کے نہاں خانوں میں تو مقید نہیں ہوگئی ہو عبیرہ!“ اس کا پورا وجود لرز کر رہ گیا تھا۔

....
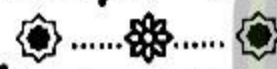
اس نے عمارت پر ایک گہری نگاہ ڈالی تھی‘ اسلامی طرز پر بنائی گئی وہ عمارت اسلامی طرز کا مرکز تھی۔ داخلی دروازہ شیشم کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس پر خوب صورت نقش کاری کی ہوئی تھی۔ دروازے کے آگے ماربل کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ سیڑھیوں کے دونوں طرف طویل کیاریاں بنی ہوئی تھیں جن میں موتیا اور گلاب کے پھول کھلے تھے۔ دروازے کے اوپر بلیک کلر کی بہت چوڑی اسٹرپ پر سلور کے جلی حروف میں لکھا تھا۔

”Institute of Islamic Studies“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر ڈیپارٹمنٹ کے اندر قدم رکھ دیا۔ وہ آج یہاں چوتھی بار آیا تھا‘ وہ پچھلے چار سال میں کبھی اس ڈیپارٹمنٹ میں نہیں آیا تھا۔ اسے اسلام میں نہ تو کوئی دلچسپی تھی اور نہ دینِ اسلام پر وعظ و تبلیغ کرنے والوں سے۔ عدیل ایسے لوگوں میں نہیں تھا شاید اسی لیے وہ جان کا سب سے قریبی دوست تھا اور شاید یہی وجہ تھی جس کے سبب جان نے پہلی ملاقات میں عبیرہ کی کہی ہوئی بات پر حد درجہ ناگواری کا اظہار کیا تھا مگر اس ایک لمحے کے بعد اس نے کبھی عبیرہ سے ناگواری محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے کلرک آفس میں داخل ہو کر ڈائریکٹر سے رابطہ کیا اور انہیں بتایا کہ وہ ایک اسائنمنٹ کے سلسلے میں ان سے ملنے آیا ہے اور انہوں نے اسے اپنے آفس میں بلا لیا تھا۔

”سر میرا نام جان ویراج چوہان ہے۔ ماس کوم فائنل ائیر کا اسٹوڈنٹ ہوں۔ میرا یہاں آنے کا مین پرپز یہ ہے سر کہ مجھے آپ کے ڈیپارٹمنٹ کے اس سمسٹر کے بارے میں انفارمیشن حاصل کرنی ہے اور اسے مکمل کر کے اگلے ہفتے کے میگزین میں شایع کرنا ہے۔“ جان نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بہت تفصیلی طور پر بتایا۔

”اوکے مسٹر چوہان! میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“ ڈائریکٹر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”مجھے آپ سے کچھ سوالات پوچھنے ہیں اور آپ کے کچھ ٹیچرز سے بھی۔“ جان نے بہت سہولت سے جواب دیا تبھی ایک کلرک دروازہ کھول کر اندر آیا اور ایک سرٹیفکیٹ ڈائریکٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے سائن کرنے کا کہہ کر چلا گیا۔ ڈائریکٹر نے وہ سرٹیفکیٹ اپنے سامنے ٹیبل پر رکھا اور ادھر اُدھر پین دیکھنے لگا تھا‘ جان نے اپنے ہاتھ میں پکڑا پین مسکرا کر ان کی طرف بڑھایا تو انہوں نے شکریہ کے ساتھ پین لیا اور سائن کر دیے۔ پین واپس لیتے ہوئے جان کی نظر سرٹیفکیٹ پر پڑی تھی اور ایک لمحے کے لیے اس کا ہاتھ ہوا میں ہی رک گیا تھا۔ وہ عبیرہ کا انٹرشپ سرٹیفکیٹ تھا۔

”اس کا مطلب اس دن وہ ایک انٹرنی کے طور پر پڑھا رہی تھی اور میں اسے پریزنٹیشن سمجھ رہا تھا۔“ جان ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

”مسٹر چوہان۔“ ڈائریکٹر نے اسے پکارا۔

”سر! کیا آپ میرا ایک کام کر سکتے ہیں؟“ جان نے پین پکڑتے ہوئے کچھ پُرسوچ لہجے میں کہا۔

”یس پلیز۔“ ڈائریکٹر نے اب بھی نرم لہجے میں کہا۔

”میں آپ کے اور ٹیچرز کے انٹرویوز کے علاوہ کچھ کلاسز بھی اٹینڈ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو کوئی پرابلم تو نہیں ہوگی۔“ جان نے بہت محتاط انداز میں کہا۔

"نہیں! بالکل بھی نہیں اگر آپ مینج کرسکیں تو بھلا ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" ڈائریکٹر نے حد درجہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"ویسے آپ کون سے ایئر کی کلاسز اٹینڈ کرنا چاہیں گے؟" ڈائریکٹر نے پوچھا۔

"میں مس عمیرہ کی کلاسز اٹینڈ کرنا چاہوں گا وہ جس ایئر کو بھی پڑھاتی ہیں۔" جان نے جواب دیا۔

"آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے مسٹر چوہان! عمیرہ ہماری ایک قابل طالبہ ہیں اور آج کل ایک انٹرنی کے طور پر کلاسز دے رہی ہیں وہ پروفیسر نہیں ہیں۔" ڈائریکٹر نے اسے وضاحت دی۔

"میں جانتا ہوں' میں نے ان کی ایک کلاس اٹینڈ کی تھی' مجھے ان سے بھی کچھ سوالات پوچھنے ہیں۔" جان نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کہہ رہا تھا مگر یہ بات اس کے دل کو ایک عجیب تسکین دے رہی تھی۔

"اوکے جیسے آپ کی مرضی۔" ڈائریکٹر نے رضامندی ظاہر کردی۔ اس کے بعد جان نے ڈائریکٹر اور کچھ ٹیچرز کے انٹرویوز لیے اور مطمئن دل کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ سے واپس آ گیا تھا۔

......

وفا جب مصلحت کی شال اوڑھے
سرد رُت کا روپ دھارے دل کی آنگن سے گزرتی ہے
تو پلکوں پر ستاروں کی دھنک مسکانے لگتی ہے
کبھی خوابوں کے ان چھوئے ہیولوں سے کبھی
ان دیکھی سی' انجانی سی خوشبو آنے لگتی ہے
کسی کے سنگ بیتے' ان گنت لمحوں کی زنجیریں
اچانک ذہن میں جب گنگناتی ہیں
نفس کے تار میں سناٹا ایک دم چیخ اٹھتا ہے
تو یوں محسوس ہوتا ہے
ہوائیں آ کے سرگوشی سی کرتی ہیں
محبت کا تمہیں اب تو ادراک ہو گیا ہوگا
یہ جو بھی زخم دیتی ہے کبھی سینے نہیں دیتی
محبت روٹھ جائے تو کبھی جینے نہیں دیتی

وہ اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا' لائٹ آن کیے بغیر اندھیرے میں ہی اپنا بیگ ایک طرف ڈالا اور اپنے گلے میں پڑا کارڈ سینٹرل ٹیبل پر پھینکا تھا۔ اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھا تھا۔ ٹائی بھی کھول کر اس نے ٹیبل پر ڈال دی اور صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے اپنے پاؤں ٹیبل پر رکھے' اپنے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ تھکاوٹ اور بےزاری دونوں ہی اس کے چہرے سے عیاں تھیں۔ پورے دن کی روٹین یاد کرتے ہوئے اس کا ذہن ایک بار پھر انتشار کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اب وہاں نہیں رہ پائے گا۔ ہر ملک' ہر شہر میں وہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک ہی ٹک پاتا تھا اور یہاں تو پھر بھی اس نے پورا ایک سال گزار دیا تھا۔

"جب ہماری کوئی بھی تدبیر کارگر ثابت نہ ہو' جب ہماری بہت کوشش کے باوجود بھی ہمارے مسائل حل نہ ہو رہے ہوں اور ہماری پریشانیاں ہمارے جسم و روح کو گھائل کرنے لگیں تب ہمیں نماز قائم کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ نماز بندے کا اپنے ربّ سے براہ راست تعلق پیدا کرتی ہے' جب ٹوٹا دل اس عظیم الشان ربّ کے روبرو جھکتا ہے تو صرف لب تھرتھراتے ہیں' اپنی اوقات اور اپنے بےبس وحقیر ہونے کا احساس حاوی ہوتا ہے۔ دل سے ہر غرور اور تکبر مٹ جاتا ہے۔ اس کی بلندی اور اپنی بندگی کا احساس بندے کو اس کے ربّ کے بہت قریب لے جاتا ہے۔ عجز وانکسار کے ساتھ اپنے ربّ کے آگے جھکتا ہے اور بےشک اللہ پاک عجز وانکسار کو پسند کرتا ہے۔" اس کے کانوں میں اسی انسان کی آواز گونج رہی تھی جسے اس نے ہمیشہ آئیڈیلائز کیا تھا' اس نے آنکھیں کھولی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسے نماز پڑھنی تھی' ہر مشکل اور پریشانی میں اللہ کی سب سے بڑی مدد' نماز۔ کچھ دیر بعد اس کی انگلیاں بہت تیزی سے اپنے لیپ ٹاپ کی کیز پر چل رہی تھیں۔

ریزیگنیشن مکمل ہوچکا تھا اس نے اپنا نام لکھا۔ ''کاشان فریدی'' اور اپنی کمپنی کے میلنگ ایڈریس پر بھیج دیا تھا۔ کافی کا کپ اٹھائے وہ کوریڈور میں کھڑا ہوگیا۔ سڑک پر دوڑتی گاڑیوں کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن میں کل کے پیپر میں چھپنے والی سرخی ابھرنے لگی تھی۔

''پاکستان کے مشہور جرنلسٹس میں سے ایک ''کاشان فریدی'' اپنے کیریئر کی بلندی پر اپنی جاب سے استعفیٰ دے چکے ہیں۔''

❁ ...... ❁ ...... ❁

اس نے کسمساتے ہوئے آنکھیں کھولی تھیں۔ سر شدید درد کی لپیٹ میں تھا آنکھیں کھلتے ہی بند ہوگئی تھیں جس کا سبب کمرے میں جلنے والی لائٹ تھی یا پھر بہت دیر آنکھیں بند رہنے کی وجہ سے ایسا ہوا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ سے آنکھیں دوبارہ کھولی اور اب کی بار وہ کامیاب رہی تھی۔ وہ اس وقت اسپتال کے بیڈ پر تھی' ایک ڈاکٹر اس کا ہاتھ تھامے اس کی نبض چیک کررہا تھا' اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر ڈاکٹر اس سے مخاطب تھا۔

''کیسی ہیں مس طوبیٰ آپ؟'' اس نے جواب دینے کے بجائے مسٹر اور مسز یامین کو دیکھا ان کی نگاہوں سے بے بسی اور مجبوری عیاں تھی۔ اس کے ذہن میں آج ہونے والا اس کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ سب سے بڑا سچ گھومنے لگا تھا۔ آج اس کی شادی اس کے بابا کے سب سے بہترین دوست کے بیٹے احرام سے ہورہی تھی' پانچ سال منگنی کے بعد آج یہ رشتہ تکمیل کو پہنچ رہا تھا اور آج کے دن ہی اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ جنہیں وہ اپنا ماں باپ سمجھتی تھی ان کا تو اس سے کوئی رشتہ ہی نہیں تھا۔ یہ انکشاف اس پر آج بھی نہیں ہو پاتا اگر برات سے آدھا گھنٹہ پہلے احرام کی آمد نے اسے حیرت میں نہ ڈال دیا ہوتا۔ وہ دلہن بنی کمرے سے باہر نکلی تھی' پورے گھر میں سنسنی سی پھیلی ہوئی تھی۔ مہمانوں میں سرگوشیاں ہورہی تھیں۔ وہ شرارہ سنبھالے اپنے بابا کے کمرے کے دروازے تک پہنچی تھی۔ اس کے کانوں سے احرام کی آواز ٹکرائی تھی۔

''انکل! مجھے یہ بات نہ پتا چلی ہے اگر پہلے پتا چل گئی ہوتی تو میں طوبیٰ سے یہ بات نہ چھپاتا۔ مجھے حیرت ہے آپ لوگوں نے اسے یہ بات کیوں نہیں بتائی۔ یہ اس کا حق تھا کہ اسے پتا چلتا کہ وہ...... وہ آپ کی بیٹی نہیں ہے۔ اگر کل......'' اس کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا وہ طوبیٰ کو دروازے پر کھڑا دیکھ چکا تھا' وہ غیر یقینی نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلاتے پیچھے ہٹنے لگی۔

''نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ جھوٹ ہے...... یہ......'' وہ برستی آنکھوں سے مڑی اور بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی احرام اس کے پیچھے آیا مگر طوبیٰ اس کی پہنچ سے باہر نکل گئی تھی۔ انہوں نے فوراً ہی پولیس کو انفارم کیا' کچھ دیر بعد ہی انہیں طوبیٰ کا پتا چل گیا تھا۔ اسپتال پہنچ کر ڈاکٹر سے بات کرنے پر پتا چلا تھا کہ زیادہ زخمی نہیں ہوئی تھی صرف ہاتھوں کی کلائیاں زخمی ہوئی تھیں۔ یہ سب کچھ یاد کرتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو پھر رواں ہوگئے تھے۔

''طوبیٰ! میری بچی...... تم صرف ہماری بیٹی ہو۔ صرف ہماری اور بس......'' مسز یامین نے جھک کر اس کے ماتھے کا بوسہ لیا اور بیڈ پر ہی اس کے برابر بیٹھ گئی تھیں۔ مسٹر حیات بھی آگے بڑھ آئے اور اس کا ہاتھ تھام کر بہت محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''طوبیٰ! آپ صرف ہماری بیٹی ہیں اور کسی کی نہیں۔'' ان کی آنکھیں نم ہورہی تھیں۔

''یہ حقیقت نہیں ہے بابا! اور آپ کے کہہ دینے سے حقیقت نہیں بدلے گی۔ کون ہوں میں؟ کیا ہے میری پہچان؟ اور کس خاندان سے ہے میرا تعلق؟'' وہ رندھے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ ''کم از کم آپ مجھے یہ ہی بتادیں کہ کہاں سے ملی تھی میں آپ کو؟'' وہ بری طرح رونے لگی۔

''میں بتاتا ہوں کون ہیں آپ؟ کیا ہے آپ کی پہچان اور کس خاندان سے تعلق ہے آپ کا؟'' ایک باوقار آواز دروازے کی طرف سے ابھری تھی۔ ان تینوں نے ہی

دروازے کی جانب دیکھا۔ یہ وہی لڑکا تھا جسے اس نے بے ہوش ہونے سے چند سیکنڈ پہلے دیکھا تھا۔

''کون ہے یہ؟'' اس کے ذہن میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے اسی کلاس میں اسی چیئر پر بیٹھا تھا جس میں اس نے عمیرہ کا پہلا لیکچر اٹینڈ کیا تھا' کانوں میں ہینڈز فری لگائے وہ بیک اسٹریٹ بوائز کا سونگ کتنی بار سن چکا تھا۔

''کیا ہے میری خواہش؟ کیا میں واقعی عمیرہ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہوں یا پھر...... ہمیشہ کی طرح...... صرف محویت کا شکار ہونا چاہتا ہوں۔'' اس نے گانا بند کرکے خود سے پوچھا۔

''کیوں آیا ہوں میں یہاں' کس لیے؟'' بے ترتیب لیکن بامعنی سوالات اس کے ذہن میں ابھر رہے تھے مگر زندگی میں پہلی بار اس کے پاس اپنے کسی سوال کا جواب نہیں تھا اور وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ایک لمبے وقت اس کے پاس اپنے کسی سوال کا جواب نہ ہوگا' یک دم دروازہ کھلا اور اس نے پلٹ کر دیکھا' عمیرہ ہاتھوں میں بلیک رنگ کی فائل اٹھائے اندر داخل ہورہی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ غالباً میلاد والا دن اسے یاد تھا۔ جان نے اس کی آنکھوں کے تاثرات سے اندازہ لگایا تھا مگر پھر وہ قدرے سنبھلتے ہوئے آگے بڑھ آئی تھی۔

''باقی اسٹوڈنٹس کہاں ہیں آپ کی کلاس کے؟'' خالی کلاس پر نظر ڈالتے ہوئے وہ غالباً جان سے مخاطب تھی۔ جان کے جواب نہ دینے پر فائل ٹیبل پر رکھ کر وہ پلٹی۔ جان اسے ہی دیکھ رہا تھا مگر اس کے کانوں میں ہینڈز فری لگا تھا۔ عمیرہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ہینڈز فری نکالنے کا کہا' اس نے غیر محسوس مسکراہٹ کے ساتھ ہینڈز فری کانوں سے نکال دیا۔

''آپ کی کلاس کے باقی کلاس فیلوز کہاں ہیں؟'' فائل سے اٹینڈنس شیٹ نکالتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''اور آپ نے سمسٹر کے اینڈ میں جوائن کیوں کیا ہے؟ آپ کی اٹینڈنس بہت شارٹ ہے آپ پیپر نہیں دے پائیں گے' آپ کا رول نمبر کیا ہے؟'' اس نے ٹیک لگاتے ہوئے کہا تبھی کچھ اسٹوڈنٹس اندر داخل ہوئے اور عمیرہ کو سلام کرکے اگلی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔

''یس مسٹر بیک سیٹر۔'' اس نے پین سے اسے پوائنٹ آؤٹ کیا' وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ عمیرہ اسے ایک اسٹوڈنٹ کی طرح ٹریٹ کررہی تھی جب کہ وہ دونوں ہی ہم عمر تھے۔ وہ کچھ بول پاتا اس سے پہلے ہی کچھ اسٹوڈنٹس اور آگئے تھے۔ تقریباً تمام اسٹوڈنٹس کے آجانے کے بعد عمیرہ نے ایک بار پھر جان کی طرف دیکھا۔

''آپ کا نام؟'' مگر شاید ابھی قسمت جان کے ساتھ نہیں تھی' دروازہ ایک بار پھر کھلا اور ڈائریکٹر عبدالرؤف اندر داخل ہوئے تھے' انہیں دیکھ کر سبھی حیران رہ گئے سوائے جان کے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر جان سے ہاتھ ملایا جس نے عمیرہ سمیت سب کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ عمیرہ ان کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''السلام علیکم سر! آپ یہاں کیسے؟'' عمیرہ نے بہت شائستہ لہجے میں پوچھا۔

''وعلیکم السلام! آج ایک ضروری کام تھا اس لیے آنا پڑا۔ ان سے ملیں یہ مسٹر جان ویراج چوہان ہیں۔ ماس کوم فائنل ائیر کے اسٹوڈنٹ ہیں' انہیں اپنے اسائنمنٹ میں آپ کی مدد چاہیے یہ کچھ انفارمیشن جمع کررہے ہیں۔ مجھے امید ہے آپ ان کی اچھی طرح مدد کریں گی۔'' عمیرہ نے ان کی بات پر صرف سر ہلایا تھا۔

''اوکے گڈ لک مسٹر چوہان۔'' انہوں نے ایک بار پھر جان سے ہاتھ ملایا اور باہر نکل گئے۔ اب عمیرہ جان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آپ سیکنڈ ائیر کے اسٹوڈنٹ نہیں ہیں۔'' عمیرہ کا لہجہ بہت نارمل تھا۔

''اس کا موقع ہی نہیں آپایا۔'' جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویسے ایک اور وجہ بھی تھی۔ مجھے لگا کہ آپ مجھے کلاس

سے نکل جانے کا کہیں گی کیونکہ میں ایک نون مسلم ہوں اور آپ کا ڈیپارٹمنٹ اسلامک ٹیچنگ پر مبنی ہے۔" جان نے اسی انداز میں کہا۔

"کیا.....؟" عبیرہ کو حیرت ہوئی تھی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے، میری نظر میں ان کی بہت عزت ہے جو دین اسلام کو اپنی خواہش اور خوشی سے سمجھنا چاہتے ہیں۔" عبیرہ نے اب بھی نرم لہجے میں کہا تھا۔

"تو پھر؟" عبیرہ پہلی بار چونکی تھی مگر جان خاموش ہوگیا یہ تو خود اسے بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا، کیا چیز تھی جو اسے واپس یہاں کھینچ لائی تھی۔

"اوکے، آپ اگلی نشستوں میں سے ایک پر بیٹھ جائیں۔" اس کے خاموش رہنے پر عبیرہ نے کہا اور پلٹ کر بورڈ کی جانب بڑھ گئی تھی۔ جان اپنا بیگ اور ریکارڈ اٹھا کر اس کے پیچھے چل پڑا تھا بالکل ویسے ہی جیسے خواب میں اس کے پیچھے چلا کرتا تھا، وہ بورڈ پر ٹاپک لکھ رہی تھی۔

"صدقہ و تقویٰ۔" وہ ہمہ تن گوش ہوکر سن رہا تھا، اس کے لیکچر کے دوران وہ ایک بار پھر فادر جوزف اور عبیرہ کا موازنہ کررہا تھا۔

❁......❁......❁

"میں یقین رکھتا ہوں اسلام اور عیسائیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔" وہ اپنی جگہ پر کھڑا بلند آواز میں کہہ رہا تھا، آج وہ عبیرہ کا چوتھا لیکچر اٹینڈ کررہا تھا۔ عبیرہ ابھی اٹینڈنس سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ اس نے اپنا نظریہ پوری کلاس کے سامنے بلند آواز میں بیان کیا۔ جان کی اس بات نے اسٹوڈنٹس کو طیش دلا دیا تھا مگر عبیرہ کے ایکسپریشن سب سے مختلف تھے۔ اس نے پُرسوچ انداز میں مسکراتے ہوئے جان کو دیکھا۔ جان بھی اس کے ایکسپریشن پر چونکا تھا۔

"آپ ایسا کہہ سکتے ہیں مسٹر چوہان کہ اسلام اور عیسائیت میں کوئی فرق نہیں۔" عبیرہ کے ایکسپریشن کے ساتھ ساتھ اس کی بات بھی سب کو چونکا گئی تھی۔ "لیکن کیا آپ یہ واضح کریں گے کہ آپ یہ بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟" عبیرہ نے اپنی جگہ کھڑے ہوکر پوچھا۔

"آپ کے پچھلے لیکچرز کی بنیاد پر میں نے یہ بات کہی ہے۔ جن میں آپ نے صدقہ، خیرات، تقویٰ، پرہیزگاری اور قیامت کے بارے میں اپنی مقدس کتاب سے حوالے دیئے۔ شیطان کے بارے میں بتایا اور کہا جو مقدس کتاب پر عمل نہیں کرے گا وہ شیطان کا ساتھی ہوجائے گا اور جہنم میں جائے گا۔ عیسائیت میں بھی یہی تصور کیا جاتا ہے۔ ہم میں بھی متقی و پرہیزگار وہی ہوتا ہے جو صدقہ خیرات کرے، عبادت کرے، بائبل پر عمل کرے اور قیامت پر یقین رکھے پھر آپ مجھے بتائیں فرق کہاں ہے؟" جان نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

"کیا کوئی مسٹر چوہان کے تصور کی حمایت کرے گا؟" عبیرہ تمام اسٹوڈنٹس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"میرا نہیں خیال میم کہ ان کا یہ کہنا درست ہے کیونکہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ پاک کا بیٹا مانتے ہیں نعوذ باللہ۔" ایک لڑکے نے کھڑے ہوکر بلند آواز میں کہا۔

"اگر ہم ایسا مانتے ہیں تو اس میں کیا غلط ہے، کیا جیزز کی پیدائش ایک معجزہ نہیں ہے؟" جان نے دوبدو کہا۔ اس لڑکے نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر عبیرہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کردیا۔

"آبگینے! آپ کچھ کہنا چاہیں گی؟" عبیرہ نے ایک بہت اچھی اسٹوڈنٹ کو مخاطب کیا تھا۔

"نو میم!" اس کے لہجے میں بہت کڑواہٹ تھی۔

"کیا آپ واقعی عیسائیت پر یقین نہیں رکھتیں؟" عبیرہ نے تصدیق چاہی تھی۔

"یس میم!" اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"کیا کوئی آبگینے کی بات کی حمایت کرے گا۔" عبیرہ نے سب کو مخاطب کیا تھا تقریباً سب نے ہاتھ اٹھالیا ماسوائے چند ایک کے۔

"عبداللہ آپ نے آبگینے کی حمایت کیوں نہیں کی؟" عبیرہ نے ان چند اسٹوڈنٹس میں سے ایک سے پوچھا۔

"میم آبگینے اپنے اس جملے سے نادانستہ طور پر اللہ کے دین سے انکار کررہی ہیں۔ اللہ کے دین سے انکار کا

مطلب جس نبی پر وہ دین وہ شریعت اتاری گئی اس نبی کا انکار اور ایک نبی کا انکار تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے انکار ہے۔ ایسا کرنے سے کوئی بھی مسلمان اپنے دین سے باہر نکل سکتا ہے کیونکہ اسلام کی اساس ہی یہی ہے کہ اسلام کا ماننے والا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی و رسول ماننے سے دینِ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان رکھنا ضروری ہے کیونکہ انبیاء کرام پر ایمان اسلام کے چار بنیادی عقائد میں دوسرا بڑا عقیدہ ہے۔ جس کو اللہ نے توحید کے بعد لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔" عبداللہ کے خاموش ہونے پر عیرہ کے چہرے پر ایک تیز چمک ابھری تھی۔

"شاباش عبداللہ! آپ نے اپنے نام کی لاج رکھی۔ جزاک اللہ خیرا۔" عبداللہ کے بیٹھنے کے بعد عیرہ باقی اسٹوڈنٹس سے مخاطب ہوئی۔

"آپ لوگوں نے مجھے بہت مایوس کیا' مجھے لگا کہ آپ میری ہر بات سمجھتے ہیں اور آنے والی زندگی میں آپ کو بھی اسلام کے حوالے سے کوئی الجھن نہیں ہو گی لیکن مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ نے صرف سنا' رٹا لگایا مگر سمجھا نہیں۔ یہی ہماری قوم' ہم امتِ مسلمہ کا المیہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم تفرقے میں پڑے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک نے دینِ اسلام کو تنگ نظری اور محدودیت کا مذہب بنا دیا ہے۔ بنا سوچے سمجھے ہم اللہ پر بہتان باندھ دیتے ہیں اور ہمیں پتا بھی نہیں چلتا۔ ہم اس کے حکم سے روگردانی کر کے بھی بے خبر رہ جاتے ہیں۔" عیرہ ایک لمحے کے لیے رکی تو آبگینے مخاطب ہوئی تھی۔

"آئی ایم سوری میم! لیکن میرا وہ مطلب نہیں تھا جو آپ نے سمجھا۔ میں صرف نون مسلموں کے حوالے سے اپنا پوائنٹ آف ویو بتا رہی تھی مگر کیا آپ وضاحت کر سکتی ہیں اپنے اس تصور کی کہ اسلام اور عیسائیت ایک مذہب ہیں ان میں کوئی فرق نہیں حالاں کہ آپ ہم سے بہتر جانتی ہیں کہ اسلام میں کہیں بھی شرک کی کوئی گنجائش نہیں اور عیسائی اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور آپ ایک مشرک کی حمایت کر رہی ہیں ہم اتنے مسلمانوں کی مخالفت میں۔" آبگینے کا لہجہ ذومعنی تھا۔

"کیا آپ کو یقین ہے آبگینے آپ نے یا کلاس میں سے کسی نے بھی میرا جملہ پورے غور سے سنا تھا' جو آپ کے مطابق میں نے مسٹر چوہان کی حمایت کرنے کے لیے کہا؟" عیرہ نے بہت مدھم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"یس میم! آپ نے کہا تھا' مجھے بھی ایسا لگتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔" آبگینے نے بہت اطمینان سے کہا۔

"میں نے تو ایسا نہیں کہا تھا۔" عیرہ نے تردید کی اور سب دنگ رہ گئے تھے۔ جان سوچنے لگا تھا کیا کہا تھا عیرہ نے۔ اس نے ذہن پر زور دیا اور اسے زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اپنی بہترین یادداشت کے سبب' وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

"مجھے بھی ایسا لگتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں۔" کلاس میں یک دم خاموشی چھا گئی تھی۔

"بالکل! میں نے یہی کہا تھا آپ بیٹھ جائیے پلیز۔" عیرہ نے بہت پرسکون لہجے میں کہا۔ "اب میں آپ سب سے پوچھتی ہوں ماسوائے مسٹر چوہان کے' کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی توحید کے سوائے کوئی پیغام دیا تھا؟ کیا انہوں نے اپنے اللہ کا رسول ہونے کے دعوے کے سوا کوئی اور دعویٰ کیا تھا؟ کیا انہوں نے کہا تھا اپنی امت سے کہ ان کے دنیا سے جانے کے بعد وہ لوگ انہیں اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیں۔" اب پوری کلاس میں خاموشی تھی۔ "نہیں' انہوں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا جس سے اللہ کی توحید کے علاوہ کوئی اور معنی نکلتے ہیں۔ انہوں نے کوئی اضافی بات نہیں کی' کوئی بہتان نہیں باندھا اللہ پر پھر میں آپ یا کوئی اور یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا پیغام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے پیغام سے مختلف ہے۔" اب جان سمیت پوری کلاس پر عیرہ کے جملے کا تصور کلیئر ہو گیا تھا۔

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی وحدانیت کا پیغام اس کی طرف سے نازل شدہ کتاب انجیل دے کر گئے تھے اپنی امت کو مگر ان کی امت نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی' مشابہت کیں' اس کتاب الہیہ میں اپنی من گھڑت باتیں شامل کر دیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ اللہ کے بیٹے ہیں اور......"

"آپ سراسر غلط کہہ رہی ہیں۔" جان نے کھڑے ہو کر بہت بلند آواز میں کہا۔ "خود بائبل میں یہ واضح طور پر لکھا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوحنا سے بپتسمہ لیا تو خدا نے کہا کہ بلاشبہ یہ ہماری اولاد ہے اور جو اس پر ایمان لائے گا وہ بھی ہماری اولاد میں شامل ہو جائے گا۔ اب کیا آپ بائبل کو بھی جھٹلائیں گے' بقول آپ کے وہ ایک آسمانی کتاب ہے اور آسمانی کتاب کے انکار سے ایک مسلمان' مسلمان نہیں رہتا۔" جان کو غصہ آ گیا تھا۔ جان کے غصے کا کوئی نوٹس لینے کے بجائے عبیرہ نے ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا اور جان کی طرف بڑھا دیا' جو جان نے ایک ہی گھونٹ میں پی لیا۔

"ریلیکس' ہم یہاں حق و باطل کی جنگ نہیں لڑ رہے ہیں مسٹر چوہان! حق و باطل کا فیصلہ محشر کے دن اللہ پاک خود فرما دیں گے۔ ہمارا یہاں مین پرپز یہ ہے کہ ہم آپ کی رائے کا تجزیہ کریں کہ آج کی عیسائیت اور اسلام میں کوئی فرق نہیں۔" عبیرہ نے گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے پلٹ کر اسے مخاطب کیا۔

"آپ نے اپنی رائے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تقویٰ کی مثال دی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے لیے آپ نے کہا کہ ان کی پیدائش معجزہ ہے۔ اس کائنات میں تو اللہ پاک کے بے شمار معجزات ہیں آسمانوں کا بنا ستون کے کھڑا رہنا' زمین کا گردش کرنا مگر محسوس نہ ہونا' ہوا کا چلنا مگر دکھائی نہ دینا اور حضرت آدم علیہ السلام کا بنا والد کے وجود میں آنا۔" اپنی بات مکمل کر کے عبیرہ نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ جان کو دیکھا' وہ اپنی جگہ گنگ رہ گیا تھا جب کہ باقی اسٹوڈنٹس دل ہی دل میں عبیرہ کے معترف ہوئے تھے کہ اس نے کتنے بہترین طریقے سے جان کی بات کو غلط قرار دیا تھا۔

"آپ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک معجزہ ہے کیونکہ بنا والد کے وجود میں آئے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہیں گے؟ ان کے تو نہ فادر تھے نہ مدر' آپ کے مطابق پھر ان کا تو سب سے زیادہ حق ہے ابن اللہ ہونے کا۔ میں صحیح کہہ رہی ہوں نا؟" عبیرہ کی اس بات نے تو اسے ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے کبھی اس زاویئے سے تو سوچا ہی نہیں تھا۔ عبیرہ اب پوری کلاس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"قرآن پاک میں اللہ عزوجل فرماتا ہے: "اللہ کے ہاں جیسے آدم ویسے عیسیٰ" اور ایک جگہ اور ارشاد فرمایا: "وہ جس کام کے کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اسے کہتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔"

"ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک معجزہ ہے مگر اس معجزے کے ہونے میں صرف اللہ کا ارادہ شامل ہے اس میں نہ حضرت آدم علیہ السلام کی اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوشش ہے' وہ دونوں ہی پیغمبر اللہ تھے اور دین خدا پر عمل کرنے اور کروانے والے مگر ابن اللہ ہرگز نہیں۔" عبیرہ ایک لمحے کے لیے رکی تھی۔

"آپ نے کہا تقویٰ کی بنیاد پر اسلام اور عیسائیت ایک ہی مذہب ہیں' بنیادی طور پر تقویٰ ہے کیا؟ ایک اچھائی؟ یقیناً ایک اچھائی۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تقویٰ انسانی اخلاقیات کا جزو ہے اور انسانی اخلاقیات صرف کسی ایک مذہب کے لیے مخصوص نہیں ہیں' اس کی تعلیم ہر مذہب نے ہر دور میں کی ہے پھر چاہے وہ اسلام ہو' عیسائیت' یہودیت ہو یا پھر بت پرستی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اچھائی کی بنیاد پر سب مذہب ایک ہیں تو ہم اچھائی کی بنیاد پر تو دو مذہبوں کے درمیان فرق کو بیان نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں وہ بنیاد ڈھونڈنی چاہیے' جس کی بنیاد پر یہ مذہب ایک دوسرے سے مختلف ہیں اگر ہم بت پرستی کو دیکھیں تو

وہ پتھروں کی عبادت کرتے ہیں یعنی اللہ کو جانتے ہی نہیں' یہودیت اور عیسائیت یہ اللہ کو مانتے ہیں مگر اسے صاحب اولاد بھی سمجھتے ہیں اور اسلام کو اگر ہم دیکھیں تو اس کے ماننے والے اللہ پاک کو اس کی ذات وصفات میں یکتا وتنہا مانتے ہیں۔ وہ واحد مذہب جو اللہ کو ماننے کا حکم دیتا ہے اور اسے ہر طرح کے شرک سے پاک بتاتا ہے' وہ واحد مذہب جس میں چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی تحریف نہیں ہوئی۔ وہ واحد مذہب جو اپنے ماننے والے کو اس بات کا ہرگز پابند نہیں کرتا کہ وہ ہر وقت صرف اسلام کا کلمہ پڑھتا رہے۔ سر پر ٹوپی رکھے ہاتھ میں تسبیح لیے پھرتا رہے۔ نہیں اسلام ایک پریکٹیکل سوچ رکھنے والے شخص کا مذہب ہے۔ کائنات کی تخلیقات پر نظر ثانی کرکے' اسے سمجھ کے ماننے والے کا مذہب ہے۔ جو انسان کو ہر مذہب کے مطالعے کی اجازت دیتا ہے اور میں نے ہر مذہب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرلیا ہے کہ اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں۔ وہ واحد مذہب جس کو اللہ پاک نے اپنا دینِ پسندیدہ قرار دیا ہے۔'' وہ ایک لمحے کے لیے رکی پھر جان سے مخاطب ہوئی۔

''مجھے یقین ہے مسٹر چوہان! اب آپ کو اچھی طرح سمجھ آگیا ہوگا کہ دینِ اسلام اور عیسائیت میں کیا فرق ہے لیکن نظریات کے فرق کو سمجھنے کے لیے آپ کو ہر دین کے بارے میں تفصیلی مطالعے کی ضرورت ہے اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ سوائے اسلام کے ہر مذہب کے رہنما اپنے مذہب کے ماننے والوں کو صرف اپنے دین کے مطالعے پر پابند کرتے ہیں۔ آپ کے دینی علماء راہب لوگ' بھی آپ کو ہر دوسرے دین اور خاص طور پر اسلام سے تو ہر حال میں دور رہنے کا کہتے ہوں گے' میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟'' عبیرہ نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور جان نے سر جھکا دیا تھا جیسے اس کی بات کی تصدیق کررہا ہو تبھی بیل بجی اور لیا پیریڈ آف ہوچکا تھا۔

''میری آپ سب سے گزارش ہے براہ مہربانی حق و باطل کی باریکیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ مطالعہ کریں۔ حق اور سچ کی راہ پر مضبوطی کے ساتھ قدم آگے بڑھاتے رہیں' ایسا نہ ہو کہ آپ کے قدم ذرا سے ڈگمگائیں' ایمان ذرا سا متزلزل ہو تو نگاہوں کے سامنے منزل رہے اور نہ ہی قدموں تلے راستہ۔ حق اور سچ کا راستہ۔'' اسٹوڈنٹس آہستہ آہستہ کتابیں سمیٹتے ہوئے باہر نکل رہے تھے جب کہ کچھ عبیرہ کے گرد کھڑے اس سے معذرت کررہے تھے جن میں آبگینے بھی تھی۔ وہ اپنی جگہ خاموشی سے بیٹھا سب کی حرکات وسکنات دیکھ رہا تھا۔ عبیرہ کے چہرے پر ویسی ہی مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی جیسی اسے خواب میں دکھائی دیتی تھی' وہی فاتحانہ مسکراہٹ' اس نے جان کو صرف اپنی باتوں سے منہ کے بل ایک اندھے کنویں میں گرادیا تھا۔ جان کو وہاں کی ہر شے سے وحشت ہونے لگی تھی۔ وہ بہت تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' وہ حواس باختہ سا خود سے مخاطب ہوا تھا۔

''کتنا عجیب انسان ہے یہ۔'' عبیرہ نے اسے نکلتا دیکھ کر سوچا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

کار بہت تیزی سے مین روڈ پر لاتے ہوئے اس نے ریڈیو ٹیون اون کیا' تقریباً تین مہینے بعد وہ سوسائٹی سے نکلا تھا' اپنی سوسائٹی میں ہی اس کی کپڑے کی دکان تھی جو چند ہفتوں میں بہت بزنس کرنے لگی تھی' گھر میں خوش حالی تھی۔ زندگی بہت پرسکون گزر رہی تھی اور آج اس کی زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا' زندگی نے اس کا ایک درجہ اور بلند کردیا تھا۔ شوہر سے باپ۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ وہ اپنے بچے کے لیے دنیا بھر کی چیزیں خرید لینا چاہتا تھا۔ ریڈیو پر ایک بہت دل کش آواز سنائی دے رہی تھی' اس نے ہاتھ بڑھا کر آواز بلند کی۔ بہت باوقار مردانہ آواز۔ بہت محبت سے بھرپور لہجہ' بہت پُرسوز انداز' وہ کیا پڑھ رہا تھا اسے سمجھنے میں دقت ہورہی تھی۔

تو امیر حرم‘ میں فقیر عجم
تیرے کن اور یہ لب میں طلب ہی طلب
تو عطا ہی عطا‘ میں خطا ہی خطا
تو کجا من کجا‘ تو کجا من کجا

"کیا ہے یہ؟" اس نے ذہن پر زور ڈالا تھا مگر اسے لگا تھا جیسے اس کا ذہن کچھ پہچاننے سے قاصر ہو۔ "مجھے یہ آواز اتنی مانوس کیوں لگ رہی ہے‘ کون ہے یہ آدمی اور یہ کیا پڑھ رہا ہے؟"

تو ہے احرام انوار باندھے ہوئے
میں درودوں کی دستار باندھے ہوئے
کعبہ عشق تو میں تیرے چار سو
تو اثر میں دعا‘ تو کجا من کجا

وہ لفظوں پر غور کر رہا تھا

میرا ہر سانس تو خوں نچوڑے میرا
تیری رحمت مگر دل نہ توڑے میرا
کاسۂ ذات ہوں تیری خیرات ہوں
تو سخی میں گدا‘ تو کجا من کجا

یک دم ہی ونڈ اسکرین پر ایک منظر ابھرا تھا۔ ایک خاتون ہاتھ میں دودھ کا گلاس اٹھائے ایک کمرے میں داخل ہو رہی تھیں‘ بہت سلیقے سے پہنا ہوا دوپٹا‘ چہرے پر ماممتا سے بھرپور مسکراہٹ لیے وہ ایک کونے کی جانب دیکھ رہی تھیں جہاں ایک ٹیبل چیئر رکھی تھی اور اس پر ایک لڑکا بیٹھا تھا‘ وہ لالٹین کی روشنی میں کچھ لکھ رہا تھا‘ وہ اب اس کے قریب پہنچ گئی تھیں۔ ٹیبل پر دودھ کا گلاس رکھتے ہوئے انہوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"بس بھی کرو بیٹا! کب تک لکھو گے اور کیا لکھ رہے ہو؟" اب اس لڑکے نے چہرہ اوپر اٹھایا اور یک دم اس کا دل دھڑک کر رہ گیا تھا۔ یہ کوئی اور نہیں بلکہ وہ خود تھا۔ ہاں وہی تو تھا اور وہ خاتون "اماں" اس نے بے خیالی میں کہا۔

"ہاں وہ اماں ہی تو ہیں‘ میں انہیں کیسے بھول گیا؟" اب وہ لڑکا ان خاتون سے مخاطب تھا۔

"اماں آپ جانتی ہیں ناں مجھے ان کی محبت میں جاگنا‘ نعتیں لکھنا اچھا لگتا ہے۔ میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جانا چاہتا ہوں۔ اگر اللہ کے بعد مجھے سب سے زیادہ محبت اس دنیا میں کسی ہستی سے ہے تو وہ انہی سے ہے‘ آپ دیکھیں ان کی محبت‘ ان کی تعریف و توصیف میں‘ میں نے کتنی خوب صورت نعت لکھی ہے۔" اس نے کاغذ اپنی اماں کی طرف بڑھایا اور یک دم ونڈ اسکرین سے منظر یک دم غائب ہو گیا تھا اب ایک بار پھر سڑک نظر آنے لگی تھی۔

تو حقیقت ہے میں صرف احساس ہوں
تو سمندر‘ میں بھٹکی ہوئی پیاس ہوں
میرا گھر خاک پر اور تیری راہ گزر
سدرۃ المنتہیٰ‘ تو کجا من کجا

اسے یاد آ گیا تھا یہ آواز اس کی تھی‘ خود اس کی اپنی آواز۔ یہ نعت اس نے نعتوں کے عالمی مقابلے میں پڑھی تھی۔ اس نے اپنے گالوں کو نم محسوس کیا تھا‘ ہاتھ لگانے پر پتا چلا تھا کہ وہ رو رہا تھا۔ وہ حیرت زدہ سا رہ گیا‘ وہ کہاں سے چلا تھا؟ کہاں چل رہا تھا؟ اور کہاں جائے گا؟ اس نے سڑک پر نگاہیں جماتے ہوئے سوچا تھا۔

ڈگمگاؤں جو حالات کے سامنے
آئے تیرا تصور مجھے تھامنے
میری خوش قسمتی‘ میں تیرا امتی
تو جزا میں رضا‘ تو کجا من کجا

"میں اپنے آپ کو جب محبوب خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی دیکھتا ہوں تو بہت خوش ہوتا ہوں کیونکہ میں اس امت کا ایک فرد ہوں۔ جسے کامل دین‘ کامل رسول اور کامل شریعت عطا کی گئی اور جس کے بعد نہ کوئی نئی امت ہے اور نہ ہی کوئی نیا رسول۔" یہ جملے اس نے ریڈیو اسٹیشن پر انٹرویو کے دوران کہے تھے جب وہ نعتوں کے عالمی مقابلے میں اوّل آیا تھا۔

دوریاں سامنے سے جو ہٹنے لگیں
جالیوں سے نگاہیں لپٹنے لگیں
آنسوؤں کی زباں ہو میری ترجماں

دل سے نکلے صدا تو کہاں کجا

اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا' وہ راستہ پہچاننے کی کوشش کررہا تھا' کیا وہ اسی راستے پر سفر کرنے کے لیے گھر سے نکلا تھا؟ اس نے کار روک دی تھی۔ وہ غلط راستے پر آ گیا تھا شاید آج بھی اور...... اس دن بھی۔ اس سوچ کے ساتھ ہی اسے شدید جھرجھری آئی تھی' اس کے ذہن میں اپنے بابا جان کے لفظ گونجنے لگے تھے۔

"رقت کا طاری ہونا اس بات کی دلیل ہے دانیال! کہ انسان کے دل میں ذرہ برابر ہی سہی ایمان موجود ہے۔ اس کے نفسِ واعظ کی روح مکمل طور پر نہیں مری۔ وہ اب بھی وجود میں کہیں زندہ ہے' انسان کے اندر کہیں سانسیں لے رہی ہے۔ جسے عام انسانی آنکھ نہیں پہچان سکتی۔ جسے صرف وہ سمیع بصیر دیکھ اور سن سکتا ہے۔ جس کی بصارت اتنی وسیع ہے کہ وہ سات آسمان کے پار بیٹھ کر بھی نا صرف زمین کے اوپر بسنے والی مخلوقات کو دیکھتا ہے بلکہ زمین کی سات پرتوں اور سمندر کی اتاہ گہرائیوں میں کس وقت کون سی مخلوق کیا کررہی ہے؟ کس طرح اس کا ذکر کررہی ہے؟ کس طرح اس سے غافل ہورہی ہے؟ وہ سب دیکھتا ہے۔ اس کی سماعت اتنی وسیع ہے کہ وہ صرف زبان سے ادا ہونے والے ہی نہیں بلکہ دل میں آنے والے ارادوں کو بھی سن لیتا ہے دانیال! آپ کے دل اور ارادوں کے درمیان حائل ہے وہ' اس لیے جب بھی رقت طاری ہو تو اپنے عظیم رب کی بارگاہ میں توبہ کریں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو بخشنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ چاہتا ہے کہ آپ اس سے معافی طلب کریں اور وہ رحمٰن و رحیم اپنے بندے کو معاف کردے گا۔" آواز کا تسلسل ختم ہوگیا تھا۔

"استغفار...... توبہ!" اس نے ذہن پر زور دے کر یاد کرنا شروع کیا اور یہ جاننے کے بعد اس کا پورا وجود لرز کر رہ گیا تھا کہ اسے استغفار یاد نہیں تھی۔

"یہ...... یہ...... کیسے ممکن ہے میں تو حافظ قرآن ہوں۔ میں استغفار کیسے بھول سکتا ہوں۔ مجھے...... مجھے کوئی آیت پڑھنی چاہیے۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے خود کلامی کررہا تھا۔ اس نے ذہن پر زور ڈالا تھا' سب کچھ دھندلا تھا' بہت سی آیات اس کے روبرو تھیں مگر وہ ان لفظوں کو پہچاننے سے قاصر تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر زور سے چیخنا شروع کردیا تھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں آرہا' کچھ بھی نہیں۔ یہ میرے ساتھ کیوں ہورہا ہے؟ میں تو آج اتنا خوش تھا پھر یہ سب مجھے آج ہی کیوں یاد دلایا جارہا ہے۔" کوئی جواب نہیں آیا تھا' اسے اپنے اردگرد ہر چیز تھمی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

"جو انسان اپنے خالق کے احسانات کا منکر ہوسکتا ہے تو بھلا وہ انسانوں کے احسانات کا کیونکر شکر گزار ہوسکتا ہے' میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔" اس نے بلک بلک کے رونا شروع کردیا تھا۔ اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا تھا۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہوگئی تھیں اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا اور وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوگیا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو بیڈروم میں بیڈ پر موجود پایا تھا۔ جینی اس کے سرہانے بیٹھی اس کے سر پر پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی' اسے ہوش میں آتا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات ابھرے تھے۔

"شکر ہے ڈینی! تمہیں ہوش آگیا۔ میں تو بہت پریشان ہوگئی تھی' بخار اتنا شدید تھا کہ دو دن تک تم بے حس و حرکت پڑے رہے ہو۔" دانیال بے تاثر نگاہوں سے اس چہرے کو دیکھ رہا تھا جس کے لیے اس نے اپنا دین' اپنا ایمان سب کچھ گنوا دیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے ڈینی! ٹریفک کانسٹیبل نے مجھے بتایا کہ تم ون وے میں گھس گئے تھے اور حیران کن طور پر تمہاری کار کسی بھی کار سے ٹکرائے بغیر بہت تیزی سے اس راستے پر دوڑ رہی تھی۔ کانسٹیبل کے روکنے کے باوجود تم نے کار نہیں روکی اور جب روکی تو کار کے دروازے جام ہوگئے تھے' بہت مشکل سے کھڑکیاں توڑ کر تمہیں باہر نکالا گیا۔ وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ کار میں انٹرنل وائرنگ شارٹ ہوگئی تھی

جس کی وجہ سے کار میں دھواں پھیل گیا تھا اور تم بے ہوش ہو گئے۔" جینی ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی تھی جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ اپنی گزشتہ دو دنوں کی ٹینشن ریلیف کرنا چاہتی ہے۔ دانیال نے کوئی جواب دیئے بغیر آنکھیں بند کرلی تھیں۔

"میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔" اس نے حد درجہ بے رخی سے کہا۔

"میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لاؤں' دو دن سے تمہارے منہ میں ایک دانہ بھی نہیں گیا۔ تم بہت کمزور ہو گئے ہو۔" جینی نے اس کی بے رخی کی وجہ طبیعت کی خرابی سمجھی تھی۔

"نہیں' مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کا انداز اب بھی وہی تھا۔ جینی کچھ ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر اٹھ کر باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہونے پر دانیال نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اور پچھتاوے کے گہرے سائے تھے۔

"صرف تین چار ماہ میں' میں سب کچھ بھول گیا یعنی میں نے کفر کی ہر حد پار کردی۔ جب ہی تو میرے ربّ نے میرے دل' میری روح سے اپنا اور اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مٹا دیا۔" آنسو بہت تیزی سے بہنے لگے تھے وہ پھر سے اسی کیفیت کا اسی تکلیف کا شکار ہو رہا تھا۔

"مجھے معاف کردیجیے' اللہ مجھے معاف کردیجیے۔ میں نے خود پر اپنے آپ ظلم کیا' آپ پر بہتان باندھا آپ کی پاک ذات کے ساتھ شرک کیا میں نے۔ مجھے معاف کردیجیے' میں معافی چاہتا ہوں اپنی ہر غلطی' اپنی ہر خطا کی' آپ تو عفو و درگزر کرنے والوں میں سب سے بڑے عفوو درگزر کرنے والے ہیں' رحم کیجیے مجھ پر۔ معاف کردیجیے مجھ پر۔" اس نے اپنے ہاتھ جوڑے تھے' وہ عجیب احساسِ شرمندگی کا شکار تھا۔ بے تحاشا روتے ہوئے وہ ایک بار پھر نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"میں نے گھر تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" اس نے ناشتے کی ٹیبل پر جینی کو مخاطب کیا۔ ایک ہفتے بعد وہ آج بیڈ سے اٹھا اور اس دوران جینی نے اس کے رویے میں ایک عجیب تغیر دیکھا تھا اور آج تو اس نے جینی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"لیکن کیوں ڈینی! یہاں کیا پرابلم ہے سب کچھ اتنا اچھا چل رہا ہے پھر یہاں سے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" جینی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"میں نے ایک بہت اچھے علاقے میں اپنے دوست کے ذریعے گھر خرید لیا ہے اور ہم اگلے ہفتے ہی وہاں شفٹ کررہے ہیں۔" وہ حتمی انداز میں کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور جینی بے بسی سے اسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ کیا ہوا تھا ایسا جو اس کے رویئے میں اتنی تبدیلی آئی مگر خود اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

وہ قبرستان کے باہر پچھلے آدھے گھنٹے سے کھڑا تھا۔

"کیا مجھے یہاں بھی آنا تھا اور وہ بھی ان لوگوں کی قبروں پر جن کا دل دکھایا تھا میں نے اور جن سے معافی مانگنے کا موقع بھی نہیں ملا مجھے۔" آنسو پانی کی طرح بہہ رہے تھے' ان پانچ چھ مہینوں میں وہ جتنا رویا تھا شاید اس سے پہلے کبھی نہیں رویا تھا۔ اس کی زندگی کتنی بدل گئی تھی' سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

"اور کتنا رونا ہے مجھے میرے مالک! میرے گناہوں کی سزا انہیں کیوں ملی' مجھے مرنا چاہیے تھا' مجھے......" غم کی شدت کے سبب وہ زمین پر ہی دہرا ہو گیا تھا۔ تبھی کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اس نے سر اٹھایا تھا' یہ وہی مجذوب تھے جنہیں اس نے بس اسٹینڈ پر دیکھا تھا۔

"کہا تھا ناں' میں نے تجھ سے' جس نے تمام جہانوں کے بادشاہ کو پالیا اس نے کچھ نہیں کھویا اور جس نے اسے گنوا دیا اس نے تو کچھ پایا ہی نہیں۔" ان کے اس جملے نے اسے مزید شرمسار کردیا تھا۔ اماں بابا کی موت نے اسے ویسے ہی نڈھال کردیا تھا اب تو وہ آہ و بکا کرنے لگا تھا۔

"وہ جب تڑپ دیتا ہے تو تسکین بھی دیتا ہے اس سے مانگ تسکین، صبر اور اس کی مدد پھر دیکھ تو رحمٰن کو رحیم ہی پائے گا۔ بندہ بدلتا ہے مولیٰ نہیں۔ وہ اپنے بندوں کو اپنا محتاج رکھنا چاہتا ہے انہیں ان کے فیصلوں میں آزادی دے کر بھی۔ وہ بے تاج بادشاہ ہے اس دنیا کا بھی جہاں تک تیری نظر پہنچ سکتی ہے اور اس کا بھی جو تجھ سے پوشیدہ ہے۔ توبہ کر اپنی ہر غلطی سے اور جھکا دے اپنا سر اس وحدہ لاشریک کے آگے۔ سجدہ کر اس رب رحیم کو جو مانگنے پر بھی دیتا ہے اور نہ مانگنے پر بھی۔ جو دیتا ہے خوشی سے اور کہتا نہیں کسی سے۔ مانگ اسی سے مانگ، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے ضرور کرے گا۔ حق اللہ موجود اللہ، سب کا خالق تو اللہ کرم کرے گا تو حق اللہ۔" وہ بزرگ اپنا مخصوص جملہ دہراتے ہوئے وہاں سے چلے گئے تھے۔ وہ کانپتے ہوئے اٹھا اور قبرستان میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں آدھے گھنٹے پہلے کے واقعات گردش کرنے لگے تھے۔

وہ گاؤں آیا تھا اپنے ماں بابا سے ملنے ان سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے۔ وہاں آ کر اسے پتا چلا تھا کہ اس کے جانے کے دو ہفتے بعد ہی وہ دونوں خالق الٰہی سے جا ملے تھے۔ نائلہ کی شادی ہو چکی تھی، اس کے بابا کے ایک قریبی دوست نے اسے بتایا تھا کہ انہیں پتا تھا کہ دانیال بہت جلد واپس آئے گا اس لیے نائلہ کی شادی کے بعد گھر کے کاغذات بھی انہوں نے اس کے نام کر دیے تھے۔ بھیگی پلکوں سے کتبے پڑھتے ہوئے اس کا دل بوجھل ہونے لگا تھا، وہ دونوں قبریں برابر برابر تھیں اور ایک بڑا سا درخت ان پر سایہ فگن تھا۔ وہ قبروں کی طرف دیکھتے ہوئے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"مجھے معاف کر دیجیے ماں، بابا! مجھے معاف کر دیجیے۔ آپ کی زندگی میں، میں نے آپ کو بہت دکھ دیے لیکن میں نے اپنی بدسلوکی کا پھل پا لیا ہے۔ آپ دونوں ناراضگی کی حالت میں ہی اس دنیا سے چلے گئے اور میں آپ کو آخری بار دیکھ بھی نہیں سکا۔" وہ روتے روتے زمین بوس ہو گیا تھا۔

"یا اللہ پاک میری مدد فرما، میں نے ان دونوں کی زندگی میں ان کا کوئی حق ادا نہیں کیا مگر میرے مالک! اب مجھے ان کے لیے فاتحہ پڑھنے کی توفیق تو عطا کر دے۔ مجھے یاد نہیں مگر تو میری مدد فرما میرے قلب کو توفیق عطا فرما۔" وہ کتنی ہی دیر اسی طرح گڑگڑاتا رہا اور پھر اسے توفیق عطا کر دی گئی تھی، اسے بخش دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے لبوں میں جنبش محسوس کی تھی، وہ فاتحہ پڑھ رہا تھا، ان کی مغفرت کی دعا کر رہا تھا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے دل کو تسکین مل رہی تھی، وہ اٹھ بیٹھا کچھ دیر وہیں بیٹھنے کے بعد وہ باہر آ گیا تھا، اسے پتا تھا یہاں سے جانے کے بعد اسے سب سے پہلا کام کیا کرنا ہے، ایک بار پھر اسے دائرہ اسلام میں داخل ہونا ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

"تم اس لڑکی سے دور رہو وہ فتنہ ہے فتنہ۔ تمہیں اس کے پاس جانا ہی نہیں چاہیے تھا جب کہ تم دیکھ چکے تھے خواب میں کہ وہ تمہیں تمہارے راستے سے ہٹا رہی ہے۔ تمہیں بہکا رہی ہے پھر بھی تم اس کے پاس گئے۔ کیا ضرورت ہے تمہیں اسلام کے بارے میں معلومات لینے کی؟ تم نے نہیں پڑھا انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور ہمیں ان کا دین پوری دنیا میں پھیلانا ہے۔" وہ کچھ دیر پہلے ہی فادر جوزف کے پاس سے آیا تھا۔ عبیرہ کے لیکچر نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا اور اسی لیے وہ فادر جوزف کے پاس چلا گیا تھا مگر فادر جوزف نے سب کچھ جاننے کے بعد عبیرہ کے بارے میں جو کہا تھا وہ جان کے لیے حد درجہ ناگوار تھا لیکن وہ ان کی عمر اور منصب کا لحاظ کرتے ہوئے خود کو ملامت کرتا گھر واپس آ گیا تھا۔ ٹیرس پر کھڑا وہ آسمان پر پھیلے ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہے سچ؟ وہ جو عبیرہ کہتی ہے یا پھر وہ جو فادر جوزف کہتے ہیں؟ میں ان سب باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہوں جن پر عبیرہ یقین رکھتی ہے اس کی باتیں مجھے میرے دین کے بارے میں مشکوک کرتی ہیں۔ کیا ہم غلط ہیں؟

اگر ہم غلط ہیں تو پھر صحیح کون ہے؟'' اس کا دل مخاطب تھا اور اس کے لب خاموش تھے۔

''میں صحیح راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں اگر میں غلط ہوں اور اگر میں صحیح ہوں تو میں اس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کا دل ایک بار پھر مخاطب ہوا۔

''جان! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے' مجھے ڈرائنگ روم میں آ کر ملو۔'' اس کی ماما نے بہت تیز لہجے میں کہا تھا اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا اور میکانکی انداز میں سیڑھیاں اترنے لگا۔ اسے پتا تھا فادر جوزف نے مما کو سب کچھ بتا دیا ہوگا' اس کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی اس کی ماما اس سے مخاطب ہوئیں۔

''جان! میں نے سوچا ہے کہ تمہارا فائنل ائیر ہونے کے بعد تمہاری شادی کردوں' اسی لیے میں اگلے ہفتے تمہارے بابا کی برسی کے بعد تمہاری اور ریٹا کی منگنی کررہی ہوں۔'' ان کی یہ بات سن کر جان سناٹے میں آ گیا۔ کچھ لمحے اس کی زبان سے کوئی بات ادا نہیں ہوسکی تھی۔ اسے لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو۔

''ماما...... مم...... میں شادی نہیں کرسکتا۔ میں ابھی اتنا اسٹیبلش نہیں ہوں۔'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیوں منع کررہا ہے' ریٹا ایک بہت اچھی لڑکی تھی اور وہ اسے بہت اچھی طرح سے جانتا تھا۔

''یہ تو کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے جان!'' انہوں نے بہت مضبوط لہجے میں کہا۔ وہ بے جان ہوتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''مجھے نہیں پتا لیکن میں کسی اور سے شادی نہیں کرسکتا۔'' جان کا لہجہ بہت کمزور تھا۔

''کسی اور؟ کیا مطلب ہے اس بات کا؟'' انہیں حیرت ہوئی تھی مگر جواباً وہ خاموش رہا تھا۔

''کیا کوئی اور ہے تمہاری زندگی میں؟'' انہوں نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ ''یہ وہی مسلمان لڑکی تو نہیں ہے جان! جس کے بارے میں مجھے فادر جوزف نے بتایا ہے...... عمیرہ!'' ان کے لہجے میں کچھ خفگی تھی۔

''مجھے نہیں پتا ماما! وہ میرے لیے نہیں ہے پھر بھی میں اسے محسوس کرتا ہوں۔ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے کچھ اور دیکھنے کی خواہش نہیں ہوتی۔ میں خود کو اس کے آگے بہت بے بس محسوس کرتا ہوں۔'' اس کے ہر ہر لفظ میں بے بسی تھی۔ انہیں ترس آیا تھا اس پر۔

''تم یہ کیا کہہ رہے ہو جان! اپنی زندگی ایک ایسی لڑکی کی محبت میں تباہ کررہے ہو جو کسی بھی طور پر تمہاری زندگی کا حصہ نہیں بن سکتی۔'' ان کے لہجے میں افسوس تھا اور جان نے چونک کر انہیں دیکھا ان کی بات میں صرف ایک لفظ ہی تھا جس نے جان کو بری طرح چونکایا تھا۔

''محبت۔'' اس نے حیرت سے وہ لفظ دہرایا۔

''ریٹا ایک بہت اچھی لڑکی ہے' تمہیں بہت خوش رکھے گی۔'' انہوں نے اس کی دل جوئی کرنا چاہی مگر اب وہ ان کی بات سن ہی کب رہا تھا۔ وہ آج تک خود جس نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا انہوں نے اسے پہنچا دیا تھا۔

''میں نے کب محبت کی اس سے؟'' وہ اب بھی خود سے ہم کلام تھا۔

''جان! میں تم سے مخاطب ہوں' تم کہاں کھوئے ہوئے ہو؟'' انہوں نے بہت تیز لہجے میں کہا۔ جان نے بے تاثر نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں جارہے ہو جان!'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''جس سوال کا جواب میں خود ڈھونڈ نہیں پایا اس کا جواب مجھے آپ نے دے دیا ہے ماما۔ مجھے آج تک عمیرہ کے لیے اپنے جذبات سمجھ نہیں آئے تھے مگر آج مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ وہ محبت تھی۔ اس لیے اب کسی اور کی بات سننا بھی میرے لیے بے معنی ہے اور آپ کے لیے بھی۔ اس لیے بہتر ہوگا آپ جنیفر آنٹی کو منع کردیں' میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گا۔'' اس نے بہت مضبوط لہجے میں کہا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا اور وہ بے بسی سے اسے جاتا دیکھتی رہی تھیں۔

"تم یقین نہیں کروگی عالیہ! مجھے پل بھر تو کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا کہ میں اس بے وقوف انسان کو کیا جواب دوں۔ میں ایک ٹیچر کے طور پر وہاں کھڑی تھی اور معلم کی طرح ہی مجھے اسے سمجھانا تھا' اس لیے میں نے اسی کے کہے ہوئے لفظوں کو کچھ تبدیلی کے ساتھ کہا اور پھر ایک کے بعد ایک میرے ذہن میں پوائنٹس آگئے اور مجھے لگا میں کسی حد تک اس کا تصور کلیئر کرنے میں کامیاب رہی۔" وہ دونوں اس وقت لائبریری میں تھیں اور اپنی مطلوبہ کتاب ڈھونڈ رہی تھیں۔

"یہ وہی لڑکا ہے ناں عیرہ! جو اس دن کینٹین میں ہمیں گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ بہت ہی بدلحاظ اور بدتمیز لگا تھا مجھے۔" عالیہ نے تبصرہ کیا۔

"اوں ہوں عالیہ! کسی کے بارے میں بنا سوچ سمجھے ایسی رائے قائم کرنا غلط بات ہے۔" عیرہ نے شیلف سے مطلوبہ کتاب نکالتے ہوئے کہا اور پھر وہ کتاب لیے اس ٹیبل پر آ بیٹھی تھیں جہاں اسٹوڈنٹس کم تھے۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں مس عیرہ!" ایک مدھم اور مانوس آواز پر ان دونوں نے نگاہیں کتاب سے ہٹا کر سر اوپر اٹھائے تھے۔ بلیک کلر کی ڈریس پینٹ لائٹ براؤن کلر کا سوئیٹر' گلے میں لٹکا اسٹوڈنٹ کارڈ' سلیقے سے بنے بال' اجلی رنگت' مگر بجھی ہوئی آنکھیں۔ کوئی پہلی بار میں اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ نون مسلم ہے شاید اسی لیے جب ڈائریکٹر نے اس کا تعارف کرایا تھا تو وہ حیران رہ گئی تھی۔

"آپ یہاں اس وقت مسٹر چوہان! ابھی تو کلاس میں دو گھنٹے سے بھی زیادہ ٹائم ہے۔" عیرہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"شاید میں کلاس اٹینڈ نہیں کر پاؤں گا۔" جان کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔ "لیکن میں ابھی آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا' ویسے بھی میری وجہ سے لاسٹ ٹائم کلاس میں بہت زیادہ بدمزگی ہوگئی تھی۔" اس کا لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا۔

"نہیں' نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں بلکہ آپ کی وجہ سے بہت اچھی ڈسکشن ہوئی تھی اور مجھے یہ بھی پتا چلا تھا کہ میرا لیکچر کتنے اسٹوڈنٹس کو سمجھ آرہا ہے۔" عیرہ کے لہجے میں خفگی نہیں تھی۔

"میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" جان نے اب بھی مدھم لہجے میں پوچھا۔

"جی!" اس نے عالیہ کو دیکھتے ہوئے کہا اور عالیہ نے مسکرا کر اسے گھورا جب کہ عیرہ صرف کندھے اچکا کر رہ گئی تھی۔ جان ٹیبل کے دوسری طرف ایک چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔ اب وہ دونوں اس کے مخاطب ہونے کا انتظار کرنے لگی تھیں مگر وہ سر جھکائے خاموش ہی بیٹھا رہا تھا۔ عالیہ نے تیکھی نظروں سے عیرہ کو دیکھا اور کتاب بند کرکے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"عیرہ میں کلاس میں جارہی ہوں تم فری ہوکر آجانا۔" عیرہ نے آنکھوں کے اشارے سے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ نظر انداز کرتی چلی گئی تھی۔

"مسٹر چوہان! آپ کو مجھ سے کچھ پوچھنا ہے؟" عیرہ کا انداز سوالیہ تھا۔

"کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے مس عیرہ! بہت سے سوال انسان کے روبرو ہوتے ہیں مگر وہ سمجھ نہیں پاتا کون سا سوال اسے مطلوبہ منزل تک پہنچا سکتا ہے۔ میں اسی کشمکش میں ہوں کہ میں شروعات کہاں سے کروں؟" جان نے اب پہلی بار سر اٹھایا تھا۔

"وہ سوال منتخب کرنا چاہیے جو اپنے آپ میں ایک دنیا ہو۔" عیرہ نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"جیسے؟" جان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"جیسے اسلام کیا ہے؟" عیرہ نے بہت مدھم اور پرسکون مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور جان کی نگاہوں میں ایک رنگ آکر گزرا۔ "آپ اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں نا؟" عیرہ نے تصدیق چاہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا میں کیا چاہتا ہوں مس عیرہ! کیا ہے جو مجھے اتنا مضطرب کررہا ہے کہ میرا دل کسی عبادت میں نہیں لگ رہا۔ میں بیٹھا تو چرچ میں ہوتا ہوں مگر میرا دھیان کہیں اور ہوتا ہے۔ میں دیکھتا کہیں ہوں اور سوچ کی پرواز کہیں

ہوتی ہے۔ مجھے فادر جوزف اور ماما نے منع کیا تھا کہ میں آپ کے لیکچرز اٹینڈ نہ کروں کیونکہ ایسا کرنے سے جیزز مجھ سے ناراض ہوجائیں گے اور وہ ویسے بھی مجھ سے ناراض ہیں کیونکہ میں ان کی صلیب نہیں پہنتا اور......"

ایک لمحہ رک کر اس نے نگاہیں اٹھا کر عمیرہ کو دیکھا۔

"مجھے خواب میں اذان سنائی دیتی ہے۔" اس نے اپنے جملے کے ساتھ عمیرہ کی نگاہوں میں حیرت ابھرتی دیکھی تھی۔ "پہلے میں ان جادوئی لفظوں کو سمجھ نہیں پاتا تھا لیکن ایک دن جب میں عدیل کے گھر تھا تو میں نے خواب کے علاوہ حقیقت میں اذان سنی۔ میں نے یہ بات ماما کو بتائی تو انہوں نے مجھے کہا کہ میں اپنا زیادہ وقت فادر جوزف کے ساتھ گزاروں۔ تبلیغ میں ان کے ساتھ جاؤں' صبح شام چرچ جاؤں' کینڈلز جلاؤں لیکن اتنا سب کرنے کے بعد بھی میرے ذہن سے وہ آواز محو نہیں ہوسکی۔ میں مضطرب ہی رہا اور یہ اضطراب اس وقت اور بھی بڑھا جب میں نے آپ کا پہلا لیکچر اٹینڈ کیا۔ آپ نے لیکچر کے لاسٹ میں جو لائنز کہیں انہوں نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا "ہم پر سب سے پہلا حق ہمارے خالق کا ہے' اس کے بعد کسی دوسرے کا۔ وہی سب سے زیادہ مستحق ہے ہمارے سجدوں کا' ریاضتوں کا اور کوئی بھی اس سب میں اس کا شریک نہیں۔" اس نے جان کو دیکھا تھا اسے حرف بہ حرف عمیرہ کی بات یاد تھی۔

"میں بہت دنوں یہی سوچتا رہا کہ آخر آپ نے جیزز کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ ہم تو اپنی تمام تر ریاضتوں کا صحیح حق دار جیزز کو ہی سمجھتے ہیں' صبح چرچ میں جا کر ہم لوگ انہی کی صلیب کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ انہی کی تصویر کے آگے کھڑے ہوکر بائبل پڑھتے ہیں لیکن آپ کی باتوں نے میری عبادتوں میں خلل ڈال دیا۔ آخر اسلام میں ایسا کیا ہے جو مسلمان عیسائیوں کی نہیں مانتے؟ مگر میرے پاس کوئی دلیل' کوئی جواب نہیں تھا آپ کی طرح اور آپ کے لاسٹ لیکچر نے تو مزید الجھا دیا مجھے' میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ آپ اور فادر جوزف میں سے کون صحیح ہے' میں خود کوئی نتیجہ اخذ کرنے کے لائق نہیں کیونکہ میرے پاس کوئی علم نہیں' جس سے میں یہ اندازہ لگا سکوں کہ کون حق پر ہے۔ میرا ہر علم محدود ہے اپنے دین کے حوالے سے اور کسی اور دین کا علم میں نے آج تک حاصل نہیں کیا تو میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔" وہ ایک طویل گفتگو کے بعد خاموش ہوگیا تھا۔

"مسٹر جان!" عمیرہ نے پہلی بار اسے اس کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ "میں آپ سے ہرگز یہ نہیں کہوں گی کہ آپ اسلام قبول کرلیں۔" جان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "کیونکہ اسلام وہ مذہب نہیں جو الجھنوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے اختیار کیا جائے یا کسی زور زبردستی یا پھر کسی انسان کے لیے اختیار کیا جائے۔ یہ پریکٹیکل سوچ رکھنے والے انسان کا مذہب ہے' جسے انسان صرف ایک اللہ کے لیے' اس کی محبت' اس کے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے حصول کے لیے اختیار کرتا ہے اور صرف دماغی ہی نہیں دلی طور پر اسے تسلیم کرتا ہے کیونکہ اس کا تعلق دماغ سے نہیں دل کی گہرائیوں سے ہے جسے اللہ عزوجل نے اپنا گھر بنایا ہے۔ اسلام وہ شمع ہے جو ہوتی تو دل میں روشن ہے مگر اس کا نور گردشِ خون کے ساتھ سفر کرتا ہے اور انسان کا پورا وجود منور ہوجاتا ہے' یہ نور انسان کو وہ بصارت عطا کرتا ہے جس سے وہ قدرت کی تخلیقات میں اپنے ربّ کی حکمتوں کو تلاش کرتا ہے یہ وہ واحد دین ہے جسے آج تک زورِ بازو سے نہیں بلکہ خلوص و اخلاق کی جنگ سے رائج کرایا گیا ہے۔" عمیرہ نے بہت مدھم پرسکون لہجے میں کہا تھا۔ جان کو اس کی بات پر شک نہیں تھا یقیناً یہ عمیرہ کا خلوص و اخلاق ہی تو تھا کہ جان کی گزشتہ بدتمیزی کے باوجود وہ آج بھی اسے سمجھا رہی تھی اس کے بگڑے ہوئے ویوز کو ایک بار پھر نئی راہ دکھا رہی تھی۔

"میں آپ کو یہ مشورہ دوں گی کہ آپ ہر دین کا مطالعہ کریں اور اس کے بعد آپ اسلام سے بہتر کسی کو نہیں پائیں گے۔ آپ نے جس انجیل کو اپنا رہنما مانا ہے وہ تحریف شدہ ہے اس میں آپ کے آباء اجداد نے اپنی

مرضی کی باتیں اپنے فائدے کے لیے شامل کردی ہیں کیونکہ یہود ونصاریٰ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے تھے جب کہ خود انجیل اور تورات میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی پیشن گوئی موجود تھی۔" جان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"آپ کس بنیاد پر ہماری کتاب کو تحریف شدہ کہتی ہیں مس عبیرہ! آخر آپ کے پاس ایسا کون سا ثبوت ہے جس کی بنیاد پر آپ یہ بات کہتی ہیں؟" جان مکمل طور پر اپنے دل کی تسلی چاہتا تھا۔

"قرآن پاک اس بات کی تصدیق کرتا ہے اور وہ اللہ پاک کی وہ آسمانی کتاب ہے جس میں چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی تحریف نہیں ہوئی۔" عبیرہ ایک لمحے کے لیے رکی تو جان فوراً بولا۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ آپ کی کتاب میں تحریف نہیں ہوئی؟"

"کیونکہ قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ اللہ پاک نے خود اٹھایا ہے اور جب خالق خود اپنے کلام کا محافظ ہو تو پھر بھلا کس کی ہمت ہے کہ اسے تبدیل کرسکے۔" اب کے وہ خاموش ہی رہا تھا پھر بولا تھا۔

"کیا تحریف ہوئی ہے ہماری کتاب میں؟ اور کب ہوئی یہ تحریف؟"

"اس تحریف کی ابتداء حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ہوئی۔" ایک بار پھر جان نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"اور یہ کب ہوا کہ جیزز کو آسمان پر اٹھالیا گیا؟ انہیں تو صلیب پر چڑھا دیا گیا تھا اور موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا بادشاہ ہیرودیس کے حکم پر پھر اس کے بعد ان کی روح کو بارہ رسولوں نے دیکھا تھا جنہیں انہوں نے یہ پیغام دیا تھا کہ ان کے بعد کوئی رسول نہیں اور انہیں ان کا دین پوری دنیا میں پھیلانا ہے۔" جان کو اس کی ہر بات سے اختلاف ہورہا تھا۔

"بے صبرے لوگوں کے ہاتھ کبھی کچھ نہیں آتا جان! منزل انہی کے قدم چومتی ہے جو صبر کرتے ہیں، مشکلیں برداشت کرتے ہیں۔" عبیرہ نے تحمل سے کہا اور جان شرمندہ ہوگیا تھا۔

"آئی ایم سوری!"

"کوئی بات نہیں' یہ انسان کی فطرت ہے اسے ہمیشہ وقت سے پہلے اور ضرورت سے زیادہ چاہیئے ہوتا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں مجھے پتا ہے کہ آپ لوگ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھالیا گیا' متی کی انجیل کے مطابق انہیں موت کے گھٹ اتارا گیا پھر دفنایا بھی گیا اور اس کے بعد مختلف لوگوں نے ان کی روح کو دیکھا لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ اللہ پاک نے خود اس حقیقت کو واضح فرمادیا ہے قرآن کریم میں کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا گیا اور ایک شخص کو حضرت عیسیٰ کی شکل دے دی گئی جسے سولی پر چڑھایا گیا۔ آپ کے آباؤ اجداد یہ سوچتے رہے کہ وہ داؤ بہترین طریقے سے جیت گئے مگر حقیقتاً اللہ عزوجل نے نبی کو قتل کرانے کی سازش کی سزا میں انہیں ہمیشگی کی گمراہی عطا کردی۔ ان کے دلوں کو سخت کردیا کہ حق کے سامنے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے حق کو بدل دیا۔ حضرت عیسیٰ کے بعد ان کی قوم تین فرقوں میں بٹ گئی' ایک وہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا رسول ہی مانا' دوسرے وہ جنہوں نے انہیں ابن اللہ کہا اور تیسرے وہ جو تثلیث کے عقیدے پر یقین رکھتے ہیں۔" عبیرہ اب خاموش ہوگئی تھی۔

جان کو لگا کہ اب اس کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے نہیں بچا۔ عبیرہ نے تو اسے اس کے دین کے بارے میں وہ باتیں بھی بتائی تھیں جو خود اسے بھی نہیں معلوم تھیں۔

"جستجو وہ چیز ہے مسٹر جان! کہ جب انسان کے دل میں پیدا ہوجائے تو وہ اللہ کے حکم سے پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتا ہے۔ ڈھونڈیئے اپنے اصل دین کو جو آپ کے آباؤ اجداد نے اپنے ہاتھوں سے گنوادیا ہے۔" عبیرہ بات مکمل کرکے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"او کے' اب آپ کلاس میں آئیں۔" اس نے بہت

پرسکون لہجے میں کہا تھا۔

"میں نہیں آؤں گا۔" اس نے خود کو کہتے سنا تھا مگر عبیرہ بدستور مسکراتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی جب کہ جان ایک عجیب انتشار کا شکار ہو رہا تھا۔

"کس کا ساتھ تمہیں اتنا مطمئن اور خوش رکھتا ہے؟ اور کیوں میں اتنا مضطرب رہتا ہوں؟" مگر اسے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں مل پایا تھا خود سے۔

"میں کیوں یہاں آتا ہوں بار بار؟ یہ آپ کی محبت ہے یا اسلام کی جستجو؟" اس کی سوچیں منتشر تھیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁
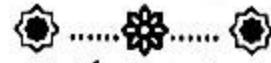
"حد ہوگئی ہے عبیرہ! میم کی اتنی امپورٹنٹ اور لاسٹ کلاس تم نے اس لڑکے کی وجہ سے چھوڑ دی۔" عالیہ بہت زیادہ خفا نظر آ رہی تھی۔ "ایسا کیا کہنا چاہ رہا تھا وہ تم سے جو میرے سامنے اس کے منہ سے نہیں نکلا؟" عالیہ کا لہجہ متجسس تھا اور عبیرہ نے رجسٹر سے نگاہیں ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے تم کیا کہہ رہی ہو عالیہ؟" عبیرہ کا لہجہ بالکل سنجیدہ تھا۔

"ارے نہیں عبیرہ! تم میرا مطلب غلط لے رہی ہو۔" عالیہ بوکھلا گئی تھی۔ "میرا مطلب تھا کہ ایسا کون سا گناہ تھا جس کا اعتراف وہ میرے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔" عالیہ نے اپنے سوالات کی وضاحت کی تھی۔

"وہ کسی گناہ کا اعتراف کرنے نہیں آیا تھا۔ وہ صرف اپنے احساسات کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔" عبیرہ نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

"ایک بات کہوں عبیرہ! اگر تم مائنڈ نہ کرو؟" عالیہ نے بہت محتاط لہجے میں کہا۔

"اگر خلاف توقع نہیں ہوگا تو یقیناً مائنڈ نہیں کروں گی۔" عبیرہ نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے محسوس کیا تھا کہ دوسرے نامحرم لڑکوں کے مقابلے میں اس لڑکے سے بات کرتے ہوئے تمہارے لہجے میں بہت شائستگی تھی۔" عبیرہ نے پین پر کیپ لگا کر بہت غور سے عالیہ کو دیکھا تھا۔

"تمہیں پتا ہے عالیہ! جب ہم نے کینٹین میں اسے پہلی بار دیکھا تھا تو مجھے وہ حد درجہ بدتمیز انسان لگا تھا جسے خوامخواہ دوسرے لوگوں پر تبصرہ کرنے کی بیماری ہے مگر میں غلط تھی۔ دوسری بار جب اس نے میرا لیکچر اٹینڈ کیا تو مجھے لگا تھا کہ شاید وہ صرف تفریحاً وہاں آ گیا تھا لیکن میں تب بھی غلط تھی اور تیسری بار جب میلاد والے دن میں نے اسے خود کو گھورتے دیکھا تو مجھے بہت زیادہ غصہ آیا لیکن اس کے بعد کی تمام ملاقاتوں میں میرا اس سے انٹریکشن ایک معلم اور طالب علم کا رہا اور میری اس کے بارے میں قائم شدہ ہر رائے غلط ثابت ہوئی کیونکہ میں نے اسے ان لوگوں میں نہیں پایا جن کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ "ان کے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں کہ حق بات سننے سمجھنے اور دیکھنے سے قاصر ہیں۔" بلکہ میں نے محسوس کیا وہ ان لوگوں میں ہے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: "اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے۔" اور جسے اللہ رحیم و کریم اپنی رحمت، اپنے کامل دین کے لیے خاص کرلے اس کے بارے میں ہم تم جیسے لوگ کچھ بھی سوچیں، کچھ بھی کہیں، کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ رحمٰن کی نگاہوں میں اپنا ایک مقام بنا لیا ہے انہوں نے لیکن وہ کیا فعل ہے جس نے اسے رب کائنات کی نگاہوں میں اتنا بلند کیا کہ اس کی پاک ذات نے اس کے کبیرہ گناہ، اس کے شرک کو بھی نظر انداز کیا اور اسے اپنے پسندیدہ دین، اپنی سب سے بڑی رحمت سے نوازنا چاہتا ہے اور ایسا بھی تو ہو سکتا ہے عالیہ کہ اس نے کبھی دل سے شرک کیا ہی نہ ہو، بس جب میرے ذہن میں یہ باتیں آتی ہیں تو میرے دل میں اس کا احترام بڑھنے لگتا ہے شاید یہ اللہ کی مرضی ہے جو مجھے اس سے نرم گفتار ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔" عبیرہ آج پہلی بار عالیہ کو عجب محویت کا شکار محسوس ہوئی تھی۔

"کیا تمہیں اندازہ ہے عبیرہ! تم کیا کہہ رہی ہو؟" عالیہ نے تصدیق چاہی۔

"ہاں عالیہ! مجھے پتا ہے میں کیا کہہ رہی ہوں۔ میں

دیکھ سکتی ہوں اس کی نگاہوں میں حقیقی رب کی جستجو ہے۔ وہ تلاش کرنا چاہتا ہے دینِ حق کو اور یہ جستجو اللہ صرف ان ہی کو دیا کرتا ہے جن کے دل میں وہ ایمان کی ہلکی سی روشنی بھی دیکھتا ہے اور اس کے دل میں وہ روشنی ہے عالیہ! مگر افسوس یہ ہے کہ نہ تو وہ اس روشنی کو محسوس کر پا رہا ہے اور نہ ہی سمجھ پا رہا ہے۔" عیبرہ کہتی جا رہی تھی اور اس وقت خود اسے بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ جس نور ہدایت کی بات کر رہی ہے جان اس سے بے خبر نہیں بس وہ اس کے لیے نور ہدایت نہیں بلکہ خود "عیبرہ عباد" ہے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁
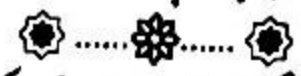
وہ جب سے گھر آیا تھا تب سے عیبرہ کی دی ہوئی اس کتاب کو دیکھ رہا تھا جو کلاس کے اختتام پر عیبرہ نے اسے دی تھی۔ وہ انکار کے باوجود اس کی کلاس اٹینڈ کرنے گیا تھا۔ وہ اس کی بات ٹال ہی نہیں سکتا تھا اور نہ ہی اس نے کوشش کی تھی۔

"کیا مجھے یہ کتاب پڑھنی چاہیے؟" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ "اگر ماما کو پتا چلا تو کیا ہوگا؟" اس کے دل کو ایک عجیب خدشہ لاحق ہوا تھا۔ "میں ہرگز نہیں کہوں گی کہ آپ دینِ اسلام قبول کرلیں۔" اس کے کانوں میں عیبرہ کی آواز گونجی تھی۔

"اگر آپ یہی چاہتی ہیں تو پھر آپ نے مطالعہ کے لیے مجھے اپنی کتاب کیوں دی؟" اس نے کتاب کے فرنٹ پیپر پر نظر ڈالی تھی جس پر لکھا تھا۔ "عقائدِ اسلام" اس نے دراز کھول کر کتاب اس میں رکھ دی اور آنکھیں بند کر کے عیبرہ کے آج کے لیکچر پر غور کرنے لگا تھا۔

"توحید سے مراد اللہ کو اس کی ذات وصفات میں یکتا و تنہا اور متفرد ماننا' کوئی انسان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ دل سے تسلیم نہ کرلے کہ اللہ عزوجل اپنی ذات میں اکیلا ہے یعنی اس کے مثل کوئی نہیں اور نہ ہی کسی کو اس قدر حیثیت حاصل ہے کہ اس کے اوصاف میں اس کا شریک ومحرم بن جائے یعنی اگر دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ وہ ہر طرح کے شرک سے پاک ہے تو بہتر ہوگا' کوئی بھی انسان یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرسکتا کہ نعوذ باللہ وہ اللہ عزوجل جیسے اوصاف رکھتا ہے نہ تو یہ دعویٰ آج تک اللہ کے کسی ماننے والے نے کیا ہے اور نہ کسی دوسری مخلوق نے جیسے جنات۔ ہاں اگر انہوں نے ضرور کیا جو اللہ کو نہیں

بھیگا دسمبر نکھرا سال

گزرتے لیل ونہار میں اس گردش ماہ وسال میں جہاں بھیگا بھیگا دسمبر آن پہنچا ہے' وہیں 2014 کا سال بھی قصہ پارینہ کا حصہ بننے کو بے تاب ہے۔ تاریخ کا ایک اور باب اپنے اختتام کو پہنچا۔ ماہِ دسمبر کی اداس و یخ بستہ شامیں اور کہر آلود صبحیں اداسی کے پیرہن میں لپٹی اس سال کو الوداع کر رہی ہیں۔ جہاں یہ سال رخصت ہونے کو ہے وہیں 2015 کا آفتاب صبح امیدوں کے نئے جگنو تھما کر ہمیں اپنی بانہوں میں سمونے کو بے قرار ہے۔ خوش آئندہ مستقبل کی امید لیے نئے خوابوں کی جوت جگائے' جہاں ہم نئے سال میں داخل ہو رہے ہیں وہیں ایک سال یادوں کے ان مٹ نقوش ہمارے ذہن پر مرتب کرکے کتاب ماضی کا حصہ بن جائے گا اور ساتھ ہی ہماری زندگی کا ایک سال خاموشی سے ہماری کوتاہیوں پر افسوس کرتا ہم سے بچھڑ جائے گا۔ ہماری جانب سے قارئین کو سال نو مبارک ہو۔ نئے سال کے حوالے سے خصوصی سروے کا اہتمام کیا گیا ہے سوال یہ ہیں۔

۱:۔ آپ کے نزدیک "دسمبر استعارہ ہے" خوشی کا یا غم کا اگر دونوں کا تو کیونکر؟
۲:۔ گزشتہ سال آپ کے لیے کون سی خوشگوار و ناگوار تبدیلیاں لانے کا سبب بنا؟
۳:۔ اس سال آپ کی ذات میں رونما ہونے والی کوئی اچھی بات یا آپ کی دیرینہ خواہش جو اس سال پوری ہوئی؟
۴:۔ اس نئے سال میں آپ خود کو کہاں دیکھتی ہیں؟
۵:۔ اپنے وطن عزیز کے لیے نئے سال میں کیا سوچ رکھتی ہیں؟
۶:۔ نئے سال کو کس طرح خوش آمدید کہیں گی؟
۷:۔ نئے سال میں آپ ماہنامہ آنچل میں کیا تبدیلیاں دیکھنا چاہتی ہیں؟

ان سوالات کے جوابات مختصر اور جامع تحریر کرکے ہمیں 8 دسمبر تک ارسال کردیں۔

مانتے تھے جیسے فرعون ونمرود۔ اب یہاں زیر غور بات یہ بھی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اللہ کے منتخب شدہ ہونے کے باوجود تھے بشر ہی ان کا درجہ ان کا رتبہ بے شک اور بلا شبہ عام انسانوں سے بلند ہے لیکن اللہ عزوجل کے مقابل ہرگز ہرگز نہیں اور جب انبیاء کرام علیہم السلام اس کے برابر نہیں تو عام انسان جیسے عارفین' اولیاء کرام' علماء' فقہاء وغیرہ۔ کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو رزق ہی پہنچا سکیں' کسی کی کوئی مراد منت پوری کریں۔ اللہ پاک خود اگر چاہتا ہے تو اپنے اختیارات میں بہت قلیل حصہ اپنے مقرب اور محبوب بندوں کو عطا کردیتا ہے جیسے اس نے حضرت موسیٰ کو معجزات عطا کیے تھے۔ جیسے اس نے حضرت سلیمانؑ کو ہر جان دار کی زبان سکھائی' جنات کو قابو کرنے کا فن عطا کیا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نور سے بنایا کہ دھوپ میں بھی ان کا سایہ نہیں بنتا تھا۔ وہ امی تھے مگر عقل وفہم کی وہ باتیں لوگوں کو بتاتے جو ان کے وقت کے قابل سے قابل لوگ بھی نہ بتا سکتے تھے۔ انہوں نے اللہ کے حکم سے انگشت کے اشارے سے چاند کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور اسی طرح اللہ پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت سے معجزات عطا کیے جیسے اندھوں کو آنکھ یعنی بینائی عطا کردینا' کوڑھی کو ٹھیک کردینا' مردوں کو جلا دینا اور مٹی سے پرندے بنا کر انہوں نے زندہ کیے مگر ان تمام معجزات میں کسی بھی نبی یا رسول کا اپنا کوئی عمل دخل نہیں تھا مگر ہم نفس کے تابع انسانوں نے ان معجزات کی بناء پر انہیں اللہ کا درجہ دینا شروع کردیا اور کچھ نے جیسے یہود ونصاریٰ اپنے نبیوں کو (نعوذ باللہ) اللہ کے بیٹے ماننے لگے۔ یہود نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام ابن اللہ اور نصاریٰ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ ہیں لیکن یہ سراسر شرک ہے' اللہ پر بہتان ہے اور اللہ پاک نے یہود نصاریٰ کے اس بدقول کو اس طرح مسترد کیا ہے۔

سورۃ مریم کی آیت نمبر 35 میں ارشاد ہے ''اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اولاد کو اختیار کرے (کسی کو) وہ بالکل پاک ہے' وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کا ارشاد فرمادیتا ہے کہ ہوجا سو وہ ہوجاتا ہے۔'' اسی طرح سورۃ الکہف میں بھی فرمایا: ''اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جو یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے نہ تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے اور نہ ان کے آباؤ اجداد کے پاس تھی۔ بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بولتے ہیں۔''

یک دم دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور ماما اندر داخل ہوئی تھیں اور ان کے چہرے پر پریشانی کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ جلدی سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھا تھا۔

''کیا ہوا ماما! سب ٹھیک تو ہے؟'' اس نے انہیں تھامتے ہوئے پوچھا۔

''جان! تمہارے نانا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' ہمیں ابھی نکلنا ہے۔ تم پیکنگ کرلو ہم تمہارے بابا کی برسی کے بعد ہی واپس آئیں گے۔'' وہ بہت تیزی سے کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ جان چند ثانیے حیران پریشان کھڑا رہا تھا پھر الماری کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اپنے کپڑے فولڈ کرتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک ہی سوچ گردش کرنے لگی تھیں۔

''کل کا عبیرہ کا لیکچر مس ہوجائے گا اور پھر کل کلاسز کا بھی لاسٹ ڈے ہے۔ ایک ہفتے بعد پیپرز ہوں گے اور پھر یونی سے میرا تعلق ختم' میرا ماسٹر مکمل ہوجائے گا۔ یونی سے تعلیم ختم یعنی عبیرہ سے رابطہ ختم۔'' اس کے کپڑے فولڈ کرتے ہوئے ہاتھ یک دم تھم گئے۔ ''او مائی گاڈ!'' وہ بیڈ پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔ ''اب میں سمجھا آپ نے مجھے کتاب کیوں دی تھی عبیرہ! آپ جانتی تھیں کہ انسان کی زندگی میں بھی کل نہیں آتی اور اسی لیے آپ نے مجھے کتاب دی کہ اگر آپ مجھ سے نہ مل سکیں تو وہ کتاب مجھے صحیح اور غلط کا فرق بتادے۔'' وہ بے خیالی میں بڑبڑاتا چلا گیا تھا۔

(جاری ہے)

موم کی محبت
راحت وفا

قسط نمبر 5

دل کو ہر وقت تسلی کا گماں ہوتا ہے
درد ہوتا ہے مگر جانے کہاں ہوتا ہے
آپ کیوں پوچھتے ہو دردِ جگر کی لذت
اک جگہ ہو تو بتاؤں کہ یہاں ہوتا ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شرمین خوب صورت اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے چار سال پہلے اس کی زندگی میں صبیح احمد آیا تھا اور اتنا ہی عرصہ ان دونوں کی محبت پروان چڑھی پھر صبیح احمد تعلیم مکمل کر کے واپس کراچی اپنے گھر چلا گیا اور شرمین سے وعدہ کر گیا کہ وہ جلد ہی رشتے کے لیے اپنی ماں کو بھیجے گا لیکن صبیح احمد کی ماں شرمین کے لیے راضی نہیں ہوتیں اور صبیح احمد کی شادی فریحہ سے کر دیتی ہیں۔ شرمین ایک فرم میں اچھی جاب کر رہی ہے شرمین کے آفس میں مرزا صاحب شرمین سے جھوٹی محبت کا دم بھرتے ہیں جس سے پریشان ہو کر شرمین صبیح احمد کو خط لکھ کر کراچی آنے کا بتاتی ہے۔ صبیح احمد پہلی فلائٹ سے شرمین سے ملنے چلا آتا ہے اور اسے اپنی شادی کا بتاتا ہے شرمین اس کی شادی کا سن کر ششدر رہ جاتی ہے۔ شرمین کی کزن زینت آپا کا بیٹا بوبی شرمین سے عمر میں چھوٹا ہونے کے باوجود اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ جس کا اظہار وہ شرمین سے برملا کرتا ہے۔ جس پر شرمین اسے سمجھاتی ہے مگر بوبی باز نہیں آتا۔ عارض ایک بزنس مین ہے عارض کی شرمین سے پہلی ملاقات سڑک کنارے ہوتی ہے۔ جس سے عارض شرمین کے حسن کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور اظہار محبت کرنے، شرمین کے گھر پہنچ جاتا ہے۔ شرمین کو لفظ محبت سے چڑ ہو جاتی ہے پہلے صبیح احمد نے اس سے محبت کی اور یوں چھوڑ کر چلا گیا جیسے کوئی تعلق ہی نہ رہا ہو اور اب بوبی کے ساتھ مرزا صاحب اور عارض بھی اس کے حسن کے پرستار ٹھہرے تھے۔ صفدر انتہائی شریف انسان ہے اس نے کبھی کسی لڑکی کی طرف میلی نظر سے نہیں دیکھا جبکہ وہ عارض کا بہترین دوست ہے اس کی ماں (جہاں آراء بیگم) صفدر کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اس سلسلے میں لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ عارض صفدر کو شرمین کے بارے میں بتا کر محبت کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ جس پر صفدر کو حیرت ہوتی ہے کہ کہاں عارض لڑکیوں کو وقت گزاری کا سبب سمجھتا تھا اور اب عارض کو شرمین سے سچی محبت ہو گئی ہے۔ صفدر شرمین سے مل کر اسے عارض کی محبت کا یقین دلاتا ہے۔ شرمین صفدر کے کہنے پر عارض سے ملتی ہے اور اس سے منگنی کر لیتی ہے۔ شرمین کو لگتا ہے کہ عارض سے منگنی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوتا بوبی بھی انگوٹھی لے کر شرمین کے پاس منگنی کی غرض سے آتا ہے لیکن جب شرمین اسے اپنی اور عارض کی منگنی کا بتاتی ہے تو بوبی کو دکھ ہوتا ہے اور وہ خود کشی کی کوشش کرتا ہے لیکن بوبی کی ماں (زینت آپا) اسے بروقت ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اس کی جان بچاتی ہیں اور پھر زینت آپا ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرتی ہیں ان کی نظر میں شرمین سے دوری بوبی کے دل سے شرمین کا خیال نکال دے گی مگر ایسا ممکن نہیں ہوتا کینیڈا جا کر بوبی وہاں کی رنگینیوں میں کھو کر ماں کو ہی بھول جاتا ہے۔ صفدر کی شادی زیبا کے ساتھ بہت دھوم دھام سے ہوتی ہے۔ زیبا، جہاں آرا کی پسند ہے صفدر بھی اس شادی سے خوش ہے مگر شادی کی پہلی رات ہی صفدر کے تمام ارمانوں پر اوس پڑ جاتی ہے جب صفدر کو زیبا اپنی کہانی سناتی ہے صفدر کے ارمانوں کا محل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ عارض شرمین سے محبت کے عہد و پیماں کر کے برعکس

کے سلسلے میں امریکہ جاتا ہے اور وہاں اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ شرمین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اس کی اماں کی طبیعت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے زینت آپا بھی بوبی کو کینیڈا چھوڑ کر شرمین کے پاس آگئی ہیں۔ صفدر کو زیبا کی کہانی سننے کے بعد زیبا سے نفرت ہوگئی ہے لیکن وہ اپنی ماں کی وجہ سے زیبا کو گھر سے نہیں نکال سکتا اور نا ہی اپنی ماں کو زیبا کی اصلیت بتا سکتا ہے اس کا سارا غصہ بھی زیبا کو باتیں سنا کر تو کبھی گھر سے باہر رہ کر سڑکوں کی خاک چھاننے پر نکل رہا ہے مگر وہ خود کو زیبا سے دور رکھنے کی کوشش میں ناکام ہوجاتا ہے۔ زیبا کی طبیعت بھی اب خراب رہنے لگی ہے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ کس طرح اپنے گناہ کی تلافی کرے اور صفدر کی نظروں میں اپنا وہ مقام حاصل کرے جو اس کا حق ہے۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

✿......✿✿......✿

رات کے دس بج رہے تھے۔ جب زیبا نے جہاں آرا بیگم کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھی۔ انہوں نے وال کلاک کی طرف دیکھا صفدر کے متعلق کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ دروازے پر بیل ہوئی۔ زیبا دروازے پر گئی۔ کچھ ہی دیر بعد زخمی حالت میں سر اور بازو پر پٹیوں میں جکڑا صفدر اندر آیا تو زیبا تو چیخ مار کے روتی ہوئی جہاں آرا کے پاس بھاگتی ہوئی آئی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر جہاں آرا اٹھنے والی تھیں کہ وہ ان کے پاس وہیں آگیا۔ سفید شرٹ جا بجا خون آلود تھی' نچلا ہونٹ سوجا ہوا تھا' دایاں بازو گلے میں پٹی کے ساتھ سہارا لیے ہوئے تھا۔ پیشانی پر زخم کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی تھی' جہاں آرا کلیجہ تھام کے رہ گئیں۔

"ماں صدقے' یہ کیا ہوا؟" وہ رودیں..... صفدر درد سے مسکرایا اور ان کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گیا۔

"کچھ نہیں غصے کی زکوٰۃ نکالی ہے۔"

"ارے کیسے ہوا..... لڑائی ہوئی ہے یا ایکسیڈنٹ؟" جہاں آرا فورجذبات سے اس کا چہرہ چومنے لگیں۔ زیبا نے اس کے جوتے اور جرابیں اتارنی چاہیں تو اس نے پاؤں اکٹھے کرلیے۔

"اتارنے دو جرابیں' پاؤں سیدھے کرو میرے بچے۔" جہاں آرا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے ممتا کے آنچل میں کسی طرح چھپالیں۔

"میں دودھ گرم کرکے لاتی ہوں۔" زیبا نے بمشکل جرأت کو آواز دی اور جرابیں بنا اتارے ہی چلی گئی۔

"امی! سونے دیں' بس کچھ نہ پوچھیں۔" ماں کی سوالیہ نگاہوں کا مطلب سمجھ کر وہ بولا۔

"کیوں' کیوں نہ پوچھوں' تم نے تو زیبا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا اور خود......"

"خود ڈاکٹر کے پاس جانا پڑ گیا۔ گاڑی کھمبے سے ٹکرا گئی۔ لوگ جمع ہوگئے' مگر تمہارا بہادر بیٹا اپنے پیروں پر چل کر ہسپتال گیا' مرہم پٹی کرائی' بازو کا ایکسرے کرایا' کلائی کی ہڈی پر چوٹ ہے' دوائیں میری جیب میں ہیں اور میں خود رکشے میں بیٹھ کر گھر آگیا ہوں۔ بس یا اور کچھ......" وہ شریر انداز میں ماں کی دلجمعی کی خاطر بتا گیا..... مگر وہ ماں تھیں کہاں آسانی سے اطمینان ملتا۔

"بازو اتر گیا ہے یا ہڈی......" وہ رک گئیں۔

"نہ اترا ہے نہ ہڈی ٹوٹی ہے' بس چوٹ ہے اسے آرام دینا ہے۔" وہ سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔

"تم تو دھیان سے گاڑی چلاتے ہو پھر ایسا کیوں ہوا؟" انہوں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں..... زیبا دودھ لے آئی تو وہ ناگواری سے بولا۔

"مجھے دودھ نہیں پینا۔"

"پینا ہے بلکہ اس میں ہلدی ڈال کر لاتی ہوں۔" جہاں آرا نے دودھ کا گلاس زیبا کے ہاتھ سے لیا اور اٹھ کر ہلدی ڈالنے چلی گئیں تو وہ اسے تیکھی نظروں سے گھور کر بولا۔

"تم نے صفدر کو غم و غصے سے بھر دیا' تمہارے آنے سے صفدر کو اتنا گھٹیا ہونا پڑا' پھر بھی تم معصوم ہو۔"

"میں معصوم نہیں ہوں' میرا قصور تو بہت بڑا ہے مگر......"

"بند کرو چونچ' میں تمہیں دیکھنا نہیں چاہتا' اور تم مجھے اتنا قریب آنے پر مجبور کر کے زیر کرتی ہو' آج مجھے خود سے گھن آرہی ہے۔" وہ نفرت سے بولا۔

"یہ تو آپ کا ظرف ہے' ورنہ میرا وجود تو کوڑے کے ڈھیر کے بھی قابل نہیں آپ ایک بار اٹھا کر مجھے پھینک دیں۔" وہ سسکیاں لیتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ جہاں آرا بیگم آئیں تو زیبا کو وہاں نہ پا کر بولیں۔

"زیبا کی طبیعت خاصی خراب ہے' لڑکی نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے' چکرائی رہتی ہے' میرے دل میں خوشی کی امید ہے' تو ایک بار ڈاکٹر سے چیک کرا دے۔" دودھ کا گلاس اس کے ہونٹوں تک جاتے جاتے رہ گیا۔ ان کی خوشی والی بات نے اس کے دل پر چٹکی کاٹی تو وہ کھٹکا۔

"کوئی خوشی وشی والی بات نہیں ہے' آپ میرا سر دبائیں مجھے نیند سی آرہی ہے۔" دودھ کا گلاس خالی کر کے دیتے ہوئے وہ یکسر ان کی بات ٹال گیا اور آنکھیں موند کے سوتا بن گیا۔ جبکہ وہ سو نہیں رہا تھا۔ جہاں آرا بیگم کچھ دیر اس کا سر دبانے کے بعد جائے نماز بچھا کر شکرانے کے نفل پڑھنے لگیں تو اس نے آنکھیں کھول کے تاروں سے بھرے آسمان کو گھورنا شروع کر دیا۔ اس وقت برآمدے میں سے آدھا آسمان ضرور نظر آتا تھا...... مگر وہ آسمان کی بلندی پر تاروں کی جھلملاہٹ میں کیا دیکھ رہا تھا یہ جہاں آرا بیگم کو پتہ نہیں تھا۔ یہ تو کھڑکی سے جھانکتی زیبا جانتی تھی جو اس کی ایک ہاتھ کی بند مٹھی کا اضطراب دیکھ رہی تھی۔ جسے بار بار تخت پر مار کے وہ خود کو تسکین دے رہا تھا' مگر تسکین شاید اس سے کوسوں دور تھی' اس نے قریب آنے پر خود کو کس قدر سخت سزا دی تھی۔ خدانخواستہ...... اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی منہ پر ہاتھ رکھ لیا...... اس کے اس اضطراب' غم و غصے' بے سکونی اور تنہائی کی میں ہی تو ذمہ دار ہوں' میں نے ایک معصوم انسان کو شادی کے نام پر رنج و ملال اور...... اذیت دی ہے...... ایک زندہ متحرک انسان کو بے موت مار دیا ہے' جب اس میں وہ انسان سانس لیتا ہے' تو میرے قرب سے خود کو دور نہیں رکھ سکتا' مگر وہ لمحوں کا طلسم ٹوٹتا ہے تو پھر بے جان ہو جاتا ہے' خود کو شرمسار کرتا ہے' صفدر کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس نے مجھے اٹھا کر باہر نہیں پھینکا' مگر ایسا کب تک چلے گا؟ میرے اندر صفدر کا احساس سانس لے رہا ہے...... میں اسے کیسے بتاؤں؟ مجھے یقین ہے میری طبیعت کی خرابی کیا ہے؟ مگر میں کس کو بتاؤں؟ امی جان کو' نہیں وہ تو خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گی...... لیکن نہیں صفدر یہ کبھی برداشت نہیں کریں گے...... تو پھر میں کیا کروں میرے خدا؟ اس سے مجھے گزرنے کی راہ دکھا' میرے لمحوں کی غلطی کو تو معاف کر دے...... مجھ سے وہ بار ندامت دور کر دے...... بھلا دے وہ سب لرزشیں...... جو میرے وجود کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں۔" اشکوں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر اس کا دامن بھگوتی رہیں چاند جب اپنا سفر طے کرتا ہوا صحن سے دور ہو گیا تو وہ کھڑکی سے ہٹ گئی...... باہر صفدر سو چکا تھا...... جہاں آرا اس کے سرہانے بیٹھیں تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

❁......❁❁......❁

hifto:logud

Ekoloqui

urBoby.

میسج پڑھ کر اس نے موبائل فون آف کردیا..... طبیعت پر عجیب سا بوجھ محسوس ہوا..... بوبی کو وہ خود بھی دو تین روز سے فون کرنے کا سوچ رہی تھی' لیکن اس میسج کے بعد ہمت نہ ہوئی کہ کیا بات کرے اس کے ہاں تو ڈھاک کے وہی تین پات والی بات تھی' بڑی دیر وہ کرسی کی پشت سے سر لگائے یہی سوچتی رہی کہ کیسے اس مسئلے کا حل کیا جائے؟ ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ فون کی بیل بجنے لگی..... اس نے فون اٹھا کر دیکھا تو بوبی کا نمبر تھا..... وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی فون اٹینڈ نہ کیا' مگر فون مسلسل بجتا رہا' بالآخر اس نے فون ریسیو کیا' وہ براہ راست بڑی جرأت سے بولا۔

"شرمین! مجھے پتہ ہے تم دانستہ فون اٹینڈ نہیں کررہی تھیں۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہو؟" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے جانتا ہوں' میرے میسج کے بعد تمہیں کوفت ہوئی ہوگی۔" وہ سچ مچ دل کی گہرائیوں سے جانتا تھا' ابھی تو ہو بہو اس کی کیفیت بیان کردی' وہ لحہ بھر کو حیرت میں آئی مگر پھر سنبھل کر بولی۔

"کچھ پیغامات ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو پڑھ کر کوفت ہی ہوتی ہے۔"

"پھر تو کوفت کا سلسلہ تمہیں روکنا چاہیے۔ میری بات سمجھ میں آجانی چاہیے۔" وہ بے باکی سے بولا۔

"کون سی بات؟"

"یہی کہ مجھے تمہارے سنگ ساتھ جینا مرنا ہے۔"

"بوبی! کہتے ہیں کہ محبت سے پہلے پاس اخلاق کا ہونا ضروری ہے' مگر تمہارے پاس یہ سرمایہ نہیں۔" وہ سخت برامان گئی تو وہ ہنسنے لگا۔

"ایمان سے شرمین! مجھے پکا یقین تھا کہ تم ایسا کچھ ہی کہو گی....." وہ ہنستے ہنستے بولا تو وہ جل گئی۔

"کتنے دکھ کی بات ہے کہ تمہیں ہنسی مذاق سوجھا ہے' ماں کی ذرا سی بھی پروا نہیں' تم نے ایک لفظ ان کے متعلق نہیں کہا۔"

"مجھے معلوم ہے ماما تمہارے پاس ہیں آرام سے ہیں' تم مجھ سے زیادہ ان کا خیال رکھ رہی ہو۔"

"مگر میں ایک بیٹے کی جگہ نہیں لے سکتی' میں بوبی نہیں ہوں جس کی تصویر کے سامنے وہ آنسو بہارہی ہیں۔" وہ چڑ کر چیخنے لگی۔ تو وہ کچھ سنجیدہ ہوگیا۔

"او کے مائی ڈیئر! ڈونٹ شاؤٹ مجھے بھی ماما کی پروا ہے' وہ میری سویٹ ماما ہیں مگر تم بھول کیوں جاتی ہو کہ ان کے اور میرے درمیان جو معاملات خراب ہیں وہ تمہاری وجہ سے ہیں۔"

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ طیش میں آگئی تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"بند کرو یہ ہنسنا آپ نہایت بدتمیز ہو۔" اس نے جل کر فون بند کردیا.....اور خود کو نارمل کرنے لگی..... ہزار کوشش کے بعد بھی اس کے جنون میں اضافہ حیرت ناک تھا..... وہ مضطرب سی ہو کر کمپیوٹر ٹیبل کی طرف بڑھی تو موبائل پر میسج ٹون بجی..... وہ رکی پھر کچھ سوچ کر فون اٹھایا کہ شاید بوبی نے سوری کے کلمات لکھے ہوں..... مگر سوری کے کلمات کی جگہ شاعری پڑھنے کو ملی۔

کہو اب کیا کہوں تم سے

بتاؤ کیا لکھوں تم کو
مجھے تمہید دو کوئی
مجھے امید دو کوئی
نیا اک لفظ ہو کوئی
جہاں سے بات چل نکلے
میری مشکل کا حل نکلے
مجھے اظہار کرنا ہے
تمہی سے پیار کرنا ہے
تمہارے سنگ جینا ہے
تمہارے سنگ مرنا ہے
کہو اب کیا ارادہ ہے؟
بتاؤ لہجہ کیسا ہو؟
کہ تم سے بات کرنی ہے
مجھے تھوڑا اجالا دو
بسر اک رات کرنی ہے
تم اپنی روشن آنکھوں کو
اگر کھولو تو میں لکھوں
کہو اب کیا ارادہ ہے؟

"ہنہ! بے وقوف!" اس نے فون بند کر کے سرسری انداز میں بیڈ پر اچھال دیا۔ فقط یہ تعجب ضرور تھا کہ اظہار عشق کے لیے اس نے کہاں سے شاعری کی کتابیں اکٹھی کرلی ہیں..... ورنہ یہاں رہتے ہوئے تو اردو شاعری پڑھتے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا اس کی معصوم سی حرکت پر اسے ہنسی آ گئی۔

❁......❁❁......❁

خان صاحب نے پاکستان بات کرنے کے بعد فون جونہی بند کیا تو اسے منہ پھلائے بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس آ گئے۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے اس کے بالکل سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا..... تو وہ منہ دوسری طرف موڑ کے بولا۔

"کچھ نہیں' پاکستان میں دفتری نظام خراب ہو رہا ہے' کاروبار میں خسارہ ہو رہا ہے' یہ سن کر اور کیا ہو سکتا ہے؟"

"ادھر دیکھو' میری طرف' بابا کی جان دیکھو تو۔" انہوں نے مسکرا کر اس کا چہرہ اپنی طرف پھیرتے ہوئے کہا۔

"جی فرمایئے' یقیناً آپ کے پاس' بہت سے بہانے ہوں گے۔" اس نے کہا تو وہ ہنسنے لگے۔

"یار آپ' بہت انٹیلی جنٹ ہو' ہر بات سمجھ لیتے ہو۔"

"خاک سمجھ لیتا ہوں' یہاں بیٹھ کر کیا سمجھ سکتا ہوں؟"

"یہاں رہنے سے آپ کی صحت پر کیا اثر پڑ رہا ہے؟"

"ہمارے کاروبار پر تو اثر پڑ رہا ہے نا مگر آپ کو کیا......" وہ جھلایا۔
"یار عارض سارے جہان پر اثر پڑ جائے پر بابا کی جان پر اثر نہ پڑے بس۔" وہ دلی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اطمینان سے بولے۔
"بابا! ڈاکٹرز بلاوجہ تاخیر کررہے ہیں ہم پاکستان چلتے ہیں پھر آ جائیں گے۔"
"میرے پیارے بیٹے! آج وہ آپریشن کی ڈیٹ بتائیں گے اور ہم جلد پاکستان چلے جائیں گے۔"
"میں بور ہو گیا ہوں صفدر کو مس کررہا ہوں۔"
"جی جی آپ صفدر کو مس کررہے ہیں ہمیں خوب اندازہ ہے۔" خان صاحب نے آنکھ دبا کر شوخی سے کہا تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔ اور سمجھ گیا کہ بابا شرمین کے حوالے سے بات کررہے ہیں۔
"اتنے میسجز کیے ہیں ایک کا بھی جواب نہیں دیا اور فون بھی اٹینڈ نہیں کرتا۔" وہ نظریں چرا کر بولا تو خان صاحب نے دانستہ اس کی تائید کی۔
"یہ لو ابھی ہم صفدر کے کان کھینچتے ہیں۔" انہوں نے جیب سے موبائل نکال کر صفدر کا نمبر ملایا' چند لمحوں میں نمبر مل گیا اور اتفاق سے فون صفدر نے اٹینڈ بھی کرلیا تو خان صاحب نے اس کو ڈانٹا۔
"کیا انکل انکل کررہے ہو؟ کیسے دوست ہو ہمارے بیٹے کے میسجز کے جواب بھی نہیں دیئے' فون اٹینڈ نہیں کرتے...... پاس ہوتے تو کان اتار لیتے۔"
"جی سوری۔" دوسری طرف صفدر حقیقت میں شرمندہ ہو کر بول رہا تھا۔
"بس بس' یہ لو ہمارے بیٹے سے بات کرو۔" خان صاحب عارض کو فون دے کر خود کمرے سے باہر چلے گئے...... عارض کھل اٹھا۔
"مجھے ایسے بے وفا دوست سے بات نہیں کرنی۔" اس نے فون کان سے لگاتے ہی مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔
"مجھے کہہ رہے ہو یا شرمین کو۔" دوسری طرف بھی صفدر تھا جس نے اس کی بات کا خوب جواب دیا۔
"میں تمہیں کہہ رہا ہوں' میرے میسجز کا کوئی جواب نہیں دیا...... ای میل کی توفیق نہیں ہوتی' چیٹنگ کرنے کو ترس جاتا ہوں۔"
"میں ابھی شرمین کی خبر لیتا ہوں' وہ کیوں ایسا کررہی ہے؟" صفدر نے پھر معصومیت سے کہا تو وہ زچ آ گیا۔
"ڈھماڑ! میں تمہیں کہہ رہا ہوں' تم میرے بے وفا دوست بن گئے ہو۔" وہ چلایا۔
"تمہیں کیا بتاؤں دوست زمانے نے ہماری وفا کو کیسے کیسے پامال کیا ہے؟" وہ دکھی ہو گیا۔
"یہ کون ہے زمانہ؟ مجھے بتاؤ گولی ماردوں گا۔" اس نے بھی شرارت کی۔
"چھوڑو کیا بتاؤں؟ بس صفدر ختم ہو گیا اسے دیمک کھا رہی ہے۔" وہ دوست کے سامنے پہلی مرتبہ اتنا سنجیدہ ہو گیا۔
"سچ بتاؤ کیا بات ہے؟" وہ بھی سنجیدگی سے بولا۔
"بتاؤں گا مگر ابھی نہیں' پہلے تم خیریت سے آ جاؤ پھر بس ابھی نہیں ابھی صفدر میں ہمت برقرار ہے۔" وہ کہیں دور سے بولا تو عارض اور زیادہ پریشان ہو گیا۔
"کیسی باتیں کررہے ہو بتاؤ نا۔"
"کچھ نہیں' معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے بالکل خیریت سے ہوں۔" صفدر نے جھوٹ بول کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"کیا...... ایکسیڈنٹ کیسے؟" وہ چلایا۔

"کل ہوگیا' میری غلطی تھی' لیکن میں بالکل ٹھیک ہوں' تم اپنی سناؤ آپریشن کب ہوگا؟"

"یہ بتاؤ بھابی کیسی ہیں؟" اس نے ایک دم پوچھا تو وہ سمجھ گیا کہ عارض اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوا اس لیے وہ ہر انداز میں کچھ نہ کچھ تفتیش کرنا چاہ رہا ہے۔

"کیوں...... تمہیں کیا لگتا ہے؟"

"بس ایسا لگتا ہے جب سے شادی ہوئی ہے میرا یار بالکل بدل گیا ہے۔"

"شاید ایسا ہی ہوا ہے' خیر تم نے بتایا نہیں کہ آپریشن کب ہونا ہے؟"

"آج پتہ چلے گا۔ شرمین کیسی ہے؟" اس نے کہا۔

"کافی دنوں سے رابطہ نہیں ہوا' تم فون کرکے پوچھ لیا کرو۔"

"مشورے کا شکریہ' ویسے تمہیں خود اپنے دوست کی امانت کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"اوکے...... اوکے! میں ابھی جاتا ہوں جناب۔"

"اور کچھ۔"

"تم سناؤ۔"

"ٹھیک ہے پھر بات ہوگی' اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" صفدر نے بھی جواباً کہا۔

فون بند کرکے عارض نے شرمین کو ای میل کرنے کے لیے کمپیوٹر کا سہارا لیا۔

❁......❁❁......❁

زینت آپا اپنے بزنس منیجر کے ساتھ ڈرائنگ روم میں مصروف تھیں۔ ویسے تو آج اتوار تھا' چھٹی تھی زینت کی طبیعت کچھ بہتر نہیں تھی اس لیے منیجر کو آج گھر بلایا تھا۔ تقریباً دو ڈھائی گھنٹے ہوچکے تھے' اس دوران اماں نے چائے مع کچھ کھانے کی ہلکی پھلکی چیزوں کے اندر پہنچائی تھی۔ اس کے بعد وہ ٹی وی لاؤنج میں نڈھال سی بیٹھی تھیں' شرمین اپنے کمرے سے باہر آئی تو چونکی۔

"اماں جی! کیا بات ہے؟"

"ہنہ ہاں' بس تھکن سی محسوس ہورہی ہے۔" وہ حوصلے سے بولیں۔

"تھکن تو ہوگی رات دن کام کام اور کام کے سوا آپ کو کوئی کام نہیں' مجھے تو فکر ہے آپ وقت پر دوائیں بھی کھاتی ہیں کہ نہیں۔" وہ غصے میں آگئی' ان کی پیشانی چھو کر دیکھی...... بخار تو نہیں تھا البتہ کمزوری سی محسوس ہورہی تھی۔

"بیٹا! کام سے کوئی نہیں مرتا' بس موسم کی تبدیلی کا اثر ہے' دوائیں بھی باقاعدگی سے کھاتی ہوں۔" انہوں نے ہشاش بشاش ہونے کی بھرپور وضاحت کی۔

"اماں جان! آپ کو دواؤں کے ساتھ آرام کی بھی ضرورت ہے' بس آپ اٹھیں کمرے میں چل کر آرام کریں' میں کل آپ کا چیک اپ کراتی ہوں۔" وہ انہیں اٹھاتے ہوئے بولی۔

"بیٹے! میں بالکل ٹھیک ہوں' بڑھاپے کے بعد کوئی اور منزل نہیں ہوتی' اب تو قبر سے صرف منہ باہر ہے' اس عمر میں اگلے سفر کے لیے بیماری' علاج سب حیلے بہانے ہیں۔" وہ دھیرے دھیرے چل کر اس کے ساتھ کمرے میں پہنچیں تو شرمین کی نم آلود آنکھیں دیکھ کر ہنس دیں۔

''پگلی! ان باتوں کے لیے تو جانے والا خود تیاری کر لیتا ہے' تم کیوں رنجیدہ ہوگئیں۔''

''اماں! چپ ہو جائیں میرا دل پھٹ جائے گا' آپ کی محبت میں مجھے زندگی ملی ہے' میں کیسے برداشت کر سکتی ہوں؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''ارے میری پاگل بیٹی! اتنا پڑھ لکھ کر تو حقیقت پسند ہونا چاہیے' بس مجھے تمہاری فکر ہے' بیٹا عارض کو بلا لو اب۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولیں تو اس نے بھی جھنجلا کر کہا۔

''کیوں کیا ہوا ہے آپ کو؟ کوئی تکلیف نہیں پھر کیوں ایسی مایوسی والی باتیں کر رہی ہیں آپ نے رہنا ہے میرے ساتھ میرے لیے۔''

''اچھا اچھا' چلو اب آرام کر لو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

''جی نہیں میں آپ کے پاس رہوں گی۔'' وہ اچھل کر ان کے بستر پر بیٹھ گئی۔ تو انہوں نے اس کا سر چھوٹی سی بچی کی طرح اپنے سینے سے لگا لیا۔

''چلو لیٹی رہو چپ چاپ' تم تو بہت کمزور دل لڑکی نکلیں' چھوٹی سی بات تسلیم کرنے کا حوصلہ نہیں۔ تمہیں اپنا خیال رکھنا ہے' ہمت سے کام لینا ہے۔'' اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے کہہ رہی تھیں اور اس کا دل جانے کیوں بیٹھا جا رہا تھا' بس جی چاہتا تھا کہ وہ اماں کو کہیں چھپا لے' کہیں کچھ ہو نہ جائے' مگر گردن اٹھا کر انہیں مسکراتا دیکھ کر وہ کچھ مطمئن سی ہوگئی۔ اور پھر ان کی انگلیوں سے طمانیت کا احساس اس کے سر سے ہوتا ہوا پورے وجود پر چھا گیا۔ وہ ان سے لپٹ کر گھنٹوں سوئی رہی۔ جاگی تو اس وقت جب زینت آپا نے جھنجوڑ کر اسے اماں کے سرد وجود سے الگ کیا۔

اس نے حیرت سے زینت آپا کو دیکھا...... ان کے برابر کھڑے منیجر صاحب کو دیکھا' زینت آپا زار و قطار رو رہی تھیں...... اس نے بے چین ہو کر اماں کی طرف دیکھا تو حقیقت نے پتھرا کے رکھ دیا...... اماں پرسکون سوئی ہوئی تھیں۔ ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں انہیں زور زور سے ہلانے لگی' پکارنے لگی۔

''اماں! اماں! اٹھو نا' آنکھیں کھولو نا' اماں! اٹھو' اٹھو' آنکھیں کھولو۔'' وہ ایک دم ہی ہذیانی انداز میں رونے لگی۔ زینت آپا نے اسے بانہوں میں بھر کے سنبھالنے کی پوری کوشش کی مگر وہ بکھر بکھر گئی' زینت آپا کی اپنی سسکیاں بلند ہوتی گئیں۔ اس کا رونا انہیں بھی رلا رہا تھا۔

''شرمین! چندا حقیقت تسلیم کرو' اللہ کی مرضی یہی تھی۔''

''نہیں' نہیں اماں مجھے یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔'' وہ چلائی۔

''وہ جانا تو نہیں چاہتی ہوں گی پر مرضی بھی تو نہیں چل سکتی' صبر سے کام لو......'' زینت آپا اسے بازوؤں میں سمیٹ کر وہیں قالین پر بیٹھ گئیں۔ مگر وہ ان کے بازوؤں سے نکل کر پھر اماں سے لپٹ گئی۔

''اماں...... اماں! آپ تو کہہ رہی تھیں کہ میں بالکل ٹھیک ہوں' صرف تھکن ہے' پھر آپ کیوں چلی گئیں' بولیں اماں' بولیں۔'' اس کی دل خراش چیخوں سے در و دیوار کانپ اٹھے۔

زینت کی سسکیاں بلند ہوگئیں...... مگر اسے سنبھالنے کے لیے وہ پھر اسے اماں پر سے اٹھانے کے لیے اٹھیں...... مگر وہ تڑپ تڑپ کے رو رہی تھی۔ اماں کے پاس سے اٹھنے کو تیار نہیں تھی۔ زینت آپا اسے سنبھالتی سنبھالتی خود نڈھال ہوگئیں...... وہ روتے روتے ایک دم خاموش ہوگئی' ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے...... ہونٹ آپس میں جڑ گئے آنکھیں ٹھہری گئیں۔ زینت کے جسم سے جیسے جان نکل گئی...... وہ غشی کے دورے میں تھی...... زینت کے لیے اسے اس حالت میں اٹھانا مشکل تھا...... مجبوری کی حالت میں منیجر سے مدد لی' اسے اس کے کمرے تک پہنچایا' اس کے بعد زینت کے لیے

بہت کٹھن کام شروع ہوگیا...... اسے آنسو صاف کرکے ہمت کا سہارا لینا پڑا تجہیز وتکفین سے لے کر آنے جانے والوں کو اٹینڈ کرنے کی ذمے داری بھی ان پر آپڑی تھی...... شرمین کے کرنے والے کام بھی انہی کو دیکھنے تھے لیکن شرمین صدمے کی جس کیفیت میں تھی اس کا انہیں احساس تھا۔

اس لیے اس نے سب سے پہلے شرمین کے موبائل فون سے ضروری لوگوں کو فون کے ذریعے انتقال کی اطلاع دی...... منیجر صاحب کو تمام باہر کے معاملات دیکھنے کو کہا...... اپنی کوٹھی سے شیر دل بابا کو بھی بلالیا' دونوں ملازماؤں کو بلایا...... جنہوں نے جلدی جلدی ڈرائنگ روم' ٹی وی لاؤنج میں چاندنیاں بچھا کر آنے جانے والوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا...... وہ خود مسلسل شرمین کے پاس تھیں' لب پر پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لانے کی کوشش کررہی تھیں...... مگر بے سود مجبوراً اسے ڈاکٹر کو بلانا پڑا...... ڈاکٹر نے اسے مسلسل آرام کی غرض سے انجکشن لگایا' چند دوائیں دیں' اور مشورہ یہی دیا کہ مغرب کی نماز کے بعد یا عشاء کی نماز کے بعد جنازہ پڑھا جائے' کیونکہ سات آٹھ گھنٹے یہ نیند کی حالت میں رہیں گی...... بعد میں صدمے کی شدت میں کمی ہوجائے گی' فکر کی کوئی بات نہیں ہے' پھر بھی کچھ دوائیں دے دیجیے گا......"

زینت نے کچھ بے فکر ہوکر اسے سوتا چھوڑ کر باہر کا رخ کیا...... اور منیجر صاحب کو جنازے کی تیاری سے متعلق تمام تر ہدایات دے دیں...... انہوں نے قریبی مسجد میں نماز جنازہ کا اعلان کرادیا...... اور یہی طے ہوا کہ بعد نماز مغرب نماز جنازہ ہوگی اور پھر تدفین۔

❁......❁❁......❁

ڈاکٹر شہریار احمد کی مسز ڈاکٹر نگار احمد کے کمرے سے نکل کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکلا...... پیچھے وہ دھیرے دھیرے چل کر آئی۔ سڑک پر دور دور تک کوئی رکشہ نظر نہیں آرہا تھا۔ گاڑی ورکشاپ میں ہونے کی وجہ سے خاصی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ابھی تو وہ خود بھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا تھا' پٹیاں کھلی تھیں' زخم برقرار تھے...... کلائی کی ہڈی بھی ابھی درد کررہی تھی...... مگر زیبا کو آج ہر صورت ڈاکٹر کو دکھانا تھا۔ یہ امی جان کا حکم تھا' ویسے بھی اس نے خود کہہ رکھا تھا......

مگر ڈاکٹر شہریار نے ایک دو منٹ زیبا سے بات چیت کرنے کے بعد اسے اپنی مسز ڈاکٹر نگار احمد کو چیک کرانے کی ہدایت کی تو وہ ٹھٹکا...... زیبا نے اجازت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ ہلکی سی جنبش سے سر ہلا کر دور جا بیٹھا...... وہ اکیلی اندر گئی...... پھر کچھ دیر بعد باہر آئی تو وہ آگے آگے چل دیا...... نہ یہ پوچھا کہ کیا بیماری ہے؟ نہ یہ جانا کہ ڈاکٹر نے کیا کہا؟

مگر آٹو رکشہ میں اس کے برابر بیٹھ کر اچانک اس سے نظریں ملیں تو کافی حیرت ہوئی...... اس کی اداس آنکھوں میں قندیلیں روشن تھیں...... اس کے زرد رخساروں پر گلاب کھلے تھے...... اس کے نازک ہونٹوں پر تبسم مچل رہا تھا...... اس وقت وہ بالکل نئی زیبا لگ رہی تھی...... وہ نظریں چرا گیا...... مگر اس کی مسلسل تکی ہوئی نگاہوں کا اشارہ تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھے...... کچھ جانے...... اس کے چہرے پر پھوٹتے رنگوں کی زبان سمجھے...... اس کے وجود میں جس الوہی جذبے نے انگڑائی لی ہے اس کو محسوس کرے...... مگر اس نے تو گویا گردن میں سریا فٹ کرلیا تھا...... مستقل گردن موڑے سڑک پر دیکھتا رہا...... بالکل گھر کے قریب پہنچ کر ایک میڈیکل اسٹور کے پاس زیبا نے رکشے والے کو رکشہ روکنے کو کہا' تو ایک طرف جھٹکے سے رکشہ رکا دوسری طرف جھٹکے سے گردن موڑ کر اس نے حیرت سے اسے دیکھا' گھبرائی' سہمی زیبا کے حلق سے اس قدر کڑک اور بارعب آواز نکلنا اس کے لیے حیرت کی بات تھی...... اس نے مٹھی میں دبا نسخہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ دوائیں لینی ہیں۔"

"کس لیے......؟" اس نے دھیرے سے کہا تاکہ رکشے والا نہ سن لے۔
"میرے لیے۔" وہ شرمائی۔
"پہلے گھر چلو آجائیں گی دوائیں۔"
"ڈاکٹر صاحبہ نے کہا ہے ابھی کھانی ہیں۔"
"کوئی قیامت نہیں آجائے گی کچھ دیر بعد میں......" وہ دبے دبے غصے کے ساتھ بولا۔
"مجھے پتہ ہے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں......" وہ رنجیدہ ہوگئی۔ تو مجبوراً اسے رکشے سے نکلنا پڑا نسخہ لے کر میڈیکل اسٹور کی طرف گیا...... کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد ایک دم بنا دوائیں لیے واپس آ کر رکشے میں بیٹھ گیا...... وہ کچھ نا سمجھی...... اس نے رکشے والے کو چلنے کو کہا اور خود چپ چاپ پھر باہر دیکھنے لگا۔
"اگر دوائیں نہیں لینی تھیں تو صاف انکار کردیتے۔"
"تم عورتیں اتنی بے صبری اور جذباتی کیوں ہوتی ہو؟ تھوڑی دیر کا انتظار کر لینے سے زندگی مشکلات سے بچ جاتی ہے مگر تم تو ہو ہی بے صبری اور جلد باز۔" اس نے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے طنزیہ کہا۔ وہ کچھ شرمساری ہوگئی تو وہ پھر بولا۔
"میرا بٹوہ اور موبائل گھر رہ گئے ہیں تھوڑے سے پیسے تھے تو ڈاکٹر کے پاس آنے اور ان کی فیس میں لگ گئے اور اب رکشے والے کو بھی گھر سے پیسے دوں گا' سمجھیں تم۔"
وہ کچھ نہ بولی' گھر آگیا' وہ جلدی سے اتر کر گھر کے اندر گیا' پیچھے وہ بھی آگئی' وہ پیسے لے کر واپس باہر گیا پھر کچھ دیر بعد اندر آیا...... امی مغرب کی نماز پڑھنے کی تیاری کر رہی تھیں...... انہیں دیکھ کر اطمینان سے جائے نماز بچھائی اور نماز پڑھنے لگیں...... جبکہ وہ دونوں کمرے میں آگئے...... صفدر نے صوفے پر بیٹھ کر جوتے کے تسمے کھولے...... تو وہ سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔
"آپ نے پوچھا نہیں کہ ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے؟" وہ سادگی سے بولی۔
"مجھے کوئی سروکار نہیں ہے دوائیں لانی ہیں وہ میں کچھ دیر میں نماز پڑھ کر لا دوں گا۔"
"مگر آپ کو سروکار ہونا چاہیے اب۔" وہ رسان سے بولی۔
"ہنہ! میں نے پہلی رات ہی آپ پر آپ کی حیثیت واضح کردی تھی' لہٰذا اس چھت کے نیچے کمرے کی چار دیواری میں اپنا بھرم میری خاموشی میں چھپا رہنے دو۔"
"پہلی رات تو آپ نے ہمدردی کی تھی' مگر اب آپ کو نفرت کے سوا کوئی کام نہیں۔"
"آج آپ بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ یہ کون سا وقت ہے میری ہمدردیاں یاد کرانے کا۔" وہ طنزیہ شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اٹھا۔
"آج یہ امید ہے کہ وہ ہمدردی شاید آپ کی الفت میں بدل جائے۔" وہ ڈرتے ڈرتے مگر پرامید لہجے میں بولی تو اسے گویا بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ استہزائیہ انداز میں ہنسا اور بنا کچھ کہے باہر نکل گیا...... شاید مغرب کی نماز کا وقت نکل رہا تھا اس لیے...... مگر آن واحد میں وہ واپس پلٹا ان کے ساتھ جہاں آرا تھیں...... اس نے موبائل سے نمبر دیکھ کر ملایا...... ہدایات کی...... فون بند کر کے اس نے جہاں آرا کی طرف دیکھا۔
"امی جان! آپ کو مجھے آتے ہی بتانا چاہیے تھا' شرمین بہن پر قیامت گزر رہی ہوگی۔"
"بیٹا! بس بھول گئی' چلو اب جلدی کرو' شلوار سوٹ پہن لو' مجھے بھی ساتھ چلنا ہے۔" انہوں نے کہا...... تو اس نے

کپڑوں کی الماری سے شلوار سوٹ نکال کے واش روم کا رخ کیا...... جہاں آرا اپنے کمرے سے اپنی چادر اٹھانے آ گئیں...... کچھ دیر بعد دونوں گھر سے نکلے...... رکشہ لیا...... اور شرمین کے گھر کا رستہ رکشے والے کو سمجھا دیا...... پھر رستے میں ہی اسے خیال آیا تو عارض کو میسج لکھ کر سینڈ کر دیا...... جب رکشہ شرمین کے گھر والی مین سڑک پر پہنچا تو ساٹھ ستر آدمیوں کا قافلہ اماں کا جنازہ اٹھائے آ رہا تھا اس نے رکشہ بالکل سائیڈ پر کھڑا کیا کے اماں کے جنازے میں شریک ہونے کے لیے وہیں رکشے سے اترنا مناسب سمجھا...... امی جان نے اسے مطمئن کر دیا...... کہ وہ جنازے میں شرکت کرے وہ رکشے میں خود شرمین کے گھر تک چلی جائیں گی...... اس نے ایسا ہی کیا تیزی سے جنازے کے ساتھ چلنے والوں میں شامل ہو گیا۔

❁......❁❁......❁

گھٹنوں پر سر رکھے وہ غم کی تصویر بنی خاموش اشک بہا رہی تھی۔ زینت آپا صفدر دونوں افسردہ سے اس کا غم ڈھلتا دیکھ رہے تھے...... اس کے آنسو بہنا بہتر تھا...... اس لیے ان دونوں میں سے کوئی منع نہیں کر رہا تھا...... بس زینت نے کچھ دیر بعد اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا اور دھیرے سے کہا۔

"شرمین! اس طرح تو اماں کی روح کو بہت تکلیف پہنچ رہی ہوگی۔"

"وہ مجھے چھوڑ کر کیوں گئی؟ انہیں معلوم تھا کہ میرا ان کے سوا کوئی نہیں۔" وہ یک دم پوری شدت سے روتے ہوئے چلائی۔ تب صفدر نے کہا۔

"وہ اپنی مرضی سے تو نہیں گئیں اور ہم سب آپ کے کچھ نہیں لگتے؟"

"شرمین اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں میں ہوں نا تمہاری آپا ہم ساتھ رہیں گے۔" زینت آپا نے بہت اپنائیت سے کہا تو وہ ان سے لپٹ گئی۔

"اب کچھ کھا لیتے ہیں بہت بھوک لگی ہے۔" صفدر نے دانستہ کہا۔

"ہاں میں کھانا لاتی ہوں۔" زینت آپا نے جلدی سے کہا۔ کھانے کے تذکرے پر وہ پھر اماں کو یاد کر کے رو پڑی۔

"اماں کے بغیر۔"

"جی ہاں! یہ حقیقت ہے اسے آپ تسلیم کر لیں۔" صفدر نے سنجیدگی سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی زینت آپا مطمئن ہو کر باہر چلی گئیں تب صفدر نے کہا۔

"عارض ہے نا آپ کے ساتھ وہ بہت دکھی ہے فون پر بات کرے گا۔"

"صفدر بھائی! میری ماں تھیں دوست تھیں۔" وہ مغموم سی بولی۔

"معلوم ہے ماں باپ بھی چلے جاتے ہیں پھر نئے رشتوں ناطوں کے ساتھ ہم زندگی بسر کرتے ہیں۔" صفدر نے نرمی سے سمجھایا۔

"نئے رشتے ابھی کس نے دیکھے ہیں؟"

"چلو بھئی اٹھو ہاتھ دھو لو اور جلدی سے آ جاؤ۔" زینت آپا نے کھانے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا تو صفدر نے بھی تائیدی نظروں سے اٹھنے کو کہا۔ چار و نا چار وہ اٹھی واش روم کی طرف چلی گئی۔

"آپا! شرمین کا بہت خیال رکھنا ہوگا کچھ عرصے بالکل اس کے ساتھ رہیے گا۔" صفدر بولا۔

"ہنہ میں بھی تو یہی سوچتی ہوں اسے اپنے ساتھ ہی رکھوں گی۔" زینت آپا نے جواب دیا۔

"بس آپ کا ساتھ ہی اسے پھر سے ہمت دے سکتا ہے۔"

"میں سمجھا بجھا کر جلد ہی اسے آفس بھیجوں گی تاکہ مصروفیت میں بہل جائے۔" زینت آپا نے کہا اسی اثنا میں وہ آ گئی' تب زینت آپا نے خود اس کے لیے پلیٹ میں سالن ڈالا اور روٹی ہاٹ پاٹ سے نکال کر دی' بہت مشکل سے اس نے نوالہ توڑا اور پھر روتے ہوئے اسے پلیٹ میں ہی چھوڑ دیا۔

"نہیں کھایا جائے گا مجھ سے اماں کے بغیر۔"

"شرمین! سمجھداری سے کام لو اماں اب جا چکی ہیں' زندہ لوگوں کو کھانا پڑتا ہے' چلو شاباش کھاؤ۔" صفدر نے بہت پیار سے سمجھایا تو اس نے پھر نوالہ منہ میں ڈالا...... اس کو تسلی دینے والے وہ دونوں بھی کھانے کا تکلف ہی کر رہے تھے تاکہ وہ کچھ کھالے...... کھانے کے بعد اسے دوائیں دینی تھیں تاکہ وہ پرسکون نیند سو سکے۔

❁......❁❁......❁

کافی کا مگ بھاپ اڑاتے اڑاتے سرد پڑ گیا تھا۔

خان صاحب نے غور سے اس کو سوچ میں غلطاں دیکھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ نچایا۔ وہ ٹھٹکا۔

"جی بابا!"

"یہ چہرے کا فیوز کیوں اڑا ہوا ہے؟"

"بابا! شرمین کس قدر رنجیدہ ہوگی' تنہا ہوگی۔" وہ بولا۔

"ہنہ! نیچرل ہے' اپنوں کی جدائی کا غم بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔" خان صاحب نے کافی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"بابا! پلیز چلیں شرمین کو میری ضرورت ہے۔"

"اودیار! کل صبح نو بجے آپ کا آپریشن ہے' میں یہ بتانے آیا تھا۔"

"بابا! شرمین بہت اپ سیٹ ہے۔"

"شرمین کے لیے آپ کے جذبات اتنے ہی پرجوش ہونے چاہئیں' کافی کی طرح سرد نہیں۔" بڑے پیارے انداز میں انہوں نے سرد کافی کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی...... وہ شرمندگی سے مسکرا دیا۔

"شرمین بہادر اور باہمت بچی ہے' وہ لڑ سکتی ہے مشکلات سے۔" خان صاحب نے اعتراف کیا تو اسے اچھا لگا۔

"ہنہ! لیکن اماں کے علاوہ اس کا کوئی نہیں ہے۔"

"اور تم بھی نہیں؟" بے ساختہ پوچھا۔

"میں تو اس کا سایہ ہوں' میں نے ٹوٹ کر اسے چاہا ہے۔" وہ بولا۔

"اللہ آپ دونوں کی محبت کو نظر بد سے محفوظ رکھے...... آمین"

"بابا! شرمین کی وجہ سے ہی مجھے محبت کے معنی سمجھ میں آئے ہیں۔"

"جی ہاں! ورنہ صبح عالیہ' شام ماریہ اور رات شبانہ وغیرہ وغیرہ......" خان صاحب نے چھیڑا تو وہ ندامت سے بولا۔

"بابا! سوری۔"

"چھوڑو یار! اب تو سب ٹھیک ہوگیا ہے۔"

"بابا! ہم پاکستان پہنچتے ہی شرمین کو اپنے پاس رکھیں گے۔"

"کیوں نہیں؟ بس چٹ پٹ بیاہ اور شرمین ہمارے گھر۔"

"آپ نے اس سے بات کی۔"

"نہیں ابھی وہ شدید کیفیت سے گزر رہی ہوگی ایک دو دن بعد ذرا نارمل ہو جائے پھر......" وہ بولے۔

"بابا! ہم کتنے دن بعد چلے جائیں گے؟"
"بس دعا کرو آپ کا آپریشن ٹھیک ہو جائے۔"
"بابا! پلیز کافی تو اور بنوادیں۔"
"ابھی بناتے ہیں ہم خود بناتے ہیں۔" خان صاحب نے پیار سے اس کی پیشانی چومی اور اٹھ کر کچن کی طرف چلے گئے اور وہ اپنی چاہت شرمین کے خیالوں میں پھر سے کھو گیا۔
"بابا! سچ کہتے ہیں شرمین' تم سے پہلے میں محبت کے معنی اور مفہوم سے بھی ناواقف تھا لڑکیوں کو چکر دینا انہیں محبت کے جھوٹے خواب دکھا کر انجوائے کرنا میرا مشغلہ تھا۔ پھر تم میں ایسا کیا تھا کہ میں تمہارا اسیر ہو گیا' تم نے مجھ پر جادو کر دیا' عارض کو مزید بھٹکنے سے بچالیا شرمین! تمہیں دیکھنے کو دل بے قرار ہے' جی چاہتا ہے پر لگ جائیں اور میں اڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔" وہ سوچتے سوچتے جانے اور کتنا بیتاب ہوتا کہ خان صاحب نے آ کر چونکا دیا۔
"سر! گرما گرم کافی۔"

❁......❁❁......❁

دو دن کی مصروفیت کے بعد آفس گیا تھا۔
واپسی پر زیبا کی دوائیں لینے کے لیے میڈیکل اسٹور کے سامنے گاڑی روکی...... نسخہ کاؤنٹر پر رکھا تو سیلز مین نے مختلف دوائیں اس کے سامنے لا کر رکھ دیں اور بل بنانے لگا...... بے اختیار ہی اس نے سیلز مین سے پوچھ لیا۔
"اتنی ساری میڈیسن کس لیے لکھ دیں؟"
"پریگنینسی کی ہیں۔" سیلز مین نے سرسری سے انداز میں بتایا۔
"پریگ......نینسی......" صفدر کے لبوں سے دبا دبا نکلا اور سرتا پا حیرت زدہ سا دواؤں کو گھورنے لگا...... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ سب دوائیں اٹھا کر فرش پر پٹخ دے' یا سیلز مین کا سر پھاڑ دے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ غصے سے بڑبڑایا۔
"سر! پچیس سو ستر روپے......" سیلز مین نے بل تھماتے ہوئے بتایا اور تمام دوائیں لفافے میں ڈال کر آگے رکھ دیں۔ کچھ دیر وہ کھڑا سوچتا رہا پھر نا چاہتے ہوئے بٹوے سے پیسے نکال کر دیئے اور میڈیسن اٹھا کر باہر آ گیا۔
"تو یہ وجہ تھی زیبا کے چہرے پر پھیلی سرخی کی' اس وجہ سے اس کی آنکھوں میں اتنا اعتماد آ گیا تھا۔" گاڑی چلاتے ہوئے اس نے سوچا۔
"مگر نہیں ایسا ہو کر بھی نہیں ہو سکتا' زیبا بیگم تمہارے وجود سے میرے احساس کا جنم ممکن ہی نہیں' میں تمہیں دیکھ کر سلگ اٹھتا ہوں' یہ کیسے سوچ لیا کہ میرا بچہ تمہارے گناہ معاف کرا دے گا۔ مجھے ایسا بچہ نہیں چاہیے' تمہیں جانا ہوگا...... اب میں مزید تمہیں برداشت نہیں کر سکتا۔"
"صفدر صاحب! یہ کیا بات ہوئی؟ تم اپنے بچے کے ہونے کے ذمے دار ہو' اگر زیبا سے اتنی نفرت تھی تو کیوں بچے کا احساس پیدا ہونے دیا' اور کب زیبا تمہارے پاس خود آئی' تم نے ہی اسے قریب کیا' اب وہ کتنی بھی بری ہے تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہے۔"
"نہیں' میں نہیں مانتا۔ مجھے نہ زیبا چاہیے اور نہ یہ بچہ...... میں زیبا کا مشن کبھی پورا نہیں ہونے دوں گا۔"
"اور اپنی امی کو کیا بتاؤ گے' وہ جو کب سے بچے کی تمنا کیے بیٹھی ہیں' انہیں بتا سکو گے کہ تمہیں یہ بچہ نہیں چاہیے اور کیوں نہیں چاہیے؟ مختلف سوال اور جواب اس کے چاروں طرف برس پڑے وہ پریشان ہو گیا۔

"میں امی کو زیبا کا اصل چہرہ دکھادوں گا۔"
"تم اتنے ظالم کیسے ہوسکتے ہو؟"
"ہاں میں ظالم ہوں میں خود پر بھی یہ ظلم نہیں کرسکتا۔"
"اور وہ وعدے زیبا کا بھرم رکھنے کا عہد وہ سب بھلادوگے؟"
"ہاں ہاں بھول جاؤں گا سب کچھ میں زیبا سے اپنا بچہ قبول نہیں کرسکتا۔" شدید طیش میں وہ چلایا اور پھر ہر آواز سے بچنے کے لیے ساری توجہ سڑک پر مرکوز کرلی۔

❁......❁❁......❁

طبیعت خراب تھی۔
تکیے میں منہ دیئے وہ خود کو سنبھال رہی تھی کہ جھٹکے سے دروازہ کھلا اور صفدر لال بھبوکا بنا کمرے میں داخل ہوا اور ہاتھ میں پکڑا اشارہ اس کے منہ پر دے مارا وہ جلدی سے اٹھی مگر وہ پھر اس پر جھپٹا اور غرایا۔
"تو یہ تھا تمہارا ناٹک اس گھر میں رہنے کا مستقل منصوبہ اچھا بنایا ہے تم نے مگر یہ فلاپ ہوگیا سمجھیں تم۔"
"یہ ناٹک نہیں ہے ڈاکٹر کی رپورٹ ہے میں کیوں منصوبہ بناؤں گی؟" خاصے تحمل سے جواب آیا تو وہ مزید بھڑک اٹھا۔
"اور منصوبہ کیا ہوتا ہے؟ دانستہ یہ طریقہ اختیار کرکے سوچ لیا کہ میرے گھر میں تمہاری جگہ بن جائے گی تو کان کھول کر سن لو یہ کبھی نہیں ہوگا۔"
"عورت گھر میں جگہ چاہے تو منصوبہ اور مرد گھر کا مالک۔" پہلی بار وہ روبرو آ کر بولی۔ صفدر حیران رہ گیا۔
"ہاں مالک ہوں میں تمہاری کوئی جگہ نہیں۔"
"اب میں آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔" اس نے کہا تو اس نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔
"یہ خواب مت دیکھو ویسے یہ تجربہ تم شاید پہلے بھی کرچکی ہو۔"
"پلیز صفدر! وہ جو بھی تھا میرے لیے تلخ ماضی ہے یہ بچہ تو آپ کا ہے اس گھر کا جائز وارث۔"
"شٹ اپ ایسا سوچنا بھی نہیں۔" وہ چلایا۔
"پلیز! ایسے نہ کہیں یہ ہمارا بچہ ہے مجھے بے موت نہ ماریں۔" وہ رودی۔
"اسے بھی بھول سمجھ لو خاموشی سے اس کا گلہ گھونٹ دو ورنہ سامان باندھ لو۔"
"نہیں...... نہیں...... ایسا مت کہیں۔"
"میں فرشتہ نہیں ہوں۔"
"تو پھر کیوں وجہ بنے اس معصوم کی میں اس کے سہارے جینا چاہتی ہوں۔" وہ سسکی۔
"جیو یا مرو مگر میرے گھر سے دور۔"
"ارے کیا ہوگیا ہے زیبا کیوں رو رہی ہو؟" اسی وقت جہاں آرا کمرے میں آگئیں۔ صفدر گڑبڑا گیا۔
"ک...... کچھ نہیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اپنے گھر جانا چاہ رہی ہیں۔" صفدر نے بڑی صفائی سے کچھ سے کچھ کہانی بنادی زیبا خاموش تماشائی بن گئی۔
"زیبا! ابھی دو تین روز پہلے تو آئی ہو۔" جہاں آرا نے پیار سے کہا۔
"جی ابھی نہیں جارہی۔" اس نے انکار کردیا تو صفدر نے گھور کر دیکھا۔

''ہاں! آرام سے رہو اور تم نے بتایا ہی نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے کیا کہا؟''
''بس کچھ نہیں' کمزوری ہے۔'' صفدر نے جلدی سے ٹالا۔
''میں تو سوچ رہی تھی کہ شاید کوئی خوش خبری ہو۔'' جہاں آرا بیگم کا لہجہ افسردہ سا ہوگیا۔
''آپ کو بھی فضول باتوں سے فرصت نہیں۔'' صفدر تنک لہجے میں بولا۔
''یہ فضول بات ہے کب سے انتظار ہے تمہارے بچے کا۔'' جہاں آرا برہمی سے بولیں۔
''آپ کو فی الحال سمجھانا مشکل ہے۔'' وہ ٹال کر تولیہ اٹھا کے واش روم میں گھس گیا۔
''بیٹا! اس کی باتوں کا برا نہ مانا کرو۔'' جہاں آرا نے زیبا سے کہا تو اس کی آنکھیں بھرآئیں۔
''وہ چلی گئیں تو وہ بستر پر گر کر رونے لگی۔ وہ انہیں کیا بتاتی کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ اس کے پاس ان کے لیے خوش خبری ہے لیکن وہ پوری ہوتی مشکل دکھائی دے رہی ہے۔
''خبردار جو امی کو کچھ بتایا' اور ہاں فیصلہ کرلو کہ تمہیں اس گھر میں رہنا ہے یا نہیں۔'' چند منٹ بعد صفدر نے واش روم سے باہر نکلتے ہی حکم صادر کردیا...... وہ جس انداز میں بستر پر پڑی تھی ویسے ہی پڑی رہی...... وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

❁......❁❁......❁

دروازہ کھلا تو اندھیرے میں باہر سے آنے والی روشنی سے لکیر سی بن گئی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا' زینت آپا آئی تھیں۔ انہوں نے لائٹ آن کی تو وہ آنکھیں ملنے لگی۔
''شرمین! یہ لو تمہارا فون ہے۔'' زینت آپا نے سکوت توڑا۔
''کہہ دیں' مجھے بات نہیں کرنی۔''
''بری بات' یہ لو بات کرو' باہر سے کال ہے۔'' زینت آپا نے کہا اور موبائل فون اسے تھما کر باہر چلی گئیں۔
''ہیلو......'' اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔
''شرمین' میری جان! کیسی ہو؟'' عارض کے بیتاب لہجے پر اس کا گلا رندھ گیا۔
''بولو' میری جان! میں تمہارے لیے بہت پریشان ہوں۔'' عارض نے کہا تو وہ بولی۔
''عارض! اماں کے بغیر میں کیسے رہوں گی۔''
''مشکل تو بہت ہوگی' مگر میں ہوں نا' تم غم نہ کرو۔'' عارض نے بہت پیار سے کہا تو اسے اچھا لگا۔
''تم کیسے ہو؟''
''تم سے دور' بہت بے قرار۔''
''اور آپریشن۔''
''ہننہ کل صبح ہے' بس پھر میں فوراً آجاؤں گا۔''
''اور بابا کیسے ہیں؟''
''ٹھیک ہیں' انہوں نے ہی تو مجھے باندھ رکھا ہے' تمہارے لیے بہت افسردہ ہوتے ہیں۔'' عارض نے بتایا۔
''میرا سلام دینا۔''
''اور ہمارے لیے۔''
''کیا مطلب؟''

''ہمیں بھی.....'' وہ شوخ ہوگیا۔ تو اسے ہنسی آ گئی۔

''جی نہیں' بس آپ کے لیے دعائیں ہیں۔''

''یار یہ ظلم ہے۔''

''اچھا اب فون بند کررہی ہوں۔''

''اکیلے نہ رہنا' چاہو تو صفدر کی طرف شفٹ ہوجاؤ' یا پھر ہماری طرف' میں منیجر کو کہہ دیتا ہوں۔''

''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں' زینت آپا ہیں میرے ساتھ۔''

''گڈ۔'' وہ مطمئن ہوگیا۔

''اچھا بائے۔''

''بائے۔'' اور فون بند کیا تو زینت آپا اس کے لیے گرم دودھ لے آئیں۔

''یہ لو دودھ پیو' اور اپنے کمرے میں چلو۔''

''شکریہ زینت آپا' آپ کو میری وجہ سے کتنی پریشانی ہورہی ہے؟''

''میری پریشانی کی فکر ہے۔'' انہوں نے پوچھا۔

''کیوں' نہیں ہونی چاہیے؟''

''تو پھر میری بات مان لو۔''

''بولیے۔''

''میرے ساتھ چل کر رہو' یہاں ہم نہیں رہیں گے۔''

''مگر......''

''غیر سمجھتی ہو۔''

''نہیں آپا' لیکن......''

''کچھ اور نہیں' بس ہم آج ہی یہاں سے جارہے ہیں اور کل سے آپ اپنے آفس جانا۔'' وہ ذرا تحکم سے بولیں تو وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے چپ ہوگئی۔

''ہم ایک دوسرے کی تنہائی بانٹیں گے۔'' زینت آپا نے خوش ہوکر اس کے بال سنوارے۔

❀......❀❀......❀

کبھی پوچھ کر دیکھو
ہم سے اپنی یادوں کا عالم
ساری ساری رات
ستاروں سے تیرا ذکر کیا کرتے ہیں
تیری سوچوں میں شاید
ہمارا گمان تک نہ ہو
اور ہم ہیں کہ ہر سانس کی ابتدا
تیرے نام سے کیا کرتے ہیں
سوئیٹ ہارٹ! صرف تمہارا......بوبی!

شرمین نے سرسری انداز میں میسج پڑھا اور اسی لمحے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ڈیلیٹ کا بٹن دبا دیا...... بوبی کو اماں کی وفات کا پتہ نہیں تھا...... اس لیے اسے برا نہیں لگا...... تاہم اسے اچھا بھی نہیں لگا...... ذہن جھٹک کر بالوں میں برش پھیر کر پرس اٹھایا اور باہر آ گئی...... زینت آپا بھی بالکل تیار تھیں' مگر طبیعت ان کی کافی خراب سی لگ رہی تھی' وہ پریشان ہوگئی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

"بس ذرا نقاہت سی ہے۔"

"تو آپ گھر میں آرام کریں۔"

"ارے نہیں' بس آفس جا کر ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"بات کچھ اور ہے۔" وہ ناشتہ کرنے کے لیے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"دیکھو! بوبی کو میرا بھولے سے بھی خیال نہیں آتا۔" وہ رنجیدہ سی بولیں تو اسے افسوس ہوا کیونکہ اسے تو اس نے بڑا شاندار میسج کیا' تو کیا ماں کی یاد نہیں آتی؟

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے آپ بلاوجہ دکھی ہو رہی ہیں۔" اس نے بہلاوے کے لیے کہا' مگر وہ غیر یقینی انداز میں گردن ہلا کر ناشتہ کرنے لگیں۔

"بوبی! تم کیسی محبتوں کی باتیں کرتے ہو؟ ماں سے تمہارا بے حسی کا تعلق ہے۔" اس نے سوچا۔

"ویسے میں نے اس کی پرورش میں کوئی کمی اور کوتاہی نہیں کی۔" زینت آپا نے پرملال لہجے میں کہا۔

"آپ دل چھوٹا نہ کریں میں اسے سمجھاؤں گی۔" اس نے تسلی دی۔

"تم سے تو وہی ضد لگا کر بیٹھا ہے' کیا کہو گی اسے۔"

"نا سمجھ ہے' سب ٹھیک ہو جائے گا اب چلیں دیر ہو رہی ہے۔" اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ بے اختیار ہی پکار اٹھی۔

"او کے اماں' اللہ حافظ۔" پھر جیسے خود پر سکتہ طاری ہو گیا' آبدیدہ سی آگے بڑھ گئی۔

"ہم کل ہی یہاں سے شفٹ ہو جائیں گے۔" زینت آپا نے اس کی کیفیت کے پیش نظر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا وہ چپ ہی رہی۔

"وہاں ہم ایک دوسرے سے محبت کریں گی' تنہا نہیں پڑیں گے۔" زینت آپا ہی مزید بولیں۔ اس نے خاموشی سے نیم رضامندی ظاہر کی...... اسے بھی اماں کے بعد یہ خلا پر کرنا ہی تھا۔ پھر زینت آپا کی تنہائی' ذہنی دباؤ اور بیماری کا خیال کر کے اس نے بھی یہ ارادہ باندھ ہی لیا تھا۔ تاہم واشگاف الفاظ میں اظہار نہیں کیا تھا...... وہاں شفٹ ہونے میں سب سے بڑی قباحت بوبی کی تھی اس کے وہاں رہنے سے تو وہ بآسانی یہ اخذ کر لے گا کہ اب شرمین سے رابطہ آسان ہو گیا ہے وہ اس کی ہم خیال ہو جائے گی اور اسے سمجھانا بہت مشکل کام تھا...... یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس کے وہاں رہنے سے خوش ہو کر فوراً پاکستان آ جائے۔

"شرمین! اگر وہ آ جائے تو یہ اچھی بات ہے۔ زینت آپا کے لیے کس قدر خوش کن ہوگا؟" اس کے ذہن نے تاویل پیش کی تو وہ مضطرب سی ہو گئی۔

اپنے چیمبر میں داخل ہو کر وہ ٹھٹکی۔

اس کی سیٹ پر خوبصورت اسٹائلش سی لڑکی براجمان تھی...... جو اسے دیکھ کر چونکی۔

"جی فرمایئے۔" اس اجنبی لڑکی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ کچھ سوچ کر الٹے قدموں باہر نکل آئی اور سیدھی نوازش صاحب کے آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی...... وہ فون پر کسی سے بات کر رہے تھے' کچھ دیر اسے نظر انداز کرنے کے بعد فون بند کیا اور بولے۔

"آیئے مس شرمین!"

"سر! میری سیٹ پر؟" وہ اٹکی۔

"وقت وقت کی بات ہے' سیٹ بدلتی رہتی ہے' ویسے آپ کے لیے سیٹ میں نے سوچی ہوئی ہے۔" وہ چبا چبا کر بولے۔

"یو مین' مجھے آپ نے ملازمت سے نکال دیا ہے۔" اس نے خاصی سنجیدگی سے پوچھا۔

"فی الحال تو نہیں ویسے بھی میں آپ کو کیسے نکال سکتا ہوں' میں تو آپ سے محبت کرتا ہوں۔" وہ بہت شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے۔

"سر! فضول بحث کی ضرورت نہیں' مجھے میری سیٹ چاہیے۔"

"کیوں خفا ہوتی ہو؟ یہاں میرے آفس میں بیٹھو میری پرسنل سیکرٹری بن کر۔" وہ بہت پیار سے بولے۔

"آئی انڈر اسٹینڈ۔" وہ کہہ کر پلٹنے لگی تو وہ بولے۔

"شرمین! میری آفر پر اگر غور کرلو تو کیا مضائقہ ہے......؟"

"آپ مجھے بلیک میل کر رہے ہیں۔"

"نہیں' پیشکش کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے آپ کی پیشکش اب ہادی صاحب کو بتاتی ہوں۔"

"شوق سے' کیونکہ انہیں بتانے کے لیے میرے پاس بھی بہت کچھ ہے۔"

"آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں' احمق یا پاگل۔" وہ میز پر جھک کر غصے سے بولی۔

"میں تو آپ کو اپنی جان کہتا ہوں' اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ میری محبت پر اعتبار کرو اور......؟"

"اور آپ کی گھٹیا محبت کے نمونے میں ملاحظہ کرچکی ہوں۔" وہ طنزیہ مسکرائی۔

"میں اچھی محبت کا عہد کرتا ہوں۔" وہ اٹھ کر برابر کھڑے ہوگئے۔

"اپنے پاس رکھیں' اور کسی ضرورت مند پر لٹادیں۔" وہ کافی غم و غصے سے کہہ کر آنے لگی تو وہ پھر بولے۔

"سوچ لو تنہا کیسے رہوگی؟"

"یہ آپ کا مسئلہ نہیں مسٹر نوازش۔" وہ جھٹکے سے کہہ کر باہر نکلی اور سب کو نظر انداز کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ نوازش صاحب کے سر پر کچھ دے مارتی لیکن بہت ضبط سے کام لے کر باہر آگئی۔

سارے راستے اپنے آپ سے لڑتی رہی...... سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ زینت آپا کے آفس کا خیال دل میں آیا مگر پھر ذہن جھنگ کے گھر کی طرف بڑھ گیا...... گھر کی تنہائی میں اماں کی کمی نے رلادیا...... وہ اپنی بے بسی پر ایک بار پھر رو دی۔

"اماں! آپ مجھے تنہا چھوڑ گئیں' عارض پرائے دیس ہی بیٹھ گیا' میں کس کے کندھے پر سر رکھ کے روؤں؟ میرا کوئی نہیں۔" روتے روتے نیند آگئی...... مگر پھر جیسے کسی نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں' محبت سے پیشانی چومی تو اس کی آنکھیں کھل گئیں...... کوئی نہیں تھا وہ بیڈ پر اکیلی لیٹی تھی۔

''اماں! یہ تم ہی تھیں، میرے سامنے آجاؤ، مجھے تمہاری ضرورت ہے۔'' وہ پکار اٹھی مگر وہاں کوئی ہوتا تو جواب دیتا...... مایوس ہوکر آواز واپس آگئی...... اور اس نے طویل صبر آزما سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔

❁......❁❁......❁

صفدر کے آنے کی زینت آپا نے اسے اطلاع دی۔

وہ جلدی سے اٹھ کر ٹی وی لاؤنج میں آگئی۔ اسے بے ترتیب بالوں اور سلوٹ زدہ لباس میں دیکھ کر صفدر نے پوچھا۔

''شرمین، بہن! کیا حالت بنا رکھی ہے۔''

''بس ذرا طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' وہ ٹال گئی۔

''اپنا خیال رکھا کریں۔''

''یہی بات میں آپ سے کہوں تو۔'' شرمین نے صفدر کو سر تا پا دیکھا وہ حد درجہ کمزور بے ترتیب سا دکھائی دے رہا تھا۔

''میں تو وہاں ہوں ان دنوں جہاں آگ کے سوا کچھ نہیں۔'' صفدر کے لہجے میں سارے جہاں کا درد کروٹیں لیتا اس نے محسوس کیا۔

''سب خیریت تو ہے نا؟''

''نہیں سب غلط ہے، سب خراب ہے۔'' بڑی سنجیدگی سے وہ کہہ گیا۔

''کیا مطلب......؟''

''بس شادی مجھے راس نہیں آئی۔''

''ارے زیبا بھابی سے لڑائی ہوگئی کیا؟''

''زیبا سے مجھے محبت ہو نہیں سکی۔'' وہ بجھا بجھا سا بولا۔

''یہ کیا بات ہوئی، ہو جائے گی محبت۔'' وہ ہنسی۔

''خیر چھوڑیں، میں یہ بتانے آیا تھا کہ عارض کا آپریشن ہوگیا ہے، بہت اچھا ہوا ہے۔ بس اب اسے ریسٹ کرنا ہوگا۔'' صفدر نے موضوع ہی بدل ڈالا۔ وہ خوش ہوگئی لیکن پھر کچھ اداس سی ہوکر بولی۔

''مزید ریسٹ، یعنی ابھی عارض نہیں آسکتا۔''

''ہنہ! لیکن پریشانی کی کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔''

''کوئی مسئلہ ہے تو بتائیں۔''

''نہیں، کچھ نہیں آپ بتائیں کیا لیں گے؟'' وہ کچھ نہ بتا سکی کہ نوکری سے ریزائن دینا ہے، تنہا رہنا مسئلہ ہے۔

''کچھ نہیں، بس مجھے اجازت دیجیے، دوست اور کولیگ کے والد صاحب کی نماز جنازہ میں جانا ہے۔'' صفدر ایک دم ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''صفدر بھائی! زیبا بھابی سے محبت کرلیں۔'' اس نے گیٹ پر پہنچ کر کہا تو وہ ایک لحہ دیکھنے کے بعد بولا۔

''محبت کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ گاڑی نکال لے گیا۔

''محبت کی گنجائش کیسے ختم ہوسکتی ہے؟'' وہ سوچتی رہ گئی۔

یہی بات دل میں لیے وہ اپنے کمرے تک آگئی...... صفدر کی باتیں بہت پراسرار لگ رہی تھیں۔ اس نے محبت کے بہت سے روپ دیکھے تھے مگر صفدر بھائی جیسے صاف گو، محبت پسند، محبت نما شخص کے منہ سے یہ سب سن کر وہ متحیر تھی۔

زینت آپا نے پوچھا تو اس نے صفدر بھائی کا تذکرہ چھوڑ کر نوازش صاحب کے روپے سے متعلق پوری بات بتادی۔

''بہت گھٹیا انسان ہے۔'' زینت آپا نے نوازش صاحب کی بابت کہا۔

''جبکہ وہ خود کو جہاں کا سب سے بڑا محبت کا علم بردار کہتا ہے۔'' شرمین نے حقارت سے کہا۔

''پھر کیا سوچا؟''

''کچھ نہیں ریزائن۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔

''بالکل ٹھیک ہے کسی قسم کا پریشر قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''ہوں!''

''کسی اور کی ملازمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں میری طبیعت خراب رہتی ہے تم آفس سنبھالو۔'' زینت آپا نے کہا۔

''ارے نہیں یہ سب بوبی کا ہے اس کے کاروبار سے میرا کیا تعلق؟'' وہ بے اختیار ہی کہہ گئی۔ زینت آپا نے محسوس کیا۔

''غیر سمجھتی ہو بوبی کا آنا خواب خیال ہے میرا کہنا کیا کافی نہیں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے آپا۔''

''بس مجھے کچھ نہیں سننا اب میری جگہ آفس کی سب ذمہ داری تم اٹھاؤ گی۔'' زینت آپا نے تحکم سے کہا تو وہ تذبذب کا شکار ہوگئی۔

❁......❁❁......❁

برآمدے میں تخت پر آڑا ترچھا لیٹا دیکھ کر زیبا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''یہاں کیوں لیٹ گئے ہیں؟''

''تاکہ سانس لے سکوں۔'' اس نے برجستہ تلخ جواب دیا۔

''آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں یہ معلوم ہے مجھے۔''

''تو پھر کیوں ضد پر اڑی ہو؟'' وہ گھورتے ہوئے بولا۔

''ضد تو آپ کررہے ہیں آپ کو تو اپنے بچے سے محبت ہونی چاہیے۔''

''ہونے کو تو بہت کچھ ہونا چاہیے تم سے بھی تو محبت کرنی چاہیے بلکہ کسی نے کی بھی تھی اور اس محبت کا داغ جھومر کی طرح سجائے تم میرے گھر آ گئیں۔'' اس نے بہت برے ہتک آمیز لہجے میں لفظ دانتوں سے کتر کتر کر ادا کیے۔ زیبا شرمسار ہوگئی...... مگر کہہ گئی۔

''تو پھر آپ کو میرے قریب آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''بھٹک گیا تھا بھول ہوگئی تمہیں بھٹکانے کے طریقے جو آتے ہیں۔'' وہ مضحکہ خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں؟'' وہ رودی۔

''مجھے تمہارے وجود سے اپنا بچہ نہیں چاہیے۔'' وہ سختی سے کہہ کر چلا گیا۔

اور وہ روتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگی...... جہاں آرا بیگم نہا کر واش روم سے باہر آچکی تھیں وہ نہیں چاہتی تھی کہ انہیں کچھ بھی علم ہو...... مگر انہیں کچھ نہ کچھ اندازہ ہوگیا تھا...... وہ تولیے سے بال خشک کرکے اس کے پیچھے پیچھے ہی کمرے میں آ گئیں۔

''تم دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے؟''

”جی میں کچھ نہیں۔“ وہ ہکلائی۔

”مجھے کچھ بھی ٹھیک نہیں لگ رہا اب بھی وہ بہت سختی سے بول رہا تھا“ انہوں نے کہا۔

”نہیں وہ میں گھر جانے کا پوچھ رہی تھی۔“ وہ صاف جھوٹ بول گئی۔

”زیبا! کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔“

”امی! کچھ بھی نہیں۔“

”صفدر بالکل بدل گیا ہے ہر وقت اکھڑا اکھڑا۔“ وہ بے اطمینانی سے بولیں۔

”شاید کوئی آفس کی الجھن ہو۔“

”لاکھ ہو اس کا مطلب یہ نہیں کہ گھر والوں سے اس طرح مخاطب ہوا جائے۔“ جہاں آرا بیٹے کے لیے بہت سختی سے بولیں۔

”امی! دراصل میں ہی شاید کچھ گڑبڑ کرتی ہوں۔“

”ایک تو مجھے تمہاری بھی سمجھ میں نہیں آتی‘ پیلی پڑ گئی ہو ہر وقت تکیے میں منہ دیئے پڑی رہتی ہو حالت تو دیکھو اپنی نہ بناؤ سنگھار نہ کھانا پینا۔“ جہاں آرا تو جیسے ادھار کھائے بیٹھی تھیں اس پر بھی برس پڑیں۔

”بس مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا اور کس کے لیے کروں وہ جو مجھے پسند نہیں کرتے۔“ وہ بھی پھٹ پڑی۔

”ہیں! اب خیال آ رہا ہے۔“

”بس جانے دیجیے امی‘ جو وقت گزر جائے وہ بہتر ہے۔“

”یہ معمہ میری سمجھ سے تو بالاتر ہے پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے؟“ وہ سخت مضطرب سی ہو کر کمرے سے چلی گئیں..... تو اسے ان کی باتوں پر غور کرنے کا خیال آیا..... جلدی سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا جائزہ لیا تو سچ مچ وہ بالکل بدل چکی تھی..... گلابی رخساروں پر پھیلی زردیاں‘ حسین آنکھوں کے گرد سیاہ سائے اتر چکے تھے۔ تمام تر دلکشی و رعنائی جیسے کہیں معدوم ہو گئی تھی۔

”امی! آپ نے ٹھیک کہا ہے میرا وجود تو ساتھ چھوڑ گیا ہے‘ میں آپ کو کیا بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں؟“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

”میں تو آپ کو خوشی کی خبر بھی نہیں سنا سکتی کیونکہ آپ کے بیٹے نے سفاکی کی انتہا کر دی ہے‘ وہ مجھ سے آپ کی خوشی چھین لینا چاہتا ہے‘ میرے گناہ کی پاداش میں خود کو اور آپ کو سزا دینا چاہتا ہے۔“

✿......✿✿......✿

”میری جان!

[illegible]

[illegible]

[illegible]

fromtbigAccidents.

عارض نے اس کی تسلی کی خاطر بہت پیار اور محبت سے اسے سمجھانے کی کوشش کی..... اسے اچھا لگا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو میں کم ہمت نہیں ہوں۔“ وہ بولی۔

”ریزائن کر دیا تو سوچنے کی بھی ضرورت نہیں۔“ عارض نے کہا۔

"ہنہ! صفدر بھائی کو بلایا ہے وہ ریپلیکیشن لے جا کر دے دیں گے۔" اس نے بتایا۔

"سوری جان! میں تم سے دور ہوں۔"

"کب تک ڈاکٹر اجازت دیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"ڈاکٹرز نے تو میرا دماغ خراب کر دیا ہے' بابا ان کی ہدایت پر چلتے ہیں' خود وہ بزنس کا نقصان کر رہے ہیں مگر بس......"

"وہ اچھا کر رہے ہیں' تمہاری صحت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔"

"بس بس' میں بور ہو گیا ہوں۔" وہ چڑ کر بولا۔

"مجھے سمجھا رہے تھے اور خود تمہارا یہ حال ہے۔" اس نے چھیڑا۔

"شرمین! میں تمہارے لیے بہت اداس ہوں۔"

"اوہ! اچھا وہاں جا کر لوگ' سب کچھ بھول جاتے ہیں اور تم......" وہ ہنسی۔

"پہلے میں بھی ایسا ہی سمجھتا تھا اور یہاں اسی لیے آتا تھا' مگر تم سے ملنے کے بعد محبت کے مفہوم جانے ہیں۔" اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"بناؤ نہیں۔"

"آئینہ دیکھ لو۔"

"اچھا بس اب آرام کرو۔" وہ ٹال گئی۔

"پلیز! ابھی دل نہیں بھرا۔" وہ بولا۔

"زینت آپا آ رہی ہیں۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"ٹھیک ہے اللہ پوچھے گا۔" وہ منمنایا تو اس نے ہنس کر فون بند کر دیا...... چہرے پر خوشی بھری مسکان لیے وہ ٹی وی لاؤنج میں آئی تو زینت آپا نے غور سے دیکھا اور پوچھا۔

"ماشاء اللہ! کیا بات ہے؟ چہرہ گلاب بنا ہے۔"

"وہ بس کچھ خاص نہیں۔" وہ ٹالنے لگی۔

"کچھ تو ہے۔"

"آپ کو وہم ہوا ہے' یہ بتائیں کہ سامان پیک کر لیں۔"

"ہنہ لیکن بس ضروری' منیجر صاحب پک اپ بھیج رہے ہیں۔" زینت آپا نے بتایا۔

"اور باقی سامان۔"

"فی الحال لاک کر دیتے ہیں۔" وہ بولیں۔

"ویسے آپ بلاوجہ اصرار کر رہی ہیں' ورنہ میں یہاں ٹھیک ہوں' اماں کی یادیں ہیں۔ میرا دل یہی اٹکا رہے گا۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"کیا میرے لیے دل میں جگہ نہیں؟" زینت آپا نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"میں سامان پیک کر لوں۔" اس نے گویا ان کے سوال کا جواب دے دیا۔

"سنو! اماں کا سارا سامان لے جانا چاہو تو بے شک لے چلو۔"

"شکریہ! جانے والے چلے گئے' سامان کا کیا ہے؟" وہ دکھی ہو گئی۔

"میری صلاح ہے کہ اماں کی سب چیزیں کسی غریب کو دے دیتے ہیں ثواب اماں کو پہنچے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" کمرے میں سامان پھیلا تھا۔

وہ بری طرح تھک گئی تھی۔ زینت آپا کو بھی آرام کرنے کے لیے زبردستی اس نے کمرے میں بھیج دیا۔ خود چائے کا کپ بنا کر کچن سے باہر نکلی تو ڈور بیل سن کر گیٹ کی طرف آ گئی۔ گیٹ کھولا تو نوازش صاحب کو عین وسط میں کھڑا پایا...... نا چاہتے ہوئے بھی اسے اندر آنے کو کہنا پڑا۔

"کیا میرا ریزیگنیشن نہیں ملا؟" اس نے کافی سنجیدگی سے پوچھا اور ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا۔

"وہی تو واپس کرنے آیا ہوں چندا۔" نوازش صاحب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"وہ کس لیے؟" اور بھی زیادہ سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"بلاوجہ بگڑتی ہو مجھے خوشی ہو اگر کوئی فرمائش کرو، مجھ سے میرا سب کچھ لکھوا لو۔" وہ بڑی ہوس زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے چاپلوسی پر اتر آئے۔

"اچھا ایک کم عمر لڑکی کے باوجود میرے لیے سب کچھ لکھنے کو تیار ہیں۔" اس نے طنزیہ کہا۔

"ہاں قسم لے لو شرمین جو خوبصورتی تم میں ہے وہ کسی میں بھی نہیں۔"

"تم نہیں سر آپ۔ میں آپ کی یہ بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔"

"دیکھو میری بات پر غور کرو میں اپنا سب کچھ آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بہت بے قرار ہو کر کہہ گئے تو شرمین کو غصہ آ گیا۔

"آپ مہربانی کر کے کچھ بھی اپنا ضائع نہ کریں، میرا استعفیٰ بس قبول کر لیں۔"

"یہ تو ممکن نہیں۔"

"آپ کی مرضی ہے۔"

"تنہا ہو گئی ہو محلے والے جینا حرام کر دیں گے۔"

"میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ آپ کو مسئلہ کیا ہے؟ کبھی محبت کا دعویٰ، کبھی ہمدردی کا دورہ، کبھی احسان مندی کا جذبہ...... آپ کسی ایک نتیجے پر بھی نہیں پہنچ سکتے؟"

"شرمین! میں محبت میں ہی تو آپ کی فکر کر رہا ہوں۔"

"آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ آپ میری فکر کریں، اپنی بیوی اور بچوں کی فکر کریں۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"مجھے بیوی سے محبت نہیں ہے۔" انہوں نے بے ساختہ کہہ دیا۔

"پلیز...... پلیز، میں مزید یہ فضول بحث نہیں کر سکتی۔" وہ شدت سے چلائی۔

"فی الحال! میں چاہتا ہوں کہ آپ آفس آئیں۔"

"نہیں، میں نے ہوش و حواس کے ساتھ استعفیٰ لکھ کر بھیجا ہے۔"

"میں آگے کیا جواب دوں گا؟"

"یہی کہ میں آپ کی محبت قبول نہیں کر سکتی، آپ کو فی میل اسٹاف سے محبت کا کھیل، کھیلنے کی عادت ہے۔" وہ طنزیہ مسکرا کر بولی۔

"آپ اچھا نہیں کر رہیں۔"

"پلیز آپ تشریف لے جائیں۔"

"آپ کو فل منتھ نوٹس دینا چاہیے تھا۔"

"اسی لیے آپ نے جلدی سے میری سیٹ پر نئی لڑکی بٹھادی' بہرکیف' مجھے مزید آپ کے ساتھ کام نہیں کرنا۔" وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف کھڑی ہوئی' جس کا مطلب نوازش سمجھ گئے...... کہ انہیں جانے کو کہا جارہا ہے۔

"بدنامی برداشت نہیں کرسکو گی۔" قریب آ کر گھورتے ہوئے کہا گیا تو وہ تلملا اٹھی۔

"محبت اتنی جلدی بدنامی میں بدل گئی مسٹر نوازش؟"

"محبت قبول کرلو مزے سے میرے ساتھ رہو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے آخری کوشش کی۔

"آخ تھو پلیز گیٹ آؤٹ۔" اس نے بہت شدید اشتعال انگیز لہجے میں کہا تو وہ کچھ غصے سے پھنکار بھر کے باہر نکل گئے۔

اس کا موڈ سخت آف ہوگیا...... دل چاہا کہ نوازش صاحب کو گولی ماردے۔

"ہنہ بدکار' بے غیرت انسان۔" غصے میں بڑبڑائی اور گیٹ لاک کرکے اپنے کمرے میں آ گئی...... ذہنی انتشار کے باعث بستر پر گرگئی...... کسی کام کو دل نہ چاہا۔

*......***......*

رات کے آٹھ بج رہے تھے' جب گاڑی کا ہارن سن کر زینت آپا کے چوکیدار نے بڑا سا آہنی گیٹ کھولا' گاڑی اندر داخل ہوئی تو زینت آپا نے طمانیت بھری مسکراہٹ کے ساتھ شرمین کو دیکھا' شرمین نے بھی جواباً مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

"شرمین! دیکھو وفادار ملازمین نے کس قدر اچھے انداز میں بنگلے کا خیال رکھا ہے۔" گاڑی سے اترتے ہوئے زینت آپا نے چاروں طرف ستائشی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ شرمین نے ان کی تائید کی۔

اندرونی وی لاؤنج میں داخل ہوکر زینت آپا نے شیر دل بابا کو گاڑی سے سامان نکلوانے کو کہا اور خود صوفے پر بیٹھ کر بولیں۔

"شرمین! اپنے کمرے میں جاؤ اور فریش ہوکر آؤ' پھر اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔"

"پہلے آپ کھانے سے پہلے والی میڈیسن کھائیں۔" شرمین نے توجہ دلائی تو انہیں اچھا لگا۔

"شکریہ' ورنہ میں تو بھول گئی تھی۔"

"اب ایسا نہیں ہوگا۔" شرمین جھٹ سے پانی کا گلاس بھرلائی اور ان کی طرف بڑھایا۔

"آج یہ گھر بھی آباد آباد سا لگ رہا ہے۔" زینت آپا کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"ان شاء اللہ آباد ہی رہے گا۔" وہ بڑے رسان سے یہ کہہ کر اندر چلی گئی جبکہ زینت آپا نے صدق دل سے دعا کی...... اور شرمین کے لیے اپنے جذبات میں خود بھی تبدیلی محسوس کی۔

"کاش! کاش شرمین تمہارے ہی دل میں اس گھر کو آباد رکھنے کا جذبہ پیدا ہوجائے۔ میرا ابوبی لوٹ آئے۔"

"آمین......" ان کے جملے کا شاید آخری حصہ شرمین نے سنا تھا' جس کی وجہ سے کہا اور مسکرائی۔

"چلیں کھانا کھاتے ہیں۔" زینت آپا نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں گردن ہلا کر ہمراہ چل دی۔

خانساماں نے بہت پرتکلف کھانا بنایا تھا' کافی دنوں بعد اچھے ماحول میں کھانا کھایا...... کھانے کے بعد زینت آپا تو اپنے کمرے میں چلی گئیں' اور وہ باہر لان میں آ گئی...... مدھم روشنی میں نرم گھاس پر دھیرے دھیرے ٹہلتے ہوئے وہ اپنے بارے میں غور کرنے لگی۔

''زندگی نے کتنے روپ بدلے کہاں سے چلی اور کہاں لے آئی؟ ابھی نجانے کتنے امتحان باقی ہیں۔ کہاں منزلیں رہ گئیں اور کب رستے بدل گئے...... میرا کل کیا ہے؟ خوشی کوسوں میل دور ہو جاتی ہے...... لیکن کوئی بات نہیں...... منزل انہی کو ملتی ہے جن کے ارادوں میں جان ہوتی ہے۔ خالی پروں سے کچھ نہیں ہوتا حوصلوں سے اڑان ہوتی ہے بس خدا کرے کہ حوصلہ پست نہ ہو اللہ میرا مددگار رہے زینت آپا کا وجود کتنی بڑی نعمت ہے جنہوں نے اپنے دامن میں اس طرح سمیٹ لیا جیسے ان سے کوئی خونی رشتہ ہو اگر وہ نہ ہوتیں تو کتنی مشکل ہوتی دنیا کے ظالمانہ رویوں سے کیسے پناہ ملتی؟ شاید نوازش صاحب جیسے ہوس پرست کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑ جاتے۔

''نہیں نہیں ایسا تو ہرگز نہ کرتی۔'' اسے سوچ کر ہی جھرجھری سی آ گئی۔

''شرمین بیٹا! چھوٹے بابا کا فون ہے آپ کے لیے۔'' شیر دل بابا نے اسی لمحے وائرلیس سیٹ لاکر اسے تھما دیا اور چلے گئے۔

''ہیلو!''

''ویلکم ٹو مائی ہوم سویٹ ہارٹ۔'' دوسری طرف سے بوبی کی شوخ آواز آئی۔

''افسوس کہ تم جسے اپنا گھر کہتے ہو اس میں رہتے نہیں۔''

''کون کہتا ہے؟'' بے ساختہ پوچھا۔

''اپنے آپ سے پوچھو۔''

''شرمین! میں تم میں رہتا ہوں اور تم یہاں موجود ہو۔'' وہ صاف گوئی سے بولا تو شرمین کو ہمیشہ کی طرح ناگوار لگا۔

''بوبی! وقت کے ساتھ ساتھ انسانی رویوں میں اور انسانی سوچ میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔''

''تبدیلی انسانی رویوں میں آتی ہو گی روحانی وابستگی میں نہیں یہ سچ ہے شرمین کہ میں تمہارے لیے آج بھی اسی طرح بے قرار ہوں۔''

''بوبی! ماں کو فون کرلو ان سے بھی تمہارا روحانی تعلق ہے ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''میں ان سے بات کر کے بتا چکا ہوں کہ میں اب پاکستان آ سکتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے تمہیں ان کے پاس رہنا چاہیے۔'' اس نے سرسری انداز اختیار کیا۔

''اپنے آنے سے متعلق شرط میں بتا چکا ہوں۔''

''افسوس ماں سے بھی شرط۔''

''تمہیں جو مجھ پر رحم نہیں آتا۔'' وہ ایک دم مشتعل ہو گیا۔

''تم قابل رحم ہو کیا؟''

''میں قابل محبت ہوں ڈیئر۔''

''اچھا میرے سر میں درد ہے پلیز فون بند کردو۔''

''شرمین! میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔''

''میں نے بھی ہزار مرتبہ یہ کہا ہے کہ محبت اپنے ساتھ کے لوگوں سے کی جاتی ہے میرے لیے تم بوبی ہو بہت نادان اور ناسمجھ۔''

''میں بالغ ہوں۔''

''اللہ حافظ۔'' اس نے چڑ کر فون بند کر دیا۔

"کیا مصیبت ہے؟ میں نے یہاں آکر شاید غلطی کی ہے۔" وہ ناگواری سے بڑبڑائی۔ سارا چہل قدمی کا مزہ کرکرا ہوگیا۔ بوبی اب تک پرانی ڈگر پر چل رہا تھا اس میں رتی برابر فرق نہیں آیا تھا' وہ آج بھی اس سے بے باکی کے ساتھ محبت کا اظہار کررہا تھا...... کچھ بھی تھا اسے بوبی کی ان باتوں سے سخت کوفت پہنچتی تھی۔

کمرے میں رات بھر وہ جاگتی رہی' اپنے فیصلے پر غور کرتی رہی۔

❁......❁❁......❁

زینت آپا کے خیال سے وہ فریش ہوکر کچن میں چلی آئی۔ مگر ناشتے کی ٹرے لے کر جب ان کے کمرے میں آئی تو انہوں نے جانچ لیا...... سرخ متورم آنکھیں شب بیداری کی غماز تھیں۔

"شرمین! نیند نہیں آئی۔"

"وہ بس نئی جگہ تھی اس لیے ڈسٹرب ہوگئی تھی۔" اس نے ٹالا اور ان کی میڈیسن نکالنے لگی۔

"شرمین! بات کچھ اور ہے۔"

"آپ وہم کررہی ہیں۔"

"پہلے اصل بات بتاؤ۔"

"کچھ نہیں آپا' بس ویسے ہی۔"

"بوبی نے کچھ کہا......؟" وہ ان کی بات سن کر چونکی۔

"نہیں' اس نے کیا کہنا تھا۔" وہ انہیں ٹینشن دینا نہیں چاہتی تھی۔

"وہی پرانی بات' وہی ضد' جو مجھ سے کی گئی۔" وہ بولیں' کیونکہ شرمین سے پہلے رات کو بوبی نے ماں سے بات کی تھی۔

"مجھ سے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔"

"مت ٹالو وہ آج بھی ضد پر قائم ہے۔" وہ بہت افسردگی سے بولیں۔

"زینت آپا! آپ ٹینشن نہ لیں' شوگر بڑھ جائے گی۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔" ان کی طبیعت کے پیش نظر وہ بولی۔

"بوبی کو مجھے مار کے سکھ ملے گا۔"

"اللہ نہ کرے آپ اس کی فکر نہ کریں۔"

"ایک ہی بیٹا ہے' وہ بھی مجھ سے دور۔" وہ رودیں' شرمین مجرم سی بنی انہیں دیکھتی رہی۔

"آپا! میں نے یہاں آکر غلطی کی ہے' بوبی آپ کو اذیت دے رہا ہے۔"

"ارے نہیں' تم میرے لیے بوبی سے بڑھ کر ہو' منیجر صاحب آتے ہوں گے' انہیں میں نے کہہ دیا ہے کہ میرا آفس اب شرمین بی بی سنبھالیں گی' انہیں کسی قسم کا مسئلہ نہ ہو۔"

"میں اتنی بڑی ذمہ داری کیسے نبھاسکوں گی۔"

"سارا اسٹاف کوآپریٹو ہے اور پھر میں جو ہوں' طبیعت ٹھیک رہے گی تو میں بھی آجایا کروں گی۔"

"نہیں ابھی آپ ہر فکر سے آزاد ہیں آرام کریں' میں سب سنبھال لوں گی۔" اس نے ذوق سے کہا تو وہ مطمئن انداز میں ہولے سے مسکرادیں۔

"اپنے لیے اچھی سی شاپنگ کرلو' ڈرائیور کو ساتھ لے جاؤ۔"

"ابھی اس کی ضرورت نہیں۔"

"ضرورت ہے' چھوٹی چھوٹی بہت سی چیزیں خریدنے والی ہوتی ہیں۔"

ان کی بات سن کر اسے اماں یاد آ گئیں..... وہ بھی یہی کہتی تھیں۔
''کیا ہوا.....؟'' زینت آپا نے کہا تو وہ چونکی۔
''بس اماں یاد آ گئی تھیں۔'' اس کی آنکھیں نمکین ہو گئی تھیں۔
''ہنہ یادیں وہ بھی اپنے پیاروں کی..... چین نہیں لینے دیتیں۔''
''ہر وقت انہیں میری فکر لاحق رہتی تھی۔''
''بیٹی کی طرح جو سینے سے لگا کر رکھا۔''
''میں ذرا چینج کر کے آتی ہوں۔'' شرمین نے آنسو ضبط کرنے کے لیے بہانہ بنایا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی..... جبکہ زینت آپا جانتی تھیں کہ وہ کمرے میں آنسو بہائے گی اماں سے شکوے کرے گی گلے کرے گی لیکن پھر اس کے بعد پرسکون ہو جائے گی۔

❁.....❁❁.....❁

پوری تسلی سے کھانا ختم کرنے کے بعد اس نے ماں کی طرف دیکھا۔
ان کے چہرے پر بہت سے سوالات رقم تھے۔ وہ نظریں چرانا ہی چاہتا تھا کہ وہ بولیں۔
''نظریں چرانے سے تو کوئی کسی کو مطمئن نہیں کر سکتا۔''
''کیا مطلب.....؟''
''صفدر تم کون سا کھیل کھیل رہے ہو۔ اگر کوئی اور لڑکی تمہاری پسند تھی تو مجھے بتایا ہوتا اب اس معصوم پر بے اعتنائی کے تیر چلانے سے کیا حاصل؟''
''کیا آپ کی بہو بیگم نے کہا ہے؟''
''ارے وہ کیا کہے گی؟ وہ تو غریب آنسو بہاتی چلی گئی۔''
''چلی گئی کہاں؟''
''تم نے اتنی دیر اس کی موجودگی یا عدم موجودگی کو محسوس تک نہیں کیا۔''
''اس نے اچھا کیا ورنہ مجھے کہنا پڑتا۔''
''مجھے اندازہ ہے کہ تم اس میں ذرا سی بھی دلچسپی نہیں رکھتے' لیکن یہ بہت بری حرکت ہے۔'' انہوں نے سختی سے کہا۔
''بری حرکت آپ نے بری حرکت دیکھی ہے نہ سنی ہے۔'' وہ طنزیہ ہنسا۔
''میں نے اس سے بھی ہزار مرتبہ پوچھا مگر آنسو دکھا کر وہ چلی گئی۔''
نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے پوچھ لیا۔
''کس کے ساتھ گئی ہے؟''
''اکیلی میں آوازیں دیتی رہ گئی لیکن ایک نہ سنی۔''
''ٹھیک ہے اپنی مرضی سے گئی ہے اب آپ نے محترمہ کو گھر میں آنے کی اجازت نہیں دینی۔'' وہ بڑے اطمینان سے کہہ کر تخت پر دراز ہو گیا۔
''دماغ چل گیا ہے۔'' جہاں آرا کو تعجب سا ہوا۔
''امی! میں ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں۔''
''صفدر! میں نے یہ تربیت کی تھی تمہاری؟''

"اس میں تربیت کہاں سے آ گئی وہ بنا میری مرضی کے گئی ہے تو مجھ سے معاملات طے کرنے کے بعد ہی آئے گی۔"

"اچھا فون کر کے پتا کرو اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

"کرلوں گا فی الحال آپ اس کا کلمہ پڑھنا بند کردیں۔" وہ چڑ کر بولا۔

"سچ کہتی ہے زیبا تم بے حس ہو۔"

"ہنہ! کاش اس کو بے حس بن کر دکھاتا۔" وہ طنزیہ بولا۔

"بیٹا! زیبا ہاتھ لگائے سے میلی ہوتی ہے اسے جو دیکھتا ہے تعریف کرتا ہے۔" جہاں آرا نے زیبا کی تعریف کی تو وہ اچھل پڑا۔

"ہر چمکتی شے سونا نہیں ہوتی اور پھر میں نے کون سا اسے سولی پر چڑھا رکھا ہے۔"

"اچھا ہی کیا وہ چلی گئی تمہیں سلیقہ شعار وفادار بیوی ملنی ہی نہیں چاہیے تھی۔" جہاں آرا برا بھلا کہہ کر اٹھیں اور اپنے کمرے میں چلی گئیں اور وہ اس خیال سے کہ زیبا کمرے میں نہیں ہے پرسکون ہو کر کمرے کی طرف آ گیا...... کمرے کی ہر چیز ترتیب اور سلیقے سے رکھی تھی...... صاف ستھرے بیڈ پر ایک شکن تک نہیں تھی...... ہر شے سے اس کا سلیقہ جھانک رہا تھا...... بیڈ کی طرف آیا تو سائیڈ ٹیبل پر انہی دواؤں کا شاپر رکھا تھا اور اس کے نیچے ایک صفحہ رکھا ہوا تھا۔ وہ اس کے لیے لکھا گیا تھا۔

صفدر!

میں آپ کی خواہش کے مطابق جا رہی ہوں کیوں کہ میں ہمارا بچہ کسی صورت کھونا نہیں چاہتی لہٰذا آپ نے شرط عائد کی تھی کہ یا بچہ یا یہ گھر...... سو میں نے اپنے جگر گوشے کا انتخاب کیا ہے آپ کی لائی ہوئی دوائیں اصل حالت میں موجود ہیں کیونکہ جب آپ کو بچے سے کوئی لگاؤ نہیں تو میں یہ دوائیں کیوں استعمال کرتی اب میں خود سب انتظام کرلوں گی...... آپ کی بیوی بن کر نہیں ایک ماں کی حیثیت سے گھر چھوڑ رہی ہوں۔"

فقط زیبا

کاغذ اس کی مٹھی میں سسکنے لگا...... غم و غصے سے پھنکار کر دوائیں دور پھینکیں اور بڑبڑایا۔

"ہنہ جہنم میں جاؤ پارسا کہیں کی۔"

❁......❁❁......❁

"انسان کو اپنی غلطی کی کتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اگر یہ پہلے سوچ لیا جائے تو ایسے حالات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔" منھی نے اس کی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے کہا۔

"ایسے حالات میں تمہارا مل جانا کسی انعام سے کم نہیں۔" زیبا نے منھی کا ہاتھ تھام کر روتے ہوئے کہا۔

"کسی کو تو ملنا ہی تھا پھر دو مصیبت زدہ کا مل جانا کوئی اچنبھے والی بات نہیں۔" منھی نے روٹی کا نوالہ توڑ کر سالن والی پلیٹ میں چھوڑتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"تم تنہا رہو گی کیسے؟" زیبا نے خالی فلیٹ میں نظریں گھمائیں۔

"رہنا پڑے گا۔"

"بظاہر تو انور بھائی اچھے انسان تھے۔"

"جی ہاں سعودی عرب میں رہنے والوں کو ہم حاجی سمجھ لیتے ہیں۔" وہ درد سے مسکرائی۔

"پھر بھی طلاق کی نوبت نہ آتی تو بہتر تھا۔" زیبا نے کہا۔

"اب تو جو ہونا تھا ہو گیا' میں مطمئن ہوں' حق مہر کی رقم سے یہ چھوٹا سا فلیٹ خرید لیا ہے' باقی ملازمت کے لیے ایک دو جگہ سی وی دی ہے۔"

"امجد بھائی اور راشدہ بھابی۔"

"ہنہ! وہ تو مجھ سے کتراتے ہیں' راشدہ بھابی نے مجھے دیکھتے ہی غربت اور مہنگائی کا رونا' رونا شروع کر دیا تھا۔" دکھ سے منھی کی آنکھیں بھر آئیں۔

"افسوس کی بات ہے تم دونوں بہن بھائیوں کا اور کون ہے۔"

"چھوڑو' تمہیں اسی لیے تو جلد ملنے کی کوشش کی۔"

"میں بھی شاید تمہاری منتظر تھی۔"

"صفدر بھائی پریشان ہو رہے ہوں گے' فون کر لو۔" منھی نے کھانا ختم کر کے پانی کا گلاس اٹھایا۔

"نہیں وہ خوش ہوں گے' بس اماں' ابا کی فکر ہے اگر وہاں کسی نے رابطہ کیا تو وہ پریشان ہو جائیں گے۔"

"اب رات میں تو رابطہ شاید ہی کریں۔"

"صبح ہوتے ہی میں گھر چلی جاؤں گی۔"

"کون سے گھر؟"

"اپنے گھر' اماں' ابا کے پاس۔"

"تم نے انہیں ضرور پریشان کرنا ہے' میرے پاس رہو اور اس کنڈیشن میں تمہیں بھی سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔"

"لیکن میں یہاں کیسے رہ سکتی ہوں؟"

"تو پھر کیا بتاؤ گی انہیں۔" منھی نے پوچھا۔

"یہی کہ میرا صفدر سے جھگڑا ہو گیا ہے' وہ کسی اور میں دلچسپی رکھتا ہے۔" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"اس الزام پر تو صفدر بھائی مشتعل ہو جائیں گے۔" منھی نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں اسے میری ذات سے کوئی سروکار نہیں اپنے بچے سے کوئی مطلب نہیں۔"

"سوچ لو ویسے کہو تو میں بات کروں' تمہاری ماضی کی بھول کو معافی میں بدل دیں۔"

"نہیں' مرد کی جیب بڑی ہوتی ہے ظرف نہیں۔" اس نے رد کر دیا۔

"اچھا فی الحال ٹینشن سے باہر نکلو' آؤ کمرے میں چل کر آرام کرتے ہیں۔"

"ہاں چلو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی' مگر کچھ مشکل سے۔

"تم ٹھیک تو ہو نا؟" منھی نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہنہ' بس کچھ دوائیں لینی ہیں۔"

"ابھی فوراً چلتے ہیں نیچے مین روڈ پر ہی میڈیکل اسٹور ہے۔" منھی نے کہا۔

"نہیں صبح گھر جاتے ہوئے لے لیں گے۔" وہ بولی۔

"تھوڑی دیر بعد گرم دودھ ضرور پینا ہے۔" منھی نے پیار سے کہا۔

وہ پیاری سہیلی کے خلوص پر سرشار ہو گئی۔

❁......❁❁......❁

عشق و محبت

عشق جب پتلا ہوتا ہے تو خامیاں گاڑھی ہو جاتی ہیں۔

عشق کاہل آدمی کے دل کا بہلاوا ہے۔

محبت کبھی مطالبہ نہیں کرتی' وہ تو ہمیشہ دیتی ہے نہ کبھی جھنجلاتی ہے نہ انتقام لیتی ہے۔

سزا دینے کا حق صرف اسے ہے جو سزا دینے والے سے محبت کرتا ہے۔

نفرت شیطان کا حصہ ہے' معافی انسان کا وصف ہے اور محبت فرشتوں کا۔

محبت میٹھا زہر ہے۔

محبت نہ ملے تو انسان جی لیتا ہے لیکن جسے وہ محبت سمجھتا ہے اگر وہی شخص آپ کا مان نہ رکھے تو انسان ایسے بکھرتا ہے کہ پھر ریزے بھی نہیں ملتے۔

محبت انسانیت کا دوسرا نام ہے۔

محبت کبھی بے سبب نہیں ہوتی' کبھی اس کا سبب انسان کی کوئی خواہش ہوتی ہے' کبھی کسی پر ترس کھا کر محبت کی جاتی ہے اور کبھی انسان محبت کی طلب میں محبت کرتا ہے۔

محبت دل اور جسم چاہتی ہے جبکہ عشق بس روح۔

سائرہ وینشا...... بورے والا

اتوار کے دن وہ دیر تک سوتا تھا...... مگر کچھ عرصے سے کیا ہفتہ اور کیا اتوار صبح سویرے گھر سے بھاگنے کی کرتا تھا...... مگر آج اس کو دیر تک پرسکون سوتا دیکھ کر جہاں آرا کچھ متفکر سی ہو کر بولیں۔

''صفدر! صفدر! کیا بیوی کو نکال کر بہت سکون مل رہا ہے۔''

''کیا؟ امی میں نے نکالا ہے۔'' وہ کسمسا کر بولا۔

''تمہارے نیند کے مزے سے تو مجھے یہی لگ رہا ہے۔'' وہ بولیں۔

''آج اتوار ہے۔''

''معلوم ہے مجھے زیبا نے فون بھی نہیں کیا' اس کی خیریت پوچھو۔''

''کیوں؟ کیا ہو گیا ہے اسے؟'' وہ بےزاری سے بولا۔

''مجھے تمہارے رویے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی' بیوی کی ذرا سی بھی پروا نہیں کرتے۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔

''آپ جو اتنی پروا کرتی ہیں۔''

''کیوں نہ کروں؟ میرے آنگن کی رونق ہے وہ ننھے منے پھول اس نے ہی کھلانے ہیں۔'' ان کے منہ سے یہ بات سن کر وہ چونکا۔ اور حقیقت سے نظریں چرا گیا۔

''آپ اپنے اس پھول کی پروا کریں' ناشتہ بنائیں بہت بھوک لگی ہے۔'' انہیں کھوجتی نگاہوں سے دیکھتا پا کر وہ شوخی سے بولا۔

''اٹھو نہا دھو کر بیٹھو' میں ناشتہ لے آتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔''

''اور ناشتے کے بعد میری زیبا سے بات کرانی ہے' مجھے بڑی الجھن ہے' وہ تنہا کیوں چلی گئی؟''

"آپ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی ہے؟" وہ کہہ کر واش روم میں گھس گیا اور جہاں آرا باہر چلی گئیں اس کے لیے ناشتہ بنانے..... مگر چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ ان کی دل خراش آواز نے صفدر کو بوکھلا دیا' وہ ٹراؤزر اور بنیان کے ساتھ واش روم سے بھاگتا ہوا باہر نکلا...... باورچی خانے میں جہاں آرا کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ گرم تیل ان کے پیروں پر گر گیا تھا...... فرائی پین الٹا پڑا تھا...... جلن سے برا حال تھا۔ اس نے انہیں گود میں اٹھایا اور ان کے کمرے میں لے آیا' وہ شدید جلن کے باعث کراہ رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں۔

"آہ! ٹھنڈا پانی ڈال دو۔"

"پانی نہیں آبلے پڑ جائیں گے' میں جلن والی کریم لگاتا ہوں۔" وہ یہ کہہ کر فریج سے کریم نکال لایا اور جلدی جلدی لگانے لگا...... مگر فوری طور پر تو افاقہ نہیں ہوتا اس لیے وہ مسلسل تکلیف سے سی سی کر رہی تھیں۔ صفدر کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔

"آپ سے کس نے کہا تھا کہ کچن میں جا گھسیں۔"

"زیبا کو تو بھیج دیا' اب میں ہی کچن میں کھپوں گی' میری بوڑھی ہڈیوں میں سکت رہی نہیں۔" وہ غصے سے تلملا کر بولیں' صفدر کو اس تکلیف کا ذمہ دار ٹھہرا کر اپنے پاؤں سمیٹ لیے۔

"یہ کیا کر رہی ہیں؟ میڈیسن تو لگانے دیں۔" وہ بولا۔

"نہیں لگوانی' جاؤ جا کر چین کی بانسری بجاؤ' میری تکلیف سے تمہیں کیا مطلب؟" وہ اور زیادہ اشتعال میں آگئیں' صفدر نے اس سے پہلے انہیں کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔"

"مجھے نہیں' تمہیں کچھ ہو گیا ہے؟ کس کے چکر میں ہو؟ کس کی وجہ سے زیبا خفا خفا سی گئی ہے؟" وہ چلا کر بولتی چلی گئیں۔

"کوئی نہیں ہے؟"

"تو پھر جاؤ ابھی زیبا کو لے کر آؤ۔" انہوں نے بختی سے حکمیہ انداز اختیار کیا۔

"اچھا! اچھا فی الحال پاؤں تو سیدھے کریں۔" اس نے نرمی سے ان کے پیر سیدھے کرنے چاہے مگر انہوں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔

"جو ہوتا ہے ہونے دو' ابھی جاؤ زیبا کے پاس۔"

"چلا جاؤں گا آپ تو ضد کرنے لگی ہیں۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"تو اٹھ جاؤ' میری نظر سے دور ہو جاؤ۔" وہ خفا ہو گئیں۔

"پلیز امی! میں چلا جاؤں گا' ابھی آپ کے پاس ہونا ضروری ہے۔" اس نے نرمی سے سمجھایا تو وہ نیم رضامندی کے اظہار میں خاموش ہو گئیں اور اپنے پیر سیدھے کر دیے۔ سرخ جلنے کے نشانات ابھر چکے تھے۔ وہ کرب سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر جلن والی کریم لگانے لگا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

قدم قدم پہ ملے اک نئی خوشی تم کو
اندھیری راہ میں مل جائے روشنی تم کو
میری دعا ہے خدا سے کہ کاش لگ جائے
میری حیات کے لمحوں کی زندگی تم کو

میں صبح ابا کو چائے پاپے کا ناشتا کروا کر گھر سے نکل آئی۔ میری مٹھی میں چند سکے تھے جو میں نے رات ہی گھر کے کونے کھدروں سے تلاش کیے تھے اور جو بس بھیا کے گھر پہنچنے تک ہی کام آسکتے تھے۔ اس وقت تو یہ بھی غنیمت تھے واپسی کے لیے بھیا کچھ نہ کچھ دے ہی دیں گے۔ میں اس آس پر بھیا کے گھر پہنچی تھی تو آگے وہ آفس جانے کے لیے تیار ڈائننگ پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔

میرے سلام کے جواب میں انہوں نے مجھے یوں دیکھا جیسے میں اتنی صبح کیسے بلکہ کیوں آئی ہوں۔

"بھیا..... وہ..... ابا کی طبیعت بہت خراب ہے رات بھر کھانستے رہتے ہیں۔" میں نے تھوک نگلتے ہوئے بتایا تو بھیا سے پہلے بھابی بول پڑیں۔

"ارے بڑھاپے میں تو ہر انسان کھانستا ہے یاد نہیں تایا جی کیسے کھانستے تھے۔ ان کے لیے کتنی دوائیں کیں کوئی فائدہ ہوا۔" میں نے بے بسی سے بھیا کو دیکھا تو بھابی پھر شروع ہو گئیں۔

"مہنگائی دیکھ رہی ہو آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ کتنے اخراجات ہوتے ہیں بچوں کی فیسیں بلوں کی ادائیگیاں راشن پانی...... میرا میاں ایک کمانے والا ہے اوپر سے تم مہینے کے آخر میں پیسے مانگنے آگئی ہو۔ کہاں سے دیں؟ ابھی عالیہ کی فیس بھی انہوں نے اپنے دوست سے ادھار پیسے لے کر دی ہے کچھ میرے پاس جمع تھے وہ کام آئے۔" مجھے بھابی کی باتیں بری نہیں لگ رہی تھیں دکھ تو بھیا کی خاموشی اور اطمینان کا تھا۔ ان کے چہرے پر مجھے ڈھونڈنے سے بھی ہلکی سی ندامت کا کوئی تاثر نہیں ملا تو میں اٹھ کھڑی ہوتی اور نہ چاہتے ہوئے بھی بھیا کو مخاطب کر گئی۔

"بھیا آپ کتنے دنوں سے آئے نہیں ابا بہت یاد کرتے ہیں آپ کو۔"

"ہاں چکر لگاؤں گا۔" بھیا بے نیازی سے کہہ کر اٹھ گئے تو میں بڑی آس سے انہیں دیکھنے لگی کہ شاید مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہیں گے کہ چلو میں تمہیں گھر چھوڑتا ہوا چلا

جاؤں گا لیکن وہ تو بھابی کو خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔

"بیٹھو صالحہ! میں تمہارے لیے ناشتا لاتی ہوں۔"

بھابی نے جانے کس دل سے کہا۔

"نہیں بھابی! میں ناشتا کر آئی ہوں۔" میرے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی اور پھر میں رکی نہیں، تیز قدموں سے باہر نکل آئی۔ میری آنکھیں دھندلا رہی تھیں اور مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں، بس چلتی جا رہی تھی۔

دن کے آغاز پر سورج کی کرنوں میں عجیب سی چبھن تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے بدن میں کوئی مسلسل سوئیاں چبھو رہا ہو لیکن اس سے کہیں زیادہ دکھن میرے اندر تھی۔ اتنی بڑی زمین اتنا بڑا آسمان اور میں تنہا...... میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

گھر جا کر ابا کو کیا جواب دوں گی، وہ بے چارے کتنی آس سے مجھے دیکھیں گے پھر میرے پیچھے ان کی نظریں بھٹکیں گی کہ شاید بھیا آئے ہوں۔

"اور بھیا...... اُف......" میرے ہونٹوں سے سسکی نکلی تھی۔

بڑے بھیا پہلوٹی کی اولاد ہونے کی وجہ سے اماں ابا دونوں کی مشترکہ محبت کے حق دار تھے اور ان کا پلہ اس لیے بھاری تھا کہ ان کے بعد دو بیٹیاں مریم اور میں تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ہم دونوں نظر انداز کردی گئی تھیں یا ہماری کوئی اہمیت نہیں تھی، بس بات یہ تھی کہ اکلوتا چاند آسمان پر منفرد نظر آتا ہے، سو بڑے بھیا ایسے ہی تھے۔

اسکول کالج میں تھرڈ ڈویژن لے کر آنے والے بڑے بھیا یونیورسٹی میں ایک حسینہ کے عشق میں گرفتار ہوگئے اور عمر قید کی سزا کے ساتھ ہی اس کے غلام بن گئے۔

اماں کے لیے یہ صدمہ گہرا اور تکلیف دینے والا تھا کیونکہ انہوں نے بڑے بھیا کے لیے الگ خواب سجا رکھے تھے جو یوں مٹی میں ملے کہ اماں بھی منوں مٹی تلے جا سوئیں۔ ابا نے کڑوا گھونٹ بھرا اور اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے اور بھابی روایتی رسموں کی کتابیں پڑھ کر آئی تھیں۔ نندوں اور سسر کو برداشت کرنا تو دور کی بات وہ انہیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں اور اس کا اظہار وہ برملا کرتی تھیں، بڑے بھیا ان کے عشق میں اندھے ہوچکے تھے پھر بھی اتنی مروت ضرور دکھائی کہ ہمیں گھر سے نکالنے کی بجائے خود ہی الگ ہوگئے اور ایسے گئے کہ اب صرف عید بقرہ عید پر ہی اپنی شکل دکھا جاتے تھے۔

پھر مریم باجی کو کہ بڑے بھیا سے پانچ سال چھوٹی تھیں اور ابھی انٹر ہی کیا تھا کہ اماں کی سیکنڈ کزن نے اپنے بیٹے سجاد کے لیے پسند کرلیا کیونکہ اماں کے انتقال کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لیے بہت سادگی سے ابا نے مریم باجی کو سجاد کے سنگ رخصت کردیا تھا۔

اور اب میں ابھی انٹر کی اسٹوڈنٹ تھی، مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا اور میں بہت سارا پڑھنا چاہتی تھی۔ ایم اے پی ایچ ڈی اور پھر میں بہت بڑی آدمی بن جاؤں گی۔ یہ میرے خواب تھے لیکن ابا کی بیماری نے میرا کالج بھی چھڑا دیا۔ مجھے اپنے خوابوں کے ادھورا رہ جانے کا اتنا ملال نہیں تھا جتنا مجھے ابا کی بیماری نے پریشان کردیا تھا۔ میں ہمہ وقت ان کی خدمت میں لگی رہتی لیکن صرف خدمت سے کیا ہوتا ہے دوا دارو بھی تو ہو اور ہماری گزر اوقات صرف ابا کی پنشن پر تھی جس میں دال روٹی مشکل سے چلتی تھی، ابا کی دوا کے لیے پیسے کہاں سے آتے۔

پچھلی تین راتوں میں ابا ایک پل کے لیے نہیں سوئے تھے، دمے کا اٹیک شدید تھا۔ میں پوری پوری رات ان کی پیٹھ سہلاتی رہی تھی اور اب میں اسی سلسلے میں بڑے بھیا کے پاس گئی تھی کہ ابا کو ڈاکٹر کو دکھا دیں لیکن ان کے کان پر تو جوں بھی نہیں رینگی۔ لوگ بیٹے کی آرزو اس لیے کرتے ہیں کہ وہ بڑا ہو کر سہارا بنے گا لیکن اب تو یہ باتیں خواب و خیال ہوگئی ہیں۔

میں چلتے چلتے جانے کہاں نکل آئی تھی، سورج اب سوا نیزے پر آ گیا تھا۔ میرے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے، ٹانگیں الگ شل ہوگئی تھیں۔ میں نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اطراف کا جائزہ لیا تو میرا دل مزید بوجھل ہوگیا۔ سامنے مریم باجی کا گھر تھا میں کتنی دیر کھڑی ان کے

دروازے کو تکتی رہی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کروں؟ واپس پلٹنے کی ہمت تھی نہ مریم باجی سے ملنے کی کیونکہ ان کے حالات میں بہت اچھی طرح جانتی تھی' بے چاری کتنی مجبوریوں میں گھری ہوئی تھیں' بھرا پُرا سسرال تھا ساس سسر' جیٹھ جٹھانی' تین دیور اور ایک طلاق یافتہ نند جسے مریم باجی سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ ان کی خدمتوں سے جو وقت بچتا وہ مریم باجی کے دو چھوٹے بچوں کے حصے میں آتا تھا۔

میں نے سر اونچا کرکے آسمان کو دیکھا کہ شاید میرے خشک حلق میں وہی دو بوندیں ٹپکا دے لیکن وہ تو خود سورج کی تمازت میں جل رہا تھا' تب نا چاہتے ہوئے بھی میں نے مریم باجی کے دروازے پر دستک دے ڈالی اور پہلی دستک پر ہی دروازہ کھلنے کے ساتھ مریم باجی کا چہرہ نظر آیا تو میں بے اختیار ان سے لپٹ گئی لیکن شکر ہے آنسو کہیں اندر اتر کر رسوائی سے بچا گئے۔

''مجھے پتا نہیں کیوں صبح سے ایسا لگ رہا تھا کہ تم آؤ گی' ابا کی طبیعت کیسی ہے؟ انہیں بھی ساتھ لے آتی۔ بچوں کی وجہ سے فرصت نہیں ملتی ورنہ روز سوچتی ہوں تم سے اور ابا سے مل آؤں۔'' مریم باجی میرا ہاتھ پکڑے نظریں چرا کر بولتے ہوئے مجھے اپنے کمرے میں بٹھا کر جلدی سے پانی لے آئیں' تو میں نے جھپٹنے کے انداز میں ان کے ہاتھ سے گلاس لے کر ایک سانس میں خالی کر دیا تو وہ پوچھنے لگیں۔

''کھانا کھاؤ گی لاؤں؟''

''نہیں باجی!'' میں نے اپنے دہائیاں دیتے پیٹ کی ایک نہیں سنی اور سہولت سے منع کرکے انکا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھالیا۔

''بس آپ کچھ دیر میرے پاس بیٹھیں۔''

''کہاں سے آرہی ہو؟'' مریم باجی اب میری شکل دیکھ کر ٹھٹکیں۔

''بڑے بھیا کے ہاں گئی تھی۔'' میں نے کوشش سے سرسری انداز اختیار کیا تھا۔

''خیریت......؟'' اور خیریت کہاں تھی میرا ضبط جواب دے گیا آنسو اس روانی سے چھلکے کہ مریم باجی سمیٹتے سمیٹتے تھک گئیں۔

''بس کرو صالحہ! مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟'' مریم باجی خود روہانسی ہوگئی تھیں اور میں انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اب کچھ چھپانا بھی ممکن نہیں تھا' میرے آنسوؤں نے انہیں سب نہیں تو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

''ابا کی طبیعت خراب ہے' میں یہی بتانے بڑے بھیا کے پاس گئی تھی لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ باجی میں کیا کروں مجھ سے ابا کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ کاش میں انہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا سکتی۔'' میں روتے ہوئے بول رہی تھی' مریم باجی ایک دم چپ ہوگئیں پھر اٹھ کر الماری میں جانے کیا تلاش کرنے لگیں تو میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں چلتی ہوں باجی! ابا اکیلے ہیں۔''

''ہاں ایک منٹ۔'' مریم باجی نے فوراً الماری بند کی اور اپنی بند مٹھی میرے ہاتھ میں کھول کر میری مٹھی بند کر دی۔

''باجی......''

''ابھی یہ تھوڑے سے پیسے ہیں تم ان سے کام چلاؤ' پھر میں سجاد کے ساتھ آؤں گی تو ہم ابا کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔''

''لیکن باجی......'' مجھے اپنی بند مٹھی میں نوٹ چبھنے لگے تھے یہ فرض تو بڑے بھیا کا تھا۔

''اچھا بس کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' باجی نے مجھے ٹوک دیا پھر تسلی دیتے ہوئے مجھے دروازے تک چھوڑنے آئیں تو میں پھر ان سے لپٹ گئی۔

''باجی! ابا اچھے ہوجائیں گے ناں۔''

''ان شاء اللہ! ابھی تو انہیں تمہاری شادی کرنی ہے۔'' مریم باجی نے پیار سے میری ٹھوڑی چھو کر مجھے بہلانے کی کوشش کی تو میں بھی فوراً مسکرائی اور انہیں خدا حافظ کہہ کر تیز قدموں سے چل پڑی تھی۔

اپنے گھر تک آتے ہوئے میں خود بھوک سے نڈھال

ہو چکی تھی! ابا کا جانے کیا حال ہوگا۔ مجھے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو بیکری سے ڈبل روٹی' انڈے اور دودھ لے کر نکلی تو سامنے سے انکل حیدر نے پکار لیا۔ حیدر انکل ہمارے محلے کے معتبر شخص تھے ان کی اپنی گارمنٹ فیکٹری تھی' شرافت اور صداقت میں پورا محلہ ان کی گواہی دیتا تھا۔

"کہاں سے آ رہی ہو بیٹا! بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" حیدر انکل نے پوچھا تو مجھے کیونکہ اس وقت صرف ابا کا خیال تھا تو میری زبان پر ان ہی کا نام آ گیا۔

"جی وہ ابا......"

"ہاں اب کیسی طبیعت ہے تمہارے ابا کی؟"

"جی بس......" میری آنکھوں میں پھر پانی جمع ہونے لگا تو میں نے سر جھکا لیا۔

"بیٹا! کوئی پریشانی کی بات ہوا کرے تو بلا جھجک کہہ دیا کرو۔ تم میری اپنی بیٹی کی طرح ہو۔ میں شام کو آؤں گا تمہارے ابا کو دیکھنے۔" وہ شاید جلدی میں تھے میرا سر تھپک کر چلے گئے تو میں ان کے خلوص کو دل سے محسوس کرتے ہوئے گھر آئی تو ابا کی کھانسی نے میرا استقبال کیا۔

"ابا......" میں نے بھاگ کر دہرے ہوتے ابا کو تھام لیا اور ان کی پیٹھ سہلانے لگی۔ کچھ دیر بعد ابا قدرے پرسکون ہوئے تو پوچھنے لگے۔

"کیا ہوا؟ بھائی ملا یا باہر ہی سے تمہیں ٹرخا دیا؟"

"ملے تھے ابا! باہر سے کیوں ٹرخائیں گے۔" میں نے فوراً روٹھے انداز میں کہا۔

"پھر آیا نہیں تمہارے ساتھ؟"

"کل آنے کو کہا ہے' ابھی انہیں ضروری میٹنگ میں جانا تھا۔" میں نے محض ابا کی تسلی کے لیے جھوٹ بولا تو ان کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ جھلک دکھلا کر غائب ہوگئی پھر میرا ہاتھ تھام کر بولے۔

"بیٹا! باپ سے جھوٹ نہیں بولتے۔"

"جب آپ جانتے ہیں تو پھر کیوں پوچھتے ہیں۔"

"اپنی تسلی کے لیے یا پھر خود کو جھٹلانا چاہتا ہوں۔" ابا کی خود کلامی سن کر میں وہاں سے اٹھ آئی۔

شام میں حیدر انکل آئے تو ابا کے لیے ڈھیروں پھل بسکٹ اور جانے کیا کچھ لے کر آئے تھے۔ مجھے اپنی کم مائیگی پر شدت سے رونا آیا اور بڑے بھیا پر غصہ' حیدر انکل کچھ دیر ابا کے پاس بیٹھے پھر جاتے ہوئے بھی مجھ سے کہہ گئے کہ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو میں بلا جھجک کہہ دوں۔

"ہاں مجھے ضرورت ہے بہت ساری چیزوں کی' اپنے لیے نہیں ابا کے لیے' اس رات میں جانے کس سے لڑ رہی تھی۔

"میرے لیے سب کچھ میرے ابا ہیں اور میں انہیں ساری نعمتیں دینا چاہتی ہوں۔"

"تو دو کس نے منع کیا ہے لیکن یاد رکھو نعمتیں یوں بیٹھے بیٹھے نہیں مل جاتیں ہاتھ پاؤں چلانے پڑتے ہیں۔" مجھے جھنجوڑا گیا۔

"میں...... میں......" میں بوکھلا کر احتجاج کرنے لگی لیکن شنوائی نہیں ہوئی تو میں خائف ہو کر سو گئی لیکن صبح نئے عزم کے ساتھ اٹھی تھی۔

"ابا! میں حیدر انکل سے کہوں گی مجھے کہیں جاب دلا دیں بلکہ کہیں کیوں...... انکل کی اپنی فیکٹری ہے۔" میں نے حیدر انکل کے لائے ہوئے سیب کاٹ کر ابا کو کھلاتے ہوئے کہا تو وہ میرا چہرہ دیکھنے لگے۔

"ٹھیک ہے ابا! ابھی میری تعلیم زیادہ نہیں ہے' میں ساتھ ساتھ پڑھ بھی لوں گی۔" میں یہی سمجھی ابا میری ادھوری تعلیم جتائیں گے لیکن وہ دکھ سے بولے۔

"اب یہ وقت آ گیا ہے۔"

"کوئی برا وقت نہیں ہے' اللہ کا شکر ہے میرے ہاتھ پیر سلامت ہیں۔ میں جاب کروں گی مزید پڑھوں گی اور آپ کی خدمت کروں گی بس......" میں نے فیصلہ سنا دیا ابا کچھ نہیں بولے البتہ ان کے چہرے کی لکیروں میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

مجھے جاب کے لیے تردد نہیں کرنا پڑا' حیدر انکل نے اپنی فیکٹری میں مجھے لڑکیوں کے ڈیپارٹمنٹ کا سپروائزر

بنادیا اور ابا کی وجہ سے وقت کی قید بھی نہیں رکھی' میں آرام سے صبح دس بجے تک ابا کے اور گھر کے سارے کام نمٹا کر فیکٹری جاتی اور پانچ بجے واپس آجاتی تو پھر رات کے کھانے کے بعد گیارہ بارہ بجے تک پڑھ بھی لیتی تھی اور پھر شاید یہ مصروفیت تھی یا میرا عزم کہ میں نے جلنا کڑھنا اور اپنی بے بسی کا ماتم کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے برعکس میں اچھے دنوں کے خواب دیکھنے لگی تھی اور میرے خواب میری سوچوں کا محور صرف میرے ابا تھے۔

رات میں جب میں پڑھنے بیٹھتی تو کسی وقت میری نظریں کتاب سے ہٹ کر ابا پر جا ٹھہرتیں۔ مجھے ان پر بہت ترس آتا' بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ تھے حالانکہ زیادہ عمر نہیں تھی ان کی۔ ان سے زیادہ عمر کے بوڑھے نہ صرف چلتے پھرتے بلکہ کام کاج بھی کرتے تھے شاید اس لیے کہ انہیں اچھی خوراک اور سب سے بڑھ کر اولاد کا سکھ میسر تھا۔

''کاش بڑے بھیا کو احساس ہوتا خود کتنے عیش و آرام سے رہتے ہیں اور ابا کا ذرا خیال نہیں۔ اس وقت میرا دل دکھ سے بھر گیا اور اچانک ایک خیال کہ ابا کو کچھ ہو گیا تو......''

''نہیں۔'' میرا دل کسی اتھاہ میں ڈوبنے لگا۔ ''ابا کو کچھ نہیں ہوگا' میں تنخواہ ملتے ہی ابا کو اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی پھر ان کی خوراک کا بہت خیال رکھوں گی۔ پھل' جوس' سوپ پھر ابا بہت جلدی بہت اچھے ہو جائیں گے حیدر انکل کی طرح۔''

اور پھر میری زندگی کا واحد مقصد ابا جن کے لیے پہلی تنخواہ ملتے ہی میں نے ڈھیروں پھل خریدے اور آئندہ کے لیے بہت کچھ سوچتی ہوئی گھر آئی تو ابا اطمینان سے سو رہے تھے۔

''ابا......'' میری آواز کی کھنک کسی نے نہیں سنی اور چند لمحوں بعد میری چیخوں سے سارا محلہ دوڑا چلا آیا تھا۔

ابا...... میرے پیارے ابا چلے گئے اور میری دنیا ویران ہو گئی۔ بڑے بھیا دنیا دکھاوے کو تین دن آئے ضرور لیکن مجھ سے جھوٹے منہ بھی ساتھ چلنے کو نہیں کہا نہ انہیں یہ تشویش تھی کہ میں اکیلی کیسے رہوں گی البتہ مریم باجی بار بار اس بات کو دہرا رہی تھیں آخر میں نے کہہ دیا۔

''میری فکر نہ کریں باجی! میں اپنے گھر میں ہوں۔''

''اپنے گھر میں تو ہو لیکن اکیلی......''

''اکیلی ہو گئی ہوں تو اکیلی ہی رہوں گی۔'' میں نے باجی کو خاموش کرا دیا تھا۔

پھر کتنے دن گزر گئے میری زندگی میں اب کچھ نہیں رہ گیا تھا' میں سارا وقت ابا کے خالی تخت کو دیکھتی رہتی' کیا کچھ نہیں سوچا تھا میں نے ان کے لیے اور ان ہی کے لیے میں نے ہمت باندھی تھی۔ وہ نہیں رہے تو ہمت بھی ٹوٹ گئی لیکن پھر حیدر انکل کے سمجھانے پر میں نے پھر سے

سحرش علی

آنچل پڑھنے والوں کو دل کی گہرائیوں سے سلام۔ میرا نام سحرش علی ہے میں 12 ستمبر 1994ء کو اس دنیا کے خوب صورت ضلع میانوالی میں پیدا ہوئی' ہم چار بہن بھائی ہیں اور میں ایف ایس سی کے پیپر دے کر فارغ ہوں۔ میری خوبیاں اور خامیاں کیا بتاؤں' خامیاں تو مجھ میں ہیں ہی نہیں (ہاہاہا)۔ میری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں ہر حال میں سچ بولتی ہوں اور یہ اعتراف میرے گھر والے اور میری دوست سب کرتے ہیں' میرا خیال ہے یہ بہت بڑی خوبی ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے شلوار قمیص پسند ہے ساڑھی بالکل اچھی نہیں لگتی۔ پھول گلاب کا اور پرفیوم سارے ہی پسند ہیں۔ چلو اب خامی بھی بتا دیتے ہیں کہ میری اپنے چھوٹے بھائی سے بالکل نہیں بنتی۔ میری جو بیسٹ فرینڈ ہیں ان کے نام بتائے دیتی ہوں سدرہ سحر' سدرہ عالم' فوزیہ' بشریٰ' نجمہ' رومانہ' سائرہ' علیشہ' اسماء اور سعدیہ یہ میری بیسٹ فرینڈز ہیں۔ میرے پسندیدہ ٹیچر اور جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا سر علی حیدر' سر رمضان' سر الیاس دانش اور سر خشک ہیں۔ اچھا جی اب اجازت دیں فی امان اللہ۔

فیکٹری جانا شروع کردیا جس سے کافی حد تک میرا دھیان بٹ گیا۔ اب گھر کے کام نہ ہونے کے برابر تھے میں نے دلجمعی سے پڑھنا بھی شروع کردیا تھا۔

دو سال میں میں گریجویٹ ہوگئی اس کے بعد میں نے مختلف کورس کرنے شروع کردیئے۔ خاص طور سے کمپیوٹر کورس جو اچھی جاب کے لیے بہت ضروری تھا۔ اس دوران میں نے گھر کی حالت بہت بہتر کرلی تھی ویسی ہی جیسی میں ابا کے لیے چاہتی تھی۔ ابا کے لکڑی کے تخت کی جگہ بیڈ رکھ دیا اور میں تصور کرتی کہ ابا اس بیڈ پر آرام سے سو رہے ہیں۔ چھوٹا فریج لے لیا اور روزانہ پھل لاکر اس میں رکھتی پھر کوئی فقیر صدا لگاتا تو میں وہ پھل نکال کر اسے دے دیتی۔ اس سے مجھے بہت تسلی ہوتی تھی انہی دنوں میں نے خواب میں ابا کو دیکھا صحت مند ہنستا کھلتا ہوا چہرہ...... میں نے خوشگوار حیرت میں گھر کر پوچھا تھا۔

"ابا! آپ اتنے صحت مند کیسے ہوگئے؟"

"تم نے پھل کھلاؤ گی تو صحت نہیں پکڑوں گا۔" ابا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اور اس کے بعد تو میں نے کبھی ناغہ نہیں کیا مجھے یقین مل گیا تھا کہ میں جو ابا کے لیے پھل خریدتی ہوں وہ ابا ہی کھاتے ہیں۔

پھر وقت بھاگتا چلا گیا میرے ہاتھ میں ڈگری کے ساتھ مختلف کورسز کے سرٹیفکیٹ آئے تو پھر مجھے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی جاب مل گئی۔ ہینڈسم سیلری لیکن پھر اسی حساب سے محنت میں بہت مصروف ہوگئی۔ اس کے باوجود میں روزانہ ابا کو پھلوں کا تحفہ بھیجنا نہیں بھولی خواہ میں کتنی عجلت میں ہوتی راستے میں جہاں پھلوں کی ریڑھی نظر آتی میں کچھ پھل خرید کر وہیں کسی فقیر کو دے دیتی۔ بس یہ ہوا تھا کہ اب میں پھل چھانٹ کر اور ان کی تازگی کا یقین کرکے نہیں لیتی تھی کیونکہ اب میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

اس وقت میں آفس سے نکلی تو شام گہری ہوگئی تھی پھر سردیوں کی آمد آمد تھی فضا میں خنکی محسوس ہورہی تھی پھر میں عادت کے مطابق کنوینس کے لیے ایک جگہ کھڑی نہیں رہ گئی چل پڑی تھی پھر ادھر ایک رکشہ میرے قریب آ کر رکا ادھر میری نظر پھلوں کی ریڑھی پر پڑی تو میں نے رکشہ والے کو رکنے کا کہہ کر جلدی سے کچھ پھل لیے پھر رکشہ میں بیٹھ گئی اور راستے میں تو مجھے کوئی فقیر نہیں ملا لیکن شکر ہے گھر کی گلی میں داخل ہوئی تو سامنے سے فقیر آتا دیکھ کر میں نے جلدی سے پھل کا شاپر اسے تھما دیا تھا گویا اب یہ مجھ پر ایک بوجھ ہوتا تھا جسے میں فوراً اتار پھینکنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد اطمینان سے ہوجاتی۔ اس وقت بھی میری یہی کیفیت تھی گھر آ کر میں نے کھانا کھایا اس کے بعد کچھ دیر فون پر مریم باجی کے ساتھ گپ شپ کی پھر سونے کے لیے لیٹ گئی۔

میری یہی روٹین تھی صبح کیونکہ آفس کے لیے جلدی نکلنا ہوتا تھا اس لیے میں جلدی سوجاتی تھی اور شکر ہے کہ مجھے نیند کے لیے جتن نہیں کرنے پڑتے تھے میں فوراً سوجاتی تھی۔ اس وقت بھی میں سوگئی تھی لیکن پھر پتا نہیں کیا ہوا میری آنکھ کھل گئی مجھے کسی نے پکارا تھا۔

"کون......" میں نے گھپ اندھیرے میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ کوئی نظر نہیں آیا لیکن کوئی تھا میرا دل ڈوبنے لگا پھر ایک جھونکا آیا اور اس جھونکے میں واضح سرگوشی جس میں ہلکی ہی سرزنش نے میری رگوں میں لہو منجمد کردیا تھا۔

"بیٹا...... پھل تو دیکھ کرلیا کرو۔"

شاہ دل
سلمیٰ فہد گل

میں جس دن بھلا دوں تیرا پیار دل سے
وہ دن آخری ہو مری زندگی کا
یہ آنکھیں اسی رات ہوجائیں اندھی
جو تیرے سوا دیکھیں سپنا کسی کا

آج کی صبح بہت سست تھی۔ دن کا آغاز بھی کچھ اسی قسم کا ہوا تھا۔ یونیورسٹی کے لیے نکلتے ہوئے بیزاریت اسے اپنے پورے وجود پر چھائی ہوئی محسوس ہورہی تھی لیکن جانا ازحد ضروری تھا۔ ایک تو آج کا لیکچر بہت اہم تھا جسے چھوڑنا کم از کم اس کے لیے کسی طور ممکن نہیں تھا اور دوسرا شہلا کچھ روز کے لیے لیو پر جارہی تھی اور اس سے بہت اہم نوٹس لینے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ نا چاہتے ہوئے بھی اسے شدید سردی میں جانا پڑ رہا تھا۔

"یااللہ! اتنی ٹھنڈ آج تو لگتا ہے میری قلفی جم کر ہی رہے گی۔" دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے وہ آہستگی سے بڑبڑائی۔ اگلا قدم اٹھاتے ہی اسے زبردست جھٹکا لگا تھا۔ اس نے بڑی کوفت اور کسی قدر غصے سے بیچ راہ میں پڑے پتھر کو دیکھا' ایک تو اسے شدید سردی لگ رہی تھی' اوپر سے یہ مصیبت...... اس کا جی چاہا کہ واپس لوٹ جائے کیونکہ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اگر شروعات ایسی ہوئی ہے تو باقی کا دن کیسا گزرے گا؟ وہ واپسی کے لیے پلٹی ہی تھی کہ دوسرے ہی پل خود پر اور اپنی سوچ پر دو حرف بھیجتے ہوئے منہ پھلا کر دوبارہ سے اسی راستے پر چل دی اور ابھی چند قدم ہی چلی ہوگی کہ بڑے زور سے کوئی چیز اس کے سر پر آ کر لگی تھی۔ اس نے کڑے تیوروں سے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ اس سے چند انچ کے فاصلے پر بڑی سی فٹ بال پڑی ہوئی تھی۔ اس نے بنا ادھر ادھر دیکھے بال اٹھائی اور زور سے مخالف سمت پھینکی تھی' یہ دیکھے بغیر کہ اپنے غصے میں وہ بھی کسی کو نشانہ بنا گئی تھی۔ جونہی اس نے چہرہ ترچھا کرتے ہوئے غصہ سے دوسری سمت دیکھا اس کی تو گویا جان ہی نکل گئی تھی۔

"سوری انکل! ایم رئیلی ویری سوری۔ میری غلطی نہیں تھی' آئی سوئیر ان فیکٹ میں نے تو آپ کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ دراصل مجھے اس بال پہ بہت غصہ آ رہا تھا اس لیے میں نے بنا ارد گرد دیکھے اسے اچھال دیا۔" انہیں دیکھتے ہی اس نے مسکین سی شکل بناتے ہوئے فوراً وضاحت دی۔ مگر اس کی وضاحت کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ان کا غصہ مزید بڑھ گیا تھا۔

"اب کیا کروں؟"

"غلطی میری نہیں تھی انکل۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں تو یونیورسٹی جارہی تھی...... میری ایسی مجال کہ...... آپ تو جانتے ہیں انکل کہ......" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی ایک پندرہ سولہ سال کا لڑکا دوڑتا ہوا آیا اور انکل کے پاؤں میں پڑی ہوئی فٹ بال اٹھا کر یہ جا وہ جا۔ اس سے پہلے کہ وہ بات کرتی' انکل محترم اس پر ایک کڑی نگاہ ڈالتے ہوئے سر جھٹکتے ہوئے سائیڈ سے ہوکر گزر گئے' اور وہ محض دیکھتی رہ گئی۔

✿......✿✿✿......✿

"خواتین و حضرات چند سیکنڈ کے لیے......"

"رکو...... رکو ایک منٹ رکو۔" اس سے پہلے کہ وہ بات آگے بڑھاتا پوری کلاس نے شور مچا دیا۔ وہ سٹپٹاتے ہوئے یکلخت خاموش ہوا۔ اس نے خاصی حیرانگی سے فرداً فرداً سب کی جانب دیکھا۔ سبھی اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ آخر ہوا کیا ہے؟ سب کی گھوریوں کا مفہوم کیا ہے؟

"کیا ہوا ہے؟" تبھی بڑی معصومیت سے استفسار کیا۔

"خواتین تک تو ٹھیک ہے لیکن یہ حضرات کس کو کہا تم نے؟" نوید نے دانت پیستے ہوئے ان سب کی گھوریوں کی وجہ بتائیں۔ اس کی اس وضاحت کے جواب میں ساری کی ساری لڑکیوں نے عثمان سے نظریں ہٹاتے ہوئے کھا جانے والی نظروں سے نوید کو دیکھا جس کا نوید پر کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دیا تھا۔

"ہاں بھئی بیبیوں آپ لوگوں کا کیا مسئلہ ہے؟" مکمل طور پر انجان بنتے ہوئے نوید نے اپنی طرف سے لڑکیوں کو اچھی خاصی عزت دینا چاہی تھی۔ مگر اس کی یہ عزت لڑکیوں کی پھیلی ہوئی آنکھوں کو مزید پھیلا گئی تھی۔ ان کا انداز خاصا مضحکہ خیز تھا۔ شاہین اور وہاب نے سامنے پڑی ہوئی بکس کو اپنے سامنے کر کے اپنے بے ساختہ قہقہے کو روکا تھا۔

"آپ نے ہمیں خواتین کہا' ہم نے اتنا محسوس نہیں کیا کیونکہ مقابلے میں حضرات بھی تھے۔ اس لیے بیلنس ہوگیا' لیکن نوید صاحب نے ہمیں بیبیوں کس خوشی میں کہا ہے؟ پہلے اس کی وضاحت کردیجیے پلیز۔" چند پل بغور دیکھتے رہنے کے بعد رابعہ نے دانت کچکچاتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"بیبیوں کو بیبیوں نہ کہوں تو حضرات کہوں کیا؟" نوید نے کسی قدر استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"جی نہیں' حضرات صرف آپ پر ہی سوٹ کرسکتا ہے۔ ہم بے چاری نازک سی جانیں' یہ ورڈ برداشت کیا خاک کریں گی۔ خیر میں......" اس سے پہلے کہ تانیہ اپنی بات مکمل کرتی عثمان نے تیزی سے اس کی بات قطع کرتے ہوئے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا تھا۔

"دیکھو بھئی یہ بے کار کی بحث......"

"بے کار کی بحث' اتنی اہم گفتگو تمہیں بے کار کی بحث معلوم ہوتی ہے؟" اس کی بات پر نوید تو گویا چلا ہی اٹھا۔ جواباً عثمان دوسری جانب دیکھتے ہوئے بے نیازی سے سر کھجانے لگا۔

"اوکے' آئم سوسوری...... میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں لیکن اس وقت آپ میری چھوٹی سی بات سن لیں۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔"

"جی جی' بالکل کیوں نہیں آپ کی نہیں سنیں گے تو پھر کس کی سنیں گے۔ پلیز کہیے ناں۔" شگفتہ نے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا۔

"ایکچوئیلی ڈائریکٹر صاحب نے کہا ہے کہ ہماری کلاس میں ایک عدد سی آر کا ہونا ازحد ضروری ہے اور میرے خیال میں سی آر بننے کی اہلیتی صرف مجھ میں ہے۔" کالر اکڑاتے ہوئے اس نے خاصے فخریہ انداز میں کہا جبکہ لڑکوں اور لڑکیوں کی جانب سے پرزور احتجاج ہوا تھا' سب نے شور مچانا شروع کردیا تھا۔

شاہین' وہاب اور امل اس کی جانب لپکے تھے' وہ یکلخت بوکھلا سا گیا' کیونکہ وہ اسے جھنجوڑنے لگے تھے۔

"ہوش کر یار' ہوش کر' تم اپنے بیڈ روم میں نیند کی آغوش میں نہیں بلکہ ایم ایس سی کی کلاس میں ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا بچے کی۔" وہاب نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

"شٹ اپ یار' میں بالکل ٹھیک ہوں' اور اپنے پورے ہوش وحواس میں ہوں۔" اپنا بازو چھڑا کر شرٹ درست کرتے ہوئے عثمان نے خاصے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"ویسے سی آر بننے کی اہلیت عثمان سے زیادہ کسی اور میں نہیں۔" نوید نے فوراً اپنے دوست کی سائیڈ لی۔

"نوید بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے' میرا ووٹ بھی عثمان کو جاتا ہے۔" امل نے فوراً نوید کی تقلید کی۔ باقی سب بھی نیم رضامند دکھائی دے رہے تھے۔ عثمان نے فخریہ کالر اکڑائے تھے۔ لڑکیوں کو تو گویا پتنگے لگ گئے تھے۔

"یہ زیادتی ہے' ہم اس بات کو نہیں مانتے' اگر بات قابلیت کی ہے تو لڑکیاں اس کلاس میں لڑکوں سے زیادہ قابل اور ذمہ دار ہیں۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل ایٹ لیسٹ آپ لوگوں کو ہماری رائے تو لینی چاہیے تھی۔ خود ہی بتا رہے ہیں اور خود ہی منتخب بھی ہو رہے ہیں' جمہوریت کے نام پر سیٹ اپنے نام کرلی بھلا یہ کیا بات ہوئی۔" شائستہ نے خاصی برہمی سے اظہار کیا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں شائستہ اگر آپ کو میرے سی آر بننے پر اعتراض ہے تو آپ بلاجھجک کہہ سکتی ہیں آپ سب کی رائے میرے لیے سب سے مقدم ہے۔"

"ہمیں آپ کے سی آر بننے پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن......؟"

"لیکن کیا......؟" تہمینہ کے کہنے پر نوید نے حیرت سے استفسار کیا۔

"جس طرح آپ لوگوں نے ابھی کچھ دیر پہلے ہمیں درخوداعتنا نہیں جانا اس سے ہمیں اندازہ ہوگیا ہے کہ متوقع سی آر صاحب اور باقی مرد حضرات (تہمینہ نے لگے ہاتھوں نوید کے انہیں بیبیوں کہے جانے پر فوراً بدلا اتار) ہمیں کتنی اہمیت دینے والے ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کو سی آر نہیں مانیں گی باقیوں کے لیے بھلے آپ سی آر بن جائیں۔"

"لیکن کیوں؟ ویسے بھی یہ فیصلہ میرا نہیں ہے بلکہ ڈائریکٹر صاحب کا ہے۔" عثمان نے فوراً کہا۔

"ڈائریکٹر صاحب نے سی آر منتخب کرنے کو کہا تھا نا کہ یہ کہ آپ خود ہی سی آر بن جائیں۔"

"اوکے فائن۔ اب آپ کیا چاہتی ہیں؟" عثمان نے نہایت تحمل سے استفسار کیا۔ باوجود اس کے کہ آپ لوگوں نے ہمیں کوئی اہمیت نہیں دی پھر بھی ہم آپ کو ووٹ دیتے ہیں لیکن چونکہ ہمیں اب آپ پر اعتبار نہیں رہا اس لیے ہم چاہتی ہیں کہ جس طرح لڑکوں کی جانب سے آپ سی آر ہیں اسی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی ایک جی آر ہونی چاہیے۔" ثانیہ نے ناراضگی سے پر لہجے میں کہا۔

"لیکن ڈائریکٹر صاحب نے صرف سی آر کے لیے کہا ہے۔" شاہین فوراً بولا۔

"مگر ہمیں جی آر چاہیے دیٹس اٹ۔" لبنیٰ نے دوٹوک انداز میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"اوکے آپ کی بات میں ڈائریکٹر صاحب تک پہنچادوں گا آپ کس کو اپنی جی آر منتخب کرنا چاہتی ہیں۔ یہ آپ ابھی بتادیں۔"

جواباً سب لڑکیوں نے باری باری ایک دوسری کی جانب دیکھا تبھی بالکل اچانک ارم کی نگاہ شگفتہ پر پڑی۔

"ہماری جی آر شگفتہ ہوگی۔" جونہی ارم نے شگفتہ کا نام لیا لڑکیوں کی جانب سے نعرہ بلند ہوا تھا۔

شگفتہ صاحبہ جو یک ٹک ڈائس پر کھڑے عثمان کو گال کے نیچے ہاتھ رکھے دیکھ رہی تھی بوکھلا کر سیدھی ہوئی تھی۔

عثمان نے برا سا منہ بنایا تھا گویا کڑوا کریلا چبالیا ہو۔

"لو جی جن محترمہ کو اپنا ہوش ہی نہیں انہیں اتنی ذمہ دارانہ پوسٹ دی جارہی ہے۔ حد ہوتی ہے یار ان کا کچھ نہیں ہوسکتا۔ عقل سے پیدل لگتی ہیں۔" نوید آہستگی سے عثمان کے کان میں بڑبڑایا۔ جواباً عثمان نے محض گھورنے کے اور کوئی بات نہیں کی تھی۔

شگفتہ ہم آپ کو لڑکیوں کا جی آر بنانا چاہتی ہیں آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"بالکل نہیں مجھے بھلا کیوں اعتراض ہوگا ان فیکٹ یہ تو میرے لیے اعزاز کی بات ہے کہ آپ نے مجھے جی آر چنا۔" اس کی تو باچھیں کھل اٹھی تھیں کیونکہ مقابل عثمان تھا۔

✿......✿✿✿......✿

"چلی جاؤ بیٹا! کیا حرج ہے۔" زبیدہ اظفر سینٹرل ٹیبل پر گلدان رکھتے ہوئے بیٹی سے مخاطب ہوئیں۔

"جی نہیں حرج تو کوئی نہیں ہے ہاں البتہ ان کے گھر جانے میں پرابلم ضرور ہے۔" مہر نے بنائی وی سے نظریں ہٹائے سہولت سے جواب دیا۔

"کیا مطلب...... کیا پرابلم ہے؟" زبیدہ اظفر نے قدرے حیرانگی سے استفسار کیا۔

"افوہ امی آپ جانتی تو ہیں کہ وہاں حشمت انکل ہیں اتنے بردبار اور جاہ وجلال والی شخصیت کے سامنے جاتے ہوئے تو ویسے ہی میری ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں گھر جانا تو درکنار اگر وہ راستے میں کہیں ٹکرا جائیں تو میں راستہ بدل لیتی ہوں کجا کہ گھر جاؤں۔ نو نیور۔" ان کی جانب دیکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

"بہت فضول بولنے لگی ہو آج کل اچھا جاؤ اب۔ دیر ہورہی ہے تھوڑی دیر کی تو بات ہے اور پھر وہ غیر تھوڑا ہی

ہیں، تمہارے......"

"بس، بس پلیز اتنا کافی ہے، میں جاتی ہوں۔" ریموٹ صوفے پر پھینکتے ہوئے وہ قدرے منہ پھیلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس حلیے میں جاؤ گی تم۔" زبیدہ خاتون نے ٹوکتے ہوئے حیرت سے دیکھا۔

"کیوں...... کیا ہوا ہے میرے حلیے کو؟ اچھی خاصی تو ہوں۔" خود پر ناقدانہ سی نظر دوڑاتے ہوئے تیزی سے کہہ کر وہ یہ جا وہ جا۔ زبیدہ اظفر نفی میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم......!" مانوس سریلی آواز میں کیے گئے سلام کا جواب دینے کے لیے جونہی وہ پلٹا سامنے بے زاری شکل بنائے کھڑی مہر کو دیکھ کر سلام کا جواب ادھورا ہی رہ گیا۔

"یہ...... یہاں؟" کسی قدر حیرانگی سے دیکھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں گویا ہوا۔

"نسیم خالہ ہیں گھر میں؟" اس کی مسلسل خاموشی پر اس نے اکتائے ہوئے کسی قدر طنزیہ انداز میں استفسار کیا۔ انداز انتہائی روکھا اور سرد تھا۔

"کیوں......" جواباً اس نے بھی مروت کا مظاہرہ کیے بغیر تھوڑی سی اکڑ دکھانا اپنا فرض سمجھا۔

"اگر آپ بتانا چاہتے ہیں تو بتا دیں، ورنہ ایسا کوئی ضروری بھی نہیں۔"

"جانتا ہوں، تمہارے لیے کچھ بھی ضروری نہیں ہے۔ اینی وے امی اندر ہیں، چلی جاؤ۔" اس کے رویے پر نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس پر سے نظریں ہٹائی تھیں اور آہستگی سے کہہ کر وہ دوسری جانب دیکھنے لگا تھا۔

مہر نے چند پل اس کی جانب دیکھا اور دوسرے ہی پل سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"سنو......" تبھی جانے کس خیال کے تحت اس نے اسے پکارا۔

جواباً اس نے اپنے لب بھینچے اور پھر گہری سانس خارج کرتے ہوئے ذرا سا چہرہ موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"جی...... کہیے۔"

"تمہاری اسٹڈی کیسی جا رہی ہے۔" انداز کسی قدر بے نیازانہ تھا مگر مہر کو اس کا سوال خاصا چبھتا ہوا سا لگا تھا۔

"کچھ خاص نہیں۔" اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

"کچھ خاص کیوں نہیں؟ تم پڑھائی پر توجہ کیوں نہیں دے رہیں۔" اس نے خاصے تمسخرانہ انداز میں اس کی جانب دیکھا تھا۔

"میرا دل نہیں کرتا پڑھنے کو اس لیے میں......"

"تمہارے دل کی ایسی کی تیسی۔ ہر فضول کام میں تمہارا دل لگتا ہے، ابھی ابتداء میں تمہارا یہ حال ہے، تو آگے جا کر کیا کرو گی؟ مجھے نہیں لگتا کہ تم اپنا ایم ایس سی کمپلیٹ کر پاؤ گی، جبکہ ایسا......"

"مجھے خالہ سے ضروری کام ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اندر چلی جاؤں کیا؟" اس سے پہلے کہ اس کا لیکچر مزید طوالت اختیار کرتا اس نے بے زاری سے بات قطع کی تھی۔

"تمہارے خیال میں، میں بکواس کر رہا ہوں؟ یا پھر میرا دماغ خراب ہے جو بھینس کے آگے بین بجا رہا ہوں۔" انتہائی سکون کے ساتھ گہرا طنز کیا تھا۔

"آپ اپنے بارے میں بہتر جانتے ہیں، میں کیا کہہ سکتی ہوں؟" دوسری جانب سے معصومانہ جواب موصول ہوا تھا۔ عثمان کا دل چاہا تھا اپنا سر کسی دیوار پر دے مارے یا پھر اس کا دماغ درست کر دے، مگر ضبط کر گیا۔

"تم جا سکتی ہو، بہت اہم کام ہے نا تمہارا، جاؤ پہلے وہ جا کر کرو۔" انتہائی سرد انداز میں کہہ کر مخالف سمت دیکھنے لگا تھا۔ اس کے کہنے کی دیر تھی، وہ برق رفتاری سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ عثمان نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

"او گاڈ! کیا کروں میں اس لڑکی کا، انتہائی بے وقوف ہیں محترمہ۔" اسے سدھارتے سدھارتے میں ضرور پاگل ہو جاؤں گا۔ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔

❁......❁❁......❁

"میں جارہا ہوں یار۔" ان سب کی معنی خیز سرگوشیوں پر کوفت کا شکار ہوتے ہوئے عثمان نے بالآخر وہاں سے اٹھ جانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا جب تک وہ یہاں بیٹھا رہے گا ان کی سرگوشیوں میں مزید اضافہ ہی ہوگا اسی لیے اکتاہٹ بھرے انداز میں کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ابھی کہاں ڈیئر یہ تو شروعات ہے ابھی سے بھاگنے لگے؟" اس کے یوں اٹھ جانے پر شاہین نے استہزائیہ اس کی ٹانگ کھینچی تھی۔

"شٹ اپ شاہین! زیادہ فضولیات نہیں چلیں گی اوکے۔" شہادت کی انگلی اس کی جانب اٹھاتے ہوئے اس نے اسے وارن کیا۔

تبھی ایم ایس سی کول ٹیکنالوجی ڈیپارٹمنٹ کی گرلز کیفے میں داخل ہوئی تھیں "وہ جی آر کے" وہاب نے جونہی دیکھا اسے زبردست کھانسی کا دورہ پڑا۔ سبھی نے خاصی حیرت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آیا تھا لیکن جونہی عثمان کی نگاہ ان سب پر پڑی وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سب سمجھ گیا تھا۔ اس نے ایک پل کی دیر کیے بنا وہاں سے اٹھنے کی کی تھی۔ نوید نے فوراً اس کے کندھے کو دباتے ہوئے دوبارہ بٹھادیا۔

"کیا یار! اب تم ہر اس جگہ سے بھاگو گے جہاں "وہ" آئے گی؟"

"شٹ اپ نوید میں اس لیے نہیں اٹھ رہا تھا۔" اس نے فوراً اسے جھٹلایا تھا۔

"رئیلی؟" سبھی نے باآواز بلند کورس میں استفسار کیا۔

لڑکیاں یکلخت ان کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا؟" جی آر نے استفسار کیا۔

"ہمیں تو کچھ نہیں ہوا لیکن ہمارے سی آر کو البتہ......" اس سے پہلے کہ تحسین اپنا جملہ مکمل کرتا عثمان نے گھورتے ہوئے اسے مکا دکھایا۔ جس ہستی کو لے کر وہ سب عثمان کو چھیڑ رہے تھے اسے خاصا ناگوار گزرا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا سب کو خوب کھری کھری سنائے مگر نا چاہتے ہوئے بھی ضبط کیے بیٹھا رہا۔ دوسری جانب شگفتہ (جی آر) جان بوجھ کر سی آر کے سامنے کچھ اس انداز سے بیٹھی کہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی نظر اس پر پڑتی رہے اس کی یہ حرکت عثمان سے ہرگز پوشیدہ نہیں تھی۔ اس کے یہ انداز واطوار اس پر خاصے گراں گزرے تھے۔ تبھی اس نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"عثمان مجھے آپ سے تھوڑی ہیلپ چاہیے۔"

"تھوڑی سی کیوں جی آپ جتنی چاہیں ہیلپ لیں۔ ہم حاضر ہیں کیوں عثمان؟"

"میں نے ہیلپ عثمان سے مانگی ہے نوید آپ سے نہیں۔" نوید کے یوں اچانک بول اٹھنے پر شگفتہ نے کسی قدر طنزیہ اور ناگواریت سے کہا۔

"ایکسکیوزمی گائز مجھے ایک ارجنٹ کام یاد آگیا ہے میں کچھ دیر بعد آپ سب کو جوائن کرتا ہوں۔" سب کو مصروف دیکھ کر اس نے یہاں سے اٹھنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

"آپ جارہے ہیں عثمان۔ ایٹ لیسٹ میری بات کا جواب تو دیتے جائیں۔" اس کی بے اعتنائی اور یکسر لاتعلقی نے اسے ازحد تکلیف پہنچائی تھی۔ دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ایم سوسوری مس شگفتہ ایکچوئیلی مجھے بہت ارجنٹ کسی سے ملنا ہے۔ آپ اسامہ سے کہہ دیجیے یہ آپ کی ہیلپ کردے گا۔" اسامہ کو اشارہ کرتے ہوئے اس نے بنا شگفتہ کو دیکھے کہا۔ اسامہ کی تو گویا باچھیں کھل اٹھیں تھیں فوراً اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

❁......❁❁❁......❁

وہ کچھ دنوں کے لیے فارغ تھی۔ اس لیے ایبٹ آباد اپنے ننھیال چلی آئی۔ ویسے بھی وہ اسلام آباد چلی تو گئی تھی مگر وہاں اس کا دل قطعاً نہیں لگ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے جونہی فراغت کے دن میسر آئے وہ یہاں چلی آئی تھی جو بھی تھا اس کا بچپن اور جوانی کے کچھ سال یہاں گزرے تھے۔ وہ اتنی جلدی اسلام آباد سے کیسے مانوس ہوسکتی تھی جب وہاں پر وہاں کی فضاؤں پہ اس دشمن جاں کا اختیار بھی ہو تو پھر کیونکر

وہ......! اس وقت وہ خدیجہ (جو اس کی کزن پلس بیسٹ فرینڈ تھی) کے پاس بیٹھی تھی۔

"کیا ہم کوئی اور بات نہیں کرسکتے خدیجہ؟" انتہائی بے زاری شکل بناتے ہوئے اس نے اسے ٹوکا۔

"نہیں فی الحال میں یہی بات کرنے کے موڈ میں ہوں اور تمہیں میری بات سننی بھی پڑے گی اور اس کا جواب بھی ہر صورت دینا ہوگا۔" مہر نے بڑی کوفت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ تم زبردستی مجھ سے بات کرلوگی؟" اس نے گویا مسخراڑایا۔ انداز ایسا تھا جیسے اس نے کوئی بچکانہ بات کردی ہو۔

"یہی سمجھ لو۔ اگر تم بے زار ہو تو میں مشتاق ہوں۔ اگر میں تمہیں جانتی ہوں تو تم بھی مجھے اچھی طرح سے جانتی ہو۔ میرا نہیں خیال کہ ایک سال کا عرصہ بہت زیادہ ہوتا ہے کہ رویوں میں بدلاؤ آجائے اور وہ بھی فرینڈز کے لیے۔" خدیجہ نے بھی بنا کوئی لگی لپٹی رکھے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

کیا مسئلہ ہے یار؟"

"شرم کرو خدیجہ۔ میں پورے ایک سال بعد آئی ہوں اور تم ہو کہ بنا کوئی حال احوال پوچھے اس فضول سے موضوع کو لے کر بیٹھ گئی ہو۔" اور بائی داوے تمہاری زیادہ سگی میں ہوں یا وہ......؟" اچانک کچھ یاد آنے پر اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے استفسار کیا۔

"جتنی سگی تم ہو ناں اتنا ہی سگا "وہ" بھی ہے۔ لہٰذا اس سگے اور سوتیلے کو چھوڑ کر اصل موضوع کی جانب آؤ۔"

"عثمان کے بارے میں اپنی رائے ہی بتا دو مطلب اب کیا سوچا ہے تم نے؟"

"تم جانتی ہو میں اب اور تب کیا سوچتی ہوں اس کے بارے میں۔" اس نے روکھے اور سرد سے انداز میں جواب دیا۔

"نہیں میں نہیں جانتی۔ تم بتاؤ۔" اس نے تیزی سے بات پکڑی۔

"کچھ نہیں کہا ناں میں نے نہ پہلے ان کے بارے میں کچھ سوچا تھا اور نہ اب کچھ سوچتی ہوں۔" وہ کسی قدر نخوت بھرے انداز میں گویا ہوئی۔

"مجھے بتاؤ کہ تم کیوں اس کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتیں۔" اس نے انتہائی سکون سے استفسار کیا۔

"جس کی سوچ ہی مشکوک ہو جو میرے بارے میں رائے بھی دیتا ہے تو ابنارمل لفظ لگانا نہیں بھولتا' تمہارے خیال میں میں اس کے بارے میں کچھ سوچوں گی۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوسکتا اور تم لوگ بھلے ایڑی چوٹی کا زور لگالو اسے لے کر میری فیلنگز چینج نہیں کرسکتے۔ پہلے والی فیلنگز کوئی معنی نہیں رکھتیں' وہ محض میری جذباتیت تھی اور کچھ نہیں۔" اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے اسے جھٹلایا تھا۔

"ہوں ہوں۔ وہ محض جذباتیت نہیں تھی۔ دراصل وہی حقیقت تھی اور اب بھی ہے' جذباتیت تو اب دکھا رہی ہو تم۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پورے ذوق سے کہا۔

"کیوں؟" اس کے یوں تیزی سے بولنے پر وہ گڑبڑا سی گئی۔

"خدیجہ پلیز! کیا ہم کوئی اور بات نہیں کرسکتے؟ اتنے دنوں بعد تو ملے ہیں ہم اس فضول موضوع کے علاوہ کیا؟" انداز انتہائی بے بس اور لاچار تھا۔

"کب تک راہ فرار اختیار کرتی رہوگی۔ بھاگنا کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔" تبھی اس کے آہستگی سے کہنے پر وہ ٹھٹک کر رکی تھی' دروازے کی سمت بڑھایا ہوا ہاتھ وہیں تھم گیا تھا۔

"جس مسئلے کو حل کرنا مقصود نہ ہو تو اس سے فرار کیسا؟" وہ پلٹی نہیں تھی اسی کے انداز میں جواب دے کر باہر نکل گئی۔ جبکہ خدیجہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔

❁......❁❁❁......❁
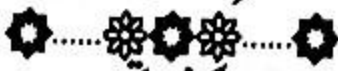
"مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی نوید۔ جانتے بوجھتے ایسی حرکتیں کرتے ہو۔" کسی قدر روٹھے لہجے میں اس نے نوید سے گلہ کیا۔

"کیا مطلب......میں نے اب کیا کردیا ہے؟"

"کیا ابھی تم نے مس شگفتہ سے نہیں کہا کہ عثمان اپنے ہاتھوں سے آپ کو نوٹس بنا کردے گا' بلکہ یہی نہیں ایک گھنٹہ

ایکسٹرا بھی دے گا۔‘‘ وہ استفسار کررہا تھا۔

’’اچھا وہ..... یار وہ تو بس مذاق تھا‘ تھوڑا سا ویسے بھی اب کچھ ہی ماہ رہ گئے ہیں۔ ایسے خوب صورت دن جانے کب آئیں۔ سوچا تھوڑا انجوائے کرلیا جائے۔ بس اس لیے تھوڑا سا.....‘‘

’’بس اس لیے تھوڑا سا..... یہ تم کہہ رہے ہو نوید آئی ڈونٹ بلیو دس۔ صرف انجوائے منٹ کے لیے آپ لوگ کسی کے جذبات کے ساتھ کھیلو گے۔ وہ بھی ایک لڑکی‘ تم جانتے ہو لڑکیاں کتنی جذباتی ہوتی ہیں۔ ذرا سی حوصلہ افزائی پر جانے کیسے کیسے خواب بننے لگتی ہیں؟ ذرا ذرا سی بات کو دل سے لگالیتی ہیں اور نتیجہ کیا نکلتا ہے‘ قصور ہوتا ہے دونوں کا لیکن بھگتنا صرف لڑکی کو پڑتا ہے۔ جن لمحوں کو لوگ انجوائے منٹ کا نام دیتے ہیں‘ وہ اس لڑکی کے لیے ساری زندگی کا عذاب بن جاتے ہیں۔ ہنہ بس تھوڑا سا انجوائے!‘‘ دونوں ہاتھوں کو جھٹکتے ہوئے اس نے نوید کو شرمندہ کیا۔

’’آئی ایم ریئلی ویری سوری یار۔ میں نے اس پوائنٹ پر بالکل نہیں سوچا تھا۔‘‘

’’مجھے سوری کہنے سے کیا ہوگا یار۔ وہ جانے کیا سوچ چکی ہوگی۔ تم ان لڑکیوں کو نہیں جانتے عقل کا استعمال بہت کم کرتی ہیں‘ بس جذبات کی رو میں بہتی چلی جاتی ہیں۔‘‘

’’کیا بات ہے عثمان صاحب‘ مس شگفتہ صاحبہ کے لیے آپ کے دل میں اتنا احترام وہ بھی.....‘‘

’’شٹ اپ‘ ہم پر ہر خاتون کا احترام واجب ہے‘ نا کہ صرف مس شگفتہ کا۔‘‘

’’تجھ سے یہ امید قطعی نہیں تھی‘ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں پہلے ہی کمٹڈ ہوں‘ پھر بھی مجھے کسی اور میں انوالو کرنے کی کوشش‘ چہ معنی دارد۔‘‘

’’سوسوری یار‘ آئی واز جسٹ جوکنگ‘ اب بار بار کہہ کر شرمندہ تو نہ کر اچھا یہ بتا اسلام آباد کب جارہے ہو؟‘‘

’’کل جاؤں گا ممکن ہے ایبٹ آباد کا چکر بھی لگاؤں۔‘‘

’’ہوں تو جناب پیچھا کررہے ہیں۔‘‘ وہ معنی خیزی سے گویا ہوا۔

’’مجھے ماموں نے کسی کام کے سلسلے میں بلوایا ہے‘ ہر بات کو اپنے مطلب کے معنی مت پہنانے لگ جایا کر‘ اب چل اٹھ۔‘‘ اس کی بات پر وہ محظوظ ہوا تھا مگر اس سے چھپا گیا۔

’’کہاں؟‘‘

’’مارکیٹ کا پروگرام ہے..... اچھا چل اگر تجھے یاد نہیں تو.....‘‘ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کافی آگے نکل گیا تھا‘ وہ بدحواس سا فائل اٹھائے اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

❁.....❁❁❁.....❁
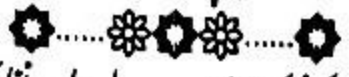
تیری غفلتوں کو خبر کہاں‘ میرے حال دل پر نظر کریں
تو جن کی حد میں نہ آسکا‘ میں وفا کی حد سے گزر گیا

اتنی گھمبیر اور کسی قدر مانوس سی آواز پر اسے یکلخت جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ واقعتاً چونکی تھی۔ چاہنے کے باوجود اس نے سر اوپر نہیں اٹھایا تھا۔ وہ آنے والے کو فوراً پہچان گئی تھی۔ مگر حیرت اس کی یہاں موجودگی پر تھی۔

’’کیسی ہو؟‘‘ اس کی مسلسل خاموشی پہ چند پل اس نے بغور اس کے جھکے سر کو دیکھا اور دھیرے سے مسکرادیا۔

’’اللہ کا شکر ہے۔‘‘ بڑا نپا تلا سا انداز تھا۔

عثمان کے چہرے پہ مسکراہٹ [illegible] دیکھ رہی تھی۔ اس کی خوشی اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔

’’اتنی مروت تو بہرحال ہر انسان میں ہوتی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے دشمن سے بھی حال احوال دریافت کرتا ہے۔‘‘

’’میں بے مروت ہوں یہ شاید ہر کوئی بہت اچھے سے جانتا ہے۔‘‘ اس نے بنا سر اٹھائے رکھائی سے کہا۔

’’بدلنے میں زمانے تو نہیں لگتے شاید۔‘‘ اس نے سوال کیا۔

جب کوئی بدلنا نہ چاہے تو بھلے صدیاں بیت جائیں۔‘‘ انداز خاصا معنی خیز تھا۔ مگر اسے لاجواب نہ کرسکا۔

’’بدلنا تمہارے اختیار میں ہے کیا؟‘‘ اس کے منہ سے یونہی نکلا۔ مگر مہر نے سر اٹھا کر اس کی جانب تمسخرانہ انداز میں دیکھا تھا۔

"بالکل ہے!"

"تو پھر بدل جاؤ۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"کیوں! کس لیے؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"میرے لیے......" وہ اپنے جواب سے خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"جب میرا آپ سے کوئی واسطہ ہی نہیں تو آپ کیونکر ایسا سوچ سکتے ہیں کہ میں آپ کے لیے بدلوں۔" وہ استہزائیہ مسکرائی۔

"واسطہ تو بہت گہرا ہے پر ہاں انجان بننا بھی کوئی مشکل نہیں۔"

"ایب نارمل لوگوں کا نارمل لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ یاد رہے یہ آپ کا ہی قول ہے شاید۔"

"کہنا اور سمجھنا دو مختلف الفاظ ہیں یہ بھی لوگوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔"

"کہنے اور سمجھنے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کوئی بھی جب کسی کے لیے کوئی کمنٹ دیتا ہے تو اسے کچھ سمجھ ہوتی ہے تو کہتا ہے ناں۔ بنا سوچے سمجھے کوئی اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتا۔" اس نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے نخوت سے کہا۔

"بنا سوچے سمجھنے والے بے وقوف کہلاتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے آپ خود کو بے وقوف تسلیم کررہے ہیں؟" اس نے استہزائیہ استفسار کیا۔

"ہاں بالکل۔" چہرے پر بظاہر سنجیدگی جبکہ آنکھوں میں بے تحاشا شرارت کھیل رہی تھی۔ جسے وہ محسوس کیے بنا نہ رہ سکی وہ چڑ سی گئی اور تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیوں...... جواب پسند نہیں آیا کیا؟" لہجے میں ہنوز شرارت پنہاں تھی۔

"مجھے کام ہے۔" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔

"سنا ہے جب انسان لاجواب ہوتا ہے تو اسے ایسے ہی کام نظر آنے لگتے ہیں تم بھی لاجواب ہوگئی ہو کیا؟" وہ زیر لب مسکرایا۔ مہر نے خاصے غصے سے اس کی جانب دیکھا اور بنا کوئی جواب دیے پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل گئی۔

❁......❁❁❁❁......❁

"ایکسکیوز می اسامہ!" وہ اس وقت لائبریری میں بیٹھا اپنے کچھ نوٹس کمپلیٹ کررہا تھا تبھی کسی کی نسوانی کوئل سی آواز پر اس نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا اور اپنے مقابل کھڑی شگفتہ کو دیکھ کر بدحواس سا اٹھ کھڑا ہوا چہرے پہ گویا اسے دیکھ کر ست رنگی دھنک بکھر گئی تھی۔

"جی کہیے مس شگفتہ۔" اس کے مؤدب انداز پر شگفتہ ازحد متاثر ہوئی تھی۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں عثمان کہاں ملیں گے؟" وہ جھجکتے ہوئے استفسار کررہی تھی جبکہ اسامہ نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں...... یہ بھی ہماری قسمت......"

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟" اس کے یوں بڑبڑانے پر وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔

"آں ہاں جی میں کہہ رہا تھا کہ...... عثمان آج یونیورسٹی نہیں آیا۔ آپ کو کوئی کام تھا کیا؟" بتاتے ہوئے استفسار کیا۔

"آں...... جی کام تو تھا مگر...... چلیں میں کل ان سے مل لوں گی۔"

"مگر وہ تو کل بھی نہیں آئے گا۔ ان فیکٹ وہ اب نیکسٹ ویک ہی آئے گا وہ اپنے گھر گیا ہوا ہے۔" آج پہلی بار تو وہ اس سے تفصیلاً بات کررہی تھی۔ اسی لیے وہ بات سے بات نکال رہا تھا۔

"اگر کوئی پرابلم ہے تو مجھے بتایئے میں شاید......"

"نو نو اٹس اوکے مجھے انہی سے کام تھا تھینکس اینڈ آئم سوری کہ میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے اس نے کسی قدر روکھائی سے کہا اور بنا کچھ کہے واپس چلی گئی۔ جبکہ اسامہ دل مسوس کر رہ گیا۔

❁......❁❁❁❁......❁

موسم بدلنا شروع ہوگیا تھا۔ گرمی کی شدت میں کمی آگئی تھی ہوا میں خنکی سی تھی ہوا کے سرد جھونکے موسم کو خوش گوار بنا دیتے تھے مہر تو پہلے ہی وہیں تھی سونے پہ سہاگا عثمان بھی

آ گیا تھا۔ سب کزنز کی تو گویا موجیں ہوگئی تھیں۔ تبھی سب نے آؤٹنگ کا پروگرام بنالیا تھا۔ مہر کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ عثمان بھی ساتھ جارہا ہے۔ کیونکہ وہ کسی سے ملنے باہر گیا ہوا تھا' وہ بڑے خوش گوار موڈ کے ساتھ تیار ہوئی تھی' لیکن جونہی وہ باہر آئی اور گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر عثمان کو براجمان پایا تو ٹھٹک کر رک گئی۔

''کیا ہوا مہر؟ بیٹھو یار' دیر ہورہی ہے۔'' خدیجہ سمجھ تو گئی تھی مگر محسوس نہ ہونے دیا اور سہولت سے کہا۔ سب کی موجودگی نے اسے کچھ بھی غلط کہنے سے روک دیا تھا۔ نہایت ضبط سے اپنے لب بھینچ کر دوسرے ہی لمحے گویا ہوئی۔

''ایم سوری میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جاسکوں گی' اچانک مجھے یاد آیا ہے ابو نے کال کرنی تھی۔ میں ضرور چلی جاتی بٹ کال میرے لیے زیادہ امپورٹنٹ ہے۔'' اس نے اپنے طور مضبوط بہانہ بنایا تھا۔

''جو امپورٹنٹ کال آنی تھی ناں' وہ تم ابھی سن کر آرہی ہو۔ سو پلیز زیادہ بہانے بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ شرافت سے گاڑی میں بیٹھو شاباش۔'' خدیجہ کے نہایت میٹھے انداز میں طنز کرنے پر اس نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا تھا جس کی اس نے قطعاً پروا نہ کی تھی۔

جبکہ عثمان خاصا محظوظ ہوا تھا۔ مسکراہٹ ضبط کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ مہر کی نظر جونہی اس کی شرارت سے بھرپور مسکراہٹ پر پڑی اس کے گویا سر پہ لگی تلووں پہ بجھی تھی۔

''میرا دل نہیں کررہا میں نہیں جارہی۔'' اس نے بنا کسی لحاظ کے فوراً کہہ دیا۔

''خاموشی سے گاڑی میں بیٹھو ورنہ...... مجھے جانتی تو ہو ناں؟'' خدیجہ نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔

وہ لب بھینچتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی اور دروازہ احتجاجاً زور سے بند کیا تھا۔ پورا راستہ وہ جھنجلاتی رہی تھی کیونکہ مرر میں عثمان کی شریر نظریں بار بار اس کی نظروں سے ٹکرارہی تھیں جو اسے ازحد کوفت میں مبتلا کررہی تھیں۔

پکنک پوائنٹ پر پہنچ کر اس نے گاڑی سے نکلنے میں ایک پل نہیں لگایا تھا۔ سب کو نظر انداز کیے ایک طرف چل دی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کوئی اس کے پیچھے آرہا ہے یا نہیں۔ وہ عثمان کی نظروں سے پیچھا چھڑائی بھی یہاں اور کبھی وہاں گھومتی رہی' باقی سب کہاں ہیں' اس نے کوئی توجہ نہ دی تھی۔ ایک تو زبردستی لائے جانے کا غصہ' دوسرا جو عثمان کے سامنے اس کی سبکی ہوئی' وہ خفگی علیحدہ تھی۔ کسی نے آ کر اسے تنگ نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ خدیجہ نے بھی نہیں اور اس بات کا اسے غصہ تو تھا ہی' غم زیادہ تھا۔

دفعتاً اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔ اس نے سرعت سے مڑ کر دیکھا تو دور دور تک کسی کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ وہ واقعتاً مضطرب سی ہو اٹھی تھی۔ اسے احساس ہورہا تھا وہ اپنی جذباتی طبیعت کے باعث کیا غلطی کر بیٹھی ہے' ساتھ ہی ان سب کی بے پروائی' بے حسی اور خود غرضی پہ غم وغصے کی شدید لہر سرائیت کرگئی تھی۔ آنسو پھسل پھسل کر گالوں پر آرہے تھے۔ پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ ڈھے سی گئی۔

''اگر میں اتنی ہی غیر اہم تھی تو مجھے لے کر کیوں آئے؟''

''تم غیر اہم نہیں ہو۔ مگر تمہاری سوچ کو بدلنا شاید کسی کے بس میں نہیں ہے۔'' وہ یکلخت ٹھٹکی اور جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ اپنی پھولی ہوئی سانسوں کو ہموار کرتے ہوئے اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔

''آ...... آپ؟''

''شٹ اپ......'' اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی عثمان نے کسی قدر ناگواریت سے ٹوکا۔

''تم سمجھتی کیا ہو خود کو ہاں۔ اپنی بے وقوفیوں اور نادانیوں کو لے کر خود کو عقل کل سمجھتی ہو کیا؟ یا پھر تمہیں کوئی بہت بڑی خوش فہمی لاحق ہے کہ تمہارے ہر فعل پر تمہیں شاباشی دی جائے گی۔ یا پھر تمہیں بنا کسی روک ٹوک کے ہر فیصلہ کرنے اور ہر غلط قدم کی اجازت دی جائے گی۔ تمہیں مجھ سے پرابلم ہے ناں؟ تو پھر دوسروں کو اس کی سزا کیوں؟ یہاں

محترمہ اپنے ہی جذباتی قدم پر دوسروں کو کوستے ہوئے خود کے غیر اہم ہونے پر سوگ منا رہی ہیں اور وہاں...... وہ آپ کے لیے پاگل ہوئے پھر رہے ہیں' گھنٹے بھر سے تم اس ویرانے میں گھومتی پھر رہی ہو اور میں جو تمہیں پاگلوں کی طرح آوازیں دیے جا رہا تھا' مگر تمہیں سنائی کہاں دیتا ہے کچھ' تمہارے دماغ کی جانے اور کتنی کلیں ہیں جو سیدھی ہونے میں ہی نہیں آ رہیں۔ خود کو تو خوار کرتی ہی ہو۔ دوسروں کو بھی......" اس کی برداشت کی حدوں کو چھوتی ہوئی شکل کو دیکھ کر اس کے اندر اشتعال سا اٹھا تھا' وہ ضبط سے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا اور بنا کچھ کہے آگے بڑھ گیا۔ اسے ساتھ آنے کو اس نے بالکل نہیں کہا تھا۔ اتنی امید تو اسے بہرحال تھی ہی کہ وہ اتنی بھی بے وقوف نہیں۔

شاید میں ہی پاگل ہوں صحیح کہتے ہیں سب میں ایک پتھر کے ساتھ سر پھوڑ رہا ہوں' جس کا تا حال کوئی فائدہ ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ خود کو سمجھاتے اور خود کو ہی کوستے ہوئے اسے دفعتاً کچھ احساس ہوا تھا' وہ اکیلا ہی چلا جا رہا تھا۔ مڑ کر دیکھا تو وہ اس ہی جگہ پر ساکت کھڑی زمین کو گھور رہی تھی۔ اسے یوں ساکت وجامد دیکھ کر اسے ازحد غصہ آیا۔ وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے لمبے ڈگ بھرتا اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

"تم پاگل ہو یا پھر تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری بے وقوفی اور احمقانہ حرکتوں پر تمہیں میڈل پہناؤں گا؟ اب آپ چلنا پسند فرمائیں گی یا میں جاؤں۔ کیونکہ یہاں کا رستہ بہت کم لوگوں کو ازبر ہے۔" بہت کچھ جتاتے ہوئے اس نے فیصلے کا اختیار اسے دیا۔

وہ بنا کچھ کہے سست روی سے اس کے پیچھے چل دی۔ عثمان اس کے قدموں کی آہٹ کا ہی منتظر تھا' جونہی اس نے قدم آگے بڑھائے اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

❁......❁❁❁❁......❁
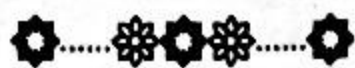
"دیکھیے عثمان آپ......؟"

"مس شگفتہ آپ یہ بات ذہن نشین کر لیجیے' میں لڑکیوں کی بہت عزت کرتا ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ اپنی حدود و قیود کا احترام کرتے ہوئے مجھے اسی نظر سے دیکھئے جیسے باقی کلاس فیلوز دیکھتی ہیں۔" یہ آپ کے حق میں بھی بہتر ہوگا اور میرے حق میں بھی۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے اس نے کسی قدر سرد و کرخت لہجے میں کہا تھا حالانکہ یہ اس کا خاصا ہرگز نہیں تھا۔

"آئم سوری عثمان لیکن شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"مجھے تو بس آپ سے کچھ نوٹس چاہیے تھے......" اس نے کسی قدر حیرانگی سے اس کے رویے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نوٹس......! اوہ آئم ریئلی ویری سوری' میں کچھ اور سمجھا تھا۔ اینی وے آپ نوٹس لے لیجیے گا' میں لائبریری میں ہی ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا۔ جبکہ شگفتہ......! اس کی باتوں کو اپنی منشا کے مطالب تلاش کرتی مسرور سی ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔

❁......❁❁❁❁......❁

وہ ایف ایس سی کی اسٹوڈنٹ تھی جب اسے علم ہوا کہ وہ اپنے سگے خالہ زاد عثمان سے انگیجڈ ہے۔ ان دنوں یہ لوگ ایبٹ آباد میں مقیم تھے۔ جبکہ عثمان کی فیملی شروع سے ہی اسلام آباد میں رہائش پذیر تھے۔

مہر کے فادر بیرون ملک ہوتے تھے مہر کے ہوتے ہوئے شاید ایک مرتبہ پاکستان آئے تھے' اس کے بعد فون کے ذریعے ہی رابطہ ہوتا تھا' مہر کا ددھیال نہیں تھا' وہ اپنی امی کے ساتھ اپنے ننھیال میں ہی رہتی تھی۔

عثمان خوبرو نوجوان تھا' خاصا ہینڈسم وڈیشنگ پرسنالٹی کا مالک' عثمان کو اپنے منگیتر کے روپ میں دیکھ کر فطری طور پر اس کے منجمد جذبات میں گویا ہلچل سی مچ گئی تھی۔ کچھ کالج لائف اس پر لڑکیوں کی رنگ برنگی باتوں کا اثر اور کچھ عثمان کی بارعب پرسنالٹی کا کمال تھا کہ وہ اپنے منہ زور جذبوں کی شورش میں بہتی چلی گئی۔ یہ تک فراموش کر گئی کہ جس انسان کے لیے وہ اپنے دل میں پنپتے ہوئے جذبوں کو پذیرائی دے رہی ہے اس نے کبھی اس کی جانب دیکھنا بھی گوارا کیا یا نہیں؟ اسے دیکھنے کی چاہ بھی کہ نہیں؟ جیسے اس کا اسے

دیکھنے کو دل مچلتا تھا۔ کیا اس کا بھی اسے دیکھنے کو دل مچلتا ہے یا نہیں؟

مگر......! اس کے برعکس عثمان کی فیلنگز کچھ اور تھیں، جس روز اسے اس حقیقت کا علم ہوا تھا، وہ تو گویا گہرے صدمے کی زد میں آ گیا تھا۔ وہ شاکڈ تھا، اسے یہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ یہ سب ہوا تو کیوں؟ کس کی منشاء پر؟ اسے تو لگا تھا کسی نے دھماکے سے اسے اڑا دیا ہو، اتنا شاکڈ تھا وہ حیران بے یقین تھا۔ اس شاکنگ نیوز کا جواب لینے وہ اپنی ماں کے سر پر پہنچ گیا تھا۔

"امی جو کچھ میں نے سنا ہے کیا وہ سچ ہے؟" (ان دنوں وہ امی کو لے کر ایبٹ آباد آیا ہوا تھا۔ وہیں کزنز کے چھیڑنے پر اسے اس اندوہناک حقیقت کا علم ہوا تھا)

"اب مجھے کیا پتا تم نے کیا سنا ہے؟" وہ میگزین کی ورق گردانی کرتے ہوئے اپنے چشمے کو ذرا سا اوپر کرتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"امی پلیز کہہ دیجیے کہ یہ سچ نہیں ہے۔ میں از حد اپ سیٹ ہوں۔" وہ کسی قدر مضطرب و بے چین تھا۔

تبھی انہوں نے میگزین بند کرتے ہوئے سائیڈ پر رکھا۔

"کیا بات ہے بیٹا، کھل کے بات کرو۔ کیوں اپ سیٹ ہو؟" اب کہ وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے مہر کے ساتھ میری منگنی کر دی ہے؟" اس کے لہجے اور انداز میں محسوس کی جانے والی بے چینی و اضطراب تھا۔ خالہ کے کمرے کی جانب آتی ہوئی وہ ٹھٹک کر رکی تھی۔ اپنا نام سن کر وہ وہیں اوٹ میں ہوگئی۔ فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اندر ہوتی بحث سننے لگی جو اس کی ذات سے وابستہ تھی۔ انہوں نے بغور اپنے بیٹے کی جانب دیکھا تھا، جس کے تاثرات کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہے تھے۔

"ہاں یہ سچ ہے! تم دس سال کے تھے جب تمہارے نانا اور باقی سب کی مرضی سے یہ رشتہ......"

"واٹ آپ نے میری منگنی کردی وہ بھی اس لڑکی کے ساتھ جو پاگل سائیکو اور ال مینرڈ ہے۔ جسے نہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ ہے اور نہ اٹھنے بیٹھنے کی تمیز اس کے ساتھ آپ نے میری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ منسوب کردیا۔ وہ بھی اس ایج میں جب میں نابالغ تھا' مجھے سمجھ نہیں آتی ہمارے بڑے ہماری کم عمری اور ناسمجھی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنے بڑے بڑے فیصلے کردیتے ہیں۔ یہ سوچے بنا کہ یہ ان کے ساتھ کتنی بڑی ناانصافی ہورہی ہے' اپنی محبتوں کا خراج مانگتے ہوئے بلیک میل کررہے ہوتے ہیں' یہ سوچے بنا کہ جس کی انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا' جسے اچھے اور برے صحیح اور غلط کا فرق کرنا سکھایا تھا اسے از خود دھوکا دینے کا سبق سکھا رہے ہوتے ہیں اس سب کے برعکس آپ خود اچھی طرح جانتی ہیں مجھے بھی اور اس ابنارمل سی مہر اظفر کو بھی۔ میرا اور اس کا کسی بھی لحاظ سے کوئی جوڑ نہیں بنتا آپ نہیں جانتی کتنی ایبنارمیلٹی پائی جاتی ہے محترمہ میں اور میں......!"

"اسٹاپ عثمان! برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے' میں اگر خاموشی سے سب سن رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم کچھ بھی بولتے جاؤ' میں اگر سن رہی تھی تو محض تمہارے دل کی بھڑاس نکلوانے کے لیے ورنہ میں تمہیں بھی اچھی طرح جانتی ہوں اور مہر کو بھی۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں تم کتنے نارمل ہو اور وہ کتنی سائیکو وہ بچی ہماری پسند ہے ہر صورت وہی ہماری بہو بنے گی۔ یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔ چاہے تم اسے ہماری محبتوں کا خراج تصور کرتے ہوئے بلیک میلنگ کا ذریعہ سمجھو اور بھلے اسے ایبنارملیٹی کا خطاب دیتے ہوئے سرعام اعلان کرتے پھرو اور ہاں کچھ دنوں بعد تمہارا اس کے ساتھ نکاح ہے' اس بات کو ذہن میں رکھ لو...... دیٹس اٹ۔" انہیں غصہ بہت کم آتا تھا' مگر جب آتا تھا تو بہت شدید آتا تھا' اور غصے میں کیا بولنا ہے کیا نہیں وہ کچھ نہیں سوچتی تھیں۔ اور نہ ہی اگلے بندے کو کچھ بولنے کا موقع دیتی تھیں۔ ابھی بھی یہی ہوا تھا' جس بات کو ابھی تک راز میں رکھا گیا تھا' وہ سامنے آ گئی تھی۔ جبکہ عثمان ان کے اس انکشاف پر ہکا بکا کھڑا انہیں دیکھے جارہا تھا۔

"امی...... آپ میرا نکاح کررہی ہیں۔ اس سائیکو کے ساتھ' وہ اس قابل ہے کہ میں اپنی ساری زندگی اس کے ساتھ برباد کردوں آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں؟"

"بس عثمان بہت ہوگیا' اگر مجھے پہلے پتا ہوتا کہ تم اس کے بارے میں ایسی سوچ رکھتے ہو تو میں کبھی ایسا فیصلہ نہ ہونے دیتی۔"

"ابھی کون سا دیر ہوگئی ہے' منگنی ہے تو ہوئی ہی' جس کی فی زمانہ کوئی حیثیت نہیں' اور اب جبکہ آپ کو پتا چل گیا ہے کہ آپ کا بیٹا اس مس یونیورس کے لائق نہیں تو کیوں اس کی زندگی خراب کرنا چاہتی ہیں۔ منع کردیں' میں اس کے لائق نہیں کوئی اور لائق کھونٹا دیکھ کر انہیں باندھ دیجیے' کم از کم میں تو نہیں......" ان کی بات نے تو گویا اسے پتنگے لگادیئے تھے۔ اس کے اندر آگ سی لگادی تھی' وہ مشتعل سا ہوا اٹھا تھا اور بنا ان کی جانب دیکھے ان کی کچھ بھی سنے برق رفتاری سے نکلتا چلا گیا۔ اس پل اس کے دماغ میں گویا جھکڑ سے چل رہے تھے۔ سب کچھ جیسے طوفان کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کی تو گویا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوگئی تھی۔ تیزی سے باہر نکلتے ہوئے اسے یکدم جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ ٹھٹک کر رکا۔ غصے کی حالت میں تیزی سے گزرتے ہوئے اس نے قطعی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ کسی کے نازک پاؤں کو اپنے بھاری شوز تلے کچلتا چلا گیا ہے۔ علم تو جب ہوا جب درد کی شدت سے کراہتے ہوئے ہزار ضبط کرنے کی کوشش میں بھی سسکی نہیں روک پائی تھی اور اس نے بادل نخواستہ پلٹ کر دیکھا تھا اور جسے دیکھا تھا اس نے تو گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

"ہنہ ایڈیٹ' پاگل اور سائیکو تو لگتی ہی تھیں آج علم ہوا کہ کن سوئیاں لینے کی عادت بھی ہے محترمہ میں' ہنہ۔ ان کا انتخاب کیا گیا ہے میرے لیے۔" اسے حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سخت الفاظ سے نوازتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا۔ جبکہ اس کا دل چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے' آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

تب نکاح نہیں ہوا تھا' کیسے اور کیوں؟ یہ اسے بالکل علم نہیں تھا اور نہ ہی وہ جاننا چاہتی تھی' اس نے تو شکر کیا تھا کہ بلا خود ہی سر سے ٹل گئی۔ اس نے اس پورے عرصے میں عثمان کو ٹوٹ کر چاہا تھا' بے پناہ محبت کی تھی' جب اسے علم ہوا تھا کہ عثمان کے ساتھ اس کا مستقبل وابستہ ہونے جارہا ہے اسے لگا ہفت اقلیم ہاتھ لگ گئی ہو' عثمان بہت خوبرو انسان تھا' وہ کسی کا بھی خواب ہوسکتا تھا' مگر اس کا نہیں...... بقول عثمان کے کہ وہ سائیکو' پاگل اور ال مینرڈ تھی اور حقیقتاً وہ ایسی ہی تھی' اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ وہ عام سی شکل وصورت والی تھی' ایسی ہرگز نہیں تھی کہ اگر کوئی دیکھتا تو دیکھتا رہ جائے۔ اس کے باوجود عثمان کے ساتھ تعلق اس کے لیے تو گویا مخمل میں ٹاٹ کے پیوند کے مصداق تھا' وہ پہروں اسے سوچتی رہتی۔ علم تو اسے اب ہوا تھا جسے سپنوں میں اپنے ہمراہ چلتے ہوئے دیکھتی تھی' وہ تو سرے سے ہی لاعلم ہے اس کے بارے میں وہ کیا سوچتا ہے' کیا رائے قائم کرتا ہے اس کے بارے میں بولتے ہوئے کتنی حقارت تھی اس کے لہجے میں' کتنی نفرت سے اس کا ذکر کرتا ہے' وہ تو واقعی پاگل تھی جو سپنے بنتے ہوئے یہ بھول گئی کہ اکثر سہانے خوابوں کی تعبیریں سہانی نہیں ہوتیں' لیکن آج وہ اچھی طرح جان بھی گئی تھی اور مان بھی گئی تھی۔

اس نے عثمان کے بارے میں سننا اور سوچنا چھوڑ دیا تھا مگر بالکل غیر ارادی طور پر خود کو اس کے قابل بنانے کے لیے نہیں بلکہ خود کو ویل مینرڈ ثابت کرنے کے لیے بدلنے لگی تھی' وہ خود کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ جسے پاگل اور سائیکو کہہ کر ریجیکٹ کیا گیا ہے وہ سوبر اور ویل مینرڈ ہے' اسے کوئی بھی یونہی منہ اٹھا کے بنا اس کے جذبات کی پروا کیے کچھ بھی سنا کے نہیں جاسکتا' اور اس نے خود کو اس قابل بنا بھی لیا تھا۔

٭......٭٭......٭

وہ بی ایس کے فرسٹ ایئر میں تھی جب اسے ایک دھماکا خیز نیوز ملی۔

عثمان اور مہر کا نکاح ہورہا ہے وہ بھی عثمان کی مکمل رضامندی کے ساتھ۔ کسی نے اس کی رضامندی لینے کی کوشش نہیں کی تھی' بنا اس سے پوچھے تاریخ طے کردی تھی۔ اس کی عزت نفس کو مٹی میں ملادیا گیا تھا۔ اس کے جذبات کی پروا کیے بنا اتنا بڑا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔

''امی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' اس کا پورا حق تھا احتجاج کرنے کا۔

''کیا بات ہے مہر! طبیعت تو ٹھیک ہے نا بیٹا۔'' وہ حسب معمول پریشان سی اس کی جانب بڑھی تھیں اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چیک کرنے لگیں۔

''امی میں ٹھیک ہوں پلیز۔'' اس نے ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے مضطرب سے انداز میں کہا۔

''طبیعت ٹھیک ہے تو اتنی ڈسٹرب کیوں لگ رہی ہو کوئی بات ہوئی ہے کیا؟''

''کوئی بات امی؟ اتنی بڑی بات ہوگئی ہے اور اب بھی آپ کہہ رہی ہیں کوئی بات ہوئی ہے۔ آپ میرا نکاح کرنے جارہی ہیں اور ڈیٹ بھی فکس کردی ہے؟''

''ارے ہاں' کل آپا کا فون آیا تھا' وہ لوگ نکاح کی تاریخ مانگ رہے تھے' میں نے تو کہا کہ کچھ دن ٹھہر جائیں تمہارے ایگزیمز چل رہے ہیں مگر مان کر نہ دیں' کہہ رہی تھیں عثمان اتاؤلا ہوا جارہا ہے' اوپر سے انہوں نے تمہارے ابو سے بھی رضامندی لے لی ہے' مجھے بھی فون کردیا کہ تاریخ دے دوں' اب میں کیا کرتی سب کی مشترکہ مرضی......''

''مشترکہ مرضی...... اور میری مرضی کی کوئی وقعت کوئی حیثیت نہیں؟ ڈیٹ فکس کرنے سے پہلے میری مرضی میری رضامندی لینے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ کیا میری رائے اتنی غیر اہم تھی' میری زندگی کی ڈور اس شخص کے ساتھ جوڑنے جارہے ہیں جس کے لیے میں ایک سائیکو اور ال مینرڈ لڑکی ہوں۔ اس لائق فائق انسان کے لیے ایک میں ہی رہ گئی ہوں کیا؟''

''بیٹا یہ سب اس نے محض تمہیں سنانے کے لیے کہا تھا'

تاکہ تم خود کو بدلو۔ یہ جو تم اول جلول حلیے میں گھومتی رہتی تھیں، اسے چڑ ہوتی تھی یوں تو تم کسی کی سنتی نہیں تھیں اسی لیے اس نے یہ راہ ڈھونڈی تاکہ......"

"مجھے سدھارنے کے لیے دل و روح کو چھلنی کردینے والے الفاظ استعمال کیے، مجھے بدلنے کے لیے میری عزت نفس کو مجروح کیا' آپ ہی بتایئے امی! اگر وہ ایسے ہی مجھے خود کو بدلنے کے لیے کہتا تو کیا میں نہ بدلتی؟"

"ہاں' کیونکہ تمہیں جب بھی کوئی کچھ کہتا تھا تم اگنور کردیتی تھیں۔" انہوں نے فوراً بات کاٹی تھی۔

"آپ کی بات اور ہے امی! جب آپ کہتی تھیں تو مجھے لگتا تھا آپ باقی سب ماؤں کی طرح اپنی بیٹی کے لیے کچھ زیادہ ہی پوزیسو ہورہی ہیں۔ بہرطور اس نے جو کیا وہ مجھے برا لگا بہت برا' اس نے میرے دل کو بہت زیادہ ٹھیس پہنچائی ہے اور یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں جب دل میں ایک بات ٹھہر جائے تو ہر چیز بری لگتی ہے' جب ایک بار چہرہ دھندلا جائے تو اسے صاف شفاف دیکھنے کی حسرت بھی معدوم ہوجاتی ہے۔ مجھے عثمان سے نکاح نہیں کرنا' یہ میرا حتمی فیصلہ ہے آپ بھی سن لیجیے اور باقی سب کو بھی انفارم کردیں۔" اس کے اٹل انداز پر وہ دل پر ہاتھ رکھ کر وہیں ڈھے گئی تھیں۔ مہر نے قدرے چونکتے ہوئے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا ہوا امی! آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟" وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی تھی۔ انہوں نے محض سر ہلایا۔

"دیکھو مہر اگر تم نے انکار کرنا ہے تو سو بار کرو لیکن اتنا یاد رکھنا اس انکار کی وجہ سے میرے اندر جو آندھی طوفان سر اٹھا رہے ہیں وہ بربادی و تباہی لے کر آئیں گے' یہ نہ ہو کہ ایک ذرا سی بات کی پھانس لیے تم ساری زندگی کے پچھتاوے خرید لو۔"

"کیا مطلب امی! مجھے سمجھ نہیں آئی آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"دیکھو مہر تم اچھی طرح جانتی ہو میری شادی میری مرضی سے ہوئی تھی' کوئی بھی اس شادی سے خوش نہیں تھا' میں نے ضد کی' جان دینے تک کی دھمکی دی' میرا فیصلہ غلط نہیں مگر سب مجھے اپنی مرضی کرتے دیکھ کر اپنی عزت کو ملیا میٹ ہوتا دیکھ کر سر توڑ کوشش کررہے تھے کہ میں اپنے فیصلے سے ہٹ جاؤں' مگر میں ضدی تھی' جیسے اب تم...... میں نے کسی کی ایک نہ سنی' میرا رشتہ طے ہوگیا' تمہارے ابو غیر برادری سے تعلق رکھتے تھے' ان کا بھرا پرا گھر تھا مگر وہاں بھی اس رشتے پر کوئی راضی نہیں تھا' اسی لیے وہ تن تنہا یہ معرکہ سر کرنے چلے آئے۔ میں لڑکی تھی' اوپر سے حد درجہ ضدی' بات منوانا میری فطرت' بھاگنا میری سرشت میں کہیں نہیں تھا' اور نہ ہی میں نے کبھی اس نہج پر سوچا تھا' میری شادی ہوگئی' سب ناراض مگر منہ پہ خوش اخلاقی سجائے پھرتے رہے' ایک اماں تھیں اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے' (آمین) انہوں نے کوئی مروت نہ دکھائی' اور آخر تک مجھے بے بھاؤ کی سناتی رہیں۔ انہوں نے بددعا تو کوئی نہ دی لیکن ماں کی آہ تو عرش تک کو ہلا دیتی ہے' وہ مجھ سے روٹھی روٹھی ہی رخصت ہوگئیں اور میں ان کی نہ دی گئی بددعاؤں کی زد میں آ گئی اور آج تک اسی گھر میں پڑی ہوئی ہوں' تمہاری شادی ہونے کو آئی مگر مجھے سسرال والوں نے ابھی تک قبول نہ کیا' تمہارے ابو تو ساری زندگی بیرون ملک بس گئے' جبکہ میں اپنے ہی ماں باپ کی دہلیز پہ بیٹھی بھابیوں کے شہد میں لپٹے طنز طعنے سنتی رہی' ان کی سرگوشیاں مجھے اندر تک ادھیڑ دیتی ہیں' خیر میری عمر تو گزر چکی بیٹا' مگر میں نہیں چاہتی تمہیں یہ سب سہنا پڑے۔" ان کی آواز لرز رہی تھی' زبان کی لڑکھڑاہٹ ان کے اندرونی جذبات کی عکاسی کررہی تھی۔

"تو آپ یہ سب کیوں سہہ رہی ہیں امی' کس نے مجبور کیا ہے آپ کو' اگر آپ کو آپ کے سسرال والوں نے قبول نہیں کیا تو کیا ابو آپ کو ایک علیحدہ گھر نہیں دے سکتے تھے۔" اس نے کسی قدر طنزیہ اور ناگوار لہجے میں استفسار کیا تھا۔ اتنے برس بیت چکے تھے مگر اسے علم نہ ہوسکا کہ گھر کی فضا اتنی کشیدہ رہتی ہے۔

"ہاں' کیونکہ وہ اس وقت تہی دامن تھے' وہ مجھ سے

شادی کی خاطر سب کچھ چھوڑ آئے تھے' میں نے بھی ان پر کوئی زور نہیں دیا' جب تک وہ یہاں رہے' ہم کرائے کے گھر میں رہے' غیرت مند تھے اسی لیے سسرال میں نہیں رہے۔ لیکن جب گئے تو مجھے یہاں چھوڑ گئے' گھر والے ناراض تھے مگر انہوں نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا' اپنے تھے ناں' لیکن تمہارے ابو وہاں گئے تو وہیں کے ہو کر رہ گئے' گھر کی بات کرتی تو کہہ دیتے' میں جلد آؤں گا' مگر وہ جلد کبھی نہیں آیا۔''

''او گاڈ مام..... آپ.....'' وہ اپنا سر تھام کر رہ گئی۔ زبیدہ اظفر بہت دیر تک سسکتی آنسو بہاتی رہیں۔ پھر مہر کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''اسی لیے میں چاہتی ہوں تم وہ تاریخ نہ دہراؤ۔ اس سیاہ ورق کو میں نے شروع سے ہی بند رکھا ہے' بھولے سے بھی کھولنے کی ہمت نہیں کی' چاہتی ہوں کہ اب بھی مجبور نہ ہوں۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں اسے بتایا تھا۔

''امی پلیز' آپ جہاں کہیں گی میں وہیں شادی کروں گی' ہرگز نہیں پوچھوں گی کہ مجھ سے منسوب ہونے والا شخص کون ہے..... کیسا ہے؟ مگر یہاں کے لیے مجبور مت کریں۔ آپ نہیں جانتیں میں کتنی ڈس ہارٹ ہوئی ہوں۔ عثمان کے ساتھ میرا دل نہیں مانتا۔ جو اس نے کہا وہ میرے دل پر نقش ہو کر رہ گیا ہے۔''

''یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے بیٹا' تم نے جو سنا وہ محض تمہیں سنانے کے لیے تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تم اس بات کو دل سے لگا بیٹھی ہو' بڑے جو فیصلے کرتے ہیں وہ بہت سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔''

''آئی نو امی..... لیکن مجھے عثمان سے شادی نہیں کرنی۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ اگر آپ ضدی ہیں تو میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

''اگر یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے تو میرا فیصلہ بھی سن لو۔ تمہارا نکاح ہوگا اور عثمان سے ہی ہوگا۔ اگر تم نے انکار کیا تو میں میں تمہیں دودھ نہیں بخشوں گی۔''

''واٹ.....'' وہ جتنی تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی اسی تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

''امی کسی کی ضد کی خاطر آپ اپنی بیٹی کو.....''

''کسی کی ضد کی خاطر نہیں' بلکہ اپنی بیٹی کے بہتر مستقبل کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں چاہے تم اسے بلیک میلنگ ہی سمجھ لو۔'' انہوں نے لہجے میں سختی بھر کر نہایت سرد انداز میں کہا تھا۔

مہر کتنے ہی لمحے ہک دک سی کھڑی رہی۔

❁.....❀❁❀.....❁

''مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے عثمان۔'' وہ اس وقت نوید' وہاب اور شاہین کے ساتھ بیٹھا تھا' تبھی جی آر شگفتہ چہرے پر خفگی بھرے تاثرات لیے ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے کہ ناچاہتے ہوئے بھی عثمان کو متوجہ ہونا پڑا۔

''جی کہیے مس شگفتہ' خیریت۔'' استفہامیہ انداز میں استفسار کیا تھا اور اس کے استفسار پر کچھ پل وہ لفظ اکھٹے کرتی رہی' جبکہ عثمان منتظر ہی رہا۔

''کیا آپ پہلے سے انگیجڈ ہیں؟'' اس نے اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ ایسی لڑکی تھی جو دل میں بات رکھنے کی قائل نہ تھی' اس کے نزدیک ٹینشن لینے سے بہتر ہر معاملے کو ار یا پار لگا دینا تھا۔

''آپ یہ پوچھنے کے لیے مجھے یہاں لے کر آئی ہیں؟''

''جی.....! اور مجھے اس کا جواب بھی چاہیے۔'' عجیب دھونس بھرا انداز تھا۔ عثمان کو ازحد ناگوار گزرا تھا۔

''ایکسکیوزمی مس شگفتہ صاحبہ' یہ میرا پرسنل معاملہ ہے اور اپنی ذاتیات میں' میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا' اور نہ ہی کسی کو اس کی اجازت دیتا ہوں۔ مائنڈ اٹ۔'' اس نے خاصے سرد اور کھردرے انداز میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ کے پرسنلز آپ کے پرسنلز میں میری کوئی جگہ نہیں' اگر آپ کے نزدیک میری کوئی حیثیت نہیں تو مجھے اس راہ پر چلایا کیوں..... آپ کو.....؟''

"جسٹ آ سیکنڈ! آپ جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں' آپ ہوش میں تو ہیں۔" اس نے کسی قدر استفہامیہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے کسی قدر ناگواریت سے کہا تھا۔

"جی بالکل! میں پورے ہوش و حواس میں آپ سے مخاطب ہوں۔" اس نے کسی قدر جتاتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھیے محترمہ مجھے نہیں پتا کہ آپ کس بیس پر اتنی بڑی بات کہہ رہی ہیں۔ لیکن میں آپ کو اتنا بتادوں' میں صرف انگیجڈ ہی نہیں' نکاح بھی ہوچکا ہے میرا اور جس کے ساتھ میں وابستہ ہوں اس کے ساتھ مخلص بھی ہوں۔ اس کے ساتھ میری جذباتی وابستگی بھی ہے' مجھے جتنا عرصہ ہوا ہے اس یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے الحمدللہ اس عرصے میں' میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو یا ہتک محسوس ہوئی ہو' جتنی مجھے اپنی عزت کی پروا ہے اتنا ہی دوسروں کی بھی' مجھے خواتین کے تقدس اور اس یونیورسٹی کے تقدس کا بھی خیال ہے' میں نہیں جانتا کہ آپ کو میری کس بات نے اتنی غلط فہمی میں مبتلا کیا' لیکن میں نے نہ آپ کے اور نہ ہی کسی اور لڑکی کے بارے میں ایسا کچھ فضول سوچا ہے' اور دوسری بات یہ کالجز یونیورسٹی یہ تعلیمی ادارے پڑھنے کے لیے ہوتے ہیں ناکہ ایسی غلط فہمیاں اور خوش فہمیاں پال کر اپنی زندگیاں خراب کرنے کے لیے۔ یہاں ہمیں شعور دیا جاتا ہے ناکہ...... خیر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں اگر جانے انجانے مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو' ایم رئیلی ویری سوری...... ایکسکیوزمی۔" اس کے ضبط سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر اس نے مزید کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کیا اور وہاں سے چلے جانے کو ترجیح دی تھی جبکہ شگفتہ......!

اس کے تو گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں' اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت نفس کو مجروح کیا تھا' ایسے کہ کسی دوسرے سے آنکھ ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔

✿✿✿
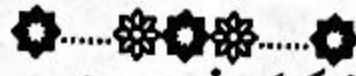
اوگاڈ! یہ بارش رکتی کیوں نہیں' اتنے دنوں سے برسی ہی جارہی ہے اوپر سے یہ انڈینز پانی پہ پانی چھوڑے جارہے ہیں' خود تو بچ جاتے ہیں پاکستان کی معصوم عوام کو مصیبتوں کے سپرد کردیتے ہیں' انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ان لوگوں میں۔ انہیں تو موقع ملنا چاہیے' معصوم پاکستانیوں کو تکلیف پہنچانے کا۔" وہ اس وقت چھت پر پھیلے ہوئے کپڑے اتارنے آئی تھی' ساتھ ہی بارش شروع ہوگئی تھی۔

"ان کو کیوں کوس رہی ہو' ان کا کیا قصور ہے' اگر وہ ادھر پانی نہ نکالیں گے تو جیسے ہمارے گاؤں کے گاؤں اور دیہاتوں کے دیہات تباہ ہوتے ہیں اس وقت وہ لوگ اس سب کا شکار ہوئے ہوتے' یہاں تو بھائی بھائی کو نہیں بخشتا وہاں تو معاملہ ہی گہری دشمنی کا ہے۔" جانے کب سے بارش کی برستی بوندوں تلے کھڑا عثمان اس کی باتوں پر محظوظ ہوتے ہوئے خود کو بولنے سے روک نہیں پایا تھا۔

دوسری جانب اس کے یوں بولنے پر اسے یک دم جھٹکا سا لگا تھا۔ اسے قطعاً امید نہیں تھی کہ چھت پر اس کے علاوہ بھی کوئی اور ہے۔ اس کی بات پر اس نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

"ہنہ! لگتا ہے انہوں نے آپ جیسوں سے ہی ٹریننگ لی ہے منہ پہ کچھ دل میں کچھ...... دونوں ایک سے دھوکے باز' خود غرض اور...... انہہ......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی' سختی سے ہونٹ بھینچے اور کپڑے سمیٹ کر وہاں سے جانے لگی۔

"وہ بات کلیئر ہوچکی ہے مہر پھر کیوں تم اسی کو لے کر کڑھتی رہتی ہو' کیوں بار بار خود اذیتی کا شکار ہوتی ہو۔"

"کوئی بھی بات کلیئر نہیں ہوئی' جو آپ نے کہا وہ آج بھی میرے دل پر لکھا ہوا ہے۔" اس کے لہجے میں از حد سنجیدگی اور اشتعال پنہاں تھا۔ عثمان قدرے حیران ہوا۔

"کیوں مہر! یہ سارا معاملہ کلیئر ہوا تبھی تو ہمارا نکاح ہوا تھا' تبھی تو تم راضی ہوئی تھیں۔"

"جی نہیں...... یہ نکاح میری مرضی سے ہرگز نہیں ہوا۔ یہ محض آپ کی آپ کے گھر والوں کی اور میرے گھر والوں کی مرضی سے ہوا تھا' ورنہ میرا جواب کسی سے پوشیدہ ہرگز نہیں تھا' ہاں یہ اور بات کہ ہر کوئی انجان بنا پھرے تو......!" اس

نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ رشتہ صرف میرے لیے اہم ہے تم نے محض ایک رشتہ قائم کیا ہے جس میں کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے۔" وہ گویا کسی گہرے شاک میں مبتلا ہوا۔ وہ تو اپنی خوش فہمی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

اس نے گہرے دکھ بھرے انداز میں اسے دیکھا جو اسے دیکھتے ہوئے طنزیہ مسکرائی اور رخ موڑ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

جانے کتنے ہی لمحے بیت گئے تھے اسے اس راہ کو دیکھتے ہوئے جہاں سے وہ دشمن جاں گزر گئی تھی۔ اس وقت اسے خود میں اور شگفتہ میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھی شاید غلط فہمی یا خوش گمانی کے ہاتھوں ماری گئی تھی اور میں بھی دھوکے میں ہی مارا گیا تھا۔

❁.....❁❁❁.....❁

"یار اس بار اینول فنکشن ذرا یادگار سا ہونا چاہیے یہ ہمارا لاسٹ ایئر ہے اس کے بعد ہم کہاں کون جانے اس کی ہر یاد یادگار ہونی چاہیے۔" آج بہت دنوں بعد سب دوست اکٹھے ہوئے تھے تبھی شاہین نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ایم سوری یار شاید میں نہ آ سکوں۔" جواباً عثمان گہری سنجیدگی لیے گویا ہوا۔

"یہ کیا بات ہوئی یار تو نہیں آ رہا شگفتہ صاحبہ آل ریڈی غیر حاضر ہیں ارم صاحبہ کی شادی ہو رہی ہے اس کا بھی ابھی کوئی فائنل نہیں ہوا کہ آئے گی یا نہیں تو پھر کیا ہم یہاں جھک مارنے آئیں گے" شگفتہ کے نام پر چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا ارم چونکہ اسے ہی دیکھ رہی تھی اس لیے اس کے تاثرات چھپے نہ رہ سکے تھے باقی سب نے بھی اس کی خاموشی کو نوٹ کیا تھا۔

تبھی ارم نے استفسار کیا۔

"کیا بات ہے عثمان سب ٹھیک تو ہے ناں آپ کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں۔" وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔

اس کے پوچھنے پر عثمان نے دزدیدہ نظروں سے ان سب کی جانب دیکھا۔

"ایم سوری یار لیکن تم لوگوں نے مل کر مجھے ایسے گناہ میں ملوث کر دیا ہے جو میں نے کیا ہی نہیں محض ذرا سا مذاق ذرا سی غلط فہمیاں کسی کو خوش فہمی کا شکار بنا کر ساری زندگی کے لیے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتی ہیں۔ شاید تم جیسے لوگ یہ نہ سمجھ سکیں تم لوگوں کو علم ہے کہ تم لوگوں کے ذرا سے مذاق ان ڈائریکٹ فقرے بازی اور خوش فہمی کے پہاڑ پر چڑھا دینے والی چھیڑ چھاڑ کے باعث مس شگفتہ کو اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار بنا دیا ان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ میں ان میں انوالو ہوں انہیں پسند کرنے لگا ہوں انہیں لگتا تھا میں ان میں انٹرسٹڈ ہوں اور جب انہیں علم ہوا کہ میں آل ریڈی انگیجڈ ہوں تو وہ اپنی عزت نفس اپنے وقار کو پس پشت ڈالتے ہوئے مجھ سے استفسار کرنے چلی آئیں اور آج اگر انہوں نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑی ہے تو صرف اپنی عزت نفس کو مزید مجروح ہونے سے بچانے کے لیے میں بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں یار بہت زیادہ لڑکیاں اتنی جذباتی ہوتی ہیں کہ ذرا سے مذاق اور چھیڑ چھاڑ کو کس انداز میں لے لیتی ہیں بہر طور اس سارے قصے میں ہم سب قصوروار ہیں۔"

"شرمندہ تو ہم بھی ہیں یار تم سے بھی اور شگفتہ سے بھی ہم تو بہت پہلے سے جانتے تھے جب انہوں نے یونیورسٹی آنا چھوڑا تھا ہمیں بالکل اندازہ نہیں تھا وہ ہمارے چٹکلوں کو اتنی سنجیدگی سے لے لیں گی اور جو جرم ہم سے ہوا ہے اس کی پاداش میں وہ خود کو اذیت دیتے ہوئے ایک جاہل گنوار سے شادی کا فیصلہ کر لیں گی حقیقتاً ہم سب نے مل کر ایک لڑکی کی زندگی خراب کر دی ہے۔" نوید نے ایک اور انکشاف کیا۔

"کیا......؟ وہ اس جنگلی صفدر سے شادی کر رہی ہے؟"

اسامہ کو یک دم جھٹکا سا لگا تو وہ اچھل کر کھڑا ہوا اس کے یوں اچھلنے پر باقی سب چونکے تھے۔

"کیا بات ہے شہزادے! یہ اچھلنا اور چونکنا بہت کچھ اخذ کرتا ہے ایم آئی رائٹ گائز" رضوان کسی بڑے مفکر کی طرح آنکھیں گھماتے ہوئے گویا ہوا۔ باقی سب معنی

خیزی سے مسکرانے لگے تھے۔

عثمان نے کسی قدر ناگواری سے ان سب کی جانب دیکھا تھا۔

"تم لوگ کبھی نہیں سدھر سکتے' ابھی اتنی بڑی بڑی باتیں کررہے تھے اور ابھی اگین وہی مفروضے دہرانے شروع کردیئے ہیں۔"

"یہ مفروضے تمہیں لگ رہے ہیں یار آئی ریئلی لو ڈ ہر اور یہ یاب کی بات تمہیں میں شروع سے ہی اسے پسند کرتا تھا' مگر بیچ میں یہ سب ہو گیا اور نہ میں اسے کچھ بتاسکا اور نہ ہی وہ کچھ سننے اور دیکھنے کی پوزیشن میں تھی لیکن اب میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" وہ ایک نئے عزم کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

"اگر تم واقعی سریس ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں آخر یہ مس شگفتہ کی پوری زندگی کا سوال ہے' کوئی بھی غلط اسٹیپ ان کی زندگی خراب کردے گا۔" عثمان کی بات پر سبھی کے چہرے پر چھائی خوشی مزید گہری ہوئی تھی۔

"ہم سب بھی ساتھ ہیں۔" سبھی نے ہاتھ اٹھائے تھے۔

اسامہ تو خوش تھا ہی مگر عثمان کو لگا ایک تو اس کا بوجھ کم ہو گیا دوسرا وہ شگفتہ سے اپنے گزشتہ رویے پر معذرت بھی کرلے گا کیونکہ اس کی وجہ سے جانے کتنی ہی اذیت ہوئی ہوگی اسے۔

اسامہ خوش قسمت تھا' اس کی سن لی گئی تھی' یہ سب کیسے ہوا؟ صفدر کو ناں اور اسامہ کو ہاں کیسے ہوئی؟ یہ ایک لمبی اسٹوری تھی' بہرطور اسامہ کو اس کی محبت مل گئی تھی' اور شگفتہ......! اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا اور عثمان اس نے پہلی فرصت میں ہی شگفتہ سے معذرت کرلی تھی جانے انجانے میں ہی سہی بہرحال وہ اسے تکلیف تو پہنچا ہی گیا تھا' غلطی اگر شگفتہ کی تھی تو ان سب کا بھی اتنا ہی قصور تھا' سبھی نے اس سے معذرت کی تھی اور ان کی انگیجمنٹ کو بھرپور طریقے سے انجوائے کیا تھا۔

❁ .... ❁❁❁ .... ❁

"اگر تم مجھ سے کھل کر بات کرلو تو شاید میں بھی مطمئن ہو جاؤں اور تمہاری غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں۔"

"مجھے ایسی کوئی غلط فہمی نہیں ہے دور کرنے کی کوئی حاجت ہو۔ ایکسکیوزمی......" سرد سے انداز میں کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

"لیکن مجھے ضرورت ہے۔ جس رشتے میں ہم بندھے ہیں اس میں لاتعلقی ایک اضافی سلسلہ بنتے میں مزید جاری نہیں رکھ سکتا' تمہیں کوئی غلط فہمی نہیں تو یہ سرد انداز و رویہ چہ معنی دارد؟" اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی بے چینی و اضطراب تھا جسے وہ جان بوجھ کر نظر انداز کررہی تھی۔

حالانکہ اب وہ خود بھی تنگ آ گئی تھی اس چوہے بلی کے کھیل سے' آج وہ بھی چاہتی تھی یا تو یہ طوق اتر جائے یا پھر......!

"کون سی غلط فہمی دور کریں گے' مجھ جیسی پاگل سائیکو ال مینرڈ لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے مگر کی...... کیا یہ میری غلط فہمی تھی یا جو میں نے سنا وہ سچ نہیں تھا یا جو آپ نے کیا وہ ایک ڈرامہ تھا...... یا آپ نے محض مجھے نیچا دکھانے کے لیے یہ سارا ڈرامہ رچایا۔ کیا یہ میری غلط فہمی تھی؟ یا میرے پیروں کو کچل کر ثابت کرنا کہ میری حیثیت ایک تنکے کی مانند ہے اور میری اہمیت کتنی ہے آپ کی زندگی میں' یہ میری غلط فہمی تھی۔" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس کے لبوں سے سسکی ابھری تھی جسے اس نے ضبط کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"وہ محض ایکسیڈنٹ تھا مہر میں نے جان بوجھ کر تمہارے پاؤں پہ پاؤں نہیں رکھا تھا' آئی سوئیر پلیز بلیو می۔" اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی اسے کیسے یقین دلائے۔

"اور ریئلی! چلیں مان لیتی ہوں' وہ محض ایکسیڈنٹ تھا اور اس روز جو آپ نے کہا' کیا واقعی وہ میری غلط فہمی تھی بقول امی مجھے سدھارنے کے لیے ایک لازوال ڈرامہ تخلیق کیا گیا تھا اور پلیز آج جھوٹ مت بولیے گا میں آل ریڈی ایسی ڈرامہ بازیوں سے تنگ آ چکی ہوں اگر سچ ہوا تو شاید کوئی گنجائش نکل آئے۔" اس کی بات پر وہ چند لمحے خاموش

رہا دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"جو میں نے کہا وہ تب سچ تھا اور میرا خیال ہے تب جو میں نے کہا وہ کچھ غلط بھی نہیں تھا۔" اس کی بات پہ مہر نے شکایتی انداز میں دیکھا وہ نظریں چرا گیا۔

"فطری سی بات ہے جب آپ کے لیے کسی کو چنا جائے تو آپ نا چاہتے ہوئے بھی اسے سوچتے ہو' اسے دیکھنے کی خواہش کرتے ہو اور تب تم آئم رئیلی سوری بٹ...... اس وقت ایمان داری سے کہوں تو ال مینرڈ اور سائیکو ہی لگتی تھیں اس روز جو میں نے کہا وہ میرے احساسات تھے اس وقت مجھے لگا گویا میں تباہ ہو رہا ہوں' میرا مستقبل تاریک ہو رہا ہے اس روز جو میرے دل میں آ رہا تھا میں وہ بولتا جا رہا تھا' لیکن بعد میں جب تم بدل گئیں' تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ جذبات میں آ کر میں نے کتنی بڑی غلطی کر دی ہے' لیکن زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی' میں نے سب کو بلیک میل کیا' اپنی ہی غلطی کو ڈرامہ کا نام دے کر سب کو راضی کر لیا' آئی سوئیر مہر اس میں صرف یہ جھوٹ تھا باقی سب سچ تھا' میری فیلنگز' میرے احساسات وجذبات سب سچ تھا' میں تم سے محبت کرتا ہوں مہر' پلیز بلیو می۔" وہ سنجیدگی سے بتاتے ہوئے ایک دم پٹڑی سے اترا جبکہ مہر کنفیوز ہوتے ہوئے کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو گئی تھی۔

وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھی تبھی عثمان نے اس کی کلائی تھام لی...... اس کے لمس نے گویا اس کے پورے وجود میں پھریری سی بھر دی تھی' چہرہ گلنار ہو گیا' اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا تھا۔

"ایسی حرکتیں مجھے بالکل پسند نہیں' مائنڈ اٹ۔" غصے بھرے لہجے میں کپکپاہٹ نمایاں تھی۔

عثمان محظوظ ہوتے ہوئے لب دانتوں تلے دبا گیا۔

"لیکن اتنا حق تو بنتا ہے میرا آفٹر آل تم میری منکوحہ ہو۔" اس کی نرمی پہ وہ ذرا رعب میں نہ آیا تھا۔

"پلیز زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں' مجھے بہت برا لگ رہا ہے' خاصے چیپ لگ رہے ہیں اس وقت۔" اس نے بنا لگی لپٹی رکھے فٹ سے بول دیا' انداز اتنا معصومانہ تھا کہ عثمان بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

مہر کو اس سے ایسی کوئی امید نہیں تھی' جھینپ کر رہ گئی اور کافی دیر تک کچھ نہ بولی تو عثمان سنجیدہ ہو گیا۔

"جو میرے دل میں تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور نہ ہی کوئی مبالغہ آرائی کی ہے' آئی ہوپ تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی ہو گی اور اگر نہیں ہوئی تو میرا خیال ہے اب تم محض چھوٹی سی بات کو لے کر......!"

"میں ہر بات بھول گئی ہوں عثمان۔ میں خوش اور مطمئن ہوں' جب مجھے آپ کے ساتھ اپنے تعلق کا علم ہوا تو میں بہت خوش تھی' مجھے آپ کے ساتھ پر فخر تھا' مجھے تب اپنا آپ کے بغیر ادھورا لگتا تھا اور اب بھی لگتا ہے لیکن......!"

"لیکن......!" اس لیکن پہ عثمان کی جان اٹک گئی تھی۔

"لیکن آپ کی اس روز کی باتیں...... اور میرے پیروں کو بے دردی سے چل کر گزر جانا اور اس وقت آپ کے چہرے کے وہ سرد و کرخت تاثرات میں کبھی نہیں بھول سکتی' کسی کے بھی کہنے سے نہیں' شاید آپ کا ساتھ مجھے سب بھلا دے' میں کچھ کہہ نہیں سکتی' لیکن میں اس وقت کا انتظار ضرور کروں گی' یہ تو میرے دل کا معاملہ ہے' بہر حال' مجھے آپ کے ساتھ پر کوئی اعتراض نہیں' میں پہلے بھی آپ کے ساتھ مسرور تھی اب بھی ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے سب کہہ دیا' آج وہ کچھ بھی اپنے دل میں نہیں رکھنا چاہتی تھی' کہہ کر ہلکی پھلکی ہوئی ایک نظر حیران و مسرور کھڑے عثمان کو دیکھا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

"وہ دن دور نہیں مہر' جب میری محبت' میری پرخلوص رفاقت تمہیں سب کچھ بھلا دے گی' ان شاء اللہ یہ میرا وعدہ ہے تم سے بھی اور خود سے بھی۔" وہ خوش تھا' مطمئن تھا آج ساری کثافتیں ایک دم ڈھل گئی تھیں' وہ سرشار سا گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسی راستے پر چل پڑا جس پر وہ چل کے گئی تھی' جیسے دل کی شاہراہ پر چلتے ہوئے اسے فتح کرنے نکل پڑا ہو۔

٭٭٭

تھم گئی رفتارِ ہستی، وقت ساکن ہوگیا
جب نگاہوں کو جھکا کر آپ شرمانے لگے
مرحلے جتنے کڑے تھے حوصلہ بڑھتا ہے
راستوں کے موڑ، منزل پر نکل آنے لگے

حیا نے جلدی سے گھر کا باقی کام سمیٹا، اسے اپنے کمرے میں جانے کی جلدی تھی تاکہ جاکر اپنی بری اور جہیز کے کپڑوں میں سے کوئی اچھے سوٹ منتخب کرکے لگے ہاتھوں سی بھی لے۔ زیبی آپا کو لے کر اماں کسی پیر فقیر کے آستانے پر حاضری دینے گئی تھیں سو اس کے لیے گھر میں خاصا امن تھا، ریحان صبح ناشتا کے بعد آفس چلے گئے تھے تب ہی ان کے پیچھے دونوں ماں بیٹی بھی نکل گئیں تھیں۔

اس نے کچن کا سارا پھیلاوا سمیٹا اور کمرے میں آ گئی، الماری کے اوپر رکھے جہیز اور بری کے دونوں سوٹ کیس اس نے رات ہی ریحان سے نکلوا لیے تھے۔ وہ رات ہی سے پُرجوش تھی جب اس کی پھوپو زاد رائنہ جو کہ اس کی دوست بھی تھی کی کال آئی تھی یہ بتانے کے لیے کہ احمد کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوچکی ہے سو وہ بھی اپنی تیاریاں شروع کردے۔ پھپو کا گھر گویا اس کا دوسرا میکا تھا کہ اس کی

پیدائش پر امی بہت بیمار ہوگئی تھیں تو پھپو نے ہی اس کو کچھ عرصہ سنبھالا تھا۔ وہ اور رائنہ ہم عمر تھیں جبکہ احمد ان سے تین سال چھوٹا تھا اب اسے ویسی ہی خوشی ہو رہی تھی جیسے حقیقی بھائیوں کی شادی کی ہوتی ہے۔ اس نے سالن پکانے کے لیے مسالہ تیار کیا اور خود کمرے میں آ گئی اس کا جہیز اس کی امی نے جتنا شاندار دیا تھا ساس نے بری اس سے بھی زیادہ اچھی چڑھائی تھی' کچھ وہ تھی بھی خوب صورت اور نازک انداز کہ جو پہنتی اوڑھتی اس پر سج جاتا۔

پہلے اس نے اپنی امی کی طرف والا سوٹ کیس کھولا مگر یہ کیا...... ایک ایک کر کے وہ سارے سوٹ باہر نکالتی رہی سب کا ایک ہی حال تھا' وہ سب قینچی سے بُری طرح کتر دیئے گئے تھے اتنے زیادہ کہ اب ان کو پہننا محال تھا۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بمشکل اپنی چیخ کو روکا' آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ کچھ دیر خالی نظروں سے جگ مگ کرتی کترنیں (جی ہاں کبھی وہ سوٹ تھے اب کترنیں ہی تھیں) دیکھتے رہنے کے بعد کوئی خیال آنے پر اس نے دوسرا سوٹ کیس کھینچ کر اپنے قریب کیا کم و بیش اس میں موجود انتہائی قیمتی کپڑوں کا وہی حال تھا' رو رو کر ہچکی بندھ گئی۔ اس سے سالن بھی نہ بنایا جاسکا' اس بات کا ہوش اسے اس کی ساس نے آ کر دلایا کہ کھانا نہیں پکا۔

"لے بہو! میں گھر میں نہ بیٹھوں تو گھر کا سارا نظام ہی اوندھا ہو جاتا ہے' ابھی یہی دیکھ لو دو بجنے کو آئے خالی ڈھنڈار کچن پڑا میرا منہ تک رہا ہے۔" اس کی ساس کا اپنا واویلا تھا جبکہ نند تو آتے ہی سیدھا اپنے کمرے میں گھس گئی تھی۔ حیا نے ان کی بات کیا خاک سنی تھی الٹا ان کی بات سن کر جو رونا شروع کیا وہ خود بھی بُری طرح بوکھلا گئیں۔

"یا میرے خدا کیا ہوگیا! اللہ خیر کرے ریحان تو ٹھیک ہے ناں میرا بچہ۔" حیا نے دروازے میں کھڑی ساس کا ہاتھ پکڑا اور اندر آ کر بیڈ کے پاس کھڑا کر دیا جہاں وہ دونوں سوٹ کیس کھلے پڑے تھے اور ان میں موجود کپڑوں کا جو حال تھا اسے دیکھ کر اس کی ساس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ...... یہ کیا ہوا؟" وہ وہیں بیٹھ گئیں جیسے سمجھ میں نہ آیا ہو کہ اتنے قیمتی اور خوب صورت کپڑوں کا یہ حال کس نے کیا۔ حیا نے روتے ہوئے ساری روداد سنائی۔

"میں نہ کہتی تھی دشمن پیچھے پڑے ہیں' کمبخت نہ تو میری بچی کا نصیب کھلنے دے رہے ہیں نہ تمہاری خوشی برداشت کر رہے ہیں۔ ہو نہ ہو یہ کلموہی شریفاں کو بڑی ٹوہ رہتی ہے۔ بہو خوش تو ہے ناں؟ بری کتنی چڑھائی' جہیز کیسا ہے؟ اب دیکھو اس کے کام تم بھی وہ لمبی تان کے سوتی ہو کہ گھر بار ڈاکو لوٹ کے چلے جائیں پتا بھی نہ چلے۔" حیا کی ساس کی ذہنی رو بھٹک کر پیر صاحب کی کہی ہوئی باتوں کی طرف مڑ گئی۔

"تمہارے دشمن بہت ہیں بی بی اور عنقریب کوئی وار کریں گے۔" اور اب وار ہو چکا تھا۔ حیا اپنا رونا بھول کر ان کی بے سر و پا باتیں سننے لگی۔ دو ماہ کی بیاہتا پر اپنی ساس کی نئی سوچ ابھی ابھی وارد ہوئی تھی۔

"اماں......" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "آپ اگر ایک بار زیبی آپا سے پوچھ لیتیں۔"

"کیا کہا؟ ارے زمانہ تو پہلے پیچھے ہے میری معصوم بچی کے اب تم بھی یہی کہنا چاہ رہی ہو کہ یہ اتنا ذلیل کام میری بیٹی نے کیا ہے۔ ارے وہ تو جان قربان کرتی ہے بھاوج پر اگر جو اسے پتا چلے پیاری بھاوج کیسے خیالات رکھتی ہے تو کیا گزرے گی میری بچی کے دل پر۔"

"وہ اماں...... میرا مطلب یہ تھوڑی تھا میں تو یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ہو سکتا ہے انہوں نے کسی کو آتے جاتے دیکھا ہو۔" گڑبڑا کر حیا نے بات ہی پلٹ دی ورنہ اس کا سارا شک زیبی آپا کی طرف ہی جا رہا تھا۔

دو ماہ بہت ہی کم عرصہ تھا کسی کی ذات کو پرکھنے کا پر زیبی آپا کی کھوجتی' طنزیہ کٹیلی نظروں سے اسے عجیب سا خوف آتا۔ رنگ ان کا گورا تھا پر اس پر چیچک کے دھبے انہیں عجیب سا بنا دیتے تھے۔ زیبی آپا عمر کی پینتیس بہاریں دیکھنے کے بعد بھی کنواری تھیں۔ سارا دن کمرے میں بند پتا نہیں کیا سوچتی رہتیں۔ ان کے محلے کی رشتہ کرانے والی بوا کوئی رشتے لے کر آتی کسی کو زیبی آپا پسند نہ

آئیں اور کوئی اماں اور ریحان کے معیار پر پورا نہ اترتا تھا۔

اب تو جب سے اس کی ساس اس پیر بابا کے چکر میں پڑی تھیں کبھی عجیب سی بو والا مواد جلاتی نظر آتیں‘ کبھی تکیے سے تعویذ لٹکے نظر آتے لیکن حیا ایک پڑھی لکھی اور سمجھ دار لڑکی تھی وہ گھر میں زیبی آپا کی مستحکم حیثیت سے واقف تھی سو کچھ بھی کہنے سے گریز کرتی حالانکہ وہ ان چیزوں پر بالکل بھی یقین نہیں رکھتی تھی‘ زندگی کے بارے میں اس کا ایک واضح نقطہ نظر تھا کہ قسمت میں جو لکھ دیا گیا ہے وہ ہر انسان کو جلد یا بدیر مل کر رہتا ہے۔

ریحان ان مردوں میں سے تھے جن کو گھر کے مسئلے مسائل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا‘ وہ صبح کے گئے شام کی خبر لاتے پھر سب سے چھوٹی حور تھی جو فرسٹ ائیر میں تھی۔

خوب صورت نین نقش والی حور کا رنگ بھی بے حد گورا تھا سو اسے اس بات کا احساس بھی بہت تھا‘ ایک طرح سے وہ بھی موڈی ہی تھی۔ موڈ میں ہوتی تو گھنٹوں حیا سے باتیں کرتی‘ ساتھ ہی ساتھ کام میں بھی ہاتھ بٹا دیا کرتی تھی نہ ہوتی تو موبائل کانوں سے لگائے اپنے کمرے میں گھسی رہتی جو اس کا اور زیبی کا مشترکہ مشغلہ تھا۔ بے شمار دوستیں تھیں اس کی آج کسی کی سالگرہ ہے تو کل کسی کی بھائی کی شادی۔ چھوٹی ہونے کی بنا پر ماں اور بھائی کی لاڈلی بھی بہت تھی‘ منہ سے نکلتے ہر بات پوری کردی جاتی خصوصاً حیا کو اس کا منہ اٹھا کر ہر سہیلی کے گھر پہنچ جانا بے حد کھلتا‘ نہ کوئی روک ٹوک نہ تنبیہ‘ عجیب طرح کا ماحول تھا ان کے گھر کا۔ خود اسے یاد تھا اس کی امی پہلے تو کہیں جانے کی اجازت ہی نہ دیتیں اگر دے بھی دیتیں تو سو طرح کی تفتیش کے بعد خود ساتھ چلتیں اور اسے واپس بھی خود لے کر آتیں۔ تنگ آ کر اس نے کسی دوست کے گھر جانا ہی چھوڑ دیا سوچ سوچ کر حیا کا بُرا حال تھا۔

اس کی ساس نے خود کھانا پکایا اور اسے وہیں بیٹھے بیٹھے ہی آوازیں دیتی رہیں کہ آ کر کھانا کھالے۔ حیا کا بالکل بھی جی نہیں کررہا تھا لیکن وہ یہ سوچ کر اٹھ آئی کہ وہ خود ہی سہولت سے اماں کو منع کر آئے گی کہ اسے بھوک نہیں ہے یہاں بیٹھی رہی تو وہ کہیں بُرا ہی نہ مان جائیں۔

”اُف اماں! کتنا بُرا ہوا تاں بھابی کے ساتھ‘ جس کسی نے بھی کیا۔ ویسے راز کی بات ہے اماں! مجھے تو یہ زیبی آپا کا کارنامہ لگتا ہے بھابی کو اس نے آج تک قبول ہی نہیں کیا کیسے گھور گھور کر دیکھتی ہے۔“ اندر سے حور کی آواز سن کر حیا دروازے میں ہی رک گئی۔ اپنا نقصان ایک بار پھر یاد آ گیا تو نئے سرے سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

”چپ کر کمبخت! تُو بہن ہے یا دشمن‘ جو اس بے چاری پر الزام لگا رہی ہے۔ وہ تو عجیب عجیب سے لوگوں کا سامنا کر کے میری بچی دکھی رہتی ہے تب ہی تو ایسی آدم بے زار ہوگئی ہے ورنہ اس کا دماغ خراب ہے کہ اکلوتی بھابی کے نئے کپڑے اٹھا کے کتر کے رکھ دے۔“ کچن میں ہی اماں کی حور کو گھرکنے کی آواز آئی۔ وہ دانستہ زور سے سلیپر زمین پر گھسا کر اندر آئی یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ ابھی ابھی اس طرف آئی ہے۔

❊ ❊ ❊

روشن بھابی کی گہری نیند پر باہر قرآن پڑھتے بچوں کی آواز نے اس طرح خلل ڈالا کہ کانوں پر تکیہ رکھ لینے کے باوجود نیند دوبارہ مہربان نہ ہوسکی سو وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھیں اور غصیلے تیور لیے باہر آ گئیں۔ کچن میں تیار رکھے ناشتے سے بھی موڈ خوش گوار نہ ہوسکا۔

”آج تو جلیل سے فائنل بات کرتی ہوں اس معاملے پر‘ بڑی بی نے تو مدرسہ ہی کھول لیا ہے نہ سکون نہ آرام بس چوبیس گھنٹے مختلف انواع کے بچے ہیں جو سر درد مچائے رکھتے ہیں۔“ انہوں نے فلاسک میں رکھی گرم چائے کپ میں انڈیلی اور ساس کا غصہ ختم کرنے کے لیے کوئی مضبوط لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے ذہن میں کئی تانے بانے بُننے لگی۔

”السلام علیکم بھابی! کیسی ہیں‘ اماں کہاں ہیں...... اور آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ اس کے سوجے ہوئے منہ اور سرخ آنکھوں کو دیکھ کر ابھی ابھی ماں کے گھر آئی حیا نے استفسار کیا۔

”وعلیکم...... باہر ہیں تمہاری اماں جان‘ اس غضب کے شور میں کون کافر آرام وسکون سے رہ سکتا ہے۔ دو منٹ کے لیے سونا محال ہے لیکن مجال ہے جو یہاں کسی کے کانوں پر جوں رینگ جائے۔“ روشن بھری ہی تو بیٹھی تھیں‘ سلام کا لٹھ مار جواب دے کر نند کو ہی لتاڑ ڈالا جو بھابی کے اس رویے پر استغفار پڑھتی باہر بچوں کا قرآن پاک کا سبق سنتی امی جی کے پاس آ گئی۔ قرآن پاک پڑھنے اور پڑھانے کا وہ مخصوص اور پاکیزہ ماحول جو دادی نے ورثے میں امی جی کو دیا تھا‘ اسی کو سنتے‘ دیکھتے وہ سب بہن بھائی بڑے ہوئے۔ ہزاروں نہیں تو سیکڑوں لوگ قرآن پاک پڑھنے کی سعادت لے کر یہاں سے گئے تھے اور آج اس کی بھابی کو بچوں کا قرآن پاک کا سبق دہرانا ایک شور لگ رہا تھا۔

روشن بھابی بڑے بھائی کی پسند تھیں ان کے کسی دوست کی بہن تھیں‘ ان کی شادی کو سال ہوا تھا‘ چھوٹے بھائی کسی دوست کے توسط سے امریکہ گئے تو پھر وہیں کے ہوگئے‘ وہیں بیاہ بھی رچالیا۔ جس اسٹور پر وہ کام کرتے تھے ان کی بیوی اسی اسٹور کی مالک تھی‘ ان کے بعد عشا تھی حیا سے تین سال بڑی جو دبئی میں اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ مقیم تھی۔ پچھلے سال مستقل وہیں سکونت اختیار کرلی تھی کہ اس کے خاوند کسی کمپنی سے منسلک تھے اور دو ماہ پہلے امی جی حیا کو بیاہ کر اپنے تمام فرائض سے سبکدوش ہوچکی تھیں اب تو صرف ایک ہی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ اور روضہ اقدس کا دیدار کرآئیں۔ اس مقصد کے لیے عرصہ دراز سے رقم پس انداز کررہی تھیں لیکن پوری ہونے سے پہلے ہی اس میں سے کبھی کسی ضرورت کے لیے کچھ رقم نکالنا پڑتی تو کبھی کسی ضرورت کے لیے۔

حیا کی امی جب بچے چھوٹے تھے تب ہی سے بیوہ ہوگئی تھیں پر انہوں نے مصائب اور حالات کے آگے سرنڈر نہیں کیا تھا۔ سلائی کڑھائی میں ماہر تھیں سو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے بجائے گھر کا اوپر کا پورشن سلائی کڑھائی کا سینٹر بنالیا تھا‘ جہاں وہ خود دن رات سلائی کرتیں پھر آہستہ آہستہ ان کی اسٹوڈنٹس بڑھتی گئیں اور تین سال کی سخت جدوجہد کے بعد ایک منظم ادارہ بنانے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کے بعد وہ اپنے بچوں کو ناشتا کروا کے اسکول بھیجنے کے بعد سلائی سینٹر آجاتیں۔ وہاں سے وہ بارہ بجے تھوڑی سی فراغت لے کر پھر نیچے آجاتیں۔ بچوں کے لیے کھانا وغیرہ تیار کرکے ایک بار پھر اوپر چلی جاتیں‘ جہاں دو بجے تک وہ بے حد مصروف رہتیں آخر بچوں کے آنے پر انہیں نیچے آنا پڑتا‘ بچوں کو کھانا وغیرہ کھلا کے وہ خود بھی اور بچے بھی تھوڑا آرام کرتے پھر چار بجے وہ اپنے بچوں کو پڑھانے بیٹھ جاتیں‘ ساتھ ہی ساتھ محلے کے وہ بچے بھی قرآن پاک پڑھنے کے لیے آجاتے جو صبح کے ٹائم نہیں آسکتے تھے۔ یوں مغرب تک ان کا وقت بے حد مصروفیت میں گزرتا‘ رفتہ رفتہ ان کا سلائی کڑھائی کا کام چل نکلا تھا اب تو انہوں نے اپنی مدد کے لیے تین ورکر لڑکیاں بھی رکھ لی تھیں۔ جلیل جو ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے اپنی تعلیم مکمل کرکے ایک کمپنی میں ملازم ہوگئے تھے تب ہی ایک مناسب رشتہ آنے پر انہوں نے اپنی بڑی بیٹی کو بیاہ دیا تھا۔

سال بعد ہی خلیل نے امریکہ جانے کی رٹ لگالی جہاں جانے پر اس کا ایک دوست اسے سپورٹ کرنے کو تیار تھا۔ اپنی جمع پونجی وہ بیٹی کی شادی پر لگاچکی تھیں اب خلیل کی ضد پر انہیں اپنے پرانے وقتوں کا سونا بھی بیچنا پڑا جسے انہوں نے اپنے انتہائی مشکل دنوں میں بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ خلیل کے امریکہ سدھار جانے کے بعد جلیل بھائی کو اپنے دوست کی بہن بے طرح بھاگئی اور وہ روشن کو اپنی زندگی کی روشنی بنا کر لے آئے۔ جلیل بھائی کی شادی کو پانچ ماہ کا قلیل عرصہ گزرا حیا کے لیے ریحان کی صورت ایک معقول رشتہ آگیا جسے وہ گنوانا نہ چاہتی تھیں چونکہ جلیل کی شادی کو کم عرصہ ہی گزرا تھا اور وہ فوری طور پر شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں تب انہوں نے امریکہ میں مقیم خلیل سے کوئی دو سال بعد رابطہ کیا کیونکہ اس کے وہاں شادی کرلینے پر وہ اس سے ناراض تھیں۔ ماں پر ہزار احسان

کرتے ہوئے اس نے کچھ رقم بھیج دی اور باقی کا جلیل بھائی کے آفس سے لون لیا یوں حیا کو رخصت کیا گیا۔

امی اب اگرچہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوچکی تھیں پھر بھی ان کا سلائی سینٹر اسی طرح قائم تھا اگرچہ انہوں نے اب کام کا دورانیہ کم کردیا تھا اور خود سلائی کڑھائی بھی نہیں کرتی تھیں مگر اب بھی وہ صرف تین گھنٹے وہاں رہ کر لڑکیوں کو ٹریننگ ضرور دیتیں' ان کا باقی کا وقت یا تو بچوں کو قرآن پاک پڑھاتے گزرتا یا خود قرآن پڑھتے اور ان کی یہ قطعی بے ضرر قسم کی روٹین بھی بہو بیگم کو ناگوار گزرتی حالانکہ وہ صبح بچوں کو پڑھا کر سینٹر جانے سے پہلے بیٹے کو ناشتا کروا کے آفس بھیجتیں اور سوئی ہوئی بہو کا بھی ناشتا تیار کرکے رکھ دیتیں۔ تین گھنٹے وہاں گزار کر آنے کے بعد بھی گھر ویسا اوندھا پڑا ملتا جیسا چھوڑ کر جاتی تھیں۔

حیا جب سے بڑی ہوئی تھی اس نے کافی حد تک ماں کو گھر کے کاموں سے آزاد کردیا تھا' حیا نے شادی کے پندرہ دن بعد ہی اپنے سسرال کا کام سنبھال لیا جبکہ ان کی اپنی بہو کا شادی کے آٹھ ماہ گزرنے کے بعد بھی دلہنا یا چل رہا تھا۔ کافی دن سے وہ اپنی روٹین سے ہٹ گئی تھیں کچھ عمر کا تقاضہ بھی تھا کہ ان میں اب وہ پہلے سی ہمت نہ رہی تھی نہ ہی اتنی دیر کھڑے ہوکر کھانا پکایا جاتا۔ وہ کئی کئی وقفہ دے کر کھانا پکاتیں' صفائی ستھرائی کے لیے ماسی آتی۔ بہو بیگم کو یہ بھی پسند نہیں تھا کہ اس کے سر پر کھڑے ہوکر کوئی کام ہی کروالیتیں۔ وہ خود ہی اپنی مرضی سے اوپر اوپر سے صفائی کرکے چلتی بنتی' روشن کو یہ سب نظر آتا تھا پر پتا نہیں کس قسم کی عورت تھی کہ جس کا تمام وقت ٹی وی دیکھتے' سہیلیوں سے فون پر گپیں لگاتے اور آؤٹنگ میں ہی گزرتا تھا۔

آج اس کی آنکھ بچوں کے زور زور سے سپارے کا سبق پڑھنے کی وجہ سے کھل گئی تھی، سو سارا دن بے حد فریش رہنے اور اپنی روٹین کے مطابق گزارنے کے بعد وہ شوہر کے گھر آنے کے ٹائم اٹوائی کھٹوائی لیے بیڈ پر پڑ گئی تھی۔ دن کا کھانا بھی حیا نے ماں کو آرام دینے کی خاطر پکایا تھا اور وہ جو اپنے گھر کی ایک الجھن لے کر ماں سے رفع کرنے آئی تھی نئیلے کے حالات' ماں کا پژمردہ چہرہ دیکھ کر ماں کو خوش خوش دکھائی دینے کا ڈرامہ کرتی کھانا کھا کر شام کو ریحان کے ساتھ چلی گئی تھی۔ کھانا سب نے اکٹھے کھایا تھا' روشن نے بھی لیکن اچانک ہی اسے کوئی ایسی بیماری لگی کہ نڈھال سی ہوگئی اور شوہر کو کھانا بھی گرم کرکے نہ دے سکی وہ بھی جلیل نے خود کچن میں آ کر گرم کیا اور خراب موڈ کے ساتھ ماں کو تیکھی نظر سے دیکھتا دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گیا۔

وہ حیرت سے بس سوچ کر ہی رہ گئیں کہ بھلا آج ان سے کیا جرم سرزد ہوگیا اور اس جرم کی تھی بھی رات کو سلجھ ہی گئی جب وہ ناراض تیور لیے ان کے کمرے میں آیا۔

''آپ کو اس عمر میں آرام کرنا چاہیے لیکن آپ ہیں کہ خود بھی آرام کا لفظ اپنی زندگی سے ختم کردیا ہے اور چاہتی ہیں کہ دوسرے بھی ایسا ہی کریں۔ آپ خود سوچیں اب عمر کے اس حصے میں آپ کو ضرورت ہی کیا ہے اپنا دماغ کھپانے کی۔ دن رات یا تو مشینوں کی گھر رگھرر کا شور دماغ خراب کرتا ہے یا پھر بچوں کا شور۔ مائیں اپنے سر کا عذاب آپ کے سر منڈھ دیتی ہیں اور آپ ہیں کہ بدتمیز بچوں کی فوج کو ہر وقت پاس بٹھائے رکھنے میں پتا نہیں کیا مزا آتا ہے۔ اندر جا کر ذرا روشن کی ابتر حالت دیکھیں ہر وقت رہنے والے شور شرابے نے کیا کردی ہے۔''

''دوپہر تک تو تمہاری بیوی ٹھیک ٹھاک' ہشاش بشاش تھی' کھانا بھی ہمارے ساتھ ہی کھایا دو گھنٹے سہیلیوں اور ماں سے بھی فون پر گپ شپ کی اتنی سی دیر میں کیا ہوگیا اس کو؟ تمہاری اور تمہاری بیوی کی خواہش ہے کہ اس گھر پر قرآن کی تدریس بند کردوں تو میری زندگی میں تو ایسا ناممکن ہے بیٹا! میری اولاد تو میرے لیے کبھی صدقہ جاریہ نہیں بنے گی مجھے پتا ہے یہی درس و تدریس کا عمل جسے تم لوگ شور کا نام دے کر اللہ کے غضب سے نہیں ڈر رہے ہو یہی میری قبر میں روشنی کرے گا ان شاء اللہ۔ اللہ کی انہی تعلیمات کو سنتے تم لوگ جوان ہوئے ہو تو آج ایسا کیا انوکھا ہوگیا ہے۔ میں بحث کرنے کی بجائے صرف اتنا

کہوں گی کہ جس کو میری اس مصروفیت سے تکلیف ہے وہ یہاں سے جاسکتا ہے لیکن قرآن سکھانے کا یہ عمل میرے گھر سے نہیں رکے گا۔" ان کی آواز بھرا گئی۔ جلیل نے کچھ پل تحیر سے ان کو دیکھا جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو کہ ان کی ہر بات پر لبیک کہنے والی ان کی امی جی ان کی کسی بات سے نفی کر سکتی ہیں۔ وہ جو بیوی کو دلاسا دے کر آیا تھا کہ کل سے یہ شور شرابا نہیں ہوگا۔

انتہائی خراب موڈ کے ساتھ اپنے کمرے میں واپس چلا گیا یہ دیکھے اور جانے بغیر کہ ماں کے نازک دل کو اس طرز عمل سے کیسی چوٹ پہنچی تھی کہ اس کے باہر نکلتے ہی آنکھوں سے ایک سیل رواں بہہ نکلا تھا۔ پھر بھی اس کے دکھی دل سے اولاد کی ہدایت اور خوشی کی ہی دعا نکلی تھی۔

❁.......❁.......❁

جوں جوں دن گزرتے جارہے تھے حیا پر اپنے سسرال کے سب رنگ پوری طرح عیاں ہو گئے تھے اس کی ساس اولاد کی طرف سے فطرتاً بے پروا رہنے والی خاتون تھیں۔ ان کا کام یا تو اس کے کاموں پر نکتہ چینی کرنا ہوتا یا محلے میں تانک جھانک کر کے یہاں وہاں کی خبریں لے کر آنے کے بعد ان پر تبصرہ کرنا اور سنی ہوئی بات کو اپنے ذہن کے مطابق ارد گرد پھیلانا تھا۔ ان کی اولاد کی طرف سے بے پروائی ان کی ذات میں کئی ایسے خلا اور کجیاں پیدا کر چکے تھے جن کے نتائج بے حد خطرناک ہوتے پر یہاں پروا کسے تھی کہ بڑی بیٹی کے سامنے اس کے رشتے کے نہ ہونے کا رونا رو کر اور ہر گلی محلے میں اپنا کاروبار چمکانے والے پیروں فقیروں کے پاس لے جا کر اس کی نفسیات میں بے حد گرہیں پیدا کر چکی تھیں۔

دوسری بیٹی کو بے جا آزادی اور کھلا پیسہ پکڑا کر اس کی ذات میں بھی بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنی تھیں۔ ان کی بیٹیوں میں رہ جانے والی کمی حیا کی زندگی میں خلفشار پیدا کر رہی تھی خصوصی زیبی آپا اسے ریحان کے ساتھ دیکھ کر بالکل بھی برداشت نہ کرتیں۔ کچھ اس قسم کے واقعات رونما ہوئے کہ حیا کا شک یقین میں بدل گیا کہ اس کے قیمتی اور خوب صورت کپڑوں کا حشر بھی ضرور زیبی آپا کی کارستانی تھا۔

اس دن بہت دنوں کے بعد ریحان کو دفتر کی مصروفیت سے کچھ فراغت نصیب ہوئی تو حیا سے وعدہ کیا کہ وہ شام کو تیار رہے وہ آج اسے کہیں باہر لے جائے گا۔ روزمرہ کی روٹین سے وہ بے حد تنگ آئی ہوئی تھی سو خوش ہوتے اس نے اپنے روزمرہ کے کام نبٹائے اور سر شام ہی کپڑے تبدیل کر کے ہلکا پھلکا تیار بھی ہو گئی۔ ساس کو اس نے دن میں ہی بتا دیا تھا وہ کوئی بھی تاثر دیئے بغیر چپ رہیں حیا کے لیے یہی غنیمت تھا سو وہ خوشی خوشی اپنے کام نمٹاتی رہی۔ زیبی آپا کی ایکسرے کرتی نگاہیں ہر جگہ اس کے تعاقب میں تھیں پر حیا نے ان کھوجی آنکھوں کی پروا نہیں کی کہ اب ان کی عادی ہو چکی تھی۔ اس کی چھوٹی نند حسب معمول اپنی کسی دوست کی سالگرہ میں مدعو تھی جب ریحان آئے وہ انہیں تیار ملی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور خود فریش ہونے چلے گئے۔ حیا نے جلدی سے ان کے لیے چائے بنائی اور پھر جب وہ لوگ گھر سے نکل ہی رہے تھے کہ تخت پر اماں کے ساتھ ان کو عجیب نظروں سے گھورتی زیبی کے حلق سے ایک زوردار چیخ نکلی کہ ان لوگوں کو واپس پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ ریحان بھاگ کر واپس آئے وہ تخت پر گری تڑپ رہی تھیں اور ان کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اماں نے تو بوکھلا کر زور زور سے رونا شروع کر دیا ساتھ ہی اپنی دیورانی کو کوسنے دینے لگیں جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اسی نے ان کے گھر پر عملیات کا دائرہ ڈلوا رکھا ہے یہیں اسی محلے میں ان کا گھر تھا۔ اماں کی خواہش تھی کہ زیبی کا رشتہ وہ اپنے بیٹے کے لیے لیتیں پر وہ اپنی بھانجی بیاہ کر لے آئی تھیں یہیں سے ان کی عداوت کا آغاز ہوا تھا۔ جواب میں اماں بھی جو کبھی سوچا کرتی تھیں کہ دیور کی بیٹی ریحان کے لیے بیاہ کر لائیں گی جھٹ پٹ حیا کو گھر کی رونق بنا ڈالا۔

حیا آگے بڑھ کر زیبی آپا کے تلوے سہلانے لگی ریحان جلدی سے محلے کے کمپاؤڈر کو بلا لایا عام نزلہ بخار

کھانسی کے لیے پورا محلہ اسی سے مستفید ہوتا تھا اس نے آ کر ایک دو انجکشن لگائے آدھے گھنٹے بعد زیبی آپا اٹھ کر بیٹھ گئیں یوں اس دن کا رکا ہوا پروگرام انہوں نے ویک اینڈ پر رکھ دیا۔ اس دن زیبی آپا کو دورہ تو نہ پڑا پر پیٹ میں ایسا شدید درد اٹھا کہ انہوں نے سارے گھر والوں کو گھما کر رکھ دیا' جونہی ریحان ڈاکٹر کو بلانے بھاگنے لگا وہ فوراً کراہتی ہوئی کہنے لگیں۔

"رہنے دو اب کچھ افاقہ محسوس کر رہی ہوں پر تم سب لوگ میرے پاس رہو۔" پھر تو آئے روز یہی تماشا ہونے لگا اب وہ صرف اس ٹائم ہی ڈرامہ تخلیق نہ کرتیں بلکہ ہر اس وقت ان کو کوئی مسئلہ درپیش ہو جاتا جہاں ریحان کو اپنے کمرے میں جاتا دیکھتیں۔ کبھی گھبراہٹ ہونے لگتی' کبھی دل میں درد' کبھی پیٹ میں درد..... حیا نے جب سے ان کا مسئلہ سمجھا تھا اسے ان سے عجیب سی نفرت ہو گئی تھی۔ اس کی ساس ہر آئے روز مٹھی میں پیسے دبا کر آستانوں پر چکر پر چکر لگاتیں اور ایسا ہی ایک دن تھا جب زیبی آپا اماں کے ساتھ دم کرانے گئی تھیں۔ ریحان کسی دوست کی طرف نکلے تھے حور اپنے کمرے میں تھی' حیا کام سے فارغ ہو کر بوریت سے بچنے کی خاطر اسی کے پاس آ گئی مگر وہ کمرے میں نہیں تھی۔

"حور....." وہ اسے پکارتی ہوئی بیٹھک کی طرف آ گئی' جب اس نے حور کو بیٹھک میں لگی کھڑکی جو کہ باہر گلی میں کھلتی تھی دوسری طرف کسی کو کچھ کہہ کر تیزی سے بند کرتے دیکھا اور خود جلدی سے اس کی طرف مڑی۔

"کیا بات ہے..... کیا آفت آ گئی ہے جو آواز پہ آواز لگا رہی ہیں۔ بندہ اپنے گھر چھٹی والا دن بھی سکون سے نہیں گزار سکتا۔" حیا اس کے بدتہذیب رویے پر یک دک کھڑی رہ گئی' ایک حور ہی اسے کچھ معقول نظر آتی تھی جس سے وہ بات چیت کر لیا کرتی تھی۔ ہونہہ کرتی وہ اس کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

کسی سوچ کے زیر اثر اس نے آہستہ سے آ کر بند کھڑکی کھول کر جھانکا' گلی سنسان پڑی تھی دوسری دفعہ حور کا مشکوک انداز اس نے تب نوٹ کیا جب ایک روز وہ کپڑے ڈالنے چھت پر گئی وہاں ایک کونے میں حور کو اس نے موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھے دیکھ کر ہلکی آواز میں باتیں کرتے سنا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ وہ چونکتی' اس کے چونکنے کا سبب بنا تھا وہ رویہ جو اس وقت حور نے اختیار کیا' اس نے اسے دیکھ کر فون جلدی سے بند کر کے اپنے پیچھے چھپا لیا اور جب اس نے بڑے پیار سے کہا کہ وہ دھوپ میں کیوں بیٹھی ہے جبکہ اتنی گرمی ہے؟

"آپ کو کیا تکلیف ہے جب دیکھو سر پر سوار نظر آتی ہیں۔" حیا اس وقت تو چپ چاپ نیچے آ گئی پر رات میں اس نے ریحان سے محتاط انداز میں ذکر ضرور کر دیا کہ حور کی عمر ابھی اتنی میچور نہیں ہے کہ اسے سیل فون پکڑا دیا جائے۔ ریحان نے بھی اس کی بات کی تائید کی۔

"حور....." دوسرے روز جب سب ناشتا کر رہے تھے ریحان نے تیزی سے لقمے لیتی حور کو مخاطب کر کے کہا۔

"تمہیں کیا ضرورت ہے ابھی سے موبائل فون رکھنے کی۔ تم نے مجھ سے یا اماں سے اجازت لی' تم ایسا کرو فون مجھے لا کر دو' مجھے نہیں لگتا کہ ابھی تمہیں اس کی ضرورت ہے۔" ریحان کہہ کر ناشتے کے لیے جھک گیا' حور نے کھا جانے والی نظروں سے ریحان کے لیے گرم چائے لاتی حیا کو دیکھا۔ وہ ٹپٹا گئی ایسا ہی کچھ تھا اس کی آنکھوں میں۔

"اے ہے ریحان..... کیا ہو گیا ہے جو ایسے غصہ ہو رہے ہو۔ یہ تو آج کی ضرورت ہے' کالج جاتی ہے بچی گھر سے باہر ہزار مسئلے ہوتے ہیں اور کچھ نہیں تو بندہ پڑھائی سے متعلق ہی کچھ بات چیت کر لیتا ہے۔" اماں نے ریحان کو آڑے ہاتھوں لیا وہ بس ایک نظر ان کو دیکھ کر رہ گیا۔ "تمہاری بیوی تو دن میں سو سو بار کبھی ماں کو تو کبھی سہیلیوں کو فون پر فون کرتی دکھائی دیتی ہے وہ نہیں نظر آتا تمہیں۔" اب کے زیبی آپا میدان میں اتر آئیں' ریحان بُری طرح جھنجلا گیا۔

"افوہ بھئی! حیا ایک بیاہتا عورت ہے' میری اجازت

سے ہی اس نے موبائل رکھا ہوا ہے جبکہ حور ابھی بچی ہے اچھے بُرے کی اسے پہچان نہیں ہے اور آپ لوگوں نے بات کا پیچھا ہی لے لیا ہے بس۔" وہ پیالی ٹیبل پر پٹخ کر باہر نکل گیا پیچھے کارزار میں حیا اکیلی ہی رہ گئی تھی۔

"بی بی مت بھولو کہ سسرال میں زندگی گنوں سے بنتی ہے نہ کہ میاں کو لگائی بجھائی سے۔" زیبی آپا طنز کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ حیا منہ کھولے بس دیکھتی رہ گئی کہ اس سے کون سی لگائی بجھائی کی تھی' ساس نے صرف کڑے تیوروں سے دیکھنے پر اکتفا کیا اس نے نوالہ نہ نگلا گیا اور حد تو حور نے کردی جب وہ ناشتا ادھورا چھوڑ کر اپنے کمرے کی جانب آئی تو حور کو شاید اس کے اکیلے ہونے کا ہی انتظار تھا وہ پیچھے ہی چلی آئی۔

"میری ٹوہ میں رہنا چھوڑ دو تو زیادہ اچھی بات ہے ورنہ تمہاری چال تم پر ہی الٹا دوں گی سمجھی۔" خونخوار نظروں سے نہ بھابی کہنے کا تکلف نہ کوئی ادب و آداب کا القاب...... کہہ کر وہ وہاں سے چلتی بنی تھی۔

اگلے کئی دن اس کے لیے بے حد مشکلات لے کر آئے تھے جب اماں کے پیرومرشد نے ان کو بتایا کہ زیبی آپا کے نصیبوں میں رکاوٹ میں ان کے اپنے شریک تو تھے ہی اب بہو بھی ساتھ شامل ہے بس اماں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً ہی پیرومرشد کی بات پر ایمان لے آئیں۔

دائرہ زندگی تنگ سے تنگ ہوگیا پتا نہیں کون کون سے الٹے سیدھے عملیات کا مظاہرہ اس کے سامنے اور اس کے اوپر کیا جاتا اور طنز اور بے رخی کے تیر الگ گھائل کرتے۔ ریحان ماں کے سامنے ایک بے بس روایتی مرد تھا جو اکیلے میں اس کی کتھا سن کر اس کی دل جوئی ضرور کرتا پر اس کے اندر اپنی ماں کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت ہرگز نہیں تھی۔

٭......٭......٭

بھابی روشن اب دوبدو امی کے سامنے بولنے لگی تھیں' ان کے پاس پڑھنے آنے والے بچوں کو بغیر وجہ کے مار دیتیں' کبھی کسی کام کے لیے دوڑائے رکھتیں۔ وہ امی کو کیا اپنا حال دل سناتی کہ ان کے پاس سنانے کو اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو اپنے دکھڑے ہی بہت تھے۔ ایک دن تو وہ حیا کو بتاتے ہوئے رو ہی پڑیں کہ جلیل بھائی نے نئی گاڑی لی تھی اس کے لیے رقم کم پڑ رہی تھی وہ بے حس بن کر ہاتھ پھیلائے ماں کے سامنے آئے' پیسوں کا تقاضہ لے کر۔

"مگر بیٹا تم جانتے ہو کہ میں نے اپنے حج پر جانے کے لیے جو رقم پس انداز کی تھی اس میں سے بھی پہلے خلیل کو ضرورت پڑی پھر تم دونوں کی شادیاں ہوئیں' اپنی تنخواہ میں سے تم مجھے ایک پائی نہیں دیتے ہو۔ گھر کا جو بھی گزارا چل رہا ہے وہ صرف اسی سینٹر کی بدولت' مجھ سے پوچھو کتنے جتن سے میں یہ کر پاتی ہوں۔ پائی پائی کر کے پاک گھر کے دیدار کے لیے جو پونجی تھی وہ تو اس پرندے کے گھونسلے کی طرح اس وقت ختم ہوگئی جب برسات کا موسم آتا ہے اور وہ نیا گھر بنانے کو ہانپ ہانپ جاتا ہے۔ میں بھی تڑپتی ہوں وہاں جانے کو کہ اب یہ آنکھیں کچھ اور نہیں دیکھنا چاہتیں اور تم ماں کا وسیلہ بننے کی بجائے الٹا ہاتھ پھیلائے آ کھڑے ہوئے ہو۔" زندگی میں پہلی بار ان کا ضبط جواب دے گیا اور وہ روتے ہوئے یہ سب کہہ گئی تھیں۔

"بس کریں امی اس طرح کی اموشنل باتیں' لاڈلے بیٹے کے لیے آپ کے پاس سے لاکھوں روپیہ نکل آیا تھا۔ حیا کی شادی کیسے دھوم دھام سے کی اور اب میرے لیے چند ہزار دیتے ہوئے آپ کا دل بھی تنگ پڑ گیا اور ہاتھ بھی۔ سارے مسئلے مسائل اب آپ کو یاد آ گئے۔" وہ ان کی ساری ریاضتیں راتوں کے رتجگے' ہاتھوں کے چھالے' چہرے پر مصائب و آلام کی جھریاں سب کچھ نظر انداز کر کے بولا اور اگلے ہی روز روشن کے ساتھ اس گھر سے سدھار گیا۔

"جب آپ کو ہم سے کوئی لینا دینا نہیں تو آپ اپنی اس دنیا میں خوش رہیے اور ہمیں اجازت دیں۔" صبح جس وقت وہ ان کے پاس آیا تھا بے رخی اور بیگانگی کے جو تاثرات اس کے چہرے پر تھے وہ امی کا دل چیر گئے وہ کہہ نہ سکیں کہ اپنے سہاگ کی واحد نشانی ایک سونے کا کنگن

انہوں نے نکال کر رات کو ہی رکھ دیا تھا یہ سوچ کر کہ مرنے والا تو چلا گیا اب تو وہ اولاد کے دم سے اور اولاد ان کے دم سے ہے یہ اس کے حوالے کردیں گی۔ چپ چاپ کھڑے دونوں میاں بیوی کو وہاں سے جاتا دیکھتی رہیں۔

”ہفتہ ہوگیا اور آپ اس گھر میں اکیلی رہ رہی ہیں اور آپ نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔“ حیا نے ان کے ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے کہا۔

”تم کیا کرلیتی میری بچی اور میں اکیلی کہاں سارا دن بچوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے سینٹر کی لڑکیاں بھی آجاتی ہیں۔ ہاں رات کو سونے کے لیے محلے میں سے کوئی نہ کوئی آجاتا ہے وہ مالک ہے ناں مصیبت میں تنہا نہیں چھوڑتا' یہ وصف تو انسانوں میں ہوتی ہے۔ تم بتاؤ آج تمہارے لیے کیا پکاؤں' کیا کھاؤ گی؟ اور یہ اتنی کمزور کیوں ہورہی ہو حیا! خوش تو ہوناں؟“ ماؤں کے دل اولاد کی جانب سے فوراً ہی خوشی اور غمی کے سگنلز وصول کرلیتے ہیں۔

”کچھ نہیں امی بس ویسے ہی آپ کو لگ رہا ہے یہ بتائیں آپا کیسی ہیں.....کوئی فون وغیرہ آیا ان کا؟“

”ہاں ٹھیک ہے وہ بھی اکثر اس کا فون آجاتا ہے' تمہارا پوچھتی ہے کہہ رہی تھی کہ حیا کو بھی فون کروں گی لیکن تم اسے کچھ مت بتانا اپنے بھائی بھابی کے بارے میں۔ پردیس میں پریشان ہوتی رہے گی میری بچی!“ امی نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ دروازے پر ہونے والی دستک پر دونوں چونک گئیں۔ امی نے جاکر دروازہ کھولا اور کچھ ہی دیر میں بہت سی کھانے پینے کی چیزوں کے ہمراہ لدی پھندی نظر آئیں پھر انہوں نے حیا کو یاد دلایا کہ بچپن میں ان کے محلے میں رہنے والا ایک بچہ جس کی والدہ وفات پاچکی تھیں' والد نے دوسری شادی کرلی تھی اور جینا حرام کر رکھا تھا ان کے پاس قرآن پڑھنے آتا تھا۔ سوتیلی ماں کی وجہ سے اس کا باپ بھی بچے کی ضروریات اور تعلیم سے بے خبر ہی تھا' میں ہی اس کو بھوکا محسوس کرکے کھانا کھلا کے بھیجتی تھی' ایک بار اسکول میں داخلے کے لیے رقم درکار تھی وہ بچہ روتا ہوا آیا کہ ماں باپ کے پاس پیسے نہیں ہیں' میں نے کہا کہ آپ تعلیم کا عمل کبھی مت چھوڑنا کبھی پیسوں کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لیا کرنا حالانکہ اس کی ماں نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسکول جائے' کولہو کے بیل کی طرح کام لیتی تھی بے چارے سے۔ میٹرک کرکے کسی نہ کسی طرح اس گھر میں گزارا کیا پر ایک دفعہ اس ظالم عورت نے وہ چار چوٹ کی مار لگائی کہ بے چارے کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی' تب وہ روتا ہوا میرے پاس آیا تھا وہ یہاں سے اپنے سگے ماموں کے پاس جانا چاہتا تھا جو کسی دوسرے شہر میں تھا اس کے پاس کرائے کے لیے پیسے تھے نہ آنکھ کے علاج کے لیے' سگا باپ ہمیشہ کی طرح انجان اور اس کی ذات سے بے پروا دوسری بیوی کے بچوں میں مست و مگن۔ تب میرے پاس جتنی رقم ہوسکی اس کے حوالے کی کہ جاکر اس سے کسی ڈاکٹر کو دکھالے۔

وہاں سے وہ اپنے ماموں کے پاس گیا جس کی سوئی ہوئی محبت بھانجے کو دیکھ کر جاگ اٹھی اپنے ساتھ دبئی لے گیا بس قسمت نے پھیر بدلا تو وہ غریب بے بس لڑکا آج لاکھوں میں کھیلتا ہے۔ جس کام کاروبار میں ہاتھ ڈالا قسمت چمک اٹھی پر آنکھ کی بینائی نہ لوٹ سکی۔ محبتوں اور رشتوں کے معاملے میں غریب تھا غریب ہی رہا۔

دو لڑکیاں زندگی میں آئیں پر انہیں صرف دولت سے دلچسپی تھی۔ خوب سمیٹ سمٹا کر بے چارے کی زندگی سے نکل گئیں' آج کچھ بن کر واپس آیا ہے تو باپ کا سایہ سر پر نہیں رہا۔ وہی سوتیلی ماں جس نے ظلم وستم کی حد کردی تھی اب صدقے واری جاتی ہے۔ دو بہنوں کی شادی کرکے بھائیوں کو کاروبار کرادیا ہے یہاں آتا ہے میرے پاس ہر دوسرے تیسرے دن' کوئی چکر بھی خالی نہیں ہوتا۔ کبھی پھل' کبھی راشن' منع کروں تو ناراض ہوتا ہے کہ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں کیا' ماں کے روپ میں تو آپ کو ہی دیکھا ہے۔ میری ماں آپ ہی ہیں بس' چہرہ پر رونق لیے امی اسے عبدالقادر کے بارے میں بتاتی چلی گئیں۔

اس بار حیا ان کی طرف سے کچھ مطمئن واپس لوٹی تھی ورنہ ہر بار بھابی کی طرف سے پھیلایا گیا انتشار امی کی

پریشانی بھائیوں کا بے رخی کا رویہ لے کر اپنے گھر کو لوٹی تھی
پر اس بار ان سب میں سے کوئی بھی پریشانی اس کے ہمراہ
نہیں تھی۔

اس دن حور حسب معمول کالج اور اماں محلے کے دورے
پر تھیں جب وہ کسی کام سے چھت پر آئی پرانے اسٹور میں
کاٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا اور دروازہ ہمیشہ بند ہوتا لیکن آج کھلا ہوا
تھا۔ وہ بند کرنے کی غرض سے آگے بڑھی آئی پر ابھی اس کے
ہاتھوں نے دروازے کو چھوا ہی تھا کہ اندر کے نظر آنے
والے منظر نے حیرت سے اس کے ہاتھ وہیں ساکت
کردیے۔ زیبی آپا اس کا عروسی لباس زیب تن کیے کسی نئی
نویلی دلہن کی طرح گرد آلود گرم فرش پر ایسے بیٹھی تھیں جیسے
نرم و گداز مسہری پر۔ وہ کچھ بول بھی رہی تھیں لیکن خود کو دیکھ
لیے جانے کا ڈر تھا جو حیا کو دوبارہ نیچے آنے پر مجبور کر گیا تاہم
زیبی آپا اسے نہیں دیکھ پائی تھیں کیونکہ ان کی حیا کی جانب
پشت تھی۔ حیا کو ان کی بیماری کا ڈھونگ ریحان کے ساتھ
اسے دیکھ کر ان کی حرکتیں' سب کچھ پوری جزئیات کے
ساتھ سمجھ میں آ گیا۔ وہ بھی ارمانوں سے بھری' جذبوں سے
گندھی لڑکی تھیں اور ان کے اندر بھی ایک گھر' اپنی تکمیل کے
احساس کا جذبہ موجود تھا اور ہر کوئی ہر جذبہ اپنے اندر دبا نہیں
پاتا وہ بھی نہیں دبا پائی تھیں۔

گھر میں کسی بھی مصروفیت کے نہ ہونے پر ان کے
ان جذبوں کو اور ہوا دی تھی نتیجتاً حیا کو ایک بیاہتا عورت کے
روپ میں دیکھ کر وہ جو کچھ کر گزرتیں سو کیا' اس پر ان کا اپنا
اختیار نہیں تھا۔ ریحان کا بیوی سے التفات وہ برداشت ہی
نہ کر پاتیں' ان کی شکل و صورت میں موجود عیب کو زمانے
والوں نے ان کی کمزوری بنا کر ٹھکرا دیا تھا۔ پتا نہیں کس ٹائم
وہ اس کی الماری سے اس کا عروسی لباس نکال لے گئی تھیں
اپنی ناتمام حسرتوں کی تکمیل کے لیے' حیا کی آنکھوں میں
آنسو آ گئے۔ ہمدردی کا یہ جذبہ اگلے چند دنوں میں بالکل
ہی ختم ہو گیا جب حیا کو اپنے اندر خوش گوار تبدیلی کا احساس
ہوا۔ اماں بھی ریحان بھی خوش تھے اور اس کے ناز اٹھاتے
نہ تھکتے تھے یہی بات زیبی آپا کو آگ لگا دیتی انہوں نے
ایسی عجیب عجیب حرکتیں شروع کردیں جو خالصتاً حیا کی
جان کو نقصان پہنچانے کے درپے تھیں۔

ایک روز کچن میں شفاف فرش پر حیا کے آنے سے
پہلے اتنا آئل گرادیا کہ وہ اندر داخل ہو کر توازن برقرار نہ رکھ
سکی اور دھڑام سے گر گئی وہ تو خیر قسمت اچھی تھی کہ اسے
چوٹ تو لگی پر زیادہ نقصان نہ ہوا۔ اس سے کچھ نہ بنا تو اگلی
دفعہ انہوں نے جان بوجھ کر ایسے ٹانگ اڑائی کہ حیا منہ
کے بل زمین پر گری' نقصان تو اس بار بھی نہ ہوسکا کہ اللہ
جس روح کو بھیجنے کا ارادہ فرمالے اسے دنیا کی کوئی سازش
بھی پیدا نہ ہونے سے نہیں روک سکتی پر حیا بُری طرح سے
خوف زدہ ہوگئی تھی۔ رہی سہی کسر اماں کے پیر صاحب کی
گوہر افشانیوں نے کی اور ایک دن تو جب' بہت دنوں بعد
ریحان حیا کو باہر لے کر گیا ان کے واپس آنے پر ماحول
سخت کشیدہ تھا' ریحان کا پوچھنا ہی غضب ڈھا گیا۔

"اپنی بیوی سے پوچھو کہ کیا کچھ کرتی پھر رہی ہے؟"
حیا ناسمجھی کی حالت میں کھڑی رہ گئی۔ "پوچھو اسے کہ کیا اس
نے پانی پر کچھ ایسا ویسا پڑھ کر ہم سب کو نہیں پلایا۔"

"افوہ اماں! یہ آپ کن فضول توہمات میں پڑ گئی ہیں'
حیا کو بھلا کیا ضرورت ہے ایسا کچھ کرنے کی۔" وہ جی بھر کر
بے زار ہوا۔

"توہمات نہیں ہیں میں نے صبح خود اس کو پانی پر کچھ
پڑھ کر پھونک مارتے دیکھا ہے اور تصدیق پیر صاحب
نے کردی ہے۔" حیا روہانسی ہوگئی۔

"اماں میں نے پانی پر آیت ضرور پڑھ کر پھونک ماری
تھی' امی نے کچھ قرآن پاک کی آیات بتائی تھیں جو ایسی
حالت میں پڑھ کر حاملہ پیئے تو بچہ نیک اور صحت مند ہوتا
ہے۔ اس سے آپ کا تو کوئی تعلق نہیں ہے۔" دفعتاً ایک
طرف خاموش بیٹھی زیبی آپا تیزی سے جھپٹ کر حیا کے
پاس آئیں اور یکے بعد دیگرے اسے کئی تھپڑ مارے اور
ہذیانی انداز میں بولنا شروع کردیا۔

"کمینی...... جب سے آئی ہے نحوست ڈال دی
ہمارے گھر میں' ہمارے بھائی پر قبضہ کرلیا۔ شریکوں کے

ساتھ مل کر ہمیں برباد کرے گی اس سے پہلے میں تجھے برباد کردوں گی۔" زیبی آپا یقیناً اس وقت اپنے ہوش میں نہیں تھیں بُت بنے ریحان میں اچانک حرکت ہوئی اور اس نے زیبی کو جھٹکے سے حیا سے دور کیا جو اسے بُری طرح زدوکوب کررہی تھیں۔ حیا روتے ہوئے ہاتھ سے انہیں دور بھی ہٹا رہی تھی اور کہتی جارہی تھی۔

"آپا میں نے کچھ نہیں کیا...... میں نے کچھ نہیں کیا' قسم لے لیں۔" زیبی آپا نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بھاگ کر کچن میں سے تیز دھار چھری لے آئیں۔

"بس ریحان میں نے کہہ دیا کہ اس گھر میں یہ حرافہ رہے گی یا میں......" وہ زیبی آپا نہیں ایک وحشی عورت کا روپ تھا اماں نے اور حور نے رونا اور واویلا کرنا شروع کردیا۔

"اسے چھوڑ دو ریحان! نہیں تو میں یہ چھری اپنے پیٹ میں گھونپ لوں گی۔" وہ خونخوار لہجے میں پھنکاریں' حیا کی رنگت بے حد سفید پڑ گئی۔ اس نے ملتجی نظروں سے ریحان کی طرف دیکھا جو دم بخود کھڑا تھا پھر اچانک وہ تیزی سے زیبی آپا کے پاس آیا۔

"زیبی یہ چھری تم مجھے دے دو میں وعدہ کرتا ہوں جیسا تم کہو گی ویسا ہوگا۔" ساتوں آسمان گویا حیا پر ایک ساتھ ہی گر پڑے زیبی نے ایک پل کو ریحان کی آنکھوں میں دیکھا اور اپنے مطالبے کا یقین پاتے ہی غیر محسوس انداز میں چھری ریحان کے ہاتھ میں پکڑا دی۔

"تم اپنا بیگ لے کر آؤ' میں تمہیں چھوڑنے جارہا ہوں۔" اس کو دیکھے بغیر ریحان نے کہا۔

"مم...... مگر ریحان......"

"جاؤ میں کہتا ہوں۔" اس کے دہاڑنے پر حیا بھاگتی ہوئی بہتے آنسوؤں کے ساتھ اپنے کمرے میں گئی اور بیگ میں تین چار سوٹ رکھے اور واپس آگئی۔ ریحان بائیک واپس گلی میں نکال رہا تھا اماں بالکل چپ اور زیبی آپا ساکت بیٹھی تھیں کسی بُت کی طرح۔ حور اس ڈرامے سے بے زار ہوکر شاید اندر جاچکی تھی' ہونٹ بھینچے ریحان نے موٹر سائیکل کو آخری اسپیڈ پر بھگایا اور پندرہ منٹ کے بعد امی کے گھر کے سامنے بریک لگائی۔

"مجھے معاف کردینا حیا! سوائے اس کے کوئی حل نہیں تھا لیکن پریشان مت ہونا' میں نے تمہیں چھوڑنے کے لیے نہیں اپنایا۔" اسے اندر قدم بڑھاتے دیکھ کر اس نے کہا اور دوبارہ سے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرکے جلد ہی اس کی نظر سے اوجھل ہوگیا۔

"حیا...... تم اس وقت بیٹا!" امی جو دروازے پر کھٹکا سن کر باہر آئی تھیں' اسے اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔ حیا کے ضبط کا دامن بس یہیں تک تھا اس نے روتے ہوئے پہلے دن سے لے کر آج تک کی یہ ساری کتھا سناڈالی۔

"تمہیں اپنا گھر کسی صورت میں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا حیا اور جہاں تک میں سمجھتی ہوں وہ بچی زیبی اتنی قصور وار نہیں ہے اس سارے قصے میں جتنی تمہاری ساس ہیں۔ بچیوں کی شادی جلد ہوجائے اچھی بات ہے' اتنی عمر تک نہ ہو تو بھی اسے شریکوں کی سازش' شکل وصورت میں کسی قسم کی کمی کا بار بار جتانا بھی لڑکی میں احساس کمتری کو ہوا دیتا ہے' تمہاری ساس نے یہی کچھ کرکے اس بچی کو نفسیاتی مریض بنادیا' اوپر سے یہ تعویذ گنڈوں کے سلسلے توبہ استغفار...... خدائی کاموں میں دخل اندازی کرنا تو صریحاً شرک ہے اور ہم کمزور عقیدہ انسان اندھا دھند ایسے لوگوں کے مال کے اضافے میں سبب کا باعث بنتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہر مسئلے کا حل ان کے پاس موجود ہے۔ ارے یہ لوگ اگر اتنے پہنچے ہوئے ہیں تو میں پوچھتی ہوں اتنی گندی اور غلیظ گلیوں میں کیا کررہے ہیں' سیدھے جنت میں کیوں نہیں چلے جاتے۔" وہ کڑھتے ہوئے بول رہی تھیں۔

"اچھا تم پریشان مت ہو' اللہ مسبب الاسباب ہے' میں ریحان کو بلوا کر اس سے بات کرتی ہوں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے اللہ پر بھروسہ رکھو۔" انہوں نے گود میں سر رکھ کر لیٹی حیا کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا اور خود کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

اس نے آنسو بھری نظر سے کالے غلاف میں لپٹے عظیم الشان بیت اللہ پر نظر ڈالی' اسے لگا وہ کبھی بھی اتنی شان والے گھر کو اتنی دیر نہیں دیکھ سکتی۔ خوف اور شکر گزاری کون کون سا جذبہ اس پانی میں نہیں چھپا تھا' جو پانی اس وقت اس کے چہرے پر رواں تھا۔

اس نے آنکھ کھلتے ہی اپنے گرد ایک پُرسکون محبتوں بھرا ماحول دیکھا' اماں فطرتاً بے پروا تھیں پر ابا بچوں پر بے حد جان دیتے تھے۔ خوشیوں بھرے وہ دن مختصر ٹھہرے تھے روڈ ایکسیڈنٹ میں ابا کیا گئے دنیا ہی اندھیر ہوگئی وہ جو ابا کے بے حد قریب تھی اتنی سخت بیمار پڑی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ بیماری کا طویل عرصہ بھگتا کہ جب وہ اٹھی ہر چیز بدل چکی تھی۔ دنیا' زندگی' رشتے حتیٰ کہ اس کا خوب صورت سرخ و سفید چہرہ بھی بخار کے دوران چیچک کے حملے نے اس کے چہرے کو بُری طرح داغ دار کردیا۔ ترحم آمیز نظریں اور جملے اسے بار بار آئینہ دیکھنے پر مجبور کرتے اور آئینہ اسے ایسی تلخ حقیقت سے روشناس کراتا کہ وہ اس ذائقے سے بار بار آشنا ہوتے ہوئے نئی اذیت سے گزرتی۔ ابا کی پنشن سے گزارا چل رہا تھا' میٹرک کرکے جیسے تیسے اس نے اسکول میں وقت گزارا جہاں اسے لگا کہ اب چچ چچ' بے چاری' ارے یہ کیا ہوا؟ جیسے جملے برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتی وہیں اس نے پڑھائی کا سلسلہ چھوڑ دیا۔

اس کی ہم عمر کزنز' سکھیاں بیاہی گئیں وہیں اس کے دل میں بھی اسی عمر کی لڑکیوں کے سے خواب سج گئے پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے اس کی صورت کے عیب کو دھتکار کر اس کا ایک ایک خواب توڑا ان ٹوٹے خوابوں کی کرچیوں نے اس کا رشتہ اللہ سے جوڑ دیا۔ وہ اللہ سے دعا اور شکر گزاری کی بجائے شکووں کے انبار لگاتی گئی' وہیں حسد کی پہلی کونپل اس کے اندر پھوٹ پڑی۔ فراغت' منفی سوچوں نے اس کو ایسی زرخیزی دی کہ سالوں میں ہی وہ کونپل تناآور درخت میں تبدیل ہوگئی۔ کسی بھی رشتہ دار بیاہتا لڑکی کو اس کے خاوند' بچوں کے ساتھ دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ اماں کے جملے اس کی بدگمانی کو ہوا دے کر اللہ سے اس کے شکووں کی تعداد مزید بڑھا دیتے کہ ہائے بدنظروں کی نظر کھا گئی' میرے ہرے بھرے گھر کو دشمنوں نے پہلے سر کا سائیں چھینا پھر میری بچی کی پھول جیسی صورت پر عملیات کرکے بدنمائی کے داغ لگا دیئے اور اب اس کے نصیبوں پر بھی تالے لگا دیئے گئے ہیں۔

اکلوتے بھائی کی شادی کی خوشی اسے بھی بہت تھی' جیسا کہ عام طور پر لڑکیوں کو ہوتی ہے پر شادی کے تیسرے ہی دن جب ریحان حیا کو لے کر اس کی امی کے گھر جارہا تھا شرمائی شرمائی خوب صورت اور بنی سنوری حیا کو دیکھ کر اس کے اندر چھپی حاسد لڑکی پوری طرح باہر آگئی۔ دل کو جیسے زہریلی چیونٹیاں نوچ نوچ کر کھانے لگیں جب اس کے منہ سے ایک دلخراش چیخ سن کر سب چونک گئے اسے لگا پیاس سے حلق میں کانٹے اُگ گئے ہوں اور دم گھٹ رہا ہو وہ گلا پکڑے وہیں بیٹھ گئی۔ ریحان' اماں' حور' نئی دلہن سب بھاگ کر اس کے پاس آگئے' اماں اس پر پانی وغیرہ ڈالنے لگیں۔ ریحان کی توجہ اپنی دلہن سے ہٹتی دیکھ کر اس نے اپنی حالت میں حیرت انگیز تبدیلی دیکھی' اس کی کچھ دیر پہلے والی حالت یکسر تبدیل ہوگئی پھر تو یہ اکثر ہونے لگا' وہ بہت کوشش کرتی کہ اپنے کمرے میں رہے پر ریحان جب آفس سے آتا کوئی غیر مرئی قوت اسے کمرے سے باہر لا کر ان دونوں میاں بیوی کے چہرے کھوجنے پر مجبور کردیتی' جہاں ایک طرف والہانہ پن دوسری طرف محبوبانہ انداز اس کے دل میں آگ لگا دیتا۔

نئی نویلی دلہن اگرچہ گھر کے سب کاموں میں بُری طرح جت گئی تھی پھر بھی آئے روز نئے نویلے کپڑے ہلکا پھلکا زیور پہن کر جب تیار ہوتی اپنے بھائی کی آنکھوں میں بیوی کے لیے ستائش اسے پاگل کردیتی۔

ایک دن جب اماں پڑوس میں' حور کالج' حیا اپنی امی کے گھر گئی غصے میں اس نے اس کے جہیز اور بری کے سارے کپڑے اٹھا کر کتر ڈالے اور خاصا سکون محسوس کیا

پھر ایک دن جب وہ اپنے سوٹ کی میچنگ کے لیے ہم رنگ دوپٹہ تلاش کررہی تھی' حیا سے پوچھنے آگئی کہ اس نے تو نہیں دیکھا وہ وہاں نہیں تھی' بے ساختہ اس نے اس کی الماری کھولی اور اوپر والے خانے میں رکھا جگمگاتا سرخ رنگ کا عروسی لباس اسے اپنا دوپٹہ بھلا کر سسکتے ارمانوں کو جگا گیا۔ غیر مرئی طاقت کے تحت اس نے وہ اٹھایا اور سیدھا چھت پر آ گئی جہاں پر کبھی کبھار ہی کوئی جاتا تھا آج کل چونکہ گرمیاں تھیں تو گھر کے افراد کم ہی وہاں کا رخ کرتے تھے اسٹور روم کھول کر اپنے تشنہ ارمانوں کی تکمیل میں کچھ وقت گزارا' اسے لگا دل کی جلتی آگ پر ٹھنڈے چھینٹے پڑ گئے ہوں۔

اگلے چند دنوں میں اس کی دیوانگی میں مزید اضافہ ہوا جب حیا کے قدموں تلے جنت کی نوید سنی' اس کے چہرے کی کھلی مسکراہٹ' ممتا کا نور' اس کا دل کرتا وہ اسے مار ڈالے۔ اماں اسے روز چپ چاپ غیر مرئی نکتے کو تکتا دیکھتیں تو ان کے پیر صاحب کے پاس چکر بڑھ جاتے پر ہزاروں روپے اس مد میں پھونک آنے کے بعد بھی اس کی حالت میں خاطر خواہ تبدیلی واقعی نہ ہوئی پھر پیر صاحب کا شوشا کہ بہو پر بھی کڑی نظر رکھیں وہ دشمنوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس کے اندر آگ بنا گیا اور آخر اپنے اسی حسد اور احساس کمتری کے باعث اس نے اپنی بھابی اور بھائی کا گھر اجاڑ دینے میں کوئی کسر نہ رکھی پر اس ربّ کا وعدہ ہے کہ جس نفس کے حصے کا جو کچھ ہے جب تک اس تک پہنچ نہیں جائے گا موت نہیں آئے گی۔

کچھ ہی دنوں میں بھابی کی ماں اپنے ایک منہ بولے بیٹے عبدالقادر کا رشتہ لے کر آئیں' نہ بیٹی سے روا رکھے سلوک کا حساب نہ کوئی باز پرس' بس عاجزی سے اس لڑکے کی خصوصیات بتاتے ہوئے اسے فرزندی میں لینے پر زور دیتی رہیں۔ اماں کا بس نہ چل رہا تھا کہ وقت کا پہیہ پیچھے پلٹا کر حیا کے ساتھ روا رکھے سلوک کو بدل ڈالیں اور اس بھلی مانس عورت کے قدموں میں بچھ بچھ جائیں۔ جب جب اس لڑکے عبدالقادر سے ملاقات کی' شکل و صورت کے بے حد خوب صورت عبدالقادر نے اپنی آنکھ کی بینائی کسی حادثے میں ضائع ہونے کا ذکر بھی کیا' لیکن اماں پر بیٹی کا سویا نصیب کھلنے کی اتنی خوشی سوار تھی کہ عبدالقادر کا یہ پوشیدہ عیب زیبی کے ظاہری عیب کے آگے کچھ بھی نہ لگا۔ زیبی خود کسی خواب کی کیفیت میں تھی اس رشتہ کو جان کر پہلا خیال یہی آیا کہ شاید حیا کی امی اپنی بیٹی کے ساتھ رکھے گئے ناروا سلوک کا بدلہ لینے کے لیے اسے بیاہنے آئی ہیں پر وقت گزرنے کے ساتھ اس کی غلط فہمیوں کے بت ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔

حیا کو اماں دوبارہ سے منا کے لے گئیں اب اس کا ایک بیٹا تھا۔ عبدالقادر کے وجود سے زیبی کو اتنی خوشیاں ملیں اور امی کے روپ سے ایسی شفقتیں ملیں کہ وہ بھول گئی کہ شکوہ کیا ہوتا ہے حسد کیسی بُری بیماری ہے؟ اسے اپنے ربّ کے کریم اور رحیم ہونے کا کشف ان دو لوگوں سے ملا' اس نے شکر گزاری کی راہ پر قدم رکھا' زندگی آسان ہوگئی جس

ہمسفر

ہم سفر وہ نہیں جو پوری زندگی تمہارا ساتھ نبھائے بلکہ ہمسفر تو وہ ہے جو آپ کو چند لمحوں میں پوری زندگی دے جائے۔

کرن عروج...... مخدوم پور پہوڑاں

ع سے عورت

عورت چاند کی طرح نہیں ہونی
چاہیے کہ جسے ہر کوئی دیکھے
بلکہ سورج کی طرح ہونی چاہیے
کہ جسے دیکھنے سے پہلے ہی
آنکھیں جھک جائیں

حرا رمضان...... اختر آباد

قابلِ غور حقیقت

کہتے ہیں کہ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا مگر کہنے والے شاید یہ نہیں جانتے کہ جس ہستی کے دم سے آپ کی زندگی کا دیا روشن ہوا گر وہی ہستی نہ رہے تو پھر جینے والوں کی طرح جیا بھی نہیں جاتا۔

ثمرین قیوم...... مرالہ کھاریاں

دن اس کو اپنی تکمیل کی خوش خبری ملی وہ رب کے حضور سجدہ ریز ہوکر اپنے کردہ ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتی رہی۔ دلوں کو توڑنا بھی تو گناہ ہے ناں اور اس نے یہ کام بہت بار کیا تھا' حیا کی نیک فطرت تھی یا اچھی تربیت کہ اس نے ایک بار پھر بغیر جتائے اسے معاف کرکے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بخت کی بلندی تھی کہ اسے ایک خوب صورت دل اور نیک سیرت رکھنے والا مرد ملا تھا وہ اس ربّ کا جتنا بھی شکر ادا کرتی کم تھا۔

❁......❁......❁
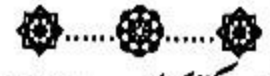
یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ ہمیشہ اچھا کرو اور آپ کو جواب میں بُرا ملے' میں جو ساری زندگی آبلہ پا سفر کرکے آئی تھی میری اولاد نے جب مجھے ٹھوکر لگائی تو میں نے خدا کی آزمائش جان کر اسے شکر کے ساتھ وصول کیا' حیا جب روٹھ کر میکے آئی اگر میں بھی ان لوگوں جیسا ہی کچھ کرتی تو شاید ان میں اور مجھ میں کوئی فرق نہ رہتا۔ مجھے اس بچی زیب النساء پر غصہ نہیں ترس آیا تھا جس کا شکل وصورت پر اپنا کوئی اختیار نہیں تھا پھر خدا نے ایک خوب صورت خیال میرے دھیان کی سمت دوڑایا تو میں نے عبدالقادر کو بلوایا وہ بھی رشتوں محبتوں کے سلسلے میں تہی دامن تھا بہت تھوڑا وقت لگا مجھے اس کو قائل کرنے میں پھر چند ہی دنوں میں زیبی کو عبدالقادر کے ہمراہ بیاہ کر اپنے اس گھر میں لے آئی' یہ عبدالقادر کی خواہش تھی۔ پیار اور اچھی تربیت کی کمی نے اس لڑکی میں بہت سی کمیاں اور خامیاں چھوڑی تھیں پر وقت اور محبت کسی بھی چیز کو سدھارنے میں کارآمد ہتھیار ہیں۔ میری بچی حیا واپس عزت سے اپنے گھر لوٹ گئی' زیب النساء دیر سے سہی ایک ایسے محبت بھرے سانچے میں ڈھل ہی گئی جس میں، میں اور عبدالقادر اسے ڈھالنا چاہتے تھے۔

عبدالقادر نے میرا اسینٹر جانا بالکل ختم کرادیا کہ میری ماں اب صرف عیش کرے گی' ہاں ادارہ کی دیکھ بھال کی اجازت ضروری تھی کہ ضرورت مندوں کی ضرورت کا یہ سلسلہ چلتا رہے پھر وہ خوب صورت دن میری زندگی میں آیا جس کی آرزو میں نے اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے کی تھی' پاسپورٹ تو میرا عبدالقادر نے بہت پہلے کا بنوا دیا تھا اس نے کب حج کے لیے درخواست دی اور کب اس پاک ذات نے اس درخوست کو شرف قبولیت بخشا' یہ سب خواب کی سی باتیں ہیں اور وہ دن جب میں میرا بیٹا عبدالقادر میری بہو اور میری بیٹی داماد ہم لوگ حج کی روانگی کے لیے تیار تھے' میرے بیٹے جلیل اور خلیل اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ شرمندہ شرمندہ سے آ کھڑے ہوئے اس اصرار کے ساتھ کہ میں ان کے ساتھ چل کر رہوں کہ میرے دم سے ہی ان کی دنیا وآخرت میں جنت ہے۔ میں نے بغیر کچھ جتائے محبت سے ان کو گلے لگالیا لیکن میرا اپنا گھر یہ ہے جہاں میرا عبدالقادر ہے' اس کی دنیا ہے' اس کی جنت ہے وہ بھی میری اولاد ہے۔ کبھی کبھار ان کے پاس بھی جایا کروں گی مجھے میرے ربّ نے میری اوقات سے زیادہ اتنا زیادہ نواز دیا ہے کہ کسی کی زیادتی یاد ہی نہیں پھر ماں بھلا کب اولاد کی زیادتیاں یاد رکھتی ہے۔

عبدالقادر اب بھی اپنی سوتیلی ماں کی کفالت کررہا ہے حالانکہ اس کے اپنے بیٹے بھی اب اچھا خاصا کمانے لگے تھے آج عبدالقادر' میں' زیب النسا اور میرے بیٹی داماد ایسی مقدس جگہ پر ہیں' جس جگہ پر آنے کی خواہش ہر مسلمان کرتا ہے' پر نصیبوں والے ہی یہاں پہنچ پاتے ہیں۔ مجھے اب زندگی سے کچھ نہیں لینا کہ موت بھی آجائے تو ایسی جگہ پر دفن ہونا سرآنکھوں پر جہاں میرے اللہ کا گھر اور سوہنڑے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اقدس ہے۔ میں اب جونہی یہ موڑ مڑوں گی اللہ کے پاک گھر کا منظر سب کچھ بھلا کر ساری توجہ اپنی طرف مرکوز کرالے گا' دنیاوی سوچ کے یہ سارے سلسلے یہیں پر رک جائیں گے۔

ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور

قسط نمبر 25

مجھے یقین تو نہیں ہے مگر یہی سچ ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتی ہوں
یہی نہیں کہ تجھے جیتنے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی ہار سکتی ہوں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

مصطفیٰ کے گولی لگنے پر سب ہی خوف کا شکار ہوجاتے ہیں ایسے میں شہوار بالکل ساکت رہ جاتی ہے انتہائی بے قراری کے عالم میں وہ مصطفیٰ کو پکارتی ہے جبکہ مصطفیٰ ہوش وحواس سے بیگانہ ہوجاتا ہے۔اس کی حالت کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتے وہ عجیب کیفیت کا شکار ہوتی ہے۔ بروقت طبی امداد ملنے پر مصطفیٰ کی حالت خطرے سے باہر ہوجاتی ہے اس دوران گھر کے سب ہی لوگ اسپتال میں اسے ملنے کی خاطر آتے ہیں جبکہ شہوار ایک بار بھی مصطفیٰ کی عیادت کی غرض سے نہیں جاتی دوسری طرف مصطفیٰ ازخود فون کرکے شہوار سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن فون پر بھی شہوار کے رویے میں عجیب لاتعلقی محسوس کرکے مصطفیٰ اس عمل کو ناپسندیدگی پر محمول کرتے فون منقطع کردیتا ہے۔ مصطفیٰ کی خراب حالت کے پیش نظر ولیمہ کا پروگرام ملتوی کردیا جاتا ہے گاؤں سے آنے والے مہمان اس خبر سے آگاہ نہیں ہوتے دوسری طرف بابا صاحب کو بھی اطلاع نہیں دی جاتی۔شہوار کی رخصتی کے اگلے دن تابندہ ملازمین کو ضروری ہدایات دے کر حویلی چھوڑ جاتی ہیں۔وہ اپنے پیچھے بابا صاحب کے لیے پیغام چھوڑ جاتی ہیں کہ وہ ازخود لوٹ آئیں گی اور شہوار کے تمام سوالوں کے جواب بھی دیں گی بابا صاحب تابندہ کا خط پڑھ کر الجھ جاتے ہیں وہ شاہزیب کو فون کرکے انہیں تابندہ کے حویلی چھوڑنے کا بتاتے ہیں جبکہ دوسری طرف شاہزیب بھی متفکر ہوجاتے ہیں۔ولید اس حادثے کے بعد خود میں کافی تبدیلیاں محسوس کرتا ہے وہ انا سے اپنے دل کی بہت سی باتیں شیئر کرتا ہے۔جس پر انا اس تبدیلی پر بہت مسرور ہوتی ہے موت کو اس قدر قریب سے دیکھ کر اس کی سوچ کا انداز یکسر بدل جاتا ہے۔تابندہ حویلی چھوڑ کر خالہ بی کے پاس آجاتی ہیں اور انہیں شہوار کی رخصتی کا بتا کر اپنے یہاں قیام کا بھی کہہ دیتی ہیں۔خالہ بی کا بیٹا فرید فالج کا شکار قوت گویائی سے محروم ہے اور گھر کی حالت نہایت ابتری کا شکار ہوتی ہے تابندہ تمام ذمہ داری خود پر لیتے ان کی مشکلات کا مداوا کرنے کا ارادہ کرتی ہیں۔وہ خالہ بی سے اپنی تلاش میں کسی کے یہاں آنے کا پوچھتی ہیں۔جس پر خالہ بی ایک شخص کے آنے کا بتا کر خاموش ہوجاتی ہیں لیکن اب اس شخص کا انہیں بھی کچھ اتا پتا معلوم نہیں ہوتا تابندہ ماضی کے دھندلکوں میں گم ہونے لگتی ہیں۔اصل میں یہ گھر تابندہ کا تھا جو انہوں نے خالہ بی کے نام کردیا تھا اور خود شہوار کو لے کر حویلی چلی گئی تھیں۔بابا صاحب کو بھی انہوں نے سکندر سے اپنی شادی اور اس گھر کے بارے میں بتادیا تھا تب بابا صاحب نے معلومات حاصل کی تھیں تو ان کی باتوں کی صداقت کی گواہی مل گئی تھی مگر آج تابندہ کا اچانک حویلی چھوڑ جانا بابا صاحب کو خدشات میں مبتلا کردیتا ہے دوسری طرف شہوار کو اس تمام صورت حال سے بےخبر رکھا جاتا ہے۔ولید کے مسلسل نظر انداز کرنے پر کاشفہ آفس پہنچ کر اسے اپنی محبت کا یقین دلاتی ہے جبکہ اس بےباک رویے پر ولید مزید مشتعل ہوتے صاف انکار کردیتا ہے اس انکار پر کاشفہ خودکشی کرلیتی ہے اور اس کا ذمہ دار ولید کو ٹھہراتی ہے۔شہزاد کی زبانی ایاز کو مصطفیٰ کے زخمی ہونے اور باقی سب کے بچ جانے کی اطلاع ملتی ہے

جس پر وہ نہایت برہم ہوتا ہے شہزاد آنے والے حالات سے ایاز کو آگاہ کرتے اسے محتاط رہنے کا کہتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف شاہزیب اور امجد خان بھی ایاز کی تلاش کا کام تیز کردیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

○......❖❖......○

وہ تیزی سے بستر سے اترا اور لائٹ جلائی، ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، پھر اس نے ایک دم سے موبائل نکالا اور کاشفہ کے باپ عبدالقیوم کا نمبر ڈائل کیا۔ یہ نمبر اس کے پاس تب سے تھا جب کاشفہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور انہوں نے اسے یہ نمبر دیا تھا اور اس نے اس نمبر پر کئی بار کال کر کے ان سے کاشفہ کی طبیعت دریافت کی تھی۔

○......❖❖......○

"السلام علیکم سر۔" عباس آج آفس آیا تو اپنے کیبن میں بیٹھنے کی بجائے شاہزیب صاحب کے کیبن میں آبیٹھا۔ رابعہ کو اطلاع ملی تو وہ وہیں چلی آئی۔ عباس نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

"سر یہ پیپرز چیک کرلیں تاکہ باقی ڈیپارٹمنٹس میں فارورڈ کیے جاسکیں۔" اس نے کہا تو عباس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے فائل لے لی۔

"سر آپ کے بھائی کے بارے میں سنا بہت دکھ ہوا۔" اس نے رسماً کہا۔ عباس نے سر ہلا دیا۔

"بس اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔ ورنہ کب سوچا تھا کہ یہ حادثہ بھی ہوسکتا ہے۔" عباس نے سنجیدگی سے کہا۔ عباس نے پیپرز چیک کرتے اسے فائل تھمائی۔

"آپ نے آج جوائن کیا تھا یا کل؟" عباس نے پوچھا۔

"ہم نے کل ہی جوائن کرلیا تھا۔" اس کا انداز پراعتماد تھا۔

"آپ سنائیں آپ ٹھیک ہیں نا؟" عباس کے سوال پر وہ چونکی۔

"جی سر، الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔" مسکرا کر اس نے کہا۔

"دوبارہ عادلہ کی طرف سے کوئی رابطہ وغیرہ ہوا؟" عباس نے مزید پوچھا اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلو اللہ کا شکر ہے اس عورت کو عقل تو آئی۔"

"میں حیران ہوں سر وہ ایک دم سے پیچھے ہٹی ہیں ورنہ میں تو اس عورت کی کالز اور دھمکیوں سے سخت خوف زدہ ہوچکی تھی۔"

"ایسے لوگوں کی کچھ برین واشنگ کی ضرورت ہوتی ہے جتنا ہم خوف زدہ ہوں اتنا ہی یہ لوگ ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں آپ بالکل نارمل رہیں کوئی ضرورت نہیں ایسے لوگوں سے ڈرنے کی امید تو ہے کہ وہ کوئی رابطہ نہیں کرے گی مگر پھر بھی ایسی ویسی کوئی بات ہو بھی تو آپ پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کیجیے گا۔" عباس نے سختی سے ہدایت کی۔

"جی سر۔" وہ خاموشی سے سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی تو عباس نے خاموشی سے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

عادلہ کے بعد پہلی بار کسی لڑکی نے اپنی طرف توجہ کھینچنے کی کوشش کی تھی عادلہ سے جڑا تعلق اب اس نہج پر تھا کہ جہاں اب واپسی کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی پہلے آفاق کی وجہ سے اور پھر خاندانی شرافت کے سبب بہت عرصہ تک وہ خاموش رہا تھا اور یہ خاموشی عادلہ کو اور شہ دیتی تھی۔ مگر اسے یقین تھا کہ اس کے اب کے اٹھائے جانے والے اقدام سے عادلہ کی عقل ضرور ٹھکانے آئی ہوگی۔ اگر نہ بھی آئے تو بھی اس کے متعلق کوئی بھی منتقمانہ کارروائی کرنے سے پہلے اپنے انجام کے

بارے میں ضرور سوچے گی۔ اسے اب عادلہ کی طرف سے کوئی خوف نہ تھا مگر وہ بس اس لیے محتاط تھا کہ کہیں اس کی اندرونی چپقلش کے سبب کسی لڑکی کی زندگی برباد نہ ہوجائے۔ مگر شادی میں کئی بار جس طرح رابعہ سے سامنا ہوتا رہا وہ اسے دیکھ کر چونکتا رہا تھا۔ وہ اسے اچھی لگی تھی مگر یہ پسندیدگی صرف ایک خاص حد تک تھی اس سے زیادہ وہ اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اب پھر رابعہ سے سامنا ہوا تو لاشعوری طور پر اسے سامنے دیکھ کر پھر اپنائیت کا احساس جاگا تھا۔ عباس کو اپنی کیفیات عجیب سی لگیں تو وہ سر جھٹکتے گہرا سانس لیتے اپنے سامنے کھلی فائل کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ شاہزیب صاحب اور ساجد آفس نہیں آئے تھے اور ان دونوں کی غیر موجودگی میں اسے ہی سارا کام دیکھنا تھا۔

○......❖❖......○

رات کے اس پہر ولید کی کال سن کر عبدالقیوم ایک دم چونک اٹھے تھے' کاشفہ رات گئے گھر لوٹی تھی اور آتے ہی کمرے میں بند ہوگئی تھی وہ بھی سونے لیٹ چکے تھے اب ولید کی کال پر بے دار ہوئے اور ولید نے جو بتایا اسے سن کر وہ پریشان ہوگئے تھے۔ ولید کی بات سچ تھی کاشفہ نے واقعی نیند کی گولیاں کھالی تھیں مگر وہ لوگ اسے فوراً اسپتال لے آئے تھے۔

عادلہ اور مسز عبدالقیوم ساتھ ہی تھیں اور باقی کی ساری رات اسی بھاگ دوڑ میں گزر گئی تھی۔ خودکشی کی کوشش کی گئی تھی پولیس کیس بنتا تھا مگر ان کا پیسہ کام آ گیا تھا ولید نے کئی بار کال کرکے کاشفہ کی خیریت پوچھی تھی۔ اب دوپہر کے گیارہ بج رہے تھے وہ صبح فجر کے وقت گھر چلے گئے تھے مگر اب پھر آ گئے تھے۔

کاشفہ خطرے سے باہر تھی اور اب سو رہی تھی جب ولید نے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔ وہ اندر آ گیا تھا ان سے سلام دعا کے بعد کاشفہ کی خیریت پوچھنے لگا تھا۔

''تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ کاشفہ نے ایسا کیوں کیا ہے؟'' عبدالقیوم صاحب نے سوئی ہوئی بیٹی کو دیکھتے ولید سے پوچھا۔

''کیوں کاشفہ نے کچھ نہیں بتایا؟'' اس نے سنجیدگی سے ان کو دیکھا۔

''ہوش میں آنے کے بعد میں نے پوچھا تھا بلکہ سب نے پوچھا تھا مگر یہ خاموش ہی رہی کچھ نہیں بتایا۔'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں نے سوچا شاید تمہیں بتایا ہو۔'' ولید خاموش ہی رہا تھا۔

اس لڑکی کے پاگل پن نے اسے اندر ہی اندر پریشان کردیا تھا۔

''رات اس نے تمہیں کال کیوں کی تھی؟'' وہ ولید کو بغور دیکھتے پوچھ رہے تھے۔

''میں تو سوچکا تھا آدھی رات کو کال آئی تھی۔ مجھے نہیں پتا اس نے ایسا کیوں کیا؟'' ولید نے اب بھی سنجیدگی سے کہا۔

عبدالقیوم نے اسے بغور دیکھا...... کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہوگئے ولید کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد عبدالقیوم صاحب سے رخصت لیتا واپس آ گیا تھا وہ آفس جانے کے بجائے مصطفیٰ کی طرف آ گیا تھا۔

مصطفیٰ قدرے بہتر تھا مہرالنساء اس کے پاس موجود تھیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے کھانا کھلا رہی تھیں۔ اس وقت دوپہر کا ایک بج رہا تھا وہ کاشفہ کے پاس کافی وقت گزار کر آیا تھا مگر وہ ہوش میں نہ آئی ورنہ وہ اسے اس کی اس حرکت پر ضرور دوٹوک انداز میں بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''کل کہاں تھے؟'' مصطفیٰ نے ماں جی کو کھانا کھلانے سے منع کرتے خود چمچ کی مدد سے چاول کھاتے پوچھا۔

''بس کل آفس میں ہی سارا وقت گزر گیا تھا۔ شام کو سوچا کہ چکر لگالوں مگر پچھلے دنوں کی تھکن تھی سو نہیں آسکا۔'' ولید اس کے پاس ہی ٹک گیا تھا۔

''تم سناؤ کیسا فیل کر رہے ہو اور زخم کیسے ہیں اب؟'' اس نے پوچھا تو مصطفیٰ نے کھانا کھاتے اپنے بازو کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے مگر کندھے کا زخم کچھ تکلیف دے رہا ہے آج ڈاکٹر سے بات کی تھی اس نے چیک کیا تھا ویسے تو تسلی دے رہا تھا کہ پریشانی والی کوئی بات نہیں بس بازو کو حرکت نہ دوں۔'' وہ بستر کی کراؤن کے ساتھ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔

ولید نے متفکر نظروں سے اس کے بازو کو دیکھا۔

''زیادہ پریشانی والی بات تو نہیں۔''

''نہیں یار، اب ایسی بھی بات نہیں میں تو فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس سزا سے پتا نہیں کب یہ ڈاکٹرز مجھے ڈسچارج کرتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تو ولید مسکرایا۔

وہ کھانا ختم کر چکا تھا مہر النسا آنٹی نے اس کے سامنے سے برتن اٹھالیے تھے۔

''ولید ادھر ہی ہے میں نماز پڑھ آؤں۔'' برتن سمیٹ کر ماں جی نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ چلی گئی تو ولید نے مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔

''کیا بنا کچھ پتا لگا کس نے یہ حرکت کی تھی؟'' ولید نے پوچھا اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا مصطفیٰ کا موبائل بجنے لگا تھا۔ موبائل دائیں طرف ٹیبل پر رکھا ہوا تھا ولید نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھالیا تھا ارادہ صرف یہ تھا کہ موبائل اٹھا کر مصطفیٰ کو تھما دے گا۔ یونہی سرسری سا اسکرین کی طرف دیکھا۔

''شہوار۔'' نام دیکھ کر وہ مسکرایا۔ مصطفیٰ اس کی حرکت دیکھ چکا تھا۔

ولید نے مسکرا کر اسے موبائل تھما دیا تھا مصطفیٰ اسکرین دیکھتے ہی ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا اس نے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی مدد سے فوراً کال ریجیکٹ کر دی تھی۔ بیپ بند ہو گئی۔ مصطفیٰ نے موبائل آف کرتے اسے سرہانے رکھ لیا تھا۔

ولید نے بہت حیران ہو کر اس کی اس حرکت کو دیکھا تھا۔

''خیریت؟'' مصطفیٰ نے ولید کو حیرت سے دیکھا تو مسکرایا۔

''بالکل۔''

''تو کال کیوں نہیں پک کی۔''

''تمہارے سامنے تو کبھی نہ کرتا۔'' پُراعتماد انداز تھا ولید نے گھورا۔

''شیور یہی بات ہے نا؟''

''کیوں تمہیں کوئی شک ہے؟''

''لیکن تمہارے چہرے کے تاثرات تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں۔ لڑائی ہو گئی ہے تم لوگوں میں کیا؟'' شرارتی چھیڑنے والا انداز تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر نفی میں سر ہلایا۔

''میں ادھر بیٹھا ہوا ہوں اور وہ گھر پر ہماری کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔'' انداز سنجیدہ تھا ولید نے بغور دیکھا۔

''شہوار اسپتال آئی تھیں تمہیں دیکھنے؟'' اس نے پوچھا تو مصطفیٰ کے چہرے پر ایک دم سختی چھانے لگی۔

''لیو دس ٹاپک یار تم سناؤ انا کیسی ہے اور انکل کا کیا حال ہے۔'' مصطفیٰ نے پوچھا تو ولید کچھ پل تک خاموش رہا تھا۔

"اماں بھی ٹھیک ہے اور بابا بھی۔"

"روشی کیسی ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"کب تک شادی کا پروگرام ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"شاپنگ والے دن میں تمہیں سب بتا چکا ہوں اچھی طرح، تم مجھے الجھاؤ نہیں اور نہ میں ٹاپک بدلنے کی کوشش بھی نا کرو، پس یہ بتاؤ کس بات پر یوں ری ایکٹ کر رہے ہو؟" ولید نے پھر پوچھا۔

"آئی تھنک تم بہت پرسنل ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو ولید نے تاسف سے گھورا۔

"ہمارے درمیان کبھی کوئی بات پرسنل نہیں رہی۔ بہرحال اب نہیں پوچھوں گا اور ہاں آئندہ خبردار تم نے بھی میری ذاتیات میں دخل اندازی کی کوشش کی تو۔" اس نے چڑ کر کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

"لڑاکا بیویوں والے انداز ہیں، خفا ہو گئے ہو؟" ولید گھور کر کھڑا ہو گیا۔

"بکواس۔"

"آفس سے اٹھ کر آیا ہوں چلتا ہوں۔" ماں جی نماز پڑھ کر ابھی نہیں آئی تھیں۔

"بیٹھو یار، ماں جی آتی ہیں تو پھر چلے جانا۔"

"کیا فائدہ رکنے کا میں پھر کوئی ایسی ویسی بات پوچھوں گا اور تم کہو گے کہ میں پرسنل ہو رہا ہوں۔" مصطفیٰ مسکرا دیا۔

"خیر ایک بار گھر چلے جاؤ تب اچھی طرح بات ہوگی اس اسپتال کے بستر پر لیٹے ہوئے ہو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔"

"شکریہ نوازش۔" وہ فوراً کورنش بجا لایا تھا۔ ولید نے اسے گھور کر دیکھا پھر مسکرا کر دوبارہ بستر پر بیٹھ گیا۔

O......❖❖......O

وہ پریشانی میں کمرے سے نکلی تھی۔ زہرہ پھپو لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے اسے پریشان دیکھا تو پوچھ لیا۔

"کیا ہوا؟" اس نے ہاتھوں میں موبائل پکڑ رکھا تھا ان کے سوال پر ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"میں پچھلے دنوں سے کئی بار امی کو کال کر چکی ہوں مگر وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتیں۔" وہ پریشان تھی زہرہ پھپو چونکی تھیں لاؤنج کے دروازے سے اندر داخل ہوتے شاہزیب صاحب بھی وہیں رک گئے تھے۔

"کیوں؟"

"پتا نہیں، پہلے دن تو میرا موبائل بند تھا مگر جب سے آن کیا ہے کئی بار حویلی کال کر چکی ہوں مگر وہ ریسیو نہیں کر رہیں۔ تاج یا کوئی ملازم ہوتا ہے ہر بار کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ مصروف ہیں نماز پڑھ رہی ہیں، واش روم میں، سو رہی ہیں میں ہر بار کہتی ہوں کہ جب وہ فارغ ہوں انہیں کہیے گا کال بیک کریں مگر انہوں نے ایک بار بھی کال نہیں کی۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"بابا صاحب سے بات ہوئی؟" پھپو نے پوچھا۔

"جی کئی بار مگر وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں۔" وہ فکر مند تھی۔

ادھر مصطفیٰ کی ٹینشن تھی اور ادھر ان کے کال ریسیو نہ کرنے کی۔

"ہو جاتا ہے ایسا، تم پھر کال کر لینا۔" پھپو نے تسلی دی تبھی شاہزیب صاحب اندر آئے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" شہوار ان کو دیکھ کر احتراماً کھڑی ہو گئی تھی۔

"اپنی امی کی طرف سے پریشان ہو رہی ہے تابندہ سے بات نہیں ہو پا رہی اس کی۔" پھپو نے ہی شاہزیب صاحب کو بتایا۔

"تو اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے کہیں بزی ہوں گی۔" انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"مگر ایسا پہلے کبھی بھی نہیں ہوا نا وہ جتنی بھی بزی ہوں میری کال کے بعد کال بیک ضرور کرتی ہیں۔" وہ واقعی از حد پریشان تھی۔

"اچھا اس الجھن کو چھوڑو بیٹا، میں اسپتال جا رہا ہوں چلیں گی میرے ساتھ؟" انہوں نے اس کا دھیان بٹانے کو فوراً کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیتے انہیں دیکھا۔

"میں نے سنا ہے کبھی مصطفیٰ کو دیکھنے گئے ہیں مگر آپ ایک بار بھی نہیں گئیں۔" وہ انکل کے اس سوال پر ایک دم شرمندہ ہوگئی تھی۔

وہ تو مصطفیٰ کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت نہیں پاتی تھی مگر انکل سے یہ کیسے کہہ دیتی۔

"سوری انکل اس وقت تو میری دوست انا آ رہی ہے۔ اس کی ابھی کال آئی تھی تو آنے کی اطلاع دے رہی تھی۔" انکل کو اس نے بتایا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

"کوئی بات نہیں کل یا پرسوں مصطفیٰ کو ڈسچارج کرا کر لے آئیں گے ہم، پریشان نہیں ہوتے تابندہ کہیں بزی ہوں گی۔" انہوں نے تسلی دی تو وہ سر ہلا گئی تھی۔

وہ زہرہ پھپھو کو ہمراہ لیے چلے گئے تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی رات وہ مصطفیٰ والے کمرے میں تھی مگر صبح سے اپنے ہی کمرے میں تھی۔ کچھ دیر بعد ملازمہ اس کی دوستوں کی اطلاع کے ہمراہ آ گئی تھی۔

وہ صبح سے عام سے حلیے میں تھی مگر ملازمہ کو ان کو بٹھانے کا کہہ کر فوراً واش روم میں گھس گئی تھی اچھا سا لباس پہن کر ہلکی پھلکی جیولری کے ہمراہ جب وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو انا کے ساتھ دو تین اور کلاس فیلوز کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"کیسی ہو؟" وہ فرداً فرداً سب سے گلے ملی تھی۔ ان کے سوال پر سر ہلا کر بیٹھ گئی تھی۔

"تم نے ذکر ہی نہیں کیا کہ تم کالج گئی ہوئی تھی۔" اس نے انا سے کہا۔

"ہاں میں اگلے دن ہی سے کالج جا رہی ہوں آج بھی کالج سے جلدی وقت نکال کر ان لوگوں کے ساتھ ادھر آئی ہوں۔" انا نے اپنی کلاس فیلوز کو دیکھ کر کہا۔

وہ تینوں پہلے تو اس سے یوں چھپ چھپا کر شادی کر لینے پر خوب خفا ہوئی تھیں اور پھر مصطفیٰ کے حوالے سے حال احوال پوچھنے لگی تھیں۔

"یار ہم دونوں کالج سے غائب ہیں اور پھر دوبارہ کالج جانے پر ان لوگوں نے پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ تمہاری شادی اٹینڈ کر رہی تھی ویسے بھی اب اس میں چھپانے والی کوئی بات تھی نہیں جو میں چھپاتی۔" انا نے بھی وضاحت کی تھی وہ خاموش ہوگئی تھی۔

صبا، عائشہ اور لائبہ بھی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں باقی مہمان جا چکے تھے صرف دونوں پھپھو، عائشہ اور صبا موجود تھیں۔ ان کا ارادہ چند دن ٹھہر کر جانے کا تھا۔ ملازمہ ان لوگوں کے لیے کھانے پینے کے لوازمات لے آئی تھیں۔

اس کے بعد عائشہ کے کہنے پر شہوار ان سب کو گھر دکھانے لگی تھی۔ سارا گھر دکھانے کے بعد وہ ان کی فرمائش پر ان کو مصطفیٰ والے روم میں لے آئی تھی پنک رنگ کی کلر اسکیم کے تحت سارا کمرہ ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔ انا بھی پہلی بار مصطفیٰ کا کمرہ دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

"ماشاء اللہ تم تو بہت لکی ہو شہوار اتنا اچھا سسرال ملا ہے تمہیں۔" ان کی دوستیں اس پر رشک کر رہی تھیں۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"مصطفیٰ بھائی کا کمرہ تو بہت ہی پیارا ہے۔" مرجھائے ہوئے پھولوں کی ڈیکوریشن جوں کی توں تھی۔ کسی نے بھی ان کو اتارنے کا نہیں کہا تھا اور نہ ہی شہوار نے سوچا تھا۔ انا نے اطراف میں دیکھتے مسکرا کر کہا تھا۔

"تم مصطفیٰ بھائی سے ملنے اسپتال گئی تھیں۔" اچانک اسے یاد آیا تو اس نے پوچھا تو وہ ایک دم گھبرائی تھی فوراً دوستوں کی طرف پلٹی۔

"آؤ تم سب کو باہر لان دکھاؤں۔" وہ انا کا سوال ٹال گئی تھی انا نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو کیا شہوار ابھی بھی اسی مقام پر ہے۔" اس کے اندر بے چینی سی پیدا ہونے لگی تھی۔ جی تو چاہا کہ فوراً اس سے سوال و جواب شروع کردے مگر اس کے ہمراہ دوستوں کو دیکھ کر وہ خاموش رہی تھی۔ وہ سب کچھ دیر مزید رکی تھیں اور پھر چلی گئی تھیں۔ ان کو رخصت کرکے وہ اندر آئی تو عائشہ اس کا موبائل تھامے کھڑی تھی باقی سب دریہ سمیت لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں تمہارے نمبر سے مصطفیٰ کے سیل پر کال کررہی ہوں پہلے تو اس نے کال ریسیو ہی نہیں کی اور اب اس کا نمبر ہی بند ہے۔" عائشہ نے حیران ہوتے کہا تو وہ اپنی جگہ پر چور سی بن گئی۔

دریہ نے استہزائیہ مسکرا کر اسے دیکھا جبکہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

"پتا نہیں میری صبح تو بات ہوئی تھی۔" اس نے بہانا کیا۔

"تو اب نمبر کیوں بند ہے میرے سیل میں بھی کریڈٹ نہیں ہے۔" عائشہ بار بار نمبر ملا رہی تھی۔

"تو گھر والے نمبر سے کال کرلو۔" آفاق کو کھانا کھلاتے لائبہ بھابی نے کہا۔

"ہاں دیکھتی ہوں۔" وہ لینڈ لائن سے کال کرنے لگی۔

"اب بھی بند ہے۔" اس نے کریڈل رکھتے کہا۔

"بیٹری کی چارجنگ ختم ہوگئی ہوگی۔" صبا نے کہا تو اس نے سر ہلادیا۔

وہ خاموشی سے سیل اٹھا کر اپنے روم میں آگئی۔

کل رات کے بعد اس نے مصطفیٰ کے نمبر پر کال نہیں کی تھی اور اب عائشہ نے نمبر ملایا اور مصطفیٰ سمجھا ہوگا کہ وہ کال کررہی ہے اور اس نے کال بند کردی۔ وہ سوچتے ہوئے بستر پر لیٹ گئی۔

مصطفیٰ کے اس رویے نے اسے ایک دم اندر سے بے چین کردیا تھا۔

"کیا واقعی وہ اس قدر خفا ہوگیا ہے کہ اب مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا مگر اس رات میں نے اس سے ایسا کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ جس کو لے کر اس قدر شدید ری ایکٹ کرتا کہ بات کرنا بند کردی جاتی۔" وہ تکلیف سے کڑھ رہی تھی۔

○......❖❖......○

تابندہ بوا صبح صبح گھر سے نکلی تھیں۔ ایک دو دن میں ہی اس گھر کے مکینوں کی مالی حالت بہت اچھی طرح ان کے سامنے آگئی تھی۔ ان کے پاس بھی ایسا کچھ خاص سرمایہ نہ تھا کہ ان کی مدد کرتیں جو کچھ بابا صاحب اور دیگر لوگ حویلی کے اخراجات کے نام پر دیتے تھے وہ ایمان داری سے حویلی کی ضروریات پر لگا دیا کرتی تھیں اور جو اضافی خرچ کے لیے ان کو دیا جاتا تھا وہ جمع کرتی رہی تھیں کچھ شہوار کی شادی میں خرچ کردیا تھا اور کچھ رقم وہ ساتھ لے آئی تھیں۔ انہوں نے گھر کے لیے کچھ سامان خریدا تھا فرید کے لیے ادویات اور پھل لیے تھے ساری فیملی کے لیے لباس اور گھر کی ضروریات کے لیے چند ضروری ساز و سامان خرید کر انہوں نے رکشے میں رکھا گھر کی طرف چل دی یہاں مرکزی سڑک زیر تعمیر تھی رکشے والا ان کو اندرونی علاقے کی ذیلی سڑکوں سے گزار کر لارہا تھا ابھی ایک جگہ سے گزرتے ان کی نگاہ

پڑی تو وہ ساکن ہوگئی تھیں۔

"رکو۔" انہوں نے رکشے والے کو کہا تو اس نے رکشہ روک دیا۔ انہوں نے بے چین نگاہوں سے سامنے موجود ویران اور سنسان عمارت کو دیکھا دیواریں اور چھتیں گر چکی تھیں۔ ٹوٹی پھوٹی یہ عمارت کبھی بڑی شان اور خوب صورتی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی تھی اور آج عہد رفتہ کی کوئی داستان سنا رہا تھی۔ تابندہ کی آنکھوں میں نمی آنے لگی تو ہونٹ بھینچ لیے۔

ڈھیر اینٹیں، دروازے ندارد تھے اور جڑی بوٹیوں کی بہتات نے عمارت کو بالکل ہی سنسان اور بنجر بنا ڈالا تھا جبکہ ارد گرد موجود بڑی بڑی عمارتیں بڑی شان کے ساتھ اپنی جگہ ایستادہ تھیں۔

"ادھر اترنا ہے کیا؟" انہیں اس طرح گم صم دیکھ کر رکشے والے لڑکے نے پوچھا تو تابندہ چونک کر اپنے حواسوں میں لوٹ آئیں تھیں۔

"نہیں، چلو۔" دل پر گویا ایک قیامت سی برپا ہوگئی تھی۔ رکشے والے نے پھر رکشہ اسٹارٹ کیا تھا۔ باقی سارا رستہ وہ غائب دماغی سے ہی بیٹھی رہی تھیں۔ رکشے والے کو کرایہ ادا کرکے اندر آ گئی تھیں لڑکا ان کا سامان اتار کر گھر کے اندر رکھ گیا تھا ساجدہ اتنا سارا ساز وسامان دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"اس سب کی کیا ضرورت تھی آپا؟"

"لو ضرورت کیوں نہیں، مجھے تو یہ دیکھ دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے نجانے کیسے گزارا کرتی ہو تم، کوئی روزگار بھی نہیں ایسے زندگی چلتی ہے بھلا؟" تابندہ نے کہا تو ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"فرید کے فالج کے بعد اس کے اسکول والوں نے مل ملا کر کافی مدد کی تھی اور پھر افسروں سے کہہ سن کر پنشن لگوادی تھی بس اسی سے گزر بسر ہوجاتی ہے۔" ساجدہ نے کہا تو تابندہ نے گہرا سانس لیا۔

فرید کو میٹرک کے بعد پرائمری اسکول میں کلرک کی گورنمنٹ جاب ملی تھی مگر فالج کی وجہ سے اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ اس کے ساتھیوں نے مل ملا کر پنشن کا انتظام کرادیا تھا۔

"خیر اب میں آ گئی ہوں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، پنشن کی رقم تم بچوں کی پڑھائی پر لگالیا کرو گھر کے اخراجات اور دوسری ضروریات میری ذمہ داری ہے۔" تابندہ کے محبت بھرے انداز پر ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیتے سر ہلا دیا تھا۔

"فرید نے ایک بار بتایا تھا کہ یہ گھر آپ کا تھا جو آپ نے اماں جی کے نام لکھ دیا تھا اور خود کہیں اور چلی گئی تھیں۔" ساجدہ نے کہا تو انہوں نے چونک کر دیکھا۔

"اور کیا کچھ کہا تھا فرید نے۔"

"اور تو کچھ نہیں، بس یہی بتایا تھا۔" تابندہ نے سر ہلا دیا۔

ساجدہ سامان سمیٹنے لگی تو وہ اٹھ کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

○......❖❖......○

ولید شام میں دوبارہ اسپتال آیا تو اس بار بھی کاشفہ سو رہی تھی اس کی بہن عادلہ موجود تھی وہ کافی خوش اخلاقی سے ملی تھی۔ درحقیقت وہ بھی اپنی بہن کی طرح ولید سے اچھی خاصی متاثر ہو چکی تھی اور پہلی بار عادلہ کو کاشفہ کی پسند اچھی لگی تھی۔ ورنہ اس کی جن جن لڑکوں سے دوستیاں تھیں عادلہ کو وہ سب ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ مگر ولید سے ہر بار ملنے پر وہ ضرور خوش ہوتی تھی۔

ولید وہاں کچھ دیر رکا تھا کاشفہ بیدار نہیں ہوئی تو وہ اس کی بہن سے اجازت لے کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

وہ گھر پہنچا تو سبھی موجود تھے وہ سلام دعا کرتا اپنے کمرے کی طرف آ گیا پھر چینج کرکے دوبارہ لاؤنج میں آیا تو وہاں انا

کو تنہا بیٹھے دیکھ کر رک گیا انا صوفے پر نیم دراز کسی گہری سوچ میں گم تھی۔
''کیا بات ہے، کیا سوچ رہی ہو؟'' اندر آ کر پوچھا تو وہ ولید کو دیکھ کر فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
''کچھ نہیں، ویسے ہی۔''
''روشی کدھر ہے؟'' وہ اس کے سامنے والے صوفے پر ٹک گیا۔
''اپنے روم میں۔'' ولید نے سر ہلا دیا۔
''تم کالج گئی تھی؟'' اس نے پوچھا۔
''ہوں، میں شہوار کے ہاں بھی گئی تھی چند دوستوں کے ساتھ۔'' اس نے بتایا۔
''اچھا کیسی ہے وہ؟''
''ٹھیک ہے۔ مصطفیٰ بھائی کا سنائیں کب گھر شفٹ ہو رہے ہیں؟'' اس نے بھی پوچھا۔
''مے بی کل یا پرسوں۔'' ولید نے کہا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہو گئی۔ ولید نے اسے سوالیہ دیکھا۔
''آتی ہوں میں۔ ماما نے کھانا لگانے کا کہا تھا وہ دیکھ لوں ذرا۔'' وہ کہہ کر کچن میں آ گئی تھی ماما اور صغراں کھانا دیکھ رہی تھیں کھانا تقریباً تیار ہی تھا۔
اس نے اور صغراں نے کھانا لگایا پھر سبھی کھانے کی ٹیبل پر آ گئے تھے۔ کھانے کے بعد حسب روٹین انا نے صغراں کے ساتھ مل کر ٹیبل سمیٹی تھی۔ صغراں برتن دھونے لگی اور انا چائے بنانے لگی تھی۔ چائے بنا کر سب کو سرو کی تھی ولید باہر لان کی طرف چلا گیا تھا وہ اپنا اور اس کا مگ لیے لان میں چلی آئی تھی۔ ولید کسی سے موبائل پر بات کر رہا تھا۔
''ہاں آیا تھا میں اور تم دونوں بار میڈیسن لے کر سوئی ہوئی تھیں۔'' ولید کسی سے کہہ رہا تھا انا ایک دم ٹھٹک کر اپنی جگہ پر ہی کھڑی ہو گئی تھی۔
''اوہ کاشفہ ڈونٹ بی سلی اگین۔'' ولید نے جھنجلا کر کہا تھا کاشفہ کا نام سن کر انا کے اندر ایک دم شدید اضطراب کی لہر اٹھی تھی۔
''ڈونٹ بی ایموشنل، اگر تم سمجھتی ہو کہ تمہاری اس حرکت نے مجھ پر کوئی اثر کیا ہے تو تم نے سراسر بے وقوفی کی ہے میں ان حرکتوں سے متاثر نہیں ہونے والا۔'' ولید کے لہجے میں عجیب سی سختی تھی۔
وہ نجانے کس بارے میں بات کر رہا تھا مگر انا کے اندر توڑ پھوڑ کرنے کے لیے بس یہ بات ہی کافی تھی کہ دوسری طرف کوئی اور نہیں کاشفہ تھی۔
''میرے لیے انسانیت کی خاطر نیکی کرنا زیادہ اہم تھا ورنہ جس طرح تم نے ری ایکٹ کیا تھا میری جگہ کوئی اور ہوتا تو کبھی پلٹ کر نہ دیکھتا۔'' ولید کے الفاظ میں غصہ تھا۔
''فار گاڈ سیک کاشفہ، یہ محبت وحبت کا اظہار پلیز رہنے دو، تم جتنا ان الفاظ کو دہراؤ گی مجھے اتنا ہی فیڈ اپ کرو گی۔'' ولید کے انداز میں اب کے خاصی تلخی اور ناگواری تھی غصے سے کہتے وہ ایک دم پلٹا تھا مگر اپنے سامنے دونوں ہاتھوں میں چائے کے مگ لیے کھڑی انا کو دیکھ کر رک گیا تھا۔
''تم......'' اس نے فوراً کان سے موبائل ہٹایا تھا۔ اس نے جلدی سے کال کاٹی تھی۔ انا لب بھینچ کر پلٹی تھی۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔
''انا رکو، کیا ہوا؟'' وہ انا کے اس ری ایکٹ پر گھبرا کر فوراً پیچھے آیا تھا۔
''انا......'' اس نے فوراً انا کے سامنے آ کر اس کا راستہ روکا۔

"کیا ہوا؟" وہ پوچھ رہا تھا اطراف میں اندھیرا تھا مگر اندر کی جانب کی روشنیوں نے پھر بھی لان کے حصے کو کچھ حد تک روشن کر رکھا تھا۔ انا نے بڑے ضبط سے خود پر قابو پایا تھا۔

اس نے بڑی شکایتی نگاہوں سے ولید کو دیکھا تو وہ ایک دم گہرا سانس لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"چلو آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔" اس نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا تو انا نے لب بھینچ لیے۔

ولید نے خود ہی اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر سیڑھیوں پر بیٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ضبط سے ہونٹ بھینچے مگ کو گھور رہی تھی۔

"پوچھو گی نہیں میں کس سے بات کر رہا تھا۔" ولید نے خود ہی بات کا آغاز کیا تو وہ خاموش ہی رہی۔

"کاشفہ تھی اس نے کل رات نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔ مگر بروقت امداد سے اس کی جان بچالی گئی تھی۔" ولید نے کہا تو اس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حیران ہو گئی تھی مگر کچھ بھی پوچھنے سے احتراز برتا تھا۔

"بس میں اسے یہی سمجھا رہا تھا مگر وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔" ولید نے مزید بتایا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی تھی۔

"اس نے نیند کی گولیاں کیوں کھائیں تھیں؟" اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا تو ولید نے چائے کا مگ سائیڈ پر رکھا۔

"وہ کہتی ہے وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" ولید نے سنجیدگی سے بتایا تھا جبکہ انا کو لگا کہ اس کا سانس رکنے لگا ہو۔

"محبت......" اس کے ہونٹ ہلے تھے اس کی آنکھوں میں ایک دم بے یقینی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"وہ چاہتی تھی کہ میں اس کی محبت قبول کرلوں۔" انا کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تو اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ گر گیا۔

"ولی......" اس نے ولید کو دیکھا۔

"لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔" انا کو اگلے پل لگا کہ اس کے اعصاب کو لگنے والا یہ جھٹکا پہلے سے زیادہ شدید ہے۔

"وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی اور اس نے نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔" انا نے لب بھینچ لیے۔ وہ چند پل تک تو بالکل گم صم رہی تھی۔ اسے لگا کہ ولید کے اس انکشاف نے اس کی قوت گویائی کو بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

"کچھ نہیں کہو گی اس بارے میں؟" اس کی خاموشی پر ولید نے پوچھا تو انا لب بھینچ کر ایک دم کھڑی ہو گئی تھی۔

"انا؟" ولید نے پکارا تو وہ بہت ضبط سے رکی تھی۔

"وہ آپ کی دوست ہے میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔" لہجے میں تلخی تھی۔

"مگر پھر بھی کوئی رائے تو ہو گی نا تمہاری؟" ولید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس سے روابط بڑھاتے وقت آپ نے مجھ سے میری رائے تو نہیں پوچھی تھی۔" انا نے غصے سے کہا تو ولید نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو گیا۔

انا پھر کچھ کہے بغیر وہاں سے چلی آئی تھی۔ وہ چائے کا مگ سنک میں رکھتے سیدھا اپنے کمرے میں آئی تو ولید کے اس انکشاف نے گویا اس کے اندر ایک آگ سی جلا ڈالی تھی کیتھی کے بعد اب یہ کاشفہ۔ اس نے خود کو بہت کمپوزڈ کر لیا تھا مگر آج کی ولید کی گفتگو سن کر وہ جیسے پھر سے اندر تک ادھڑ گئی تھی وہ پھر سے نئے سرے سے اسی اذیت کی آگ میں جلنے لگی تھی۔

○......❖❖❖......○

"کیا ہوا؟" وہ پوچھ رہا تھا اطراف میں اندھیرا تھا مگر اندر کی جانب کی روشنیوں نے پھر بھی لان کے حصے کو کچھ حد تک روشن کر رکھا تھا۔ انا نے بڑے ضبط سے خود پر قابو پایا تھا۔

اس نے بڑی شکایتی نگاہوں سے ولید کو دیکھا تو وہ ایک دم گہرا سانس لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"چلو آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔" اس نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا تو انا نے لب بھینچ لیے۔

ولید نے خود ہی اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر سیڑھیوں پر بیٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ضبط سے ہونٹ بھینچے مگ کو گھور رہی تھی۔

"پوچھو گی نہیں میں کس سے بات کر رہا تھا۔" ولید نے خود ہی بات کا آغاز کیا تو وہ خاموش ہی رہی۔

"کاشفہ تھی اس نے کل رات نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔ مگر بروقت امداد سے اس کی جان بچالی گئی تھی۔" ولید نے کہا تو اس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حیران ہوگئی تھی مگر کچھ بھی پوچھنے سے احتراز برتا تھا۔

"بس میں اسے یہی سمجھا رہا تھا مگر وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔" ولید نے مزید بتایا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی تھی۔

"اس نے نیند کی گولیاں کیوں کھائیں تھیں؟" اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا تو ولید نے چائے کا مگ سائیڈ پر رکھا۔

"وہ کہتی ہے وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" ولید نے سنجیدگی سے بتایا تھا جبکہ انا کو لگا کہ اس کا سانس رکنے لگا ہو۔

"محبت......" اس کے ہونٹ ہلے تھے اس کی آنکھوں میں ایک دم بے یقینی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"وہ چاہتی تھی کہ میں اس کی محبت قبول کرلوں۔" انا کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تو اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ گر گیا۔

"ولی......" اس نے ولید کو دیکھا۔

"لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔" انا کو اگلے پل لگا کہ اس کے اعصاب کو لگنے والا یہ جھٹکا پہلے سے زیادہ شدید ہے۔

"وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی اور اس نے نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔" انا نے لب بھینچ لیے۔ وہ چند پل تک تو بالکل گم صم رہی تھی۔ اسے لگا کہ ولید کے اس انکشاف نے اس کی قوت گویائی کو بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

"کچھ نہیں کہو گی اس بارے میں؟" اس کی خاموشی پر ولید نے پوچھا تو انا لب بھینچ کر ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔

"انا؟" ولید نے پکارا تو وہ بہت ضبط سے رکی تھی۔

"وہ آپ کی دوست ہے میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔" لہجے میں تلخی تھی۔

"مگر پھر بھی کوئی رائے تو ہوگی نا تمہاری؟" ولید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس سے روابط بڑھاتے وقت آپ نے مجھ سے میری رائے تو نہیں پوچھی تھی۔" انا نے غصے سے کہا تو ولید نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہوگیا۔

انا پھر رکے بغیر وہاں سے چلی آئی تھی۔ وہ چائے کا مگ سنک میں رکھتے سیدھا اپنے کمرے میں آئی تو ولید کے اس انکشاف نے گویا اس کے اندر ایک آگ سی جلا ڈالی تھی، کیتھی کے بعد اب یہ کاشفہ۔ اس نے خود کو بہت کمپوزڈ کرلیا تھا مگر آج کی ولید کی گفتگو سن کر وہ جیسے پھر سے اندر تک ادھڑ گئی تھی وہ پھر سے نئے سرے سے اسی اذیت کی آگ میں جلنے لگی تھی۔

○......❖❖......○

مصطفیٰ اسپتال کے قیام سے تنگ آچکا تھا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی ساری ایکٹیویٹیز ختم ہوکر رہ گئی ہیں۔ ڈاکٹرز کا خیال تھا کہ وہ ایک دو دن اور اسپتال میں رہ لے مگر مصطفیٰ ڈسچارج ہونے کی ضد پکڑے ہوئے تھا مصطفیٰ کے تیور دیکھتے شاہزیب صاحب نے ڈاکٹر سے بات ڈسچارج کی کرلی تھی اور پھر اس طرح وہ ان کے ہمراہ گھر جارہا تھا۔ شاہزیب صاحب نے گھر اطلاع کردی تھی کہ مصطفیٰ آج ڈسچارج ہوکر گھر آرہا ہے۔ مہرالنساء کی خوشی دیدنی تھی۔

خوش تو شہوار بھی تھی مگر اسے ان چند دنوں میں روا رکھا گیا مصطفیٰ کا رویہ اندر ہی اندر خوف زدہ کیے ہوئے تھا۔ ماں جی نے اسے اچھی طرح ڈریس اپ ہونے کا کہا تو اس نے ان کی ہدایت کے مطابق لباس بدل لیا تھا ہلکی پھلکی جیولری پہلے ہی وہ پہنے ہوئے تھی سوہاتی اہتمام کرنے سے اس نے گریز ہی کیا تھا۔ دوپہر ایک بجے کے قریب شاہزیب صاحب کے ہمراہ مصطفیٰ گھر آگیا تھا۔

''شہوار مصطفیٰ بھائی آگئے ہیں۔'' وہ اپنے کمرے میں ہی تھی جب صبا نے آکر بڑے پرجوش انداز میں اطلاع دی تھی۔ شہوار کا چہرہ ایک دم رنگ بدلنے لگا تھا۔ سینے کے اندر موجود دل اتھل پتھل مچانے لگا تھا۔ صبا فوراً کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی وہ لب کاٹتے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ نجانے باہر کس طرح مصطفیٰ کا استقبال کیا گیا تھا۔

کون کون تھا، وہ بھلا باہر جاکر سب کو کیسے فیس کرتی؟ اور سب سے بڑھ کر مصطفیٰ کو فیس کرنا۔ اسے ابھی سے پسینے چھوٹتے محسوس ہورہے تھے۔ وہ خاموشی سے اسی طرح بستر پر بیٹھی رہی تھی۔ باہر لاؤنج میں سبھی مصطفیٰ کے گرد اکٹھے تھے۔

ماں جی کو تو بس اس کی فکر ستائے جارہی تھی۔ گولی بازو اور کندھے پر لگی تھی جہاں ابھی بھی بینڈیج موجود تھی مگر ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھ لیتیں۔

انہوں نے فوراً ملازمہ کو پرہیزی قوت بخش کھانا پکانے کا آرڈر کیا تھا جب سے مصطفیٰ کے ساتھ یہ حادثہ ہوا تھا وہ کئی بار صدقہ وخیرات کرچکی تھی اب پھر اس کے گھر آنے پر انہوں نے ملازمین کو پیسے دیے تھے۔

''ماں جی میں ٹھیک ہوں، خدانخواستہ بالکل مفلوج نہیں ہوا، بس یہ بازو ابھی کام کاج کرنے سے قاصر ہے باقی میں بالکل فٹ ہوں۔'' ماں جی کوئی دسویں بار ''تم ٹھیک تو ہو نا تھک تو نہیں گئے لیٹنا تو نہیں۔'' پوچھا تھا آخر کار مصطفیٰ نے جھنجلا کر کہا۔

''اللہ نہ کرے، یہ خوشیوں کے دن تھے نجانے کس بدخواہ کی نظر لگی ہے ورنہ تمہاری شادی سے متعلق کیا کیا ارمان نہیں تھے دل میں، اللہ نے تمہیں صحت وتندرستی دی ہے میں تو دن رات اس کا شکر ادا کرکے نہیں تھکتی اور تم ایسی بدعائیں منہ سے نکال رہے ہو۔'' مصطفیٰ چڑ چڑا ہوگیا تھا ماں جی کے ڈانٹنے پر خاموش ہوگیا تھا۔

''شہوار کدھر ہے بتایا نہیں کہ مصطفیٰ گھر آیا ہے؟'' اسے کہہ کر انہوں نے باقی لوگوں کو دیکھا تھا۔ مصطفیٰ نے بھی نظر اٹھا کر حاضرین کو دیکھا تھا۔

''ماں جی میں چینج کرلوں اتنے دنوں سے اسپتال اور میڈیسن کی اسمیل نے حشر نشر کررکھا ہے میرا۔'' کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''نہانا مت بس کپڑے بدل لو، زخم ابھی تازہ ہیں۔'' ماں جی نے کہا تو مگر وہ سنی ان سنی کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

وہ روزانہ باتھ لینے والا شخص اس طرح چند دن سے مجبوراً خود کو بہلا رہا تھا مگر اب گھر آتے ہی وہ اپنے حلیے کو بدلنا چاہتا تھا۔ وہ کمرے میں چلا آیا تھا۔

ماں جی نے اسے متفکر نظروں سے اندر جاتے دیکھا تھا۔ کچھ سوچتے وہ شہوار کے کمرے کی طرف چلی آئی تھیں وہ بھی تک عجب کشمکش میں گرفتار بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا۔

ہلکے نیلے رنگ کے لباس میں وہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔

''شہوار.....'' انہوں نے پکارا تو وہ ان کو دیکھ کر فوراً کھڑی ہوگئی۔

''جی۔''

''مصطفیٰ گھر آیا ہے تم باہر ہی نہیں آئیں۔'' قریب آ کر انہوں نے محبت سے کہا تو وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

''جاؤ شاباش وہ کمرے میں گیا ہے اسے دیکھو۔ وہ ہاتھ لینا چاہتا ہے میں نے منع بھی کیا ہے کہ زخم تازہ ہے مگر مانا ہی نہیں۔ تم جاؤ دیکھو اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا تو شہوار اپنی جگہ سٹپٹا سی گئی تھی۔

''چلو آؤ۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کا دل ایک دم شور مچانے لگا تھا۔

اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے وہ مہر النساء کے ہمراہ چلتے مصطفیٰ کے کمرے تک پہنچی تھی۔

ماں جی ادھ کھلے دروازے کو دھکیلتے اندر داخل ہوئیں تو اسے بھی اندر داخل ہونا پڑا تھا ماں جی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ ابھی تک تھا۔

مصطفیٰ جو کمرے کے درمیان کھڑا سنجیدہ نظروں سے کمرے کی تمام سجاوٹ دیکھ رہا تھا اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ شہوار کی نگاہ اس کی نگاہوں سے ٹکرائی تھی اس نے ایک دم سٹپٹا کر پلکیں جھکالی تھیں۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

''السلام علیکم۔'' شہوار نے جھکے سر سمیت ہی کہا۔

مصطفیٰ پھر بھی خاموش رہا تھا۔

ماں جی نے بہو اور بیٹے کو بغور دیکھا تھا مصطفیٰ شہوار کو نظر انداز کیے کمرہ دیکھ رہا تھا۔ مرجھائے ہوئے پھولوں کی سجاوٹ ابھی بھی برقرار تھی۔

''ماں جی کم از کم میرے گھر آنے سے پہلے کمرہ ہی صاف کرا دیتیں۔''

''ایسے کیسے صاف کرا دیتی اتنے ارمانوں سے سجایا گیا تھا کمرہ تم نے تو ابھی دیکھا بھی نہ تھا میں تو لاک کیے رکھتی تھی کہ کوئی تمہارے آنے سے پہلے خراب نہ کردے۔'' شہوار خاموش کھڑی تھی ماں جی نے ہی کہا۔

''بہرحال جو بھی ہے کسی کو بھیجیں یہ سب صاف کرائیں، یہ سب کچھ تو فریش اور وقتی طور پر اچھا لگتا ہے۔'' مصطفیٰ سنجیدگی سے کہہ کر ڈریسنگ کے پاس جا کر مختلف درازیں کھولنے اور بند کرنے لگا تھا۔

اس نے سلیولیس شرٹ پہنی ہوئی تھی بازو پر بینڈیج کی ہوئی تھی کندھے پر بھی پٹی تھی مگر وہ نظر نہیں آرہی تھی سادہ ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔

مصطفیٰ ایک دراز سے چابیاں نکال کر الماری کی طرف بڑھا تھا لاک کھول کر اس نے سادہ سی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر نکالا تھا۔

''میں واش روم میں جا رہا ہوں پلیز میرے نکلنے سے پہلے یہ سب اتروا دیجیے گا الجھن ہو رہی ہے مجھے یہ سب دیکھ کر۔'' اس نے الماری بند کرتے ماں جی کو دیکھا تھا اس کا انداز ایسا تھا کہ گویا کمرے میں ماں جی کے علاوہ کوئی نہ ہو۔

''نہانا مت زخم گیلے ہوجائیں گے۔'' ماں جی نے فوراً ٹوکا۔

''سوری ماں جی اتنے دنوں بعد تو آزادی نصیب ہورہی ہے میں وہاں ترس گیا تھا باتھ لینے کو۔'' وہ کہہ کر اپنا ٹاول لے کر واش روم میں گھس گیا۔

ماں جی نے بے چارگی سے شہوار کو دیکھا۔

''مجال ہے جو میری بات مان لے اب زخم گیلے کر لے گا پٹی بھی اتار دے گا۔'' وہ فکر مند ہو رہی تھیں۔

شہوار کے دل کا موسم پہلے ہی عجیب سا ہو رہا تھا وہ کچھ بھی کہے بغیر خاموش کھڑی رہی تھی۔

''میں کسی کو بھیجتی ہوں کمرہ صاف کرا دینا اور ہاں اگر مصطفیٰ پٹی اتار دے تو مجھے بتانا ابھی زخم تازہ ہیں اور بداحتیاطی نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے۔'' وہ شہوار کو کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد صفائی والی ملازمہ آ گئی تھی۔

''کیا کیا اتارنا ہے چھوٹی بی بی۔'' وہ پوچھ رہی تھی شہوار نے اسے پھولوں کی سجاوٹ اتارنے کا کہا۔

بلکہ اس کے ساتھ مل کر خود بھی اس کی مدد کرنے لگی تھی۔ ملازمہ نے تمام سجاوٹ اتار دی تھی قالین پر جابجا سوکھے پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ساری اٹھا کر اس نے ڈسٹ بن میں ڈالی تھیں۔

بستر کی چادر جھاڑ کر دوبارہ چادر بچھا دی تھی دیواروں پر لگی سجاوٹ بھی اتار دی تھی پانچ دس منٹ بعد کمرہ دوبارہ اپنی اصل حالت میں تھا۔

''تم یہ قالین اچھی طرح صاف کردو۔'' وہ ملازمہ کو ہدایات دے رہی تھی جب مصطفیٰ واش روم سے باہر نکلا تھا۔ اس نے کندھوں پر ٹاول ڈال رکھا تھا اور جسم پر ٹراؤزر تھا شہوار اسے اس حلیے میں دیکھ کر سٹپٹا گئی تھی مصطفیٰ بھی دونوں کو دیکھ کر چونکا تھا۔

''تم جاؤ یہاں سے۔'' شہوار نے فوراً ملازمہ کو چلتا کرنا چاہا تھا ملازمہ جلدی جلدی بکھری پتیاں سمیٹ کر ڈسٹ بن میں ڈال کر باہر نکل گئی تھی۔ ملازمہ کے باہر نکلتے ہی مصطفیٰ ڈریسنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

شہوار رخ موڑے انگلیاں چٹخانے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کمرے سے باہر نکلتی تو ماں جی نے نوٹ کرنا تھا اور اگر اندر رکتی تو...... وہ ابھی اسی شش و پنج میں کھڑی تھی کہ کیا کرے ماں جی پھر کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

''تمہیں منع کیا تھا کہ نہانا نہیں پھر بھی تم نے بات نہیں مانی۔'' مصطفیٰ کو دیکھتے ہی انہوں نے خفگی سے کہا۔

''نہایا کب ہوں ماں جی۔''

''یہ خود ہی دیکھ لیں بینڈیج ویسی ہی خشک ہے۔'' ٹاول سے سر کے بال خشک کرتے اس نے کہا۔

مہر النساء نے اسے مسکرا کر دیکھنے کے ساتھ اس کے ہاتھ سے ٹاول لے لیا تھا۔

''اچھا کیا ویسے بھی احتیاط بہت اچھی چیز ہے۔'' اس کے سر کو خود خشک کرتے انہوں نے کہا۔

شہوار نے کن اکھیوں سے مصطفیٰ کو دیکھا اس کی اس کی طرف پشت تھی۔

''شہوار بیٹا کھڑی کیوں ہو، بیٹھو نا۔'' مصطفیٰ کی ٹی شرٹ پہننے میں مدد کرتے ماں جی نے کہا تو وہ چونکی۔ مصطفیٰ نے بھی سر گھما کر دیکھا۔

دونوں کی نگاہ ملی تھی شہوار فوراً نظر جھکا گئی تھی۔ وہ آہستگی سے بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''کھانا تیار ہے ادھر ہی کھاؤ گے یا پھر سب کے ساتھ۔'' شرٹ پہن کر مصطفیٰ اپنے بالوں میں برش پھیرنے لگا تھا ماں جی نے پوچھا۔

''سب کے ساتھ ہی کھاؤں گا، اتنے دن ہوگئے ہیں اکیلے پرہیزی کھانا کھاتے کھاتے۔'' وہ واقعی اس چند دن کے

اسپتال کے قیام کی وجہ سے سخت بےزار ہوچکا تھا۔

''ٹھیک ہے میں کھانا لگواتی ہوں پھر تم دونوں آ جانا۔'' ماں جی اسے کہہ کر پھر باہر چلی گئی تھیں۔

شہوار نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اس کا عکس سامنے آئینے میں دکھائی دے رہا تھا اور مصطفیٰ آئینے کے سامنے ہی کھڑا تھا اس کا دل ایک دم دھڑکنے لگا۔

وہ مصطفیٰ کی خیریت پوچھنا چاہتی تھی اس کی طبیعت کے بابت دریافت کرنا چاہتی تھی مگر ایک جھجک اور شرم آڑے آ رہی تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔'' مصطفیٰ جیسے ہی آئینے کے سامنے سے ہٹا اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

''بددعائیں تو بہت کی ہوں گی مگر بدقسمتی سے بچ گیا ہوں۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں بے پناہ سنجیدگی تھی۔

شہوار نے چونک کر دیکھا وہ پلٹ کر الماری کا پٹ کھول کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''میں کیوں بددعائیں کرنے لگی آپ کے ساتھ ایسا حادثہ رونما ہو میں نے کبھی بھی ایسا نہیں چاہا تھا۔'' اس نے بہت دکھ سے کہا تھا مصطفیٰ نے سر گھما کر دیکھا۔

''بعض بددعائیں ضروری نہیں لفظوں کی صورت ہی ادا کی جائیں بعض اوقات دل سے نکلے لفظ بھی قبولیت کی سند پا جاتے ہیں میں اس حادثے سے پہلے تمہارا ایک ایک رویہ نہیں بھولا کہ خوش گمانیوں میں مبتلا ہو جاؤں۔'' مصطفیٰ کا انداز ایک دم سخت پتھریلا ہو گیا تھا۔ شہوار نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

وہ جو کچھ بھی تھا وہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی مگر مصطفیٰ کو کیسے سمجھاتی اس کے لیے سب سے اہم اور مشکل مرحلہ ہی بس یہی تھا کہ دل کے اندر جو جذبات تھے ان کو اس نے کبھی بھی زبان پر لانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

''ایم سوری فار دیٹ۔'' اس نے خود پر جبر کرتے کہہ ہی دیا تھا۔ مصطفیٰ نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔

''آپ شاید اس بات پر خفا ہے کہ میں اسپتال نہیں آئی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا تھا مزید بھی کچھ کہنے والی تھی جب مصطفیٰ نے بہت برہمی سے الماری کا پٹ بند کیا تھا۔ شہوار ایک دم ساکت رہ گئی۔

''خفا؟'' وہ بہت غصے سے پلٹا تھا۔ شہوار نے لب بھینچ لیے۔

''میں سوچتا تھا کہ تمہارا جو بھی رویہ ہے یہ سب وقتی ہے جب رشتوں کا مان ملے گا تو سب نارمل ہو جائے گا میں نے بہت فیئر ہو کر یہ رشتہ نبھانا چاہا تھا مگر دوسری طرف ہمیشہ سرد رویہ ہی ملا تم اسپتال نہیں آئی اس رات میں نے کال کی تب بھی وہی گزشتہ رویہ برقرار تھا کیوں؟'' مصطفیٰ ایک دم اس کے سامنے آ کر پوچھا تھا۔ شہوار نے کچھ کہنا چاہا اور پھر لب بھینچ لیے۔

''میں نے ہمیشہ اس رشتے کو انانیت کا شکار ہونے سے بچایا ہے مگر اب اس مرحلے پر آ کر جب مجھے سب سے زیادہ شدت سے تمہارے ساتھ اور تمہارے مثبت رویے کی ضرورت تھی تمہارا وہی سرد پن دیکھ کر میرے اندر پلتے تمام خوش گوار احساسات اور جذبات راکھ کا ڈھیر بن چکے ہیں ہر بار میں کیوں یہ ذلت برداشت کروں؟'' مصطفیٰ نے سرد لہجے میں یہ سب کہا تھا شہوار نے بہت گھبرا کر اسے دیکھا تھا۔

''مصطفیٰ میں......؟'' مصطفیٰ کے کال ریسیو نہ کرنے پر اسے اندازہ تو تھا کہ وہ خفا ہو گا مگر اس قدر بدگمان ہو گا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا جب ملازمہ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی تھی۔ شہوار خاموش ہو گئی۔

"کھانا لگ گیا ہے، بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔" وہ اطلاع دے رہی تھی۔
مصطفیٰ ایک سرد نگاہ اس پر ڈالے کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف چل دیا تھا۔

○......❖❖......○

کاشفہ کو گھر شفٹ کر دیا گیا تھا اس کے باپ نے اس سے کئی بار اس کی حرکت کی وجہ پوچھی تھی مگر وہ ہر بار خاموش رہی تھی جوابا وہ اس پر چیخ چلا کر خاموش ہو گئے تھے۔
اس نے کل رات ولید کو کال کی تھی اس سے بات ہو رہی تھی پھر کال کٹ گئی تھی اور اس کے بعد ولید نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی وہ اس کی کال پک ہی نہیں کر رہا تھا۔ ایسے میں کاشفہ کو لگ رہا تھا کہ اس کے اندر شدید اضطراب اور جنونیت پیدا ہو رہی ہے اسے لگ رہا تھا کہ اگر ولید نے اس کی کال پک نہ کی تو وہ کچھ کر بیٹھے گی۔
وہ مسلسل نمبر ملا رہی تھی جب ایک بار کی کوشش آخر کار کامیاب ہو گئی تھی۔
"ولید......" ولید کی آواز سن کر وہ ایک دم رونے لگی تھی۔
"آخر کیا مسئلہ ہے کاشفہ تمہیں؟" وہ بہت غصے سے کہہ رہا تھا۔
"پلیز ڈونٹ اگنور می۔ میں مر جاؤں گی۔" وہ ایک دم سے فریاد کناں ہوئی تھی۔
"ڈونٹ بی ایموشنل کاشفہ۔" ولید نے ڈانٹ دیا۔
"میں نے کبھی بھی زندگی میں کسی مرد کے لیے ایسی فیلنگز محسوس نہیں کیں تم میری زندگی میں آنے والے واحد مرد ہو بے شک میری بہت سوں سے دوستیاں رہی ہیں مگر تمہارے بعد کسی سے بھی نہیں میں تم سے سچی محبت کرتی ہوں پلیز تم مجھے ایسے مت دھتکارو۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"تم جانتی ہو میری زندگی میں ایسی کسی بھی بات کی کوئی گنجائش نہیں۔"
"تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم اپنی فیانسی سے محبت کرتے ہو۔" ولید کی بات پر اس نے بہت غصے سے کہا۔
"ہاں آئی لو ہر، اینڈ شی لو می۔ بس یا اور بھی کچھ کہوں۔" ولید نے بہت غصے سے کہا تھا۔
"تو تم نے مجھے کیوں بچایا مرنے دیتے مر رہی تھی نا میں۔"
"میں تم لوگوں کی طرح بے حس نہیں ہوں، لیکن تم سے سلام دعا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ میں بہت زیادہ برداشت کر چکا ہوں اب نہیں کروں گا بھلے اب تم جو مرضی کرو۔" کاشفہ کے چیخ چیخ کر کہنے پر ولید نے بھی کافی رکھائی سے کہا تھا۔
"وہ بلیڈی بچ، تم مجھے اس کے لیے انکار کر رہے ہو اس ایک عام شکل و صورت والی لڑکی کے لیے، کیا ہے وہ میں چاہوں تو تباہ و برباد کر کے رکھ دوں اسے۔" وہ انا کو گالیوں اور کوسنوں سے نوازنے لگی۔
"شٹ اپ، اب بہت ہو گیا، بہت برداشت کر لیا میں نے، میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن انا کے لیے ایک لفظ بھی نہیں۔" بہت غصے سے کہہ کر کال بند کر دی گئی تھی۔
"ولید......ولید......!" وہ پکارتی رہ گئی اس نے بہت غصے سے موبائل دیوار پر دے مارا تھا کمرے کی ہر چیز اٹھا اٹھا کر توڑنے لگی۔ شور کی آواز سن کر ڈیڈ، مام اور عادلہ تینوں آ گئے تھے۔ اسے جنونی انداز میں سب کچھ توڑتے دیکھ کر عبدالقیوم نے فوراً اسے تھاما تھا۔
"کاشفہ ہوش کرو، کیا کر رہی ہو تم؟" انہوں نے سختی سے اسے اپنے شکنجے میں لیا تھا۔
"میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گی وہ مجھ سے میرا ولید چھین رہی ہے میں مار ڈالوں گی اسے وہ کہتا ہے وہ اس سے محبت

کرتا ہے وہ مجھے اس لڑکی کے لیے ریجیکٹ کر رہا ہے میں ختم کردوں گی اسے بھی اور خود کو بھی۔" وہ جنونی انداز میں چیخ و پکار کر رہی تھی۔ مزاحمت کر رہی تھی۔ مام اور عادلہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ پوچھتے وہ بے ہوش ہو کر عبدالقیوم کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

○......❖❖......○

سارا دن تو جیسے تیسے گزر چکا تھا۔ مصطفیٰ کا رویہ وہی تھا اور وہ کمرے میں بند رہی تھی۔ شام ہوئی اور پھر رات، وہ کھانا کھانے باہر نکلی تھی کچھ وقت سب کے ساتھ گزارا۔ مصطفیٰ اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ وہ صبا اور عائشہ کے ہمراہ لاؤنج میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ رات کے دس بج رہے تھے ماں جی کا وہاں سے گزر ہوا تو ان کو وہاں دیکھ کر رکیں ان کے ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ تھا۔

"رات ادھر ہی گزارنی ہے سونا نہیں کیا۔" انہوں نے ٹوکا تھا لائبہ بھابی اپنے کمرے میں جا چکی تھی دونوں پھپھو بھی اور باقی لوگ بھی جبکہ اسے ان دونوں کے پاس دیکھ کر انہیں اچھا نہیں لگا تھا۔

"جانے لگے تھے ماں جی۔" صبا فوراً کھڑی ہو گئی۔

"جاؤ شہوار مصطفیٰ انتظار کر رہا ہوگا۔" انہوں نے سنجیدگی سے اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر ٹوکا تو وہ ایک دم سرخ پڑ گئی تھی۔ انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں اسے جتایا تھا صبا اور عائشہ نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا وہ نظر چرا گئی تھی رخسار دہکنے لگے تھے۔

"جی۔" وہ خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔ وہ لاؤنج سے نکلی تو ماں جی بھی پیچھے چلی آئیں۔

"چلو میں چھوڑ آتی ہوں۔" انہوں نے کہا تو شہوار کو اپنے قدم من من بھر کے لگنے لگے تھے۔

"شادی کے بعد یہ حادثہ ہو گیا، کوئی رسم کوئی نیگ کچھ بھی نہ کر سکے۔ مگر اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ تم مصطفیٰ سے دور رہو، میں دیکھ رہی ہوں تم دونوں میں بڑا کھنچاؤ ہے بیٹا جو بھی بات ہے اس کو بھول کر بس یہ یاد رکھو کہ تم اب ہمارے خاندان کا حصہ ہو، ہماری عزت ہو۔" انہوں نے ساتھ چلتے چلتے کہا تھا۔ شہوار خاموشی ہی رہی تھی۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئیں تو دیکھ کر چونک گئیں مصطفیٰ اپنے بازو اور کندھے کے زخموں کو صاف کر رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" شہوار تو وہیں رک گئی تھی ماں جی فوراً مصطفیٰ کی طرف بڑھی تھیں۔

"کچھ نہیں ویسے ہی زخم دیکھ رہا تھا ڈاکٹر نے مرہم دیا تھا وہ لگانا تھا۔" شہوار کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے مصطفیٰ نے کہا۔

"تو ڈاکٹر کو بلا لیتے خود کیوں کر رہے ہو۔" انہوں نے تشویش زدہ نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا جو ڈیٹول سے اپنے کندھے کا زخم صاف کر رہا تھا۔ بازو کا زخم اچھا خاصا خشک ہو چکا تھا۔

"اب رات کے اس وقت ڈاکٹر کو کیوں زحمت دیتا۔ چھوٹا سا کام تھا صرف مرہم ہی تو لگانا تھا۔ ماں جی۔" اس کا انداز سنجیدہ تھا۔ ماں جی نے سر گھما کر خاموش کھڑی شہوار کو دیکھا۔

"شہوار بھی تو ڈاکٹری پڑھ رہی ہے وہ لگا دیتی۔" انہوں نے کہا تو مصطفیٰ کا ہاتھ ایک لمحے کو رکا تھا۔ ایک سرد نگاہ کچھ فاصلے پر کھڑی شہوار پر ڈالی تھی۔

"میں کرلوں گا۔" سنجیدگی سے کہا۔

"شہوار تم خود دیکھو ذرا احتیاط سے میرا تو دل لرز رہا ہے زخم دیکھ کر ہی۔" ماں جی واقعی پریشان ہو رہی تھیں۔ شہوار تو خود ان کی بات پر گھبرا گئی تھی۔

"آؤ نا دیکھو ذرا۔" ماں جی نے پھر کہا تو وہ آہستگی سے چلتی ہوئی قریب آ رکی تھی۔

''چھوڑو، شہوار میڈیسن لگا دیتی ہے۔'' ماں جی نے مصطفیٰ کے ہاتھ سے روئی اور ڈیٹول کی شیشی لے لی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گرم نگاہ شہوار پر ڈالی تھی ماں جی کی بدولت وہ خاموش ہوگیا۔

شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا بغیر شرٹ کے اس کا سڈول جسم نمایاں تھا۔ اس نے آہستگی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو اپنے وجود میں ہی سرسراہٹ سی پیدا ہونے لگی تھی۔

اگر مہرالنساء پاس کھڑی نہ ہوتیں تو شاید وہ کبھی بھی ہاتھ نہ لگا پاتی اس نے لرزتے ہاتھوں سے مصطفیٰ کے زخم کو چیک کیا تھا بازو کے زخم خشک ہو چکے تھے گولی جلد میں ہی لگی تھی سو مسئلہ نہیں ہوا تھا جبکہ کندھے پر لگنے والے گولی ہڈی کو لگی تھی ڈاکٹر نے آپریٹ کیا تھا اب چند دن تو لگنے ہی تھے زخم مندمل ہونے میں۔

شہوار نے احتیاط اور دھیان سے کندھے کے زخم کے سوراخ میں روئی کی مدد سے میڈیسن فل کی تھی اور پھر اس کے اوپر بینڈیج کردی تھی جبکہ بازو کے زخموں پر ویسے ہی مرہم لگا کر پٹی باندھ دی تھی۔ اس سارے عمل کے دوران اس کے ہاتھ مسلسل کانپتے رہے تھے۔

وہ اسپتال میں یہ کام آسانی سے کرلیتی تھی مگر آج پہلی بار وہ یوں کنفیوژ ہو رہی تھی مصطفیٰ لب بھینچے سر جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ ماں جی نہ ہوتیں تو شاید اس کا ردعمل کچھ اور ہی ہوتا۔

''کل وقت پر اپنے بابا کے ساتھ جا کر زخم چیک کرا آنا۔'' جیسے ہی مرہم پٹی کا کام نمٹا ماں جی نے بیٹے کو کہا۔

''دیکھوں گا۔'' مصطفیٰ بھی جیسے مارے باندھے بیٹھا ہوا تھا شہوار کے ہاتھ رکتے ہی وہ اٹھ کر بستر کی طرف بڑھا اور وہاں پڑی شرٹ اٹھا کر پہن لی۔

''ویسے بھی میں نے بہت دن آرام کرلیا ہے کل سے میرا ارادہ آفس جوائن کرنے کا ہے۔'' شرٹ پہنتے اس نے ماں جی کو اطلاع دی تھی۔

''لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ تم نے دس پندرہ چھٹیاں لی ہوئی ہیں۔'' ماں جی نے حیرت سے کہا۔

''میں نے آفیسرز سے بات کر کے کینسل کرادی ہیں۔'' شرٹ پہننے کے بعد اس نے کہا۔

شہوار نے خاموشی سے میڈیسن مرہم اور فرسٹ ایڈ کا سامان اکٹھا کر کے ڈریسنگ پر ایک جگہ رکھ دیا اور خود واش روم میں ہاتھ دھونے چلی گئی تھی۔

''ابھی تو تمہارے زخم بھی کچے ہیں ایسے کیسے آفس جوائن کرلیا تم نے تمہارے بابا سے بات کرتی ہوں میں، ابھی شادی کو چند دن ہوئے ہیں اور تم آفس جانا شروع کر رہے ہو۔'' مہرالنساء کو اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ سو ناراضگی سے بولیں۔

''ماں جی میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس بیڈ ریسٹ سے پلیز کوئی بحث نہیں ہوگی اب وہاں بہت سارا کام میرا منتظر ہے، ویسے بھی اب پہلی فرصت میں مجھے یہ پتا کرانا ہے کہ آخر کس نے اتنی جرأت کرلی مجھ پر رات کے اندھیرے میں گولیاں چلانے کی۔'' اس کے لہجے میں تلخی تھی ماں جی نے ایک گہرا سانس بھرا۔

شہوار ہاتھ دھو کر باہر آئی تو مصطفیٰ ہاتھ دھونے واش روم میں گھس گیا۔

''بیٹھو ادھر تم سے بات کرنی ہے۔'' ماں جی نے کہا تو وہ ان کو دیکھتی بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''دیکھو بیٹا! شادی کے بعد اس حادثے کی وجہ سے جو بھی حالات ہوئے مگر یہ سچ ہے کہ ہم بہت ارمانوں سے بیاہ کر تمہیں لائے تھے اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو سبھی دیکھتے ہم کیسے تمہارا سواگت کرتے مگر اب جو بھی ہے اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کرلیا ہے۔ ویسے بھی اللہ نے مصطفیٰ کو زندگی دی ہے اللہ صحت سے نوازے باقی ارمان تو ساری عمر پورے ہوتے ہی

رہیں گے۔" ماں جی بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔
مصطفیٰ بھی ہاتھ دھو کر باہر آ گیا تھا چہرے کے عضلات میں واضح کھنچاؤ تھا۔
ماں جی نے ہاتھ میں پکڑے بیگ سے دو کنگن نکال کر اس کے دونوں ہاتھوں میں پہنائے تھے۔
"بہت سارے ارمان ہیں ان شاء اللہ سارے پورے کریں گے۔ یہ تمہارا میری طرف سے رونمائی کا تحفہ، بس چند دن گزر جائیں پھر مصطفیٰ بھی مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے گا تو ولیمے کی تقریب بھی کرلیں گے۔" اس کے بازوؤں میں کنگن پہنائے انہوں نے محبت سے کہا۔
"ماشاء اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے اور ڈھیروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ لیا اور پھر اٹھ کر خاموش کھڑے مصطفیٰ کے پاس جا رکی تھیں۔
"ہم نے تابندہ سے وعدہ کیا تھا کہ شہوار کو کبھی کوئی کمی محسوس نہ ہونے دیں گے۔ حقیقی بیٹیوں سے بڑھ کر چاہیں گے۔ آج سے شہوار تمہاری ذمہ داری ہے اس کا بہت خیال رکھنا بیٹا۔" مہر النساء نے مصطفیٰ کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ مصطفیٰ خاموش رہا تھا کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔ انہوں نے بغور دونوں کو دیکھا اور پھر آرام کرنے کا کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔
ان کے جانے کے بعد مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور واپس پلٹتے اس نے شہوار کو دیکھا وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں میں موجود کنگنوں کو دیکھ رہی تھی۔ تبھی اس کا موبائل بجنے لگا تھا مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا تھا۔
"ہاں امجد خان کیا خبر ہے؟" وہ کہہ کر کچھ پل دوسری طرف کی بات سننے لگا تھا۔ شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا وہ بستر کے دوسرے کنارے پر بیٹھ گیا تھا۔
"تو۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"اگر یہ اطلاع کنفرم ہے تو وہ کہاں غائب ہے پھر امجد کچھ بھی کرو مجھے وہ شخص ہر حال میں چاہیے مجھ پر حملہ کرنا اتنا آسان نہ تھا اس نے ساری پلاننگ کے بعد حملہ کیا تھا۔" مصطفیٰ کے لہجے میں تلخی تھی۔
"وہ جانتا تھا کہ ہم اس رستے سے گزرنے والے ہیں اور وہ اکیلا نہ تھا پتا کراؤ اس کا اس کے ساتھ اور کون کون شامل تھا۔" مصطفیٰ نے ایک دم افسرانہ تحکم سے کہا۔ شہوار نے فوراً اندازہ لگایا کہ کس بارے میں بات ہو رہی ہے۔
"ہاں میں صبح آفس جوائن کر رہا ہوں، چھوڑو امجد اتنے دن آرام ہی تو کر رہا تھا تم جانتے ہو مجھے یہ چھوٹے موٹے زخم کچھ نہیں کہتے۔" مصطفیٰ کا انداز بے پروا تھا۔
"بابا سے میں بات کرلوں گا۔ ڈونٹ وری، میں سیکیورٹی میں رہ کر اپنے آپ کو پابند نہیں کر سکتا۔ میں نے آج بابا سے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ سیکیورٹی ختم کرائیں میرے دشمن سمجھیں گے کہ میں کوئی ڈرپوک انسان ہوں جو اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔" تلخی سے کہتے اس نے سرسری سی نگاہ شہوار کی طرف ڈالی جو ابھی تک اپنے ہاتھ مسلتے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔
اسے دیکھتے مصطفیٰ کے چہرے کے عضلات کھنچاؤ کا شکار ہو گئے تھے۔
"او کے ٹھیک ہے صبح تفصیلی بات ہو گی، اس کے دوستوں پر کڑی نگاہ رکھو خصوصاً اس شہزاد پر اگر اس کی سرگرمیاں مشکوک ہو رہی ہیں تو کوئی وجہ تو ہو گی نا۔" مصطفیٰ نے کہہ کر کال بند کر دی تھی اور پھر شہوار کو دیکھا اس نے بھی کال بند ہونے کے بعد سر اٹھا کر دیکھا مگر مصطفیٰ کو متوجہ پا کر فوراً سر جھکا گئی تھی۔ رخسار ایک دم سرخ ہو گئے تھے مصطفیٰ کے اندر پھر ابال اٹھا تھا۔

"زندگی میں اگر بعض فیصلے اتنے ناگوار لگ رہے ہوں تو انسان کو وقت پر حتمی فیصلہ کر لینا چاہیے۔" مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھتے تلخی سے کہا۔ شہوار نے ایک دم چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔

"مجھے نفرت ہے ایسے لوگوں سے جو اپنی نفرت میں اوروں کی زندگیوں سے کھیل جاتے ہیں۔" مصطفیٰ نے سلگتے انداز میں کہا تو شہوار نے حیرانی سے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ تو مصطفیٰ کے تیور دیکھ کر ہی حیران رہ گئی تھی۔

"مطلب تو آپ اچھی طرح سمجھ چکی ہوں گی میں حیران ہوں کوئی انسان اس قدر بے حس بھی ہو سکتا ہے کہ کسی موت کی سرحد پر پہنچے ہوئے شخص کے سامنے دنیاداری کے لیے نیک خیالات کا اظہار کرنا تو دور کی بات بے حسی کی انتہا کر دی جائے۔" مصطفیٰ تو اندر سے بھرا ہوا تھا ایک دم اس کے الفاظ پر پھٹا تھا۔ شہوار ایک دم سٹپٹا سی گئی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لب وا کیے مگر پھر بھینچ لیے۔

"میں نے نجانے کن خوش فہمیوں کے سائے میں چلتے یہاں تک کا سفر طے کیا تھا اور پھر تمہارے رویوں نے میرے دل میں موجود تمام خوش کن جذبات و احساسات کو ان گزرے چند دنوں میں اس طرح نوچ کر باہر پھینک دیا ہے کہ اب میں تمہیں سامنے دیکھتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہیں اس گھر سے ہی نہیں اپنی زندگی سے بھی بے دخل کر دوں۔" مصطفیٰ کا لہجہ ایک دم سخت اور غصیلا تھا۔

وہ پچھلے تین چار دنوں سے نجانے خود پر کیسے جبر کر رہا تھا اپنے غصے کو دبا رہا تھا شہوار نے ایک دم ڈر کر اسے دیکھا۔ اتنا غصہ؟ وہ حیرت زدہ تھی۔

"مگر مجھے اپنے والدین کی محبت یہ سب سہنے پر مجبور کر رہی ہے شہوار بیگم ورنہ جس طرح تم نے ان تین چار دنوں میں میری ذات کو بری طرح رد کیا ہے میری جگہ کوئی عام ضبط کا مالک انسان ہوتا تو ایک پل میں فیصلہ کرتا۔" مصطفیٰ کی تلخی آگ کے شعلوں میں لپٹی ہوئی تھی۔

شہوار تو گم صم سی ہو گئی تھی وہ مصطفیٰ کا یہ روپ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک عرصہ سے ناگواری، بدگمانی و احساس کمتری والے رویے لیے ہوئے تھی شادی کے نزدیک آ کر اس نے خود کو سمجھا کر خود کو بدلنا شروع کیا تھا مگر اس حادثے نے تو جیسے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا اب دل کی حالت جو بھی تھی مگر اس کے باوجود وہ اپنے پرانے خول سے باہر نہیں نکل پا رہی تھی چاہ کر بھی نہیں۔

وہ تو بس اسی ادھیڑ بن میں رہی کہ وہ مصطفیٰ کا سامنا کیسے کرے گی؟ کیسے اس کی زخمی حالت کو برداشت کرے گی۔ ایک عرصہ ناگواری کی فضا قائم رکھی تھی اب ایک دم محبت کے رستے پر کیسے چل دیتی اسے سنبھلنے اور سب کچھ قبول کرنے کو کچھ وقت چاہیے تھا اور اب جبکہ وہ سب کچھ قبول کر رہی تھی تو مصطفیٰ کا یہ رویہ۔ اس نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

اس کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے بہت کچھ تھا مگر اس وقت مصطفیٰ کے تیوروں کے سامنے وہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے اسی طرح لب دبائے دیکھا تو ایک دم لب بھینچ کر اپنا موبائل اٹھا کر تیزی سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

شہوار نے از حد بے یقینی سے مصطفیٰ کو باہر جاتے دیکھا تھا۔ وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی تھی۔ وہ ہمیشہ غلطی کرتی تھی اور اب جبکہ وہ واپس اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی تو مصطفیٰ کے اس رویے نے اسے ساکن کر دیا تھا۔

مصطفیٰ اسے کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر اپنے دل کی بھڑاس نکال کر کمرے سے جا چکا تھا اور اندر وہ ہاتھوں میں چہرہ

چھپائے شدت سے سسک اٹھی تھی۔

○......❁......○

پتا نہیں رات کیسے گزری تھی وہ تو ساری رات اسی طرح گم صم بستر کے کنارے بیٹھی رہی تھی فجر کی اذان ہونے لگی تو وہ واش روم میں گھس گئی۔

فجر کے قریب مصطفیٰ کمرے میں آیا اور کمرے میں اسے موجود نہ پا کر ایک پل کو چونکا اور پھر واش روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر وہ لب بھینچ کر لائٹ آف کرتے بستر پر لیٹ گیا۔ شہوار وضو کر کے کمرے میں لوٹی تو لائٹ آف دیکھ کر چونکی تھی۔ یعنی مصطفیٰ کمرے میں آچکا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر نائٹ بلب روشن کیا تو مصطفیٰ نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ شہوار اس کمرے میں ایک دو بار ان پچھلے تین چار دنوں میں نماز ادا کر چکی تھی سو آرام سے ایک طرف دراز میں رکھا جائے نماز نکال کر وہ بچھا کر نماز ادا کرنے کھڑی ہو گئی تھی۔

مصطفیٰ اس طرح لیٹا رہا تھا گویا رات وہ دل کی بھڑاس نکال کر اب خاموشی اختیار کر چکا تھا۔ نماز ادا کر کے وہ کافی دیر تک جائے نماز پر ہی بیٹھی رہی تھی۔ دعا مانگتے اس کی آنکھیں کئی بار بھیگی تھیں۔

مصطفیٰ کی موجودگی کا احساس کرتے وہ خود کو رونے سے بمشکل باز رکھ رہی تھی۔ ورنہ مصطفیٰ کے رات والے رویے نے اسے بے چین کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ جائے نماز لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی جائے نماز اس کی جگہ پر رکھتے اس نے مصطفیٰ کی طرف نگاہ کی۔ وہ چہرے پر دایاں بازو رکھے چت لیٹا ہوا تھا۔ نجانے سو گیا تھا یا جاگ رہا تھا۔ اس نے ایک دو پل اسے دیکھا تھا اور پھر آہستگی سے چلتے نائٹ بلب آف کرتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

اسے یاد آ رہا تھا نکاح کے بعد جب اس کا مصطفیٰ سے سامنا ہوا تھا تو مصطفیٰ اس کی تمام باتوں کے جواب میں بہت بری طرح پیش آیا تھا اور پھر وہ کمرے سے واک آؤٹ کر گیا تھا اور اس کے بعد جب بھی سامنا ہوا اس کا رویہ بہت غصیلا تھا۔ پھر وہ شہر واپس آ گئی تھی اور پھر آہستہ آہستہ مصطفیٰ کا غصیلا انداز ختم ہو گیا تھا مگر رات مصطفیٰ کا جو رویہ تھا وہ اس رویے سے زیادہ تکلیف دہ تھا جو وہ اس کے ساتھ رکھتی رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھی رہی اور پھر اندھیرا مکمل طور پر ختم ہوا تو وہ اٹھ کر اندر کی طرف آ گئی تھی۔

راہداری سے گزرتے وہ لاؤنج کی طرف آئی تو وہاں مہر النساء قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" اس نے سلام کیا تو انہوں نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا تھا وہ آہستگی سے ان کے پاس آ کر رکی تھی انہوں نے قرآن پاک بند کرتے اسے دیکھا۔

"مصطفیٰ اٹھ گیا؟" وہ شاید سمجھ رہی تھیں کہ وہ کمرے سے آئی ہے اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ انہوں نے ایک دو پل اسے بغور دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے نا۔" انہوں نے تشویش سے پوچھا تھا وہ چونکی تھی انہیں متوجہ دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔

"جی۔" انہوں نے سر ہلایا۔

وہ پھر تلاوت کرنے میں لگ گئی تھیں۔ انہوں نے زیادہ کرید نہیں کی تھی۔ کچھ دیر بعد معمول کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ وہ دوبارہ کمرے میں بھی نہیں گئی تھی اسی طرح کسی نہ کسی کے پاس بیٹھی رہی تھی نئی نویلی دلہن تھی کوئی کام تو تھا نہیں۔ اس نے سوچا مصطفیٰ تو گھر آ گیا ہے اور کوئی کام بھی نہیں وہ کالج ہی چلی جائے خوامخواہ لایعنی سوچوں سے تو کم از کم

چھٹکارا ملے گا۔

وہ یہی پوچھنے کچن میں چلی آئی تھی مہرالنساء ملازمہ کو ناشتہ تیار کرنے کی ہدایت دے رہی تھیں۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ میں آج کالج چلی جاؤں۔" اس نے مہرالنساء سے کہا۔

"ابھی تو شادی کو چند دن ہوئے ہیں بیٹا۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"مگر میں فنکشن سے پہلے بھی کافی چھٹیاں کرچکی ہوں، بہت حرج ہورہا ہے میرا۔" اس نے کہا۔

"مصطفیٰ کل ہی اسپتال سے آیا ہے ایک دو دن تک مت جاؤ پھر چلی جانا۔" انہوں نے کہا۔

"مگر وہ بھی آج آفس جارہے ہیں رات آپ کو بتا تو چکے تھے کہ چھٹیاں کینسل کروادی ہیں انہوں نے۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"ایسے کیسے کروادی، ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوا ہے میں نے منع بھی کیا تھا اسے۔" وہ پریشان ہوگئی تھیں۔ شہوار خاموش رہی تھی۔

"میں اس کے بابا سے بات کرتی ہوں۔ وہ ہی سمجھائیں گے۔"

"میں پھر آج سے کالج چلی جاؤں نا۔" اس نے پھر کہا تھا انہوں نے بغور دیکھا کچھ کہنا چاہا اور پھر خاموش ہوگئیں۔

"میں مصطفیٰ سے بات کرلوں پھر بتاتی ہوں۔" کچھ توقف کے بعد انہوں نے کہا۔

"ویسے مصطفیٰ سے پوچھا وہ کیا کہہ رہا ہے۔"

"نہیں ابھی ان سے بات نہیں کی سوچا پہلے آپ سے اجازت لے لوں۔"

"جیتی رہو۔" وہ ایک دم اس کی فرمانبرداری پر نہال ہوگئی تھیں۔ ساتھ لگا کر پیشانی چوم لی۔

"چلو ٹھیک ہے کالج چلی جانا مگر مصطفیٰ سے بھی پوچھ لینا۔" انہوں نے مشروط اجازت دے دی تھی۔

وہ اپنے روم میں آگئی تھی۔

اس نے تمام چیزیں تلاش کرکے ایک جگہ اکٹھی کی اور لباس نکال کر رکھا۔ اس نے سوچا کہ وہ ذرا ٹھہر کر کالج جائے گی۔

رات والے مصطفیٰ کے رویے کے بعد وہ مصطفیٰ کا سامنا کرنے سے خوف زدہ تھی مگر اس نے سوچا کہ ایک بار اس کو بتانا تو ضرور چاہیے نا۔ وہ کمرے میں آئی تو ماں جی اور شاہزیب صاحب پہلے سے ہی وہاں موجود تھے مصطفیٰ شاید آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کوئی بحث چل رہی تھی۔

"بابا جان کچھ نہیں ہوتا، پھر امجد خان بھی ساتھ ہوگا، گھر رہ کر بھی میں کیا کرتا۔" اسے دیکھ کر مصطفیٰ نے جھنجلا کر کہا۔ شہوار اندر آگئی تھی۔

"بھلے کچھ نہ کرے تمہاری دونوں پھوپیاں ابھی موجود ہیں بہنیں ادھر ہیں سب کے ساتھ وقت گزارتے سب سے بڑھ کر شہوار کے ساتھ۔" شاہزیب صاحب نے صاف بات کی تھی، مصطفیٰ کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

"مگر میں چھٹیاں کینسل کراچکا ہوں۔" اس نے ضبط کرتے کہا۔

"یہ اتنا بڑا ایشو نہیں ہے میں آفیسرز وغیرہ سے بات کرلیتا ہوں ویسے بھی تمہاری صحت سے بڑھ کر تو کچھ بھی اہم نہیں ہے۔" شاہزیب کا انداز دوٹوک تھا۔

"چلیں وعدہ جلدی گھر لوٹ آؤں گا مگر آفیسرز سے بات مت کریں۔" شاہزیب صاحب کے حتمی انداز پر وہ کچھ دھیما پڑا تھا۔

"دیکھو، مصطفیٰ میں اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتا مجھے تمہارے اس رویے سے بہت خوف آتا ہے۔ ہر کام بہت غصے سے کرنے والا نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں تم ایاز کو تلاش کرا رہے ہو، امجد مجھے پل پل کی رپورٹ دے رہا ہے مگر جلد بازی میں، میں نہیں چاہتا کہ تمہیں پھر سے کوئی نقصان پہنچے۔" شاہزیب صاحب کا انداز مصالحت پر مبنی تھا۔ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ وہ ہماری لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھا گیا ہے مگر ہر بار اس کا وار کامیاب ہو ضروری بھی نہیں۔" اس کے لہجے میں تنفر تھا غصے کی لپٹیں تھیں جیسے بمشکل خود پر قابو پا رہا ہوں۔"

"مگر اپنے دشمن کو کبھی بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔" شاہزیب صاحب نے کہا۔

"باقی بحث بعد میں اٹھا رکھیے گا۔ میں جلدی گھر آجاؤں گا۔" مصطفیٰ کا انداز حتمی تھا۔ وہ بستر پر پڑا اپنا لباس لے کر واش روم میں گھس گیا۔

شاہزیب صاحب نے اسے اور پھر مہرالنساء کو دیکھا جن کے چہرے پر تشویش تھی۔

"پریشان نہ ہو، مصطفیٰ کوئی بچہ نہیں، میں سیکیورٹی کا خاص خیال رکھوں گا بس ہماری لاعلمی میں یہ حادثہ ہوگیا مگر اب ایسا نہیں ہوگا آپ بھی جانے دیں وہ جو ٹھان چکا ہے کر کے ہی رہے گا۔" انہوں نے تسلی دی تھی مہرالنساء بیگم نے سر ہلا دیا۔

"شہوار بھی کالج جانا چاہ رہی ہے جانے دوں یا رہنے دوں۔" انہوں نے شہوار کو دیکھتے پوچھا۔

"ظاہر ہے کالج تو جانا ہے نا۔"

"مگر مجھے تو اس ایاز سے ڈر لگا رہتا ہے۔ دونوں گھر سے باہر چلے گئے تو سارا دن میرا دل ہی ہولتا رہے گا۔ جس طرح اچانک اس نے یہ سب کیا ہے نجانے اب کیا کر دے ہے بھی روپوش کوئی سراغ بھی تو نہیں مل پا رہا، بدبخت کا۔"

"ہم اپنی نگرانی میں شہوار کو پک اینڈ ڈراپ کروالیں گے جب تک مصطفیٰ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوجاتا، پھر وہ خود تو ہوگا ہی خود ہی خیال رکھ لے گا۔" شاہزیب صاحب نے کہا۔ مصطفیٰ بھی لباس بدل کر واپس کمرے میں آگیا تھا۔ اس نے شوز پہنے، پھر بال سنوارنے لگا سبھی نے خاموشی سے دیکھا۔

"امجد کو میں کال کر دیتا ہوں وہ خود ہی تمہیں پک کرلے گا۔ ابھی تم ڈرائیو کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو اور نہ ہی میں رسک لے سکتا ہوں۔" شاہزیب صاحب نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

"اور ہاں شہوار بھی آج سے کالج جا رہی ہے۔" بالوں میں برش چلتا مصطفیٰ کا ہاتھ ایک پل کو ٹھٹکا تھا۔

"اسے میں خود ڈراپ کر دوں گا اور جب تک تمہارا بازو ٹھیک نہیں ہوجاتا یہ پک اینڈ ڈراپ میری ذمہ داری ہوگی بعد میں تم خود دیکھ لیا کرنا۔" انہوں نے مزید کہا تو مصطفیٰ نے بغیر کچھ کہے برش ڈریسنگ پر زور سے رکھا۔ شہوار نے چونک کر دیکھا ایک پل کو نگاہ ملی تھی۔ برہمی، غصہ اور جھنجلاہٹ سبھی کچھ تو تھا۔ مصطفیٰ نے غصے سے نگاہ پھیر لی تھی۔

"میں ریڈی ہوں آپ امجد کو کال کردیں مجھے آدھ گھنٹے میں پک کرلے۔" سنجیدگی سے باپ کو کہا۔

"ناشتہ کرو گے نا؟" ماں جی نے محبت سے پوچھا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے ہاں میں سر ہلایا۔ وہ شہوار کو مکمل طور پر نظرانداز کر رہا تھا۔ گویا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

"چلو آؤ، ناشتہ تیار ہے تم کرلو۔" انہوں نے کہا تو مصطفیٰ ایک طرف بستر پر پڑا اپنا موبائل، والٹ، لیپ ٹاپ اور کچھ فائلز اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔

"تم بھی آجاؤ..... مل کر ناشتہ کرلو۔" مصطفیٰ کے ساتھ جاتے جاتے پلٹ کر انہوں نے کہا تو وہ محض سر ہلا گئی تھی۔

○......❖❖❖......○

وہ آج ذرا لیٹ اٹھی تھی۔ ناشتے کے لیے روم سے باہر آئی تو ماما کے سوا سبھی جا چکے تھے وہ سارا دن گھر رہ کر بوریت کا شکار ہونے کا سوچتے تیار ہونے چلی گئی تھی۔ اتنی دیر میں ڈرائیور بابا اور احسن بھائی کو چھوڑ کر واپس آ چکا تھا۔ ماما کا بوتیک بارہ بجے کے قریب کھلتا تھا۔ سو وہ ڈرائیور کو لے کر کالج چلی آئی تھی۔

آج کل اس کا ایک بار پھر سے ولید سے موڈ تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ ولید سے بات نہیں کر رہی تھی اور ہمیشہ کی طرح بار بار پوچھنے کی بجائے ولید بھی اس بار خاموش تھا۔ اس بار اس کے اندر یہ تبدیلی ضرور رونما ہوئی تھی کہ اس کے موڈ کی خرابی صرف ولید کی ذات تک محدود رہی تھی۔ باقی لوگوں کے ساتھ وہ اپنا موڈ درست رکھے ہوئے تھی۔

وہ کالج آئی تو شہوار کو دیکھ کر ٹھٹک گئی وہ ساری کلاس فیلوز میں گھری ہوئی تھی۔ وہ ایک دم بے قرار ہو کر اس کی طرف بڑھی تھی شہوار بھی گویا اس کی منتظر تھی یوں ملی جیسے برسوں کی بچھڑی ہوئی ہوں۔

"کیسی ہو؟" اس نے شہوار سے پوچھا۔

ہاتھ پاؤں کی مہندی کے مدہم سے نقوش اور خوب صورت لباس وہ بہت دل کش لگ رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں چلو آؤ کہیں سکون سے بیٹھتے ہیں۔" وہ کافی دیر سے کلاس فیلوز میں پھنسی ہوئی تھی۔ ہر کوئی اس کی غیر موجودگی کی وجہ جان کر حیران ہو رہا تھا وہ کب سے ان کے سوالوں کے جوابات میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ باقی لڑکیوں سے معذرت کر کے انا کو لیے ایک علیحدہ گوشے میں آ بیٹھی تھی۔

"کہاں تھیں تم میں کب سے ویٹ کر رہی تھی؟" اس نے انا کو پوچھا۔

"میرا آج موڈ نہیں بن رہا تھا پھر اچانک بنا تو چلی آئی یہ تو اب جان پائی ہوں کہ تمہارے وجود کی کشش یہاں تک کھینچ لائی تھی۔" محبت سے شہوار کو دیکھتے اس نے کہا شہوار اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"مصطفیٰ بھائی کا سنا تھا وہ گھر شفٹ ہو گئے ہیں تم سناؤ کیسے ہیں وہ اب؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا تو اس کی بات پر نسبتاً اس کا چہرہ ایک دم ماند پڑا تھا۔

"ٹھیک ہیں وہ۔" اس نے بمشکل مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"اتنی جلدی انہوں نے تمہیں کالج آنے کی اجازت دے دی کیا؟" انا نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ خود بھی آج آفس چلے گئے تھے میں گھر رہ کر کیا کرتی ویسے بھی بور ہو رہی تھی۔"

"ہائے اتنی جلدی، ابھی تو میرا خیال ہے ان کے زخم بھی ٹھیک سے مندمل نہیں ہوئے ہوں گے۔" انا کو مصطفیٰ کے آفس جانے کا سن کر حیرت ہوئی تھی۔

شہوار خاموش رہی تھی۔ وہ اپنی ہر بات انا سے ڈسکس کرتی رہی تھی مگر اب اس مقام پر آ کر مصطفیٰ کا رویہ اس سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم سناؤ اسٹڈی کیسی جا رہی ہے۔"

"تمہارے بغیر بہت بوریت ہو رہی تھی بس یہ لیکچر اور وارڈ کی ڈیوٹی اسی طرح کی روٹین تھی۔ پھر پیشنٹ ہسٹری پر کام بس بہت ڈل ہو رہی ہوں میں آج کل تم آ گئی ہو تو پھر روٹین اسٹارٹ ہو جائے گی۔"

"ہاں اب روزانہ آیا کروں گی ہو سکتا ہے ایک دوبار امی سے ملنے گاؤں جاؤں اس کے علاوہ اور کوئی غیر ضروری چھٹی نہیں کروں گی اب ہو ویسے بھی اس ایئر میں آ کر میں بہت چھٹیاں کر چکی ہوں انکل نے اٹینڈنس کی طرف بے فکر ہونے کو

کہا تھا کچھ چیئر مین صاحب بھی جاننے والے ہیں تو مسئلہ نہیں ہوگا مگر ان چھٹیوں کے دوران جو حرج ہوا ہے سیکھنے کا جو کام تھا وہ اب مشکل ہی کور ہوگا۔"

"ہو جائے گا کور، سب گروپ ممبرز مل کر کرلیں گے تم ٹینشن نہ لو۔"

"مگر جو چیز پریکٹس سے سیکھی جاسکتی ہے وہ ڈسکشن سے تو حاصل نہیں ہو سکتی نا۔"

"اور کچھ پتا چلا کہ کس نے حملہ کیا تھا؟" انا نے ٹاپک بدل دیا تھا۔

"ایاز کے سوا کون ہو سکتا ہے بھلا؟" شہوار نے تلخی سے کہا۔

"سبھی کو یقین ہے کہ یہ کام کرنے والا صرف اور صرف ایاز ہی ہے اور اس کے خلاف ہی تمام شواہد اکٹھے ہو رہے ہیں مگر وہ کہیں غائب ہے ہاتھ نہیں لگ رہا۔"

"مجھے یقین ہے اگر اب کی بار مصطفیٰ بھائی کے ہاتھ لگ گیا تو بچ نہیں پائے گا۔" انا نے کہا۔ اس نے سر ہلایا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

"تم لوگوں نے لیکچر اٹینڈ نہیں کرنا؟" ان لوگوں کے گروپ کی ہما ادھر ہی آ گئی تھی۔

"ہاں بس جانے ہی والے تھے۔" انا نے کہا۔

پہلا لیکچر بنک ہو گیا تھا سو اب دوسرا شروع ہو رہا تھا دونوں ہی اکٹھی کھڑی ہوئی تھیں۔

○......❖......○

مصطفیٰ اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا امجد اس کے سامنے موجود تھا اور تمام معلومات ڈسکس کر رہا تھا۔

"ایاز اور اس کے تمام ساتھیوں پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی ہے۔ بس صرف شہزاد ہی ہے۔ جس کے متعلق آج کل مشکوک رپورٹ ملی تھی۔ اس کے چوکیدار اور ڈرائیور وغیرہ سے بھی معلومات لی گئی ہیں مجھے لگتا ہے شہزاد جانتا ہے کہ ایاز کہاں ہوگا۔"

"تو شہزاد کو خاموشی سے اٹھوا لو اور باز پرس کر لیتے ہیں۔" مصطفیٰ کا دو ٹوک انداز تھا۔

"پہلے میرا بھی یہی ارادہ تھا مگر آج مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ آج صبح کی فلائٹ سے دوبئی روانہ ہو چکا ہے صبح پانچ بجے کی فلائٹ تھی۔"

"اوہ......" مصطفیٰ ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔

"آپ نے لالہ رخ کے کیس کی فائل مانگی تھی سب ڈیٹیلز اس میں موجود ہیں آپ چیک کر لیجیے گا۔" امجد نے فائل مصطفیٰ کے سامنے رکھ دی تھی۔

مصطفیٰ نے فائل کھول لی تھی۔ سب پیپرز پر نظر دوڑائی تھی اور پھر امجد خان کو دیکھا تھا۔

"اوکے میں اس کو فارغ وقت میں دیکھوں گا ابھی تو ان چند دنوں میں ہونے والی تمام کارروائیوں کی ڈیٹیلز دو اور جو لوگ ملنا چاہتے ہیں ان کو بھیج دو۔" مصطفیٰ نے فائل دراز میں رکھ دی۔

وہ آج کتنے دن بعد آفس آیا تھا اس سے ملنے والوں اور باقی لوگوں کی کافی تعداد بھی جو صبح سے کال کر رہی تھی۔ کچھ کے کیسز تھے کچھ کے مسائل۔ وہ صبح سے بزی تھا۔

"وہ تو سب ہو ہی جائے گا مگر شاہ زیب صاحب نے سختی سے کہا تھا کہ آپ کو زیادہ کام نہیں کرنے دیا جائے۔ آپ ملاقات وغیرہ رہنے دیں میں دیکھ لوں گا آپ نے چیک اپ کے لیے بھی جانا تھا شاہ زیب صاحب کا فون آیا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ آپ کو گارڈز کے ہمراہ اسپتال بھیجوں وہ بھی وہاں پہنچ رہے ہیں۔" امجد کو اس کی حقیقی طور پر فکر تھی مصطفیٰ نے

ثانیہ چوہدری

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور قارئین اکرام آپ سب کو میرا چاہتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ میرا تعلق ضلع گجرات تحصیل کھاریاں کے قریبی گاؤں برنالی سے ہے۔ میری تاریخ پیدائش 14 جولائی ہے' اسٹار کینسر ہے' میں اسٹارز پر یقین رکھتی ہوں۔ پسندیدہ لباس لانگ قمیص اور ٹراؤزر ہے' پسندیدہ رنگ پنک اینڈ وائٹ ہے۔ میں فرسٹ ائیر کی طالبہ ہوں۔ آرمی جوائن کرنا میرا خواب ہے' دعا کریں میرا خواب پورا ہو۔ مجھے دوستیں بنانے کا شوق ہے' میری قریبی دوست انعم ہے۔ آنچل شوق سے پڑھتی ہوں اگر مجھ سے کوئی دوستی کرنا چاہتا ہے تو ویلکم۔ تمام رائٹرز اسٹاف کی تعریف کرنے کو میرے پاس الفاظ نہیں' پڑھنے والے کو یہ پیغام دیتی ہوں ہر مشکل حالات کا مقابلہ بہادری اور ہمت سے کریں ان شاء اللہ کامیابی قدم چومے گی' اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

اسے سنجیدگی سے دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔

O......❖❖......O

ساجدہ گھر کی صفائی کے بعد مشین لگا کر کپڑے دھونے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر خالہ بی کے پاس بیٹھی رہی اور پھر خالہ بی سے اوپر والے حصے کی چابیاں لیے سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گئی تھی۔ وہ جب سے واپس آئی تھیں آج پہلی بار ان بند دروازوں کو کھول رہی تھیں۔

دو کمرے تھے انہوں نے لاک کھول کر دروازے کھولے تو بند کمروں کے اندر سے حبس اور سیلن کی بو سے فوراً باہر کی راہ لی تھی۔ شاید کافی دن سے ان کمروں کو کھولا نہیں گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے کے اندر چلی آئی تھیں۔ لائٹ جلائی تو اندازہ ہوا کہ لائٹ موجود نہ تھی۔ انہوں نے ویسے ہی کمرے میں بغور دیکھا۔

پلنگ، کرسیوں، میز ہر چیز پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی کمرے میں جگہ جگہ جالے لگے ہوئے تھے انہوں نے چند پل کھڑے ہو کر بڑے کرب سے ہر چیز کو دیکھا تھا۔

''یہ چھوٹا سا گھر میرے لیے کسی جنت سے کم نہیں، یہاں میں ہوں سکندر اور ہمارے بچے ہیں ایک عورت کو اور کیا چاہیے، دنیا کی ہر خوشی تو میرے پاس موجود ہے۔'' ایک خوشی سے جگمگ کرتی کھلکھلاتی آواز ماضی کے پردوں سے نکل کر کانوں سے ٹکرائی تو تابندہ بی کی آنکھوں کی زمین گیلی ہونے لگی تھی۔ انہوں نے وہاں سے نکل کر دوسرے کمرے کو دیکھا اس کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ کمرے سے نکل آئی تھیں۔

''ساجدہ۔'' ریلنگ سے جھک کر انہوں نے صحن میں لگے نل پر کپڑے دھوتی ساجدہ کو پکارا۔

''جی۔''

''دونوں کمروں میں بلب وغیرہ کچھ بھی نہیں۔'' انہوں نے ریلنگ پر جھکے جھکے ہی پوچھا۔

''مجھے نہیں پتا، اصل میں ان دونوں کمروں کی چابیاں صرف اماں کے پاس ہی ہوتی ہیں وہی اندر جاتی ہیں۔'' ساجدہ نے بتایا۔

''اچھا تم ایسا کرو مجھے دو بلب منگوا دو میں ان کمروں کی صفائی کر لیتی ہوں۔'' انہوں نے کہا۔

ساجدہ نے کچھ دیر بعد دو بلب منگوا دیے تھے، جھاڑ پونچھ کا سامان لیے وہ اوپر آ گئی تھی۔ حویلی میں رہتے ہوئے انہوں نے بہت سے کام اپنے ذمہ لے رکھے تھے مگر ایسے تمام کام ملازمین کے سپرد تھے۔

اوپر والے حصے میں دو کمروں کے علاوہ ایک طرف برآمدے میں کچن سیٹ کیا ہوا تھا اور بائیں طرف واش روم تھا۔
انہوں نے کھڑکیاں کھول دی تھیں کچھ دیر بعد ساجدہ بھی اوپر آ گئی تھی دونوں نے مل کر پورشن صاف کیا تھا۔ الماریاں، کھڑکیاں دروازے، چھتیں سبھی کچھ روشن روشن سا ہو گیا تھا۔ کم از کم ان کو دو تین گھنٹے لگ گئے تھے ہر چیز کی صفائی میں۔ پرانا سامان نکال کر اس نے باہر رکھا تھا کچھ کو دھوپ لگوائی تھی بہت سارا سامان خالہ بی ان گزرے ماہ سال میں نکال نکال کر استعمال کر چکی تھیں بس چیدہ چیدہ چیزیں موجود تھیں۔
ساجدہ نے دوپہر کا کھانا تیار کرنا تھا اس کے دونوں بیٹوں نے دو بجے اسکول سے آ جانا تھا جبکہ تابندہ خود چیزوں کو دھوپ میں پھیلا کر کمروں سے نکلنے والا ساز و سامان ردی، کاغذات اور چند اور چیزیں چیک کرنے لگی تھیں۔
گھر کی تعمیر کے سلسلے میں خریدے جانے والے سامان کی کئی رسیدیں تھیں مختلف مختلف اوقات میں مختلف جگہوں سے خریدا جانے والا ساز و سامان، حساب کتاب کی ڈائری، پاسپورٹ کالج کی ڈائری، نوٹس، کتابیں ادب اور لٹریچر کی کتابیں ڈائریاں اور تعلیمی اسناد انہوں نے بہت احتیاط سے تمام چیزوں کو صاف کرتے ایک شاپنگ بیگ میں ڈالا تھا۔
"یہاں سے صرف کپڑے ہی لے کر جاؤ گے نا ہوں باقی ساز و سامان کا کیا کرو گے؟" ماضی کے جھروکوں سے پھر کوئی آواز گونجی تھی۔
"سکندر کہتے ہیں سب کچھ بنا لیں گے، کپڑے وغیرہ روزمرہ کی ضرورت ہیں باقی سب کچھ تو ارینج ہو سکتا ہے۔"
"اور کچن کے لیے برتن بھی درکار ہوں گے تب تک باقی سیٹنگ نہیں ہو جاتی ان کی تو ضرورت ہے۔"
"بالکل ابھی تو میری اپنی طبیعت ایسی ہے کہ میں شاپنگ نہیں کر سکتی ذرا جو سنبھلتی ہے تو پھر کر لیں گے مل کر، سکندر نے گھر کی سجاوٹ کا سارا کام مجھ پر چھوڑ رکھا ہے۔" تابندہ نے نم آنکھوں سے برآمدے میں بنے اوپن کچن کی طرف دیکھا۔ ان کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تو وہ اٹھ گئی تھیں۔
سامان وغیرہ کو اسی طرح دھوپ میں چھوڑ کر وہ نیچے آ گئی تھیں نماز پڑھ کر کھانا کھا کر وہ پھر سے اوپر آئی تھیں ساجدہ کے دونوں بیٹے آ چکے تھے وہ بھی اوپر آ گئے تھے۔ ان کے ساتھ مل کر انہوں نے پھر سے کمرے کی سیٹنگ کی تھی۔ بچے بہت خوش تھے جن کمروں کو تالا لگا دیکھتے تھے اب ان کمروں میں چل پھر رہے تھے۔
ساجدہ ایک خاموش طبع خاتون تھیں۔ وہ سوال جواب نہیں کرتی تھی جبکہ اس کے بچے بہت متجسس تھے وہ مختلف سوال و جواب کر رہے تھے۔
"اگر یہ آپ کا گھر تھا تو پھر ہم ادھر کیوں رہ رہے ہیں۔" چھوٹے بچے نے ایک سوال کا جواب ملنے پر پھر پوچھا تھا۔
"اس لیے کہ میں نے یہ گھر تمہاری دادی کو دے دیا تھا۔"
"اور آپ اتنا عرصہ کہاں تھیں، امی کہتی ہیں کہ آپ کہیں نوکری کر رہی تھیں اب واپس آ گئی ہیں۔" سوال کا جواب ملنے پر اس نے جھٹ اگلا سوال کیا تھا انہوں نے مسکرا کر دیکھا۔
"ہاں میں واقعی کہیں نوکری کر رہی تھی۔"
"آپ کے بچے کدھر ہیں؟" اس نے پھر پوچھا۔
"چپ، امی نے منع کیا تھا نا کہ آنٹی سے زیادہ سوال کر کے تنگ نہیں کرنا۔" بڑے بھائی نے چھوٹے کو ڈانٹا۔
"ہاں میں بھول گیا تھا۔" چھوٹا ایک دم مودب ہو گیا تھا۔
تابندہ خاموش رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کمرے سیٹ ہو گئے تھے۔
"یہ ایک کمرہ تمہارا ہے اور ایک چھوٹے کا، جب تم دونوں کچھ اور بڑے ہو جاؤ گے تو ادھر رہنا۔" تابندہ نے بچوں سے

کہا تو دونوں حیران ہوگئے۔

"واقعی؟" چھوٹے کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"ہم اب ان کمروں میں آیا جایا کریں گے تا کوئی منع تو نہیں کرے گا نا؟" وہ پوچھ رہے تھے تابندہ نے سر ہلا دیا تھا۔

"بالکل یہ اب تم دونوں کے کمرے ہیں۔"

"میں امی کو بتا کر آتا ہوں۔" چھوٹا ایک دم خوش ہو کر نیچے کی طرف بھاگا تھا بڑا بھی پیچھے لپکا تھا۔

تابندہ بی نے ایک گہرا طمانیت بھرا سانس لیا اور پھر کمرے کی طرف دیکھا تھا۔

○......❖❖......○

وہ گھر لوٹی تو سیدھا اپنے کمرے میں آئی تھی، کتابیں اور بیگ رکھ کر لباس بدل کر وہ باہر آ گئی تھی اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ آج کا سارا دن کالج میں بہت بزی رہا تھا۔ وہ ابھی فریج کھول کر دیکھ ہی رہی تھی جب لائبہ بھابی اندر داخل ہوئی تھیں۔

"شادی کے بعد آج کالج میں پہلا دن کیسا گزرا؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"بہت بزی۔" اس نے کہا تو وہ آگے بڑھی تھیں۔

"ہٹو تم میں کھانا نکال دیتی ہوں۔" انہوں نے کہا تو وہ چیئر پر ہی بیٹھ گئی۔

"بڑی خاموشی ہے گھر میں باقی لوگ کدھر ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"صبا اور عائشہ دونوں چلی گئی ہیں دونوں پھپھو بھی ساتھ گئی ہیں دریہ اور اماں اپنے اپنے کمرے میں جب کہ مصطفیٰ اور ماموں جان کے ساتھ چیک اپ کرا کر ابھی اپنے کمرے میں گیا ہے۔"

"اوہ......" مصطفیٰ کے ذکر پر وہ ایک دم چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

لائبہ نے اوون میں سالن گرم کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگی تھی۔ کھانا کھا کر وہ لائبہ کے پاس کچھ دیر رکی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی تھی بیگ سے موبائل نکال کر اس نے حویلی کے نمبرز ملائے تھے۔

بابا صاحب سے بات ہوئی تھی۔ اس نے تابندہ سے بات کروانے کا کہا تو پتا چلا کہ وہ گاؤں میں کسی کے گھر گئی ہوئی ہیں۔ اس کا دل ایک دم سکڑا۔ جب سے وہ رخصت ہو کر آئی تھی ایک بار بھی تابندہ سے بات نہیں ہوئی تھی نجانے وہ کیوں اسے نظر انداز کر رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ جان بوجھ کر اس سے بات نہیں کر رہی ہیں۔ اس کے اندر ایک دم حساسیت کے طوفان اٹھنے لگے تو خود کو سمجھاتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ مصطفیٰ والے کمرے کی طرف نگاہ اٹھی تو قدم من من بھر کے ہوگئے۔

وہ ادھر جانے کے بجائے ماں جی کے کمرے کی طرف چلی آئی ابھی اس نے دستک دینے کو ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ایک ادھ کھلے دروازے سے آتی آواز سن کر ساکت ہوگئی۔

"تابندہ حویلی چھوڑ کر چلی گئی ہے اور آپ یہ بات مجھے اب بتا رہے ہیں۔" شہوار کو لگا جیسے اس نے سننے میں غلطی کی ہے۔

"اتنے دن ہوگئے اور آپ نے کچھ خبر بھی نہ لی، کوئی پتا نہ کرایا؟" مہرالنساء فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔

"پتا تو تب کراتا جب وہ انجانے میں گم ہوتیں وہ خود سے حویلی چھوڑ کر گئی ہیں۔ باقاعدہ بابا صاحب کے نام خط لکھ کر۔"

"میرے اللہ۔" شہوار کو لگا کہ جیسے اس پر گھر کی چھت آ گری ہے۔ اس نے ساکت نظروں سے ادھ کھلے

دروازے کو دیکھا۔

"پتا نہیں وہ کہاں گئی ہوں گی ان کا تو اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔" مہرالنساء ازحد پریشان ہو چکی تھیں۔

"نہیں، مجھے لگتا ہے تصویر کے دو رخ ہیں ایک وہ رخ جو تابندہ نے ہمیں دکھایا ہے اور دوسرا کوئی اور رخ ہے جس سے صرف وہی واقف ہے آپ کو یاد ہوگا ماضی میں جب بھی تابندہ سے اس کے رشتہ داروں کے بارے میں سوال کیا وہ گھبرا جایا کرتی تھی میں نے ہمیشہ یہ سمجھا کہ وہ اپنے دشمنوں سے خوف زدہ ہے مگر اب مجھ لگ رہا ہے کہ ہم بے وقوف بنائے گئے ہیں۔ تابندہ بی کے ماضی میں بہت کچھ چھپا ہوا ہے۔" شاہزیب صاحب کہہ رہے تھے۔

اور دروازے کے پاس کھڑی شہوار کو لگا کہ جیسے لحہ لحہ اس کے جسم سے جان نکلتی جارہی ہے۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے، تابندہ کا ہمارے ساتھ کوئی ایک دن کا ساتھ نہ تھا، برسوں ہم نے ساتھ گزارے تھے کسی کے کردار کی پہچان ایک لحہ میں ہو جاتی ہے وہ کوئی ایسی ویسی خاتون نہ تھیں۔" مہرالنساء کے لہجے میں ایک دم خوف سمٹ آیا تھا۔

"میں بھی کرداری لحاظ سے انہیں غلط نہیں کہہ رہا۔ مگر مجھے لگتا ہے انہوں نے ہم سے بہت کچھ چھپا رکھا تھا۔"

شہوار کو لگا وہ ابھی ندامت و شرمندگی سے پورے قد سمیت گرنے والی ہے اس نے ایک دم دیوار کو تھاما۔

وہ نجانے کیوں اپنی پہچان کے حوالے سے ہمیشہ خوف زدہ رہی تھی تو کیا اس کے وہ سارے خوف، سارے واہمے اور سارے خدشات اب درست ثابت ہونے والے تھے۔

شہوار کو لگا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔

"میں تو اب شہوار کے حوالے سے بھی شک کا شکار ہو رہا ہوں۔" شاہزیب صاحب کی آواز اسے لگا یہ آخری کیل تھی جو اسے تابوت میں بند کرنے کو کافی تھی۔

"کیا مطلب، کیسا شک؟" مہرالنساء نے بے تابی سے پوچھا تھا۔ جواب میں نجانے شاہزیب صاحب نے کیا کہا تھا۔ شہوار نے ایک دم اپنا چکراتا سر تھاما تھا مگر سب بے سود تھا آج وہ بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔

اس کی ذات کا سارا مان،

ساری اکڑ

سارا غرور

آج خاک میں مل گیا تھا۔

اس کی ذات کا نشان آج پھر شک کی لپیٹ میں تھا اس کے سر پر ہمیشہ چادر ڈالنے والے بھی آج مشکوک تھے۔ اسے لگا اس کو سانس بہت گھٹ گھٹ کر آ رہا ہے۔ وہ بس مرنے والی ہے۔ وہ بس ابھی ٹوٹی ہوئی عمارت کی طرح زمین بوس ہو جائے گی۔ اس نے خود کو سنبھالنا چاہا تھا۔

بمشکل واپسی کے لیے قدم بڑھائے تھے مگر اب کی بار ذہن پر چھانے والا اندھیرا ایسا تھا کہ وہ پورے قد سے زمین پر گر گئی تھی۔

بند ہوتی آنکھوں سے اس نے بس یہ دیکھا تھا کہ اس کی چیخ اور بند ہوتی آواز سن کر مہرالنساء اور شاہزیب صاحب فوراً کمرے سے باہر آئے تھے اور تیزی سے اس کی طرف لپکے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

PAKSOCIETY.COM
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
اک بڑی مشکل ہے سارا
رت جبین ضیاء
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
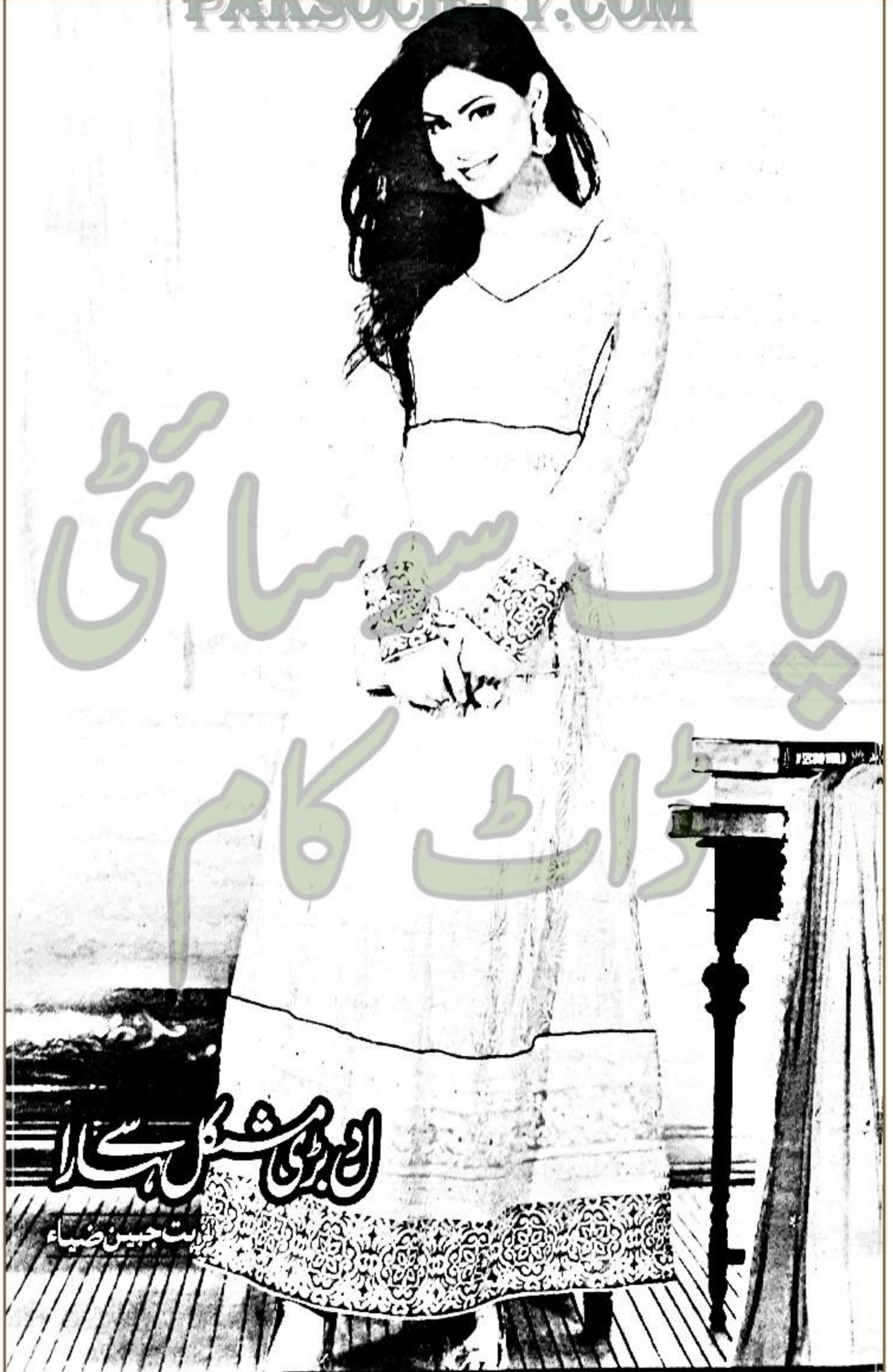
جب سے تیرے نام کردی زندگی، اچھی لگی
تیرا غم اچھا لگا، تیری خوشی اچھی لگی
تیرا پیکر، تیری خوشبو، تیرا لہجہ، تیری بات
دل کو تیری گفتگو میں سادگی اچھی لگی

بیس سال کے طویل عرصے بعد وصی چاچو کی واپسی کی خبر نے سارے گھر میں اچھل مچادی تھی، اس وقت بھی نوجوان پارٹی ڈرائنگ روم میں جمع تھی اور موضوع وہی ''وصی چاچو اور ان کی بیٹی'' تھا۔ راعیہ کے بارے میں سب کی قیاس آرائیاں عروج پر تھیں۔

''اللہ کا شکر ہے کہ دادو نے یہ فیصلہ کرلیا کہ وصی چاچو کو واپس بلوالیا جائے۔'' ربیعہ نے کہا۔

''ہاں واقعی کتنی خواہش تھی وصی چاچو سے ملنے کی۔'' حریمہ نے بھی کہا۔

''ہاں یار! مگر یہ خواہش تمہاری ہوگی ہماری تو خواہش تھی کہ ان کی اکلوتی حسین وجمیل نیلی آنکھوں اور بھورے بالوں والی بیٹی راعیہ سے ملنے کی تھی۔ یقین کرو کئی بار راتوں کو اسے خواب میں بھی دیکھ.....'' طلال نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سرد آہ بھر کر ابھی اپنا جملہ پورا بھی نہ کیا تھا کہ حریمہ کا ایک زبردست دھموکا اس کی پیٹھ پر پڑا۔

''کچھ شرم کرو تم۔'' حریمہ نے غصے سے کہا۔

''ارے یار! یہ شرم ہی تو مروادیتی ہے ہر جگہ۔'' طلال نے پیٹھ سہلاتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

''سنا ہے وصی چاچو بہت خوب صورت اور ہینڈسم ہیں۔'' ربیعہ نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

''ہاں بھئی ظاہر ہے آپی جب پاپا اور ڈیڈی تاؤ جی ابھی تک اتنے ہینڈسم ہیں تو وہ تو ہوں گے نا۔'' حریمہ نے بھی آنکھیں چڑھا کر ہاں میں ہاں ملائی۔

''نہیں ایسا ضروری تو نہیں ہے اب دیکھو ربیعہ بھابی کتنی پیاری ہیں اور تم معمولی شکل وصورت کی سانولی سی شکل والی عام سی لڑکی ہو۔'' طلال جو ابھی تک پیٹھ پر پڑنے والے دھموکے کے درد کو محسوس کررہا تھا اس نے حریمہ کی سانولی رنگت پر چوٹ کرکے گویا اپنے درد کا بدلہ لیا تھا۔

''بکواس بند کرو اپنی۔'' حریمہ کو ذرا بھی برداشت نہ ہوا تھا۔

''اوفوہ بھئی! چپ کرو تم دونوں ہر وقت بک بک کرتے رہتے ہو سمجھ نہیں آتا کہ ساری زندگی تم لوگ کس طرح ایک دوسرے کو برداشت کروگے۔'' ربیعہ کو ان کی بحث پر واقعی غصہ آگیا تھا۔

''ارے بھابی کیا کریں جب آپ بزرگوں نے میرا سر اوکھلی میں دینے کا فیصلہ کرہی دیا ہے تو اب گزارا تو کرنا ہوگا۔'' طلال نے معصوم سی شکل بنا کر سر کھجاتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری قبل اس کے کہ حریمہ جواب دیتی باسل آواز لگاتا ہوا آیا۔

''ارے بھئی کسی نے ہماری اکلوتی بیگم کو دیکھا ہے؟''

''اوفوہ ایک تو تمہارے میاں کو ایک منٹ کی دوری برداشت نہیں ہوتی تمہاری۔'' طلال نے ربیعہ کو شرارتی لہجے میں کہا تو ربیعہ نے اسے غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

''جی جی میں یہاں ہوں۔'' ربیعہ نے دو سالہ بیٹی ردا کو گود سے نیچے لٹاتے ہوئے کہا۔

''بڑے بھائی! مانا کہ بھابی پر نوے فیصد حق آپ کا ہے تو دس فیصد ہمارا بھی ہے، کبھی ہمارے پاس بھی بیٹھنے دیا کرو ناں۔'' طلال نے شرارت سے بھائی کو مخاطب کیا۔

''بلکہ آپ بھی آجاؤ اور ہماری گفتگو میں حصہ لے لو۔''

"اچھا جی آ گیا۔" باسل بھی ان کے درمیان آ بیٹھا۔

انعام شاہ کے تین بیٹے تھے ذکی شاہ نقی شاہ اور وصی شاہ اور ان کی بیگم واجدہ خاتون تھیں۔ ذکی شاہ اور نقی شاہ کی عمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا مگر وصی شاہ ان دونوں سے کافی چھوٹے تھے۔ اللہ نے انہیں کوئی بیٹی نہ دی تھی ذکی شاہ کی شادی واجدہ بیگم نے اپنی بھانجی عرفانہ خاتون سے کر دی تھی جبکہ نقی کی شادی انعام شاہ کی بھتیجی تسکین سے ہوئی تھی جبکہ وصی شاہ کے لیے انہوں نے عرفانہ خاتون کی چھوٹی بہن تابندہ کو پسند کر رکھا تھا اور بات تقریباً طے ہو چکی تھی۔

انعام شاہ نے یہ بڑا سا حویلی نما مکان بنایا تھا جہاں سب مل کر بہترین زندگی گزار رہے تھے۔ باپ دادا کی زمینیں اور جائیداد تھی جسے فروخت کر کے بزنس کر لیا تھا۔ بیٹوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اس بزنس مزید اچھا کر لیا تھا۔

عرفانہ خاتون اور تسکین معمولی پڑھی لکھی لیکن نہایت سلجھی ہوئی خدمت گزار اور نیک طبیعت خواتین تھیں اور واجدہ بیگم جن کو ساری زندگی بیٹی نہ ہونے کا ملال ہوتا رہا' بہوؤں کے آ جانے پر وہ ملال یکلخت ختم ہو گیا۔ دونوں بہنوں نے اتنی اطاعت گزاری اور خدمت کی کہ وہ بیٹی نہ ہونے کا دکھ بھول گئیں' واجدہ بیگم دونوں کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔

تابندہ گاؤں کے ماحول میں پلی بڑھی کم تعلیم یافتہ مگر بے حد خوب صورت اور سگھڑ تھی۔ ذکی شاہ کے تین بیٹے باسل' زہاد اور طلال تھے جبکہ نقی صاحب کی دو بیٹیاں ربیعہ اور تحریمہ سب اپنی اپنی مرضی سے پڑھ رہے تھے۔ باسل' زہاد اور طلال نے تعلیم مکمل کر کے گھر کا بزنس بھی سنبھال لیا تھا' رشتے بھی آپس میں طے ہو گئے تھے۔ باسل اور ربیعہ کی شادی ہو چکی تھی جبکہ طلال اور حریمہ کی منگنی ہو چکی تھی درمیان میں زہاد تھا دونوں بھائیوں میں قطعاً مختلف طبیعت تھی اس کی کم گو خاموش طبع اور اپنے کام سے کام رکھنے والا حد درجہ سنجیدہ۔ وصی شاہ جب گھر سے گئے تھے اس وقت باسل آٹھ سال کا تھا' زہاد پانچ سال کا' ربیعہ چار سال کی اور طلال بھی چار سال کا ہی تھا جبکہ تحریمہ پیدا نہیں ہوئی تھی۔

باسل اور زہاد کے ذہن میں وصی چاچو کا نقشہ اچھی طرح سے تھا' باسل تو اکثر یاد بھی کرتا تھا مگر زہاد کے دل و دماغ میں وصی کو لے کر تلخ یادیں تھیں۔ ایک نفرت' ایک خلیج جو بچپن سے لے کر آج تک دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی' وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا آیا تھا اور سارا گھر زہاد کی اس اندرونی کیفیت سے لاعلم تھا۔

اب جبکہ وصی کے آنے کی خبر گھر میں سرگرم تھی اور سارا گھر خوش تھا مگر ایک زہاد ہی تھا جو اُن تمام کی خوشیوں سے دور اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا اس کا دل چاہا کہ جا کر ابھی دادو کو منع کر دے کہ "انہوں نے یہ فیصلہ کیوں لیا؟ وصی چاچو کو اس گھر میں آنے کا کوئی حق نہیں' وہ قاتل ہیں...... دادا جی کے قاتل' آپ کی خواہشوں کے قاتل' آپ کے سہاگ کے قاتل...... امی کے گناہ گار...... تابندہ خالہ کے مجرم پھر بھلا کس منہ سے وہ یہاں آ سکتے ہیں۔ نہیں...... نہیں میں دادو سے کہہ دوں گا وہ یہاں نہیں آ سکتے ابھی جا کر منع کرتا ہوں ان کو...... وہ کیوں بھول گئیں ان کی زیادتیاں...... ان کی گستاخیاں' خودسری......" یہ سوچ کر وہ واجدہ بیگم کے کمرے کی جانب چل پڑا۔

"عرفانہ بیٹی! کیا تم کو میرا فیصلہ غلط لگا ہے؟ میں جانتی ہوں کہ وصی کی وجہ سے تمہیں بھی شدید دھچکا لگا اور دکھ بھی پہنچا ہوگا اور آج میرے فیصلے سے شاید......"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں ماں جی آپ؟" عرفانہ خاتون نے تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام کر ان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ "میں جانتی ہوں ماں جی کہ آپ ماں ہیں اور آپ نے اتنے سال کس اذیت میں گزارے ہوں گے اور پھر جوڑے تو آسمان پر بنتے ہیں' ہم بھلا کون ہوتے ہیں' خدا کے معاملات میں دخل دینے والے' دیکھیں تابندہ بھی تو خوش ہے ناں اپنے گھر میں اور پھر سچ پوچھیں تو ماں جی میں بھی بہت تڑپتی ہوں وصی کے لیے...... آپ تو جانتی ہیں ناں کہ میں نے وصی کو ہمیشہ اپنا چھوٹا بھائی بلکہ بیٹے کی طرح سمجھا ہے اور میں نے تو اسے اسی وقت معاف بھی کر دیا تھا اور دیکھیں ناں ماں جی اللہ تعالیٰ نے

اس کے ساتھ بھی کیسا کیا ہے ناں...... سچ تو یہ ہے کہ اتنا ہونے کے بعد بھی میں نے کبھی بھی اسے بددعا تو دور کی بات ہے میں نے اسے ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھا ہے اور آج بچی معنوں میں اسے ہماری ضرورت ہے۔ اسے اپنوں کا ساتھ چاہیے ماں جی! بیس سال کم نہیں ہوتے کسی کو سزا کاٹنے کے لیے اور میں خود بھی اسے دیکھنا چاہتی ہوں اس سے ملنا چاہتی ہوں سینے سے لگانا چاہتی ہوں ماں جی۔'' عرفانہ خاتون شدت جذبات سے مغلوب ہوکر باقاعدہ رونے لگیں۔ واجدہ بیگم کی آنکھیں بھی عرفانہ خاتون کی محبتوں کے آگے نم ہوگئیں۔

''عرفانہ خدا تمہیں شاد وآباد رکھے واقعی تم جیسی بیٹی کو پاکر میں نے دنیا میں جنت کمالی ہے۔'' واجدہ بیگم نے آگے بڑھ کر عرفانہ خاتون کی پیشانی چوم لی۔ ذہاد یہ سب کچھ سن کر الٹے پاؤں واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا ذہاد اپنے کمرے میں آکر بھی بے سکون اور بے چینی سے ٹہلنے لگا اسے یہ سب کچھ بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

❁......❁......❁

''بڑی بھابی جلدی سے میرا بیگ پیک کردیں مجھے کچھ دنوں کے لیے بزنس ٹور پر جاپان جانا ہے۔'' وصی شاہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی زور کی آواز لگائی اور ماں جی کے کمرے میں چلا آیا اور ان کے بیڈ پر ان کے ساتھ ٹک گیا۔

''ارے چھوٹی بھاوج! جلدی سے ایک کپ گرما گرم چائے کا تو لادیں۔'' تسکین کو آتا دیکھ کر اس نے دوسری بھاوج کو چائے کا آرڈر دیا اور ماں جی کی گود میں سر رکھ لیٹ گیا۔

''اے ہے...... میرا بچہ کتنا تھکا تھکا لگ رہا ہے کیا ضرورت ہے اتنی محنت کرنے کی۔'' واجدہ بیگم نے اس کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں ماں جی۔'' وہ مسکرایا۔ ''سب ہی تو محنت کرتے ہیں اور پھر بابا جان کو دیکھیں ابھی تک آرام سے نہیں بیٹھتے۔''

''ہاں یہ تو ہے اس عمر میں بھی تمہارے بابا جان بہت محنت کرتے ہیں۔'' واجدہ بیگم بدستور سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی تائید میں بولیں۔

''یہ لو دیور جی چائے۔'' تب ہی تسکین چائے لے آئیں۔

''تھینک یو سویٹ بھاوج!'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''کتنے دنوں کے لیے جارہے ہو کتنے جوڑے پیک کروں؟'' عرفانہ خاتون بھی آگئیں۔

''ماں جی! وصی کی آنکھیں دیکھیں کتنے حلقے پڑ گئے ہیں۔'' عرفانہ خاتون کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو قریب آکر غور سے دیکھتے ہوئے قدرے تشویش سے کہا۔

''کام بھی تو بہت کرنے لگا ہے راتوں کو جاگ جاگ کر۔'' تسکین بیگم نے کہا۔

''آنے دو تمہارے بھیا کو کہہ دوں گی کہ کسی اور کو بھیجیں جاپان۔ وہاں جاؤ گے تو کون رکھے گا تمہارا خیال؟ ویسے ہی تم اپنی صحت کی طرف سے بالکل بے پروا ہو یہاں پر کام کرتے ہو بس یہی کافی ہے۔'' وصی بھاوجوں کی محبت کے آگے شرمندہ ہونے لگا اس کا دل چاہا اتنی پیاری اور خیال رکھنے والی بھابیوں کی بلائیں لے لے اسی لمحے ذکی آگیا۔

''بس کرو بھئی۔'' انہوں نے سلام کرکے بیگم کو ٹوکا۔ ''اچھا بھلا صحت منداور توانا ہے ہمارا بچہ۔'' انہوں نے وصی کے مضبوط بازوؤں کو تھپتھپایا۔ ''تم خواتین خوامخواہ ہولتی ہو اور سب کو ہولاتی بھی ہو اور جاؤ جلدی سے چائے لے آؤ بابا جان اور نقی بھی گاڑی سے اتر رہے تھے بس آتے ہوں گے۔'' ذکی صاحب نے کہا تو عرفانہ بیگم سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ بابا جان اور نقی بھی آگئے سب نے ساتھ چائے پی پھر خواتین تو کچن کی طرف چلی گئیں رات کے کھانے کی تیاری کے لیے اور مرد بزنس کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

"چاچو میرے لیے گاڑی ضرور لائیے گا جاپان سے۔" چار سالہ ذہاد نے آ کر وصی سے فرمائش کی۔

"ضرور میری جان!" وصی نے ننھے ذہاد کو گود میں اٹھا لیا اور اس کا سرخ و سفید گال چوم کر کہا۔ "ویسے یار سچ بات تو یہ ہے کہ میں جب بھی گھر سے باہر جاتا ہوں سب سے زیادہ تجھے یاد کرتا ہوں۔"

"سچ چاچو......" ذہاد خوش ہوگیا' اسے بھی اپنے چاچو سے بہت پیار تھا وہ بھی اپنی ہر بات چاچو سے پوری کرواتا تھا۔

بہت اچھے اور خوش گوار دن تھے انعام شاہ اور واجدہ بیگم تو خود پر رشک کرتے تھے کہ خدا نے اتنی نیک فرمانبردار اور صالح اولاد دی ہے اور سب مل جل کر آپس میں محبتیں بانٹتے ہیں ایک دوسرے کی خوشی کے لیے ایک دوسرے پر جان لٹانے کی حد تک پیار اور اعتماد کرتے ہیں۔

❁......❁......❁
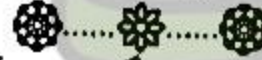
وصی نے محسوس کیا تھا کہ گھر میں ان کی اور تابندہ کی شادی کے حوالے سے کچھ بات ہو رہی ہے اور عنقریب شادی ہونے کے امکانات تھے' وصی دل سے تابندہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وصی ایک سوشل' پڑھے لکھے اور چلبلے سے بندے تھے' ان کو گاؤں کے ماحول کی سیدھی سادی تابندہ کے ساتھ پوری زندگی گزارنا مشکل لگتی تھی' ویسے تابندہ انہیں اچھی لگتی تھی ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھی' کام میں تیز اور خوب صورت تھی مگر جیسا شریکِ سفر وصی کو چاہیے تھا وہ تابندہ جیسی ہرگز نہ تھی۔ وصی نے سوچا تھا کہ جاپان سے آ کر موقع دیکھ کر ماں جی سے بات کریں گے اور انہیں یقین تھا کہ ماں جی ان کی بات مان لیں گی۔ ویسے بھی وصی گھر میں چھوٹے تھے' ماں باپ' بھائی اور خصوصاً بھاوجوں کے بے حد لاڈلے تھے اور اسی لاڈ پیار نے انہیں تھوڑا سا خودسر بھی بنا دیا تھا۔

ایک ماہ کے پروگرام سے وصی گئے تھے مگر کام نبٹاتے نبٹاتے تقریباً ڈیڑھ ماہ لگ گیا اس بار سوچ کر آئے تھے کہ ماں جی سے اپنے اور تابندہ کے حوالے سے فائنل اور حتمی بات ضرور کریں گے۔

وصی گھر لوٹے تو گھر میں شادی کے ہنگامے عروج پر تھے عرفانہ خاتون' تسکین اور ماں جی کپڑوں اور جیولری کی فکر میں تھیں۔ وصی تو پریشان ہوگئے آخر کار انہوں نے اس رات ماں جی سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا' وہ رات وصی شاہ پر بہت بھاری تھی' وہ اپنے کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہے تھے۔ ماں جی کو کس طرح منع کریں؟ کیسے ان سے بات کریں یہی سوچ انہیں بے چین کیے دے رہی تھی۔ بار بار عرفانہ خاتون کا چہرہ بھی سامنے آ جاتا کہ تابندہ ان کی بہن تھیں کہیں انہیں یہ بات بُری نہ لگ جائے' پھر ماں جی بہت پیار کرتی تھیں تابندہ کو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ انکار کردیں اور میری بات نہ مانیں۔

واجدہ بیگم پانی پینے کے لیے اٹھیں تو اپنے کمرے کی کھڑکی سے وصی کے کمرے میں جلتی لائٹ دیکھ کر پریشان ہوگئیں' وصی کبھی بھی اتنی دیر تک نہیں جاگتا تھا۔

"ہائے کہیں بچے کی طبیعت خراب نہ ہو؟" یہی سوچ کر وہ وصی کے کمرے کی طرف آ گئیں' ہلکا سا ناک کر کے وہ اندر داخل ہوئیں۔

"ارے ماں جی آپ؟" وصی نے اچانک ماں کو دیکھا تو چونک کر حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں ابھی میری آنکھ کھلی تیرے کمرے کا بلب جلا دیکھا تو آ گئی' خیریت تو ہے...... طبیعت ٹھیک ہے تیری؟" ماں جی نے آگے بڑھ کر وصی کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"جی جی...... بیٹھیں آپ؟" وصی نے انہیں بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "ماں جی ایک بات کہنی تھی آپ سے؟" وصی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بولو...... تم پریشان لگتے ہو...... کوئی مسئلہ ہے کیا؟" واجدہ بیگم نے وصی کے ماتھے پر آئے پسینے کے ننھے منے قطروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ...... وہ...... ماں جی دراصل......" وصی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بات کیسے شروع کریں۔

"ارے بچے کیا بات ہے بول دو مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں۔" واجدہ بیگم پریشان ہوگئیں۔

"ماں جی میں تابندہ سے شادی نہیں کرسکتا۔" ہمتیں مجتمع کرکے آخر وصی نے کہہ ہی دیا۔

"کیا......؟" واجدہ بیگم نے اسے سر سے پیر تک دیکھ کر غیر یقینی انداز میں سوال کیا۔

"جی...... ماں جی!" وصی سر جھکا کر دوبارہ گویا ہوئے۔

"تیرا دماغ تو درست ہے ناں، کہیں پاگل تو نہیں ہوگیا ہے۔ کیا اول فول بک رہا ہے تو...... کیا سوچ کر یہ بکواس کی تو نے؟" واجدہ بیگم شدتِ جذبات سے اٹھ کر کھڑی ہوگئیں ان کے لہجے میں غصے کے ساتھ ساتھ انگارے بول رہے تھے۔

"ماں جی پلیز! آپ اتنا غصہ مت کریں، میری بات ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ میں تابندہ کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر پاؤں گا میں آپ سے اس موضوع پر بات کرنے والا تھا کہ آپ لوگوں نے تیاریاں شروع کردیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"تابندہ بہت اچھی لڑکی ہے اس میں بہو اور بیوی بننے کے پورے گن ہیں۔" واجدہ بیگم بدستور تیز اور غصیلے لہجے میں بولیں۔

"جی ماں جی اس سے میں نے کب انکار کیا ہے وہ لاکھوں میں ایک ہے مگر...... ماں جی پلیز...... ایک بار صرف ایک بار آپ دل سے سوچیں میرے بارے میں آپ بڑی بھابی سے بات کریں انہیں بھی یہ بات سمجھ آجائے گی اور تابندہ کے لیے لڑکوں کی کمی نہیں ہوگی۔ ماں جی پلیز......" انہوں نے آگے بڑھ کر واجدہ بیگم کے ہاتھ تھام کر عاجزانہ لہجے میں التجا کی۔ واجدہ بیگم نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑالیا۔

"آج تو یہ بات تم نے کہہ دی آئندہ ایسی بات سوچنا بھی نہیں یہ کسی صورت ممکن نہیں جو فیصلہ ہم نے کردیا وہ اٹل ہے۔ کسی قسم کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں، بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی سے شادی کی تیاریاں کرو اور جو آج اس کمرے میں ہماری تمہاری بات ہوئی ہے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں دفن کردو۔"

"ماں جی...... مگر......" وصی آگے بڑھ کر گڑگڑائے۔

"اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں ہے خاموشی سے لائٹ بند کرو اور سوجاؤ۔ اب اس موضوع پر کبھی بھی کوئی بات نہ کرنا سمجھے تم......" ہاتھ اٹھا کر واجدہ بیگم نے حتمی فیصلہ سنایا اور غصے سے کمرے سے نکل گئیں، وصی ان کی پیٹھ کو بے بسی سے دیکھتے رہ گئے۔

یہ رات وصی کے لیے قیامت کی رات تھی جس میں نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے گھناؤنا فیصلہ کرڈالا۔

"کاش ماں جی...... کاش آپ مان جاتیں......" فیصلہ کرتے ہوئے وہ بھی کئی بار ٹوٹے بکھرے مگر......

دوسری صبح حسب معمول سب سے پہلے عرفانہ خاتون نماز کے لیے اٹھیں اور باری باری سب کو جگایا اور وصی کو جگانے بھی اس کے کمرے میں آئیں تو وصی کو بیڈ پر نہ دیکھا سمجھیں باتھ روم میں ہوگا مگر باتھ روم کا کھلا دروازہ دیکھ کر چونکیں، وصی کو آوازیں دیں مگر وہ وہاں نہیں تھا۔

"ارے کہاں جاسکتا ہے؟" وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکلیں ادھر اُدھر دیکھا پریشان ہوکر واپس اپنے کمرے میں آگئیں۔

"کیا ہوا؟" ذکی صاحب نے انہیں پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"وہ...... وہ...... وصی اپنے کمرے میں نہیں ہے۔"

"ارے ماں جی کے کمرے میں ہوگا۔" ذکی صاحب جو ابھی وضو کرکے آئے تھے تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے بولے۔

"نہیں ہے وہاں بھی میں دیکھ آئی ہوں۔" وہ خاصی پریشانی سے بولیں۔

"بھابی! وصی کہاں ہے۔" تبھی تسکین بھی آگئیں۔

"نقی...... ذکی...... وصی آجاؤ دیر ہورہی ہے۔" بابا جان نے آواز لگائی سارے گھر کی لائٹیں جلا کر سب جگہ

دیکھ لیا مگر وصی کہیں نہ تھا۔ نقی وصی کے کمرے سے ہو کر آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اور چہرے پر حزن و ملال کی کیفیت تھی۔

''کیا ہوا...... کہاں ہے وصی......؟'' انعام شاہ نے پوچھا۔

''بابا جان......'' نقی کی آواز لڑکھڑائی ان سے کچھ بولا نہ گیا' ذکی نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے کاغذ لیا اور پڑھنا شروع کیا۔

''قابل احترام بابا جان اور ماں جی!

بچپن سے لے کر آج تک آپ لوگوں نے میری ہر بات' ہر خواہش' ہر ضد پوری کی ہے' جائز ناجائز' چھوٹی بڑی جس چیز کی طرف اشارہ کیا آپ لوگوں نے بھائیوں نے وہ چیز میری جھولی میں ڈال دی لیکن میری زندگی کا سب سے بڑا اور اہم فیصلہ کرتے وقت آپ لوگوں نے مجھ سے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا' میں نے کئی بار دبے لفظوں میں اور ماں جی سے کھلے الفاظ میں اس بات کا ذکر بھی کیا مگر...... میں یہ نہیں کہتا کہ خدانخواستہ تابندہ بُری لڑکی ہے' وہ بہت اچھی نیک اور خوب صورت لڑکی ہے۔ محبت کرنے والی اور خیال رکھنے والی کیونکہ وہ بھابی کی بہن ہے مگر میرے دل میں' میرے خیال میں شریک سفر کا جو خاکہ ہے اس میں اور تابندہ میں بہت فرق ہے۔ مجھے بولڈ اور پڑھی لکھی لڑکی چاہیے جو ہر مقام پر میرے قدم سے قدم ملا کر چل سکے' میرا یہ اقدام آپ لوگوں کے لیے بہت تکلیف دہ ہوگا کیونکہ آپ لوگ کسی صورت میری بات نہیں مانتے اور میں ساری زندگی تابندہ کو وہ توجہ' وہ پیار اور وہ سب کچھ نہ دے پاتا جو اس کا حق ہوتا اور وہ ساری زندگی غیر مطمئن زندگی گزارتی محض ایک سمجھوتے کی طرح۔ وہ اتنی اچھی ہے کہ اسے رشتوں کی کمی نہیں ہوگی' بڑی بھابی میں بہت بُرا ہوں آپ سے معافی مانگتا ہوں کہ آپ کا دل دکھایا ہے۔ بابا جان' ماں جی میرا قصور شاید آپ لوگوں کی نظر میں ناقابل معافی ہو مگر...... پلیز پلیز جس طرح بچپن میں آپ میری ہر خطا کو میرے ہر قصور کو معاف کر دیا کرتے تھے اسی طرح اپنے بچے کو معاف کر دیجیے گا۔ میں جا رہا ہوں مگر لوٹ آنے کے لیے اس امید پر کہ آپ لوگ مجھے معاف کر دیں گے آپ سب کا گناہ گار...... وصی!''

''نااہل...... ناہنجار...... تُو نے...... تُو نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔'' انعام شاہ جو دل تھامے خاموشی سے آنکھیں پھاڑے خط سن رہے تھے' خط کے اختتام پر ضبط کے تمام بندھن توڑ کر چیخے اور ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے دل پکڑے زمین کی طرف جھکنے لگے۔

''بابا جان...... بابا جان......'' چاروں جانب سے سارے ان کی طرف دوڑے۔

''ہمیں معاف کر دینا عرفانہ بیٹی! ہمیں اپنے خون سے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ وہ ہمیں اس عمر میں یوں بے عزت کرے گا۔ ناخلف نے ہمیں تم سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہ چھوڑا۔''

''بابا جان...... بابا جان......'' عرفانہ نے تڑپ کر انعام شاہ کے جوڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام لیا۔ ''مجھے گناہ گار نہ کریں' خدا کے لیے مجھے گناہ گار نہ کریں بابا جان!'' عرفانہ روتی ہوئی سسر کے ہاتھوں کو چوم کر بولیں اور انعام شاہ نے ایک بے بس سی نظر واجدہ بیگم پر ڈالی اور ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ واجدہ بیگم چیخ مار کر شوہر کے بے جان وجود پر گر پڑیں' عرفانہ اور تسکین پچھاڑیں کھانے لگیں۔ ذکی شاہ اور نقی شاہ عجیب سی بے یقینی کی کیفیت میں باپ کے بے جان وجود کو جھنجوڑنے لگے۔

یہ سب کچھ اچانک سے ہی ہو گیا تھا' کیسے اور کیا ہو گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا شور سے بچے بھی جاگ گئے' باسل اور زہاد بھی کمرے سے باہر برآمدے میں آ گئے۔ چھ سالہ زہاد مٹھیاں بھینچے معاملے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا بس وہ اتنا سمجھ پایا کہ یہ سب کچھ وصی چاچو کی وجہ سے ہوا ہے۔ دادا جان کی موت کے ذمہ دار وصی چاچو ہیں' امی جی اور چچی بلک رہی تھیں۔ پاپا اور نقی چاچو دہاڑے مار رہے تھے دادو تڑپ رہی تھیں اس اچانک اور غیر یقینی افتاد نے جیسے سب کے ہوش و حواس چھین لیے تھے۔ وصی کا

یوں گھر سے چلے جانا اور سونے پہ سہاگہ دادا جی کی موت...... سب لوگوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے مفقود ہوکر رہ گئی تھی۔

وصی چاچو نے تابندہ خالہ سے شادی نہ کرکے دادا جی کو مارا ہے یہ بات اس کے ننھے سے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی اور پھر تابندہ خالہ...... اس کی نظروں میں تابندہ کا چہرہ گھوم گیا۔ ذہاد تو تابندہ کے ساتھ بہت زیادہ اٹیچ تھا سب سے زیادہ وصی سے بھی اور تابندہ سے بھی ذہاد کی ہی بنتی تھی۔ تابندہ جب بھی آتی گھنٹوں ذہاد کے ساتھ کھیلتی' اس کو نہلاتی' اس کے کپڑے استری کرتی' اس کے ساتھ درختوں پر چڑھ کر آم توڑ توڑ کر کھاتی۔ کتنا خوش رہتا تھا وہ تابندہ کے ساتھ کیونکہ جو جو باتیں امی نہیں مانتی تھیں وہ سب تابندہ سے منوالیا کرتا۔ عرفانہ بیگم کبھی کبھی تابندہ پر غصہ بھی کرتیں کہ تم ذہاد کی عادت بگاڑ کر چلی جاتی ہو وہ مجھے بعد میں تنگ کرتا ہے' تابندہ مسکراتی رہتی اور جب ذہاد کو معلوم ہوا کہ تابندہ خالہ وصی چاچو کی دلہن بن کر ہمیشہ کے لیے اس گھر میں آجائیں گی تو ذہاد تو خوشی سے ناچنے لگا کہ پھر ہم تینوں مل کر خوب کھیلا کریں گے' خوب مزے کریں گے' ہے ناں امی۔ وہ عرفانہ بیگم سے تصدیق کرتا تو عرفانہ بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیتیں۔

مگر اس کے ننھے سے معصوم ذہن کو شدید جھٹکا لگا کہ وصی چاچو نے تابندہ خالہ کے ساتھ غلط کیا ہے' جب باسل اور ذہاد تابندہ خالہ کو وصی کا نام لے کر تنگ کرتے تو تابندہ کے خوب صورت چہرے پر کتنے گلاب کھل جاتے' وہ ہولے ہولے مسکراتی رہتیں۔ وصی کے کمرے میں جاکر ان کے کمرے کی صفائی کردیتیں' ان کے لیے چائے بنا کر خود ان کے کمرے میں جاکے دے آتیں' نیچے سر جھکائے چہرے پر شرم و حیا کا عکس لیے وہ کتنی پیاری لگتیں۔ ذہاد کو تابندہ پر بھی بہت ترس آرہا تھا۔

''وصی چاچو آپ نے یہ غلط کیا ہے' بہت غلط...... آپ نے میرے دادا جی کو مارا ہے' میری امی جی کو دکھ دیا ہے۔ دادو کو اور...... اور میری تابندہ خالہ کو ٹھیس پہنچائی ہے۔'' وہ دل ہی دل میں کھول رہا تھا' وصی چاچو تو اسے جان سے زیادہ عزیز تھے مگر نہ جانے کیوں ایک لمحے میں وہ اسے دنیا کے سب سے برے آدمی لگے۔ ظالم اور گندے آدمی جنہوں نے کتنے لوگوں کو دکھ دیا تھا۔ کتنی آنکھوں کو جل تھل کیا تھا' ہنستا بستا گلشن کس طرح سسکیوں اور اداسی میں ڈوب گیا تھا۔

انعام شاہ کا جس وقت ان کا جسد خاکی اٹھایا جارہا تھا ہر طرف آہ و بکا اور سسکیاں گونج رہی تھیں' گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ کہ لوگوں نے دیکھا وصی شاہ گھر میں داخل ہوئے ملگجے کپڑے' بکھرے بال' آنسوؤں سے تر چہرہ اور زرد رنگت لیے وہ دروازے سے آگے بڑھے تھے سامنے ہی ماں جی نظر آئیں۔ ہمیشہ ہلکے رنگوں کے کپڑے پہننے والی ماں جی آج سفید کپڑوں میں سر پر سفید بیوگی کی چادر اوڑھے' صدمے اور دکھ سے نڈھال...... وصی تڑپ گئے۔ وہ آگے بڑھے کہ اچانک ماں کی نظر اٹھی عین سامنے وصی کھڑے تھے' ٹوٹے' بکھرے اور نڈھال سے وصی جن کی آنکھوں میں ندامت اور بے چارگی کے دکھ آنسوؤں کی شکل میں نمایاں تھے۔ ماں جی کے چہرے کا رنگ یکلخت بدل گیا' دکھ اور ملال کی جگہ سختی اور کرختگی نے لے لی۔

''ذکی......'' انہوں نے اتنی زور سے آواز دی کہ وہاں پر موجود ہر شخص کی نظر ان کی جانب اٹھ گئی۔ ''ذکی......'' انہوں نے بڑے بیٹے کو بھی آواز دی۔

''جی ماں جی۔'' دونوں ایک ساتھ بولے۔

''اس ناخلف کو بولو کہ اپنا ناپاک وجود لے کر یہاں سے فوراً نکل جائے۔'' ماں جی نے وصی شاہ کی طرف اشارہ کرکے نفرت سے کہا۔

''ماں جی...... وہ بابا جی کا آخری دیدار کرنے آیا ہے۔'' ذکی شاہ نے کہا۔

''نہیں اسے کوئی حق نہیں ہے۔'' ماں جی کی آواز میں سختی اور قطعیت تھی۔

''پلیز ماں جی...... ایک نظر دیکھ کر چلا جائے گا۔'' عرفانہ بیگم نے وصی کے دھواں دھواں ہوتے ہوئے

چہرے کو دیکھ کر ماں جی کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"خاموش ہو جاؤ تم سب۔" ماں جی دہاڑیں۔ "اگر کوئی اس معاملے میں بولا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ اس سے کہو اپنا منحوس چہرہ ہمیشہ کے لیے گم کرلے میں اس کا وجود ایک لمحے کے لیے بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کرسکتی۔"

"ماں خدا کے لیے......" وصی شاہ لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھے لیکن ماں جی پتھر کی ہوگئی سخت دل اور اٹل۔

"اس بدبخت سے کہو اس کے باپ کے ساتھ اس کی ماں بھی مرگئی۔ اسی وقت جس وقت اس نے بنا سوچے سمجھے اس گھر سے اپنے قدم نکالے اور ہاں اگر یہ یہاں ایک منٹ بھی رکا تو تم لوگوں کو یہاں سے دو جنازے اٹھانے پڑیں گے۔" لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

"نہیں نہیں ماں جی خدا نہ کرے۔" سب لوگ ایک ساتھ بولے۔ "آپ کو اللہ تعالیٰ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔" ماں جی کا جملہ وصی شاہ کے لیے ایک لمحے رکنے کا بھی جواز نہیں رکھتا تھا انہوں نے ایک نظر اپنی ماں پر ڈالی بے بسی اور بے چارگی سے بے تحاشہ بہتے آنسوؤں سے باپ کے کفن میں لپٹے بے جان وجود کو دیکھا اور سر جھکا کر سسکتے ہوئے گھر سے نکل گئے۔

"آج کے بعد اس گھر کے اور میرے دل کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس بدبخت پر بند ہوگئے ہیں آج کے بعد نہ کوئی اس کا ذکر کرے گا نہ ہی اس کے لیے کوئی ہمدردی کرے گا۔ تم سب لوگ کان کھول کر سن لو۔"

انعام شاہ کی سوئم بھی ہوگیا' گھر کا ماحول بے حد مکدر ہوچکا تھا ماں جی ہر وقت اپنے کمرے میں بیٹھی قرآن پاک پڑھتی رہتیں۔ ذکی شاہ اور تقی شاہ بالکل ٹوٹ چکے تھے انہیں آج بھی بزنس کے ہر معاملے میں بابا جی کی سپورٹ اور مشوروں کی ضرورت تھی۔ وہ آخری دم تک بزنس میں برابر اپنے بچوں کا ساتھ دیتے رہے تھے۔ عرفانہ بیگم اور تسکین بالکل چپ ہوکر رہ گئی تھیں ویسے بھی آج کل تسکین کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ وصی کا کمرہ لاک کردیا تھا ان کے استعمال کی بیشتر چیزیں اسٹور روم کی الماریوں میں بند ہوچکی تھیں ان سے وابستہ ہر چیز کو نظروں سے اوجھل کردیا گیا تھا وصی جیسے ایک یاد بن کر رہ گئے تھے۔

انعام شاہ کی تدفین کے موقع پر عرفانہ بیگم کی والدہ آئی تھیں ہفتے بعد سب واپس لوٹ گئے مگر تابندہ یہیں رک گئیں ایک تو یہاں کے حالات ایسے تھے اور دوسرے تسکین کی طبیعت کی وجہ سے کہ کسی وقت بھی وہ ہسپتال جاسکتی تھیں تو گھر میں عرفانہ کے ساتھ وہ ہاتھ بٹاسکتی تھیں۔ ذہاد زیادہ تر تابندہ کے ساتھ چپکا رہتا' اس نے دیکھا تھا کہ تابندہ خالہ جو ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہتی تھیں' شرارتیں کرتی تھیں وہ بالکل چپ ہوکر رہ گئی تھیں۔

راتوں کو اکثر ذہاد اٹھتا تو تابندہ جاگتی ہوئی ملتیں' چپکے چپکے روتی رہتی تھیں۔ ذہاد کا بس نہیں چلتا کہ اپنی خالہ کو کس طرح ہنسائے وہ اپنے طور پر معصوم حرکتیں کرتا' اسے بہلاتا۔ تابندہ سر جھکائے خاموشی سے کام میں لگی رہتی' تسکین کی طبیعت خراب ہوئی تو عرفانہ بھی ان کے ساتھ ہسپتال چلی گئیں۔ تابندہ نے نہایت خوش اسلوبی سے گھر کے کام نپٹائے ساتھ ساتھ باسل' ذہاد اور ننھی ربیعہ کے سارے کام کرتی۔

واجدہ بیگم اسے دیکھتیں تو انہیں شدید دکھ ہوتا' کتنی پیاری اور مخلص بچی تھی لوگوں کے دکھ سمجھنے والی' عزت کرنے والی' خیال کرنے والی گھر بسانے والی مگر وصی کتنا پاگل تھا۔ ناقدری کی' خود اپنے ہاتھوں سے بربادی کی طرف چلا گیا۔ وصی کو یاد کرتے ہی ان کا غصہ عروج پر پہنچ جاتا اور بلڈ پریشر شوٹ کرجاتا' ایسے میں تابندہ بھاگ بھاگ کر ان کی خدمتیں کرتی' ان کی غذا' دوا کا خاص خیال رکھتی۔

"بیٹی ہمیں معاف کردینا۔" اس روز تابندہ ان کے سر میں تیل لگا رہی تھی کہ انہوں نے تابندہ کے ہاتھ تھام کر شرمندگی سے کہا۔

"ہم اور خصوصاً وہ بدبخت بدنصیب ہے جس نے تیری قدر نہ کی اور تجھے ٹھکرادیا۔" ماں جی کا لہجہ گلوگیر ہوگیا۔

"ارے خالہ! کیا ہوگیا ہے آپ کو کیسی باتیں کررہی ہیں؟ اور ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ؟ ایسی باتیں کرتی ہیں تو

مجھے دکھ ہوتا ہے اور خالہ اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے اس میں ہماری بہتری اور بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ بظاہر ہمیں نظر نہیں آتی مگر پس پردہ کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہوتی ہے اور پھر یہ نصیب کی بات ہے آپ ایسی باتیں کرتی ہیں تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے میں تو اللہ کی رضا سمجھ کر مطمئن ہوں۔" وہ واجدہ بیگم کا ہاتھ تھام کر نرم اور میٹھے لہجے میں انہیں سمجھاتی۔ واجدہ بیگم ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتیں۔

"تابندہ تو ہمیشہ خوش رہے میری بچی اور تُو اپنے گھر پر راج کرے دنیا کی ساری خوشیاں اور آسائشیں تیرے قدموں میں ہوں۔" ماں جی دل سے دعا دیتیں اور تابندہ مسکرا دیتی (آمین ثم آمین)۔

❁......❁......❁

گھر میں اب کوئی وصی کا نام بھی نہیں لیتا تھا وصی کو ایک خواب سمجھ کر بظاہر بھلا دیا گیا تھا' کل کے بچے اب جوان ہو چکے تھے۔ تابندہ کی شادی بہت اچھی فیملی میں ہو چکی تھی وہ اپنے شوہر اور تین بچوں کے ساتھ مسقط میں ٹھاٹ کی زندگی گزار رہی تھی۔

اتنا لمبا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی واجدہ بیگم وصی کے معاملے میں آج بھی اتنی ہی سخت گیر تھیں' ان کے رویے میں کوئی لچک نہ آئی تھی۔ ذکی صاحب نے وصی سے رابطہ قائم رکھا تھا اور اس بات کی خبر گھر کے کسی فرد کو نہ تھی حتیٰ کہ عرفانہ بیگم بھی اس حقیقت سے لاعلم تھیں۔ ذکی نے وصی کو ہمیشہ بیٹے کی طرح سمجھا تھا اس سے خاص انسیت تھی اور لگاؤ تھا گو کہ انہیں بھی وصی شاہ کی یہ حرکت ناقابل معافی لگی تھی مگر وہ فطرتاً نرم دل بھی تھے پھر یہ تو ان کا اپنا خون تھا چھوٹا اور لاڈلا بھائی...... وہ اس سے زیادہ ناراض نہ رہ سکے اور وصی کی آنے والی فون کال ریسیو کر لی تھی اور اس سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے مگر گھر والوں سے یہ بات چھپا کر رکھی تھی کہ اگر بھولے سے بھی کبھی ماں جی کو بھنک پڑ گئی تو...... وہ ذکی کو بھی کبھی معاف نہ کریں گی۔

❁......❁......❁

وصی شاہ امریکہ میں تھے وہاں پر مسلمان فیملی میں شادی کر لی تھی' ان کی ایک بیٹی راعیہ تھی۔ وصی کا امریکہ جانا' کاروبار کرنا' شادی اور پھر راعیہ کی پیدائش ہر چیز کی' ہر بات کی خبر ذکی شاہ کو تھی۔ وصی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تذکرہ بھی بھائی سے ضرور کرتے اور ان سے مشورے بھی لیتے۔ ان کو ڈھیروں دعائیں دیتے اور پھر اچانک وصی کی بیوی ذامیہ کو بلڈ کینسر جیسا موذی مرض ہو گیا' ذکی شاہ سے بات کر کے وصی بری طرح بکھر گیا۔

"بھیا...... بھیا...... ذامیہ بہت اچھی' بہت نیک اور محبت کرنے والی بیوی اور ماں ہے' وہ ہمارا بہت خیال رکھتی ہے اگر وہ نہ رہی تو ہم بھی جی نہیں سکیں گے بھیا! میں نہیں چاہتا کہ میں اور میری بچی اس کے بنا رہیں' یہ بہت مشکل ہوگا ہمارے لیے...... بھیا! دعا کریں کہ کوئی انہونی' کوئی معجزہ کچھ ہو جائے ڈاکٹرز تو بالکل ناامید ہیں مگر......" وصی کال کرتے بری طرح رو پڑے۔

"میرے بھائی تُو فکر مت کر اللہ بہتر کرے گا۔ ڈاکٹرز ناامید ہیں تو کیا ہوا ہم پُرامید ہیں اپنے خدا سے' ہمیں اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ وہ عطا کرنے والا ہے' سننے والا ہے ہم اس سے بھیک مانگیں گے ذامیہ کی زندگی کی۔ وہ...... وہ ہماری ضرور سنے گا۔" ذکی شاہ خود بھی اس کے ساتھ آبدیدہ ہو گئے' وہ کال بند کر کے بیٹھے تھے کہ کمرے میں نقی شاہ آ گئے۔

"کیا ہوا بھیا! آپ کچھ پریشان ہیں؟" نقی شاہ نے غور سے ان کے مضمحل چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا' ان کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"ہاں کچھ ایسی بات ہے؟" انہوں نے اپنے سر کو ہلکے سے دباتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا خیر تو ہے بتائیے ناں؟" تب ذکی شاہ نے آہستہ آہستہ ساری باتیں اپنی اور وصی کے ساتھ ہونے والی تمام باتیں' رابطہ اور پھر ذامیہ کی طبیعت کے متعلق ایک ایک بات بتا دی۔

"اوہ......" نقی شاہ نے بھی سر تھام لیا۔ "شکر خدا کا یہ ہے کہ آپ اس سے رابطے میں رہے بھیا! سچ پوچھیں تو

مجھے وہ بہت یاد آتا رہا ہے لیکن صرف ماں جی کی وجہ سے میں خاموش تھا۔" لیکن ذامیہ کی طبیعت کا سن کر وہ خاصے پریشان ہوگئے۔ "اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا کرے۔" انہوں نے بھی دل سے دعا دی۔

اس رات عرفانہ کام نپٹا کر کمرے میں آئیں تو ذکی شاہ کو سوچوں میں گم اور پریشان بیٹھا دیکھ کر ان کے قریب آگئیں۔

"کیا ہوا..... آپ لیٹے نہیں ابھی تک؟"

"میں ٹھیک ہوں مگر میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں خاموشی سے سنو۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو عرفانہ ان کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔

"مجھے وصی کے بارے میں بات کرنی ہے' وہ امریکہ میں سیٹل ہے اس کی شادی کو تقریباً بیس سال ہوگئے ہیں' اس کی ایک بیٹی ہے اور اب پتا چلا ہے کہ اس کی بیوی ذامیہ کو کینسر ہے اور وہ کچھ دنوں کی مہمان ہے۔ وصی بہت پریشان ہے۔" ذکی کا لہجہ حد درجہ دکھی تھا۔

"کیا..... کیسے..... مگر آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟ کیسے پتا چلا آپ کو وصی کے بارے میں اور..... اور ہمارا وصی کیسا ہے.....؟" عرفانہ حیرت اور پریشان کن لہجے میں سوال پر سوال کیے جارہی تھیں یوں اچانک سے وصی کا ذکر اور اس کے بارے میں معلوم ہونے پر عرفانہ حیران و پریشان تھیں تب ذکی شاہ نے انہیں سب کچھ بتادیا۔

"شکر ہے کہ آپ اس سے رابطے میں رہے' آپ یقین مانیں میں نے ان بیس سالوں میں ہر ہر دن وصی کو یاد کیا' اس کی کمی محسوس کی۔ اچھا کیا کہ آپ نے اسے تنہا نہیں چھوڑا آپ اس کے ساتھ ساتھ رہے۔" لیکن ذامیہ کے بارے میں سن کر عرفانہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"وصی کیسا ہے..... اس کی بیٹی کتنی بڑی ہے..... وہ کب سے وہاں ہے؟" عرفانہ بیگم نے کئی سوالات کر ڈالے۔

"اس کی بیٹی راعیہ سترہ' اٹھارہ سال کی ہوگی' وہ جب سے یہاں سے گیا ہے وہیں ہے اور میں چاہتا ہوں یہاں گھر میں ذامیہ کی صحت یابی کے لیے دعا کروائی جائے۔"

ذکی شاہ کا لہجہ بھیگنے لگا تھا۔

"ضرور ضرور میں کل ہی انتظام کرواتی ہوں۔" عرفانہ آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھ گئیں آج وہ کافی پرسکون تھیں یہ سوچ کر وصی سے ذکی شاہ کا رابطہ ہے لیکن ذامیہ کی طبیعت کا سن کر عرفانہ بھی دکھی ہوگئی تھیں۔

❀.....❀.....❀

وقت کے ساتھ ساتھ ذہاد سنجیدہ ہوتا گیا تھا' باسل ہنس مکھ اور جولی تھا اور طلال بقول حریمہ کے بے حد چھچھورا انسان تھا۔ ذہاد بہت کم ان لوگوں کی گیدرنگ میں بیٹھتا تھا' وہ آفس سے آکر کمرے میں رہتا' کلب چلا جاتا یا پھر کوئی بک وغیرہ پڑھتا۔ جب بھائی کی پیدائش ہوئی تو ایسا تو نہیں کہ امی جی کسی سنیاسی بابا سے مل کر آئی ہوں یہ طلال کی رائے تھی جس کا اثر اسے ذہاد بھائی پر صاف صاف نظر آتا تھا۔

ذکی شاہ' نقی شاہ اور عرفانہ کی دعائیں بارگاہِ ربّ العزت میں شرفِ قبولیت نہ پاسکیں کیوں کہ ذامیہ اتنی ہی زندگی لے کر آئی تھی اور بیماری سے لڑتے لڑتے آخر کار کمزور اور ناتواں ذامیہ ہار گئی اور اس نے دم توڑ دیا۔ اپنی بیٹی اور شوہر کو یوں دیارِ غیر میں اکیلا اور بلکتا چھوڑ کر وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملی۔ وصی بُری طرح بکھر گئے' راعیہ چیخ مار کر گر پڑی۔ وصی کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس نازک وقت میں کس طرح اپنے آپ کو سنبھالیں؟ کس طرح بیٹی کو تسلی دیں' وہ اس وقت خود کو کتنے تنہا اور لاچار محسوس کررہے تھے۔

کوئی اپنا قریب نہ تھا' ہسپتال کے کوریڈور میں وہ اپنا سر تھامے بنچ پر بیٹھے آنسو بہا رہے تھے' پاس ہی بیٹی بلک رہی اور اندر بیوی کی لاش تھی اور ہسپتال کی ضروری کارروائی پوری کی جارہی تھی' تب ہی ذکی کی کال آگئی۔

"بھیا..... ذامیہ چلی گئی..... مجھے چھوڑ کر چلی گئی بھیا..... میں بہت اکیلا ہوں' بکھر گیا ہوں..... کتنا بے بس اور اکیلا ہوں بھیا..... میں کیا کروں؟" کوریڈور میں وصی کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ ذکی شاہ کی آواز سن کر اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ چکے تھے۔ دوسری

جانب ذکی شاہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

"صبر کرو صبر کرو...... میرے بھائی! ہم کیا کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔"

"بھیا میرے لیے دعا کریں...... بھیا میں نے بابا جی ماں جی کا اور آپ لوگوں کا دل دکھایا ہے ناں اس وجہ سے میں......"

"نہیں نہیں وصی...... ایسا مت کہو۔" ذکی شاہ نے اس کی بات کاٹی۔ "ایسا نہیں ہے بس جس کے نصیب میں جو لکھا ہوتا ہے اسے وہ ملتا ہے ہم کسی کو الزام نہیں دے سکتے۔" ذکی شاہ نے سمجھایا۔

حالانکہ ماں جی اتنی بوڑھی ہوگئی تھیں وقت کے ساتھ جسمانی طور پر کمزور ہوگئی تھیں مگر ان کی تمکنت اور جلال آج بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ بیس سال پہلے تھا۔ ان کے مزاج میں کوئی فرق نہ آیا تھا آج بھی وہ وصی کا نام تک سننا پسند نہیں کرتی تھیں۔ وصی کے لیے آج بھی ویسی ہی کٹھور اور سخت دل تھیں جیسا کہ بیس سال پہلے تھیں۔ آج بھی وہ اپنے بڑھاپے کی طرف جانے والے دونوں بیٹوں کو بُری طرح ڈانٹ دیتیں اور بیٹے سر اٹھا کر جواب تک نہ دیتے۔

عرفانہ کو جب ذامیہ کی موت کی خبر ملی تو وہ بُری طرح رو دیں انہیں وصی اور اس کی بیٹی کا رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ کس طرح وہ لوگ اس صدمے کو برداشت کر پائیں گے۔

عرفانہ نے ذکی سے درخواست کی کہ میں وصی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔

"ٹھیک ہے کل جب دن میں ماں جی سو جائیں تو تم اور تسکین بات کر لینا۔" ذکی شاہ نے وصی کا سیل نمبر دیتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" عرفانہ خوش ہوگئیں۔

دوسرے دن دوپہر کے کھانے کے بعد ماں جی حسب معمول اپنے کمرے میں جا کر سو گئیں تو عرفانہ اور تسکین نے اچھی طرح سے اطمینان کر لیا کہ وہ سو چکی ہیں تو وصی سے بات کرنے تسکین کے کمرے میں آ گئیں جب تسکین نے بات کر لی تو عرفانہ نے بات شروع کی دونوں کی پیٹھ دروازہ کی طرف تھی اور دروازہ بھی بھیڑا ہوا تھا۔

عرفانہ نے بات ختم کر کے جیسے ہی سیل آف کیا اور پیچھے مڑیں تو ان کے پیروں تلے زمین نکل گئی دروازے کے بیچوں بیچ ماں جی کھڑی تھیں اور قہر آلود نظروں سے دونوں بہوؤں کو گھور رہی تھیں۔

"کس سے بات ہو رہی تھی......؟" آواز میں سختی نمایاں تھی۔

"وہ...... وہ...... ماں جی......" تسکین کی تو گھگھی بندھ گئی۔

"وہ......وہ......" عرفانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ عین وقت پر پکڑی جانے والی چوری کا کیا جواب دیں۔

"مجھے تم لوگوں سے یہ امید نہ تھی۔" نہایت غصے کے عالم میں ماں جی نے بس اتنا کہا اور واپس پلٹ گئیں۔

"ماں جی...... ماں جی......" دونوں ان کے پیچھے لپکیں اور ان کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر انہوں نے بُری طرح دونوں کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"میں تم لوگوں کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"بھابی اب کیا ہوگا......" تسکین باقاعدہ رونے لگیں۔ عرفانہ تسکین کا ہاتھ پکڑ کر ماں جی کے کمرے میں آ گئیں۔

"ماں جی! ہمیں معاف کر دیجیے ہم سے غلط ہوگئی۔"

دونوں نے ان کے پیر پکڑ لیے۔

"خبردار تم دونوں نکل جاؤ میرے کمرے سے تمہاری شکلیں بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" ماں جی کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے دونوں روتی ہوئی باہر آ گئیں عرفانہ نے ذکی شاہ کو فون کر کے تفصیل بتائی۔

"دادو چائے پی لیں۔" حریمہ چائے لے کر کمرے میں آئی تو ماں جی آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی تھیں۔

"دادو......" انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو حریمہ نے دوبارہ انہیں آواز دی۔

"حریمہ! میرے کمرے سے چلی جاؤ اور کسی کو بھی یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے اتنی زور سے کہا کہ حریمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"امی جی! دادو بہت ناراض ہیں۔" باہر آکر وہ تسکین کے سامنے رو پڑی۔

تھوڑی دیر میں ذکی شاہ اور نقی شاہ آگئے' سب لوگ ڈرائنگ روم میں جمع تھے اور سوچ رہے تھے کہ کس طرح ماں جی کا غصہ ٹھنڈا کیا جائے' سب پریشان تھے۔

"ہم اچھی طرح اطمینان کر کے ہی کال کرنے بیٹھے تھے۔" عرفانہ نے صفائی دی۔

"وصی ہمارا خون ہے جوانی کے زور پر اس نے گو کہ بہت بڑا قدم اٹھالیا تھا مگر بھلا جسم سے جان جدا ہو سکتی ہے۔ پانی میں لکڑی مارنے سے ہم پانی کو الگ کر سکتے ہیں کیا؟ کیسے چھوڑ دیتا میں اسے۔" ذکی شاہ کی آواز بھرا گئی۔

دفعتاً سب کی نگاہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر جم گئی جہاں ماں جی کھڑی تھیں۔ شکستہ اور نڈھال سی' یہ وہ ماں جی تو قطعی نہیں لگ رہی تھیں جو اب سے کچھ دیر پہلے تھیں۔ سفاک اور کرخت......

"کیا ہوا ماں جی!" سب لوگ ان کی طرف دوڑے۔

"ذکی...... وصی سے کہہ دو ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔" لڑکھڑاتے لہجے میں کہہ کر ماں جی واپس لوٹ گئیں۔

"یہ...... یہ...... ماں جی نے کیا کہا ہے؟" عرفانہ کو لگا جیسے انہوں نے کچھ غلط سنا ہے۔

"ماں جی وصی سے ملنا چاہتی ہیں۔" سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر غیر یقینی انداز میں ایک دوسرے سے تصدیق کر رہے تھے۔

"مطلب...... مطلب ماں جی نے وصی کو معاف کر دیا۔" تسکین کی آواز خوشی کے مارے لرز رہی تھی۔

"ہاں بھابی!" تسکین عرفانہ کی طرف پلٹیں اور ان سے لپٹ گئیں ذکی اور نقی حیران تھے۔ یوں اچانک سے چٹانوں جیسی سخت گیر اماں کا بدل جانا انہیں یقین نہیں آرہا تھا۔

"ٹھہرو میں ماں جی کے پاس جاتا ہوں۔" نقی نے کہا' ذکی شاہ بھی ساتھ ہو لیے۔ پیچھے پیچھے عرفانہ اور تسکین بھی چلی آئیں۔

"ہاں بچو!" ماں جی نے انہیں دیکھ کر کہا۔ "تمہارے بابا میرے خواب میں آئے تھے وہ...... وہ بہت پریشان تھے' انہوں نے مجھے کہا واجدہ! بس کرو اب اسے معاف کر دو وہ...... وہ بہت پریشان ہے۔ وہ بہت اکیلا ہے اسے تمہاری ضرورت ہے۔" کہہ کر ماں جی رو پڑیں۔

"ماں جی ہمیں معاف کر دیں کہ ہم نے آپ کی اجازت کے بغیر اس سے رابطہ رکھا۔" ذکی شاہ نے ماں کے ہاتھ تھام کر معافی مانگی۔

"نہیں ذکی! تم نے ٹھیک کیا ورنہ آج میں تمہارے بابا کو کیا جواب دیتی۔ تم وصی کو فون کرو میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" ماں جی نے کہا۔

سوگوار اور مکدر ماحول یکسر بدل چکا تھا' نوجوان پارٹی بھی آگئی تھی اور سب لوگ بے حد خوش تھے۔

ماں جی وصی سے بات کر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں' دوسری جانب وصی کا بھی وہی حال تھا انہیں بیوی کی موت کے غم کے ساتھ اپنوں سے دوبارہ رابطہ کرنے کی نوید مل گئی تھی' ماں جی نے انہیں بلوا لیا تھا راعیہ نے سنا تو وہ بھی خوشی سے بے قابو ہوگئی۔

بچپن سے راعیہ نے پاپا کو اپنی فیملی کا ذکر کرتے سنا تھا اس وقت ان کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک ہوتی' اپنوں کا پیار ہوتا تب راعیہ کو اپنے پیارے پاپا پر بے حد ترس آتا وہ سوچتی پتا نہیں پھر سے وہ مل سکیں گے کہ نہیں؟ کیا پاپا ایک بار پھر اپنی فیملی میں اپنے بھائیوں اور ماں جی کے ساتھ رہ پائیں گے؟ کیا میں بھی کبھی اپنے کزنز سے دادو سے اور تائی امی سے تایا جی سے مل سکوں گی؟ کیا ہمارے نصیب میں بھی بڑی سی فیملی ہوگی؟ مگر اس کو اپنے سوالوں کا جواب کبھی بھی نہ ملا' وہ خود ہی اپنے آپ سے سوال کرتی اور لاجواب ہو جاتی کہ اچانک پاپا نے اسے پاکستان جانے کا پُرمژدہ سنایا۔

''سچ پاپا.....؟'' وہ خوشی سے بے قابو ہونے لگی تھی۔

''واقعی پاپا کیا میں اپنی دادو جی سے مل سکوں گی؟ میں اپنے بہن بھائیوں سے مل کر باتیں کرسکوں گی؟ عرفانہ تائی امی اور تسکین تائی کی گود میں سر رکھ کر ماما کی گود کا سکون پاسکوں گی؟'' راعیہ کی بات پر وصی نے اسے سینے سے لگالیا تھا۔

''ہاں میری بچی! ضرور ان شاء اللہ ہم پھر سے ایک ہوجائیں گے۔'' ان کے لہجے میں اعتماد تھا۔

ادھر سارے گھر میں ہنگامہ مچا ہوا تھا بیس سال بعد چاچو آرہے ہیں سب سے زیادہ ایکسائٹمنٹ طلال کو تھی کہ ان کی ایک عدد حسین و جمیل امریکن پلٹ بھی آئے گی اور اپنی اتنی جلدی ہوجانے والی منگنی پر سخت نالاں اور افسردہ بھی تھا۔

''یار میری سمجھ میں نہیں آتا بڑے بھیا کہ آپ لوگوں کو میری منگنی کرنے کی اتنی جلدی کیوں تھی؟ کیا میں دیواریں کودنے لگا تھا جو آپ لوگوں نے حریمہ نام کی زنجیر میرے پیروں میں ڈال دی۔'' وہ باسل سے مخاطب تھا۔

''تو نکال پھینکو اس زنجیر کو کسی کو شوق نہیں ہے تمہارے ساتھ اپنی قسمت پھوڑنے کا۔'' حریمہ نے چلبلا کر جواب دیا۔

''لاحول ولاقوۃ' خاموش ہوجاؤ تم دونوں۔'' باسل نے دونوں کو ڈانٹا۔ ''ہمیشہ چخ چخ کرتے رہتے ہو' میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ راعیہ کا کمرہ کیسے سیٹ کیا جائے۔''

''جی جی بھائی! میں نے سوچ لیا ہے۔'' طلال نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا سوچا؟'' باسل نے پوچھا۔

''وہ میں نے سوچا ہے کہ میری بڑی بڑی پکس بنا کر کمرے میں لگادی جائیں تاکہ وہ پری وش اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے مجھ جیسے خوبرو نوجوان کو دیکھتی رہے۔'' طلال نے ایک آنکھ دبا کر شرارت سے حریمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''لعنت ہے تم پر۔'' حریمہ تنتناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اوکے جب اٹھ ہی گئی ہو تو پلیز دو کپ چائے بنا لانا۔'' طلال نے اسے جاتا دیکھ کر زور سے کہا اور قہقہہ لگایا۔

''یار طلال! کبھی تو سیریس ہوجایا کرو' دیکھو وہ ناراض ہوگئی ناں۔'' باسل نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر سرزنش کی۔

''دیکھیں بڑے بھائی ابھی دو منٹ میں منا کر لاتا ہوں۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور واقعی تھوڑی دیر بعد ہی دونوں ہنستے ہوئے ساتھ ساتھ آئے تھے۔ باسل اور ربیعہ دونوں ہی دیکھ کر مسکرادیے۔

پھر موضوع وہی تھا کہ راعیہ کے کمرے میں کیا کیا چیزیں ہونی چاہئیں' اس کے لیے کپڑوں کی بابت بات ہونے لگی۔

''یقیناً وہ جینز' ٹی شرٹ اور اسکرٹس وغیرہ پہنتی ہوگی' وہ لینا چاہیے ہمیں۔'' ربیعہ نے کہا۔

''میرا خیال ہے تم لوگ ابھی رہنے دو وہ آئے گی تو اس کو ساتھ لے کر جانا اور اس کی پسند کے ڈریسز دلوا دینا۔'' باسل نے کہا تو ربیعہ نے اثبات میں سر ہلایا تب ہی ذہاد آگیا۔

''آیئے چھوٹے بھائی آپ بھی حصہ لیجیے ہماری باتوں میں۔'' طلال نے اسے دیکھ کر پکارا۔

''ذہاد بھیا گڈ نیوز ہے؟'' حریمہ بھی جلدی سے بولی۔

''کیسی نیوز......؟'' ذہاد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''وصی چاچو آرہے ہیں پاکستان؟''

''کیا......؟'' ذہاد صوفے سے یوں اچھلا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ ''اچھا۔'' اس نے اندرونی کیفیت کو چھپانے کی ناکام کوشش کی اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

وصی کے آنے کی زبردست تیاریاں ہورہی تھیں' مدت سے بند وصی کا کمرہ کھول دیا گیا تھا' اسٹور روم میں بند اس کی چیزوں کو نکال کر جھاڑ پونچھ کی جارہی تھی' اس کے کمرے کی صفائیاں ہورہی تھیں۔ سارے گھر والے خوش

تھے اور وصی کے آنے کی خوشیاں منا رہے تھے سوائے ذہاد کے جو عجیب سی بے چینی اور بے کلی کا شکار تھا۔ اسے پھر سے وہی سب کچھ یاد آنے لگا تھا' دادا کی اچانک موت' تابندہ خالہ کی بے بسی اور سوگوار چہرہ اور......اور تابندہ خالہ کی دوہری زندگی جو وہ گزشتہ کئی سالوں سے گزار رہی تھیں۔ بظاہر مطمئن نظر آنے والی تابندہ اندر سے کتنی ٹوٹی ہوئی' کتنی بکھری ہوئی ہے۔ وہ کتنا پیار کرتی تھیں وصی چاچو کو اور وصی چاچو نے کتنی بے دردی سے انہیں ٹھکرا دیا تھا' گھر کی بربادی کے ذمہ دار وصی چاچو تھے۔

❁......❁......❁
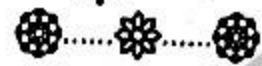
آخر کار وصی شاہ کی آمد کا دن آ گیا' ماں جی صبح سے بہت بے چین تھیں' ان کا دل چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد وصی آ جائے اور ان کے سینے سے لگ جائے۔ بیس سال کی دوری برداشت کر لی تھی لیکن چند گھنٹے کی دوری برداشت کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ وصی کو لینے ذکی' تقی اور باسل گئے تھے جبکہ ذہاد آج بھی کلب گیا ہوا تھا' وصی گھر آئے تو ماں جی کو دیکھ کر برداشت جواب دینے لگی اور ماں بیٹا لپٹ کر ایسے روئے کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وصی کے پیچھے کھڑی راعیہ کو ربیعہ اور حریمہ آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہے تھے اور طلال خود کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔

بلیک اور پرپل لائٹ سی ایمبرائیڈری کا سوٹ پہنے بڑے سے جارجٹ کے دوپٹے کو شانوں پر پھیلائے سر پر بلیک اسکارف باندھے' گوری رنگت اور خوب صورت نین نقش والی وہ پزل پزل سی لڑکی کہیں سے بھی امریکن پلٹ نظر نہیں آ رہی تھی۔

''میری بچی......'' ماں جی وصی سے ملنے کے بعد راعیہ کی طرف بڑھیں۔ راعیہ بھی لپک کر دادی کے سینے سے لگ کر بُری طرح رو دی' کچھ دیر بعد رونے دھونے کا عمل ختم ہوا۔ سب لوگ ماں جی کے کمرے میں جمع ہو گئے وصی بار بار ماں جی کا ہاتھ تھام کر چوم رہے تھے۔ تعارف کے مرحلے طے ہوئے۔

''جاؤ بیٹی جا کر گھر دیکھو۔'' عرفانہ نے کہا تو راعیہ' ربیعہ اور حریمہ کے ساتھ باہر کی طرف چل دی' عرفانہ اور تسکین کچن کی سمت بڑھ گئیں۔

''یار کیا زبردست پرسنالٹی ہے چاچو کی۔'' طلال نے وصی کو بغور دیکھتے ہوئے باسل سے کہا۔

''کیا کھسر پھسر ہو رہی ہے بھئی؟'' وصی نے اسے دیکھ لیا تھا۔

''کہہ رہا ہوں آپ تو بڑے ڈیشنگ ہیں چاچو۔'' طلال نے صاف گوئی سے کہا تو سب لوگ ہنس دیئے۔

''بھیا! ذہاد نظر نہیں آ رہا۔'' وصی نے پوچھا۔

''ہاں کلب جاتا ہے ناں اس ٹائم۔'' ذکی شاہ نے جواب دیا اسی وقت تسکین بیگم نے کھانا لگ جانے کا اعلان کیا تو سب لوگ کھانے کی میز پر آ بیٹھے۔ ان لوگوں نے کھانا اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ ذہاد آ گیا۔

''السلام علیکم۔'' بالکل سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اوئے میرا شیر آ گیا۔'' وصی ہاتھ کا نوالہ چھوڑ کر اٹھ گئے اور آگے بڑھ کر وارفتگی سے ذہاد کو گلے لگا لیا۔ ذہاد نے کوئی خاص گرم جوشی نہ دکھائی۔

''السلام علیکم!'' راعیہ کی آواز پر ذہاد نے پلٹ کر دیکھا۔

''وعلیکم السلام!'' ذہاد نے غور سے اسے دیکھا عام سے کپڑوں میں دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ اس کا خوب صورت اور دمکتا حسن الگ ہی نظر آ رہا تھا۔

''آؤ یار کھانا کھا لو۔'' وصی نے اسے دعوت دی۔

''ایکسکیوزمی میں فریش ہو کر کھانا کھاتا ہوں۔'' بے زاری سے کہتا ہوا وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ راعیہ اسے غور سے دیکھتی رہی' آف وائٹ شرٹ اور گھرے ٹراؤزر میں دراز قد' اسمارٹ سا بندہ اسے سب سے الگ اور منفرد لگا جسے دیکھ کر اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

کھانے کے بعد سب لوگ کامن روم میں جمع ہو گئے۔

''چھوٹی بھابی اب اتنے مزے دار کھانے کے بعد آپ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی گرما گرم چائے ہونی چاہیے۔''

وصی نے کہا تو تسکین مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں' نوجوان پارٹی ڈرائنگ روم میں آ گئی' جہاں راعیہ اپنا سوٹ کیس بھی لے آئی تھی اور سب کے لیے لائے ہوئے تحائف دے رہی تھی۔

''ربیعہ بھابی! یہ آپ کے لیے۔'' خوب صورت سوٹ پیس آگے بڑھایا' ساتھ میں میچنگ جیولری بھی تھی۔

''ارے راعیہ! اس کی کیا ضرورت تھی تم چھوٹی ہو ناں۔'' ربیعہ نے کہا۔

''نہیں بھابی ضرورت تو تھی' اس میں میرا پیار شامل ہے۔ میں آپ لوگوں سے پہلی بار مل رہی تھی اس قدر خوشی تھی مجھے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ سچی بھابی! جب پاپا آپ لوگوں کی باتیں کرتے' آپ لوگوں کا ذکر کرتے تو پاپا کی آنکھیں نم ہو جاتیں اور میں خیالوں میں پاکستان پہنچ جاتی آپ لوگوں کے درمیان آپ سب کے پاس۔ مجھے آپ تمام لوگوں کی ڈیٹ آف برتھ بھی معلوم ہے۔ تایا کی پسند' چھوٹے تایا کی پسند' ناپسند' بڑی تائی اور چھوٹی تائی کی عادتیں' دادا جی اور دادو کی ایک ایک بات' ایک ایک یاد...... پاپا نے اس گھر کی ہر بات مجھ سے شیئر کی۔'' وہ آنکھیں بند کیے جذب کے عالم میں بولتی بہت معصوم لگ رہی تھی۔

حریمہ کو چائے کا کہنے والا ذہاد دروازے پر کھڑا چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''آ جاؤ ذہاد!'' باسل کی آواز پر وہ چونکا۔ راعیہ نے بھی نگاہ اٹھا کر دروازے میں کھڑے ذہاد کو دیکھا' ذہاد اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ارے یار میرے لیے کیا لائی ہو' پہلے وہ تو نکالو اپنے بیگ سے۔'' طلال نے بے صبری دکھائی تو راعیہ مسکرا کر مزید چیزیں نکالنے لگی۔ آخر میں ذہاد کو دینے والا پیکٹ نکالا۔

''یہ لیجیے آپ کے لیے۔'' راعیہ نے ٹی شرٹ' جینز' پرفیوم آگے بڑھایا۔ ''اور ہاں یہ چاکلیٹ بھی۔'' پرس سے چاکلیٹ کا ڈبہ نکالا۔ ''مجھے پاپا نے بتایا تھا کہ آپ کو بچپن سے چاکلیٹ پسند ہے اور پاپا جہاں بھی جاتے آپ ان سے چاکلیٹ کی فرمائش کرتے تھے۔''

''بچپن کی بہت سے عادتیں اب بدل چکی ہیں' پسند اور ناپسند بھی۔'' ذہاد نے ایک گہری نظر اس پر ڈال کر تلخ لہجے میں کہا۔

''اوہ......'' راعیہ کا مسکراتا چہرہ یکدم پھیکا پڑ گیا۔ اس کا ہاتھ آگے بڑھا رہ گیا' ذہاد کی سرد مہری سب نے محسوس کی تھی۔

''ہاں مگر......اب وہ لائی ہے تو لے لو۔'' باسل نے جلدی سے کہا تو ذہاد نے پیکٹ تھام لیا۔

''تھینک یو سو مچ۔'' نارمل انداز میں کہہ کر وہ اٹھ گیا۔

''حریمہ چائے بناؤ تو مجھے کمرے میں دے دینا پلیز۔'' کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ راعیہ اسے جاتا دیکھنے لگی' اس کا رویہ اکھڑا اکھڑا سا تھا باقی سب لوگ کتنے خوش باش تھے اور وہ بےزار۔

''یہ جو چھوٹے بھائی ہیں ناں ہمارے یہ کچھ کچھ آدم بےزار چیز ہیں۔ اس لیے نو ٹینشن۔'' طلال نے راعیہ کے قریب آ کر آواز بلند سرگوشی کی۔

''نہیں ایسی بات نہیں راعیہ! ذہاد بھائی سوبر ہیں' یہ طلال کی طرح چھچھورے نہیں ہیں۔'' حریمہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلال پر چوٹ کی۔

''محترمہ حریمہ صاحبہ! مانا کہ آپ کٹ کھنی بلی ہیں مگر......ابھی کچھ لحاظ کر لو راعیہ پر اتنی جلدی اپنی اصلیت ظاہر کر دی تو وہ بے چاری گھبرا جائے گی۔'' طلال کہاں چپ رہنے والا تھا۔

''تم اپنی خیر مناؤ لڑاکا بلے! کیوں کہ راعیہ اب تک تمہاری اصلیت جان چکی ہو گی۔'' حریمہ نے بھی جل کر قرضہ اتارا۔

''اُف او تم دونوں نے تو چپ رہنا سیکھا ہی نہیں۔'' ربیعہ نے دونوں کو بُری طرح گھورا راعیہ لبوں پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ سجائے ان دونوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''خاموش ہو جاؤ تم دونوں اور دور دور ہو کر بیٹھو۔ ہر

وقت بک بک چلتی رہتی ہے دونوں کی چپ ہونا تو جیسے گناہ ہے۔ بچوں کی طرح لڑتے رہتے ہو۔" ربیعہ نے دونوں کی اچھی خاصی کلاس لے لی۔

"بھابی پلیز...... لڑنے دیں نا انہیں مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے یہ سب کچھ یہ محبت یہ پیار بھرے جھگڑے یہ نوک جھونک میں نے ایک طویل عمر تنہائی میں گزاری ہے۔ میں ترسی ہوئی ہوں ایسی لڑائیوں کے لیے ایسی باتیں ایسی چاہت...... یہ سب کچھ میرے لیے ایک خواب جیسا تھا۔ ایسا خواب جو میں ہر رات سوتے میں دیکھتی اور...... اور جب میری آنکھ کھلتی تو میں ہوتی اور میرا کمرا۔" راعیہ کی آنکھیں بھیگنے لگی۔

"بس میری جان!" ربیعہ نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھیں اپنے ہاتھ سے صاف کیں۔ "جو گزر گیا وہ گزر گیا وہ تمہارے ماضی کا حصہ تھا جو اب لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اب ان شاء اللہ آگے صرف اور صرف خوشیاں ہوں گی محبتیں ہوں گی ہم سب کا ساتھ ہوگا۔ ہم سب ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے تم سے تمہارا ماضی چھین لیں گے۔" ربیعہ نے راعیہ کو گلے لگا کر سچائی سے کہا تو راعیہ مسکرا دی۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں اتنے پیارے اور سچے چاہنے والوں کے درمیان آگئی۔" وہ سوچنے لگی۔

دوسری صبح راعیہ حسب معمول نماز فجر ادا کرنے لان میں چلی آئی ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر ننگے پاؤں چلنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ گلاب کی کیاری کے پاس آگئی گلاب کے کھلے ہوئے بڑے سے پھول کی قریب جا کر پھول کی خوشبو اپنے اندر اتارتے ہوئے وہ کسی مصور کے شاہکار سے کم دکھائی نہیں دے رہی تھی اسی وقت ذہاد نے اپنے کمرے کی کھڑکی کا پردہ سرکایا اور لان کی طرف دیکھا لائٹ گرین سوٹ پر سفید دوپٹہ سر سے لپیٹے وہ کوئی معصوم سی اپسرا لگ رہی تھی ذہاد کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔

❀......❀......❀

وصی ذہاد سے جتنی بات کرنے کی کوشش کرتے بے تکلف ہوتے ذہاد اتنا ہی لیے دیئے رہتا وصی کو لگتا کہ شاید وقت کے ساتھ ساتھ وہ سنجیدہ اور سوبر ہو گیا ہے۔

دادو کا فیصلہ تھا کہ وصی کے آنے کی خوشی میں گھر میں بڑی خوشی کا اہتمام ہونا چاہیے اور سب کے مشترکہ فیصلے کے بعد یہ طے پایا کہ طلال اور حریمہ کی شادی کر دی جائے۔

"لو بھئی بڑوں نے مکمل ذبح کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے پہلے تو صرف کھونٹے سے باندھا تھا اور اب...... اب تو چھری پھیرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ چھری بھی اُف...... اتنی تیز اور تند دھار کی ہے حریمہ نام کی۔" طلال راعیہ کے سامنے مسکین اور معصوم شکل بنائے فریاد کر رہا تھا اور راعیہ کا ہنس ہنس کر بُرا حال تھا۔

"شکر کرو ابھی حریمہ نہیں ہے ورنہ اسی وقت تمہیں ذبح کر ڈالتی۔"

"یار بڑا مزا آئے گا میں بھی دیکھوں گی پاکستانی شادی بڑے مزے مزے کی رسمیں ہوتی رہیں۔" راعیہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی معصومیت سے تالیاں بجاتی اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی اور دور بیٹھا ذہاد اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

شادی کی تاریخ طے ہوئی اور زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں دادو نے خاص طور پر راعیہ کے لیے خوب کامدار اور جھلمل کپڑے بنوائے تھے۔ راعیہ بہت خوش تھی اور خوب شاپنگ کر رہی تھی وصی نے راعیہ کو اتنا خوش کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ دل سے راعیہ کے لیے دعا مانگتے ایسے میں انہیں ذامیہ کی یاد آ جاتی اگر وہ بھی ہوتی تو کس قدر خوش ہوتی۔ یوں اپنوں کے درمیان رہنے کی تو اس کی بھی خواہش تھی وہ بھی پاکستان آنا چاہتی تھی مگر...... خدا کی مرضی کے آگے ہم سب بے بس اور لاچار ہیں وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتے۔

طلال سے حریمہ کا پردہ کرا دیا گیا طلال بہانوں سے کتنے چکر لگاتا مگر ہر بار راعیہ ایک مستند اور ایماندار واچ مین

کی طرح اپنی ڈیوٹی فرض شناسی اور ایمان داری سے پوری کرتی ہوئی ٹلتی اور طلال منہ لٹکا کر لوٹ جاتا۔

"چھوٹے بھائی اب آپ بھی اپنے بارے میں کچھ سوچیے۔ چھوٹا بھائی بھی گھر بسانے جارہا ہے۔" جب سب اکٹھے ہوتے تو طلال ذہاد کو چھیڑتا۔

"تو فکر نہ کر یار اس کے لیے بھی میں نے سوچ لیا ہے۔" باسل طلال کے کاندھے پر ہاتھ مار کر اسے تسلی دیتا تو ذہاد زیرلب مسکرا دیتا اور راعیہ کا دل دھڑکنے لگتا۔ جانے کیوں راعیہ کو ذہاد اچھا لگنے لگا تھا اس کی سنجیدگی، بردباری راعیہ کے دل میں جگہ بنانے لگی تھی، وہ سب سے الگ اور منفرد تھا۔

رسم مایوں بہت شاندار طریقے سے ادا ہوئی، دلہا دلہن کو ساتھ بٹھا کر رسومات ادا کی گئیں۔ طلال کے دوستوں اور حریمہ کی سہیلیوں نے خوب ہنگامے کیے، کیمرے اور موویز کی لائٹیں ایک ایک لمحے کو قید کرتی رہیں۔ اللہ اللہ کرکے یہ تقریب ختم ہوئی تو سب نے رت جگے کا پروگرام بنایا، ابٹن کھیلا، مہندی لگی اور راعیہ ایک ایک لمحے کو دل کھول کر انجوائے کرتی رہی، راعیہ طلال کو ابٹن لگانے کے لیے اس کے پیچھے دوڑی۔ طلال تو کمرے کے اندر بھاگ گیا لیکن اسی وقت دوسرے کمرے سے ذہاد نکلا، راعیہ کے دونوں ہاتھوں میں ابٹن بھرا ہوا تھا اس کی رفتار اتنی تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو نہ روک پائی اور ابٹن سے بھرے دونوں ہاتھ ذہاد کے سفید براق کرتے پر پوری طاقت سے چھپ گئے۔

"اوہ نو......" ذہاد اس اچانک افتاد پر سیخ پا ہو گیا۔

"کیا ہے یہ سب؟ بچوں کی طرح بھاگتی پھر رہی ہو؟ کوئی طریقہ ہے کہ نہیں...... ستیاناس کر ڈالا تم نے حد ہوتی ہے......"

"اوہ سوری...... میں تو طلال......" اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ اپنی بے عزتی پر شرم کی مارے وہ زمین میں گڑھی جارہی تھی۔ اسے کیا پتا تھا کہ اچانک سے ذہاد آجائے گا۔

"سوری اگین......" وہ سر جھکائے شرمساری سے کھڑی تھی، ذہاد کو خود بھی اپنی زیادتی کا احساس ہو گیا تھا، اسے لگا کہ اس نے کچھ زیادہ ہی کہہ دیا ہے۔

"اٹس اوکے۔" کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

"کیا ہوگیا......؟" طلال آ گیا تھا راعیہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ "اوہ یار! آئی ایم سوری...... میری وجہ سے تمہیں اس ہٹلر خان کی باتیں سننی پڑیں۔" وہ شرمندگی سے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا ہٹلر خان پر راعیہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"ڈونٹ وری یار! وہ ایسے ہی ہیں، تم ٹینشن نہ لو۔ انجوائے کرو یہ لو میرا حسین چہرہ تمہارے سامنے ہے دل بھر کے ابٹن لگا دو۔" طلال نے پل میں ہی اس کا موڈ بدل دیا اور اس نے ہنستے ہوئے بچا کچھا سارا ابٹن طلال کے چہرے پر مل دیا۔

ساری پارٹی بڑے کمرے میں جمع تھی اور محفل موسیقی کا اہتمام کیا جارہا تھا جہاں گھر کے سارے بے سرے اپنا اپنا ٹیلنٹ پیش کرنے جمع تھے، صبح چار بجے یہ بے سری محفل اختتام کو پہنچی۔

دوسرے دن شادی تھی صبح سے ہی گھر میں ہنگامہ تھا سب کو اپنے اپنے کپڑوں کی فکر تھی ذکی شاہ اور نقی شاہ کو خواتین سے پرابلم تھی کہ وہ ٹائم پر تیار نہیں ہوں گی۔ دادو کو صدقے کے بکروں کی فکر تھی۔ ربیعہ اور حریمہ کو پارلر جانے کی جلدی تھی جبکہ راعیہ نے گھر میں تیار ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ راعیہ جب تیار ہو کر آئی تو ذہاد دیکھتا ہی رہ گیا۔ میرون اور فان کنٹراسٹ کا شفون جارجٹ کا کام والا دوپٹہ بڑے اسٹائل سے اوڑھے، گلے میں چھوٹا سا میرون نگینوں والا گلوبند اور اس کے ساتھ کے ہی چھوٹے چھوٹے جھمکے، لمبے سیاہ بالوں میں میرون اور فان پراندہ ڈالے وہ بہت حسین لگ رہی تھی، وہ واقعی بہت حسین تھی۔

حریمہ کو رخصت ہو کر ایک پورشن سے دوسرے پورشن جانا تھا جہاں پر عرفانہ نے اس کا اور طلال کا صدقہ اتارا، رسومات کے بعد حریمہ کو کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ طلال

جانے لگا تو ربیعہ اور راعیہ نے اسے دروازے پر روک لیا۔

"یا وحشت اب کیا مسئلہ ہے پہلے ہی بندہ تھکا ہارا ہے اوپر سے یہ ظلم بھی ہونا ہے۔" طلال نے کہا۔

"ہاں جی! یہ رسم ہے تم کو ہم دونوں کو ڈھیر سارے پیسے دینے ہوں گے تب ہی تم اندر جاسکو گے۔" ربیعہ نے اکڑ کر کہا۔

"واہ جی واہ! ایک تو معصوم پہلے ہی ڈپریشن کا شکار ہے اور یہ فضول رسمیں ابھی باقی ہیں۔" طلال نے منہ بنایا۔

"ہاں جی یہ تو ہوگا ہی آپ ڈپریشن کا شکار ہوں یا ٹینشن کا۔" راعیہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اچھا بھئی۔" طلال نے جیب میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکالا اور راعیہ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ "اب جاؤں میں' بے چاری اکیلی ہے ناں؟" طلال نے ربیعہ کے قریب آ کر حریمہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں جی! اکیلی کہاں؟ ہم ہیں ناں اسے کمپنی دیں گے۔" راعیہ نے شرارت سے کہتے ہوئے راستہ چھوڑا اور ربیعہ کا ہاتھ پکڑ کر بجائے کمرے سے باہر جانے کے اندر چلی آئی اور حریمہ کے اردگرد دونوں بیٹھ گئیں۔

"اُف......" طلال سر تھام کر بیڈ کے پاس رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اب یہ بھی برداشت کرنا ہوگا' حریمہ کی جانب بے بسی سے دیکھتا ہوا سر کھجانے لگا۔ ربیعہ اور راعیہ وہیں بیٹھی رہیں اور طلال بیٹھا جمائیاں لیتا رہا اس کی حالت سے ربیعہ اور راعیہ محظوظ ہوتے رہے بلکہ حریمہ دھیرے دھیرے مسکراتی رہی۔

"طلال اگر تمہیں نیند آ رہی ہے تو سو جاؤ۔" ربیعہ نے شرارت سے کہا۔

"جی جی' اب سونا ہی ہے۔" طلال نے بے چارگی سے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ "مگر کچھ شریف لوگ اگر مجھے بیڈ کے کونے پر مختصر سی جگہ دے دیں تو میں کم از کم سو ہی جاؤں۔" اس کی بات پر ربیعہ اور راعیہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں' حریمہ کو بھی ہنسی آ گئی۔

"بھابی چلیں اب چلتے ہیں۔" آخر راعیہ کو ان دونوں پر ترس آ ہی گیا۔

"خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" ربیعہ نے جاتے جاتے حریمہ کا ہاتھ چوم کر دعا دی۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" ان کے جانے کے بعد طلال نے دوڑ کر دروازہ بند کیا' اس کی عجلت اور بے تابی پر حریمہ زور سے ہنس دی۔

"ہاں ہاں' تم بھی اڑاؤ مذاق...... جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔" حریمہ کی گود میں سر رکھ کر وہ شرارتی انداز میں بولا تو حریمہ جھینپ گئی۔

❁......❁......❁
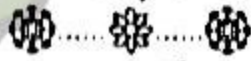
شادی کے ہنگامے کچھ سرد پڑے تو وصی نے ماں جی سے کہا کہ وہ ایسے ہی عجلت میں آ گئے ہیں اس لیے امریکہ جا کر سب سمیٹ کر مستقل آ جائیں گے۔

"ٹھیک ہے تم جلدی سے واپس آ جاؤ تو پھر راعیہ کے متعلق بھی کچھ سوچیں گے۔" ماں جی نے کہا۔

"جی کیا مطلب؟" وصی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

"دراصل ہم نے سوچا ہے کہ ذہاد اور راعیہ کی بات بھی طے کر دی جائے۔" عرفانہ نے کہا تو وصی یکدم خوش ہو گئے۔

"ارے بھابی یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" دروازے کے باہر کھڑی ربیعہ نے سنا تو خوشی سے بے قابو ہو کر بھاگی اور پھر کچھ دیر بعد ہی ان کے درمیان کھسر پھسر شروع ہو گئی۔

"نہیں بھابی......" راعیہ کو معلوم ہوا تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"کیوں...... تمہیں ذہاد پسند نہیں؟" رابعہ کو اس کا یوں منع کر دینا عجیب سا لگا۔

"نہیں بھابی! ایسی بات نہیں ہے وہ تو بہت اچھے ہیں مگر...... مگر......" راعیہ رک گئی۔

"مگر کیا......؟" حریمہ نے جلدی سے پوچھا۔

"مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔" اپنی معصوم آنکھوں کو قدرے پھیلا کر اپنا خدشہ بیان کیا۔

"ارے پاگل......" ربیعہ اور حریمہ اس کی بات پر زور سے ہنس دیے۔ "ایسی کوئی بات نہیں' لونگ اور کیئرنگ ہے وہ۔ بس ذرا سوبر ہے' بچپن سے ہی وہ عام بچوں سے الگ سوبر اور سنجیدہ ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ ذہاد بھیا تم کو کھا جائیں۔" حریمہ نے پر مزاح انداز میں کہا تو راعیہ سر جھکا کر رہ گئی۔

"ویسے ذہاد بہت پیارا بندہ ہے اور تم اس کے ساتھ بہت خوش رہوگی۔" ربیعہ نے اس کے ہاتھ تھام کر سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے ایک بات کہوں؟" پھر ایک لمحے رکی اور شرارت سے پوچھا۔

"جی بولیں۔" راعیہ نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہم نے تو اڑتی چڑیا کے پر پہلے ہی گن لیے تھے جناب! ہمیں پتا ہے کہ تمہیں ذہاد اچھا لگتا ہے اور اس کے لیے تمہارے دل میں بہت خوب صورت سے جذبے موجود ہیں' کیوں غلط کہا؟" ربیعہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

"بھابی پلیز!" راعیہ شرما کر ربیعہ کے سینے سے لگ گئی' بہت خوب صورت اقرار تھا۔

❀......❀......❀
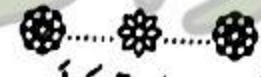
رات کو ذہاد کلب سے لوٹا تو ہر کوئی اسے بڑے معنی خیز انداز میں دیکھ رہا تھا' طلال نے تو کئی بار کھنکھار کر اپنا گلہ بھی صاف کیا تھا' ذہاد کاندھے اچکا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد عرفانہ اس کے کمرے میں آئیں۔

"آیئے امی جی' کیا ہوا؟" اس نے عرفانہ کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔

"کچھ بات کرنی تھی تم سے؟" عرفانہ بیڈ پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔

"جی بولیں۔" وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

"ہم سب کا خیال ہے کہ تمہاری اور راعیہ کی شادی کر دی جائے۔" عرفانہ نے کہا تو ذہاد کرسی سے اچھل پڑا۔

"کیا......؟ نہیں امی جی۔" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔

"دیکھو ذہاد! جو کچھ بھی ہوگا تمہارے فیصلے سے ہوگا اگر تم چاہو تو ایسا ہوگا ورنہ نہیں کیوں کہ ہم سب نے ایک بار یہ غلطی کر کے اس کی سزا بیس سال بھگت لی ہے اور اب مزید برداشت کرنے کی ہمت ہے نہ طاقت۔" عرفانہ کا لہجہ آبدیدہ ہو گیا' ذہاد نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا اور اپنی ماں کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھا اور ایک لمحے میں ہی ذہاد نے بہت کچھ سوچ لیا' اس کے ذہن میں گزرے واقعات کی جھلک تازہ ہو چکی تھی اور اسی لمحے اسے فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی۔

"امی جی! ایسی بات نہیں ہے مجھے آپ لوگوں کا ہر فیصلہ منظور ہے۔ میں......میں راعیہ سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔" اس کا لہجہ اٹل اور فیصلہ کن تھا اور لہجے میں گمبھیرتا نمایاں تھی۔ عرفانہ خوش ہو گئیں آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

وصی بھی مطمئن ہو گئے تو ایک ماہ کے لیے امریکہ چلے گئے۔ ماں جی بھی پرسکون ہو گئی تھیں اس روز ذہاد شام کو آفس سے لوٹا تو دادو نے اسے کمرے میں بلوایا' راعیہ بھی وہیں تھیں۔ ذہاد آیا تو راعیہ کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ ذہاد نے غور سے اسے دیکھا واقعی وہ چاہے جانے کے قابل تھی۔

"ادھر بیٹھو بچے!" دادو نے اسے قریب بٹھایا۔ "ایک بات بتا؟" دادو نے کہا۔

"جی......" راعیہ اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔

"تو خوش تو ہے ناں ہمارے فیصلے سے؟" دادو نے اس سے پوچھا۔

"جی دادو! میں بہت خوش ہوں۔" وہ قدرے زور سے بولا' دروازے سے نکلتی راعیہ نے سنا تو اسے ڈھیروں سکون ملا' ایک خدشہ جو اسے تنگ کرتا تھا' وہ دور ہو گیا تھا وہ بالکل ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

❀.....❀.....❀

وصی کے لوٹ آنے تک شادی کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں' دادو چاہتی تھیں جلد ہی اس فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں کیونکہ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے اپنی زندگی کی طرف سے مایوس ہو چکی تھیں۔ تابندہ کو بھی بتادیا گیا تھا وہ بھی اس رشتے پر خوش تھیں۔ گھر میں خوش گوار سی ہلچل تھی' وصی بھی دل کھول کر ارمان نکالنا چاہتے تھے ایک ہی بیٹی تھی جو کچھ تھا اس کا ہی تھا اور پھر اس کو جانا بھی کہاں تھا اپنے ہی گھر سے رخصت ہو کر اپنے ہی گھر میں رہنا تھا۔

شادی سے ایک ہفتہ پہلے تابندہ بھی اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ آ گئیں' وصی کو تابندہ سے مل کر ندامت کا احساس ہوا مگر تابندہ نہایت خوش دلی اور نارمل طریقے سے ملیں۔ تابندہ کے شوہر صبیح وصی کے اچھے دوست تھے۔ تابندہ بڑھ چڑھ کے شادی کے ہنگاموں میں حصہ لیتی رہیں' ذہاد تابندہ سے ملا تو اسے لگا جیسے تابندہ جان بوجھ کر خوش رہنے کی کوشش کرتی ہیں ورنہ وہ اندر سے خوش نہیں ہیں۔ وہ سارا ڈرامہ کرتی ہے' ذہاد کو اپنی معصوم خالہ پر بہت ترس آتا تھا' ساری زندگی دہرے پن میں گزار دی تھی۔

آج بھی بظاہر خوش رہنے کی کوشش کرتیں مگر اندر سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ذہاد کے دل میں کوئی پھانس سی چبھ کر رہ گئی۔

مختلف رسمیں ہوئیں اور آخر کار راعیہ اور ذہاد کی شادی کا دن بھی آ گیا۔ راعیہ دل میں بے شمار خوب صورت جذبات' سرخ بنارسی کمخواب کے بھاری کام کے شرارے میں ذہاد کی منتظر بیٹھی تھی۔ ربیعہ اور حریمہ نے تو اسے چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کر رکھا۔ ربیعہ کی بے باک باتوں پر راعیہ شرم سے سرخ پڑ جاتی' اسے حریمہ مختلف ٹپس دیتی رہی۔ وہ ان دونوں کی باتوں پر جھینپ رہی تھی۔

''اچھا بھئی چلو اب ہم چلتے ہیں' ایسا نہ ہو کہ آپ کے میاں جی آ کر ہمیں ہاتھ پکڑ کر باہر کر دیں۔'' ربیعہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں سچ میں ذہاد بھائی سے کوئی بعید بھی نہیں ہے۔''

حریمہ نے بھی شرارت سے کہا تو راعیہ زیر لب مسکرا دی۔

راعیہ نے طویل سانس لے کر خود کو سامنے لگے بڑے سے آئینہ میں دیکھا' سرخ بھاری کامدار شرارہ' خوب صورت میک اپ نفیس اور بیش قیمت جیولری میں ہمیشہ سادہ رہنے والی راعیہ غضب ڈھا رہی تھی' حیا سے اس کی پلکیں جھکنے لگی تھیں۔

ذہاد اور اس کے قرب کے تصور سے اس پر عجیب سی بے خودی چھانے لگی تھی' خود پر نازاں بھی تھی کہ اتنا پیارا سسرال اور ذہاد جیسا خوب صورت بندے کا ساتھ' وہ آپ ہی آپ مسکرانے لگی تب ہی دھیرے سے دروازہ کھلا اور ذہاد اندر آیا۔ راعیہ کی نگاہیں جھکتی چلی گئیں اور اس کے پیروں پر جا ٹکیں' خوب صورت سرخ و سفید پیروں میں میچنگ میرون کھسہ اس کی نظروں کی زد میں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا اور راعیہ کا سر مزید جھک گیا اور دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں۔ اس کی سماعتیں ذہاد کے لبوں سے نکلنے والے خوب صورت جملوں کی منتظر تھیں' اس کے نرم و ملائم نازک حنائی ہاتھ ذہاد کے گرم اور مضبوط ہاتھوں کے لمس کے طالب تھے۔ دل میں مچلنے والے بے شمار خوب صورت جذبات کو سنبھالے وہ ذہاد کے مخاطب کرنے کی منتظر تھی۔

''محترمہ راعیہ بنت وصی شاہ!'' اتنے اجنبی اور بے تکے انداز مخاطب پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ''آپ جس لہجے اور رویے کی منتظر ہیں' جس سلوک کا آپ کو انتظار ہے وہ آپ کو کبھی بھی نہیں ملے گا۔''

''جی...... جی...... یہ کیا مذاق ہے...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس کی خوب صورت آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

''جی محترمہ راعیہ صاحبہ! آپ مجھ سے کسی قسم کے خوش گوار تعلق کی قطعاً امید مت رکھیں اور یہ غلط فہمی بھی اپنے دل و دماغ سے نکال دیں کہ آپ سے شادی میں میری پسند یا آپ کی ذات سے دلچسپی کا کوئی عنصر ہے یا میں آپ کو محبت اور وہ مقام دوں گا جس کی آپ متمنی ہیں۔

ایسا تو کبھی مر کر بھی نہیں ہوسکتا۔" اس کے لہجے میں تلوار جیسی کاٹ تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ کچھ نہ سمجھتی ہوئی بمشکل اپنے حواسوں پر قابو پا کر سراپا سوال تھی۔

"بات تو کڑی ہے مگر...... سچ اور حقیقت یہ ہی ہے کہ مجھے تم سے اور تمہارے باپ سے نفرت ہے...... شدید نفرت...... تمہارا باپ قاتل ہے میرے داداجی کا...... وہ قاتل ہے میری معصوم اور بھولی بھالی خالہ کے ارمانوں کا...... اس کے جذبات کا' اس کی برسوں کی چاہنے والی محبت کا' میری ماں کی خواہشات کا قتل کیا ہے تمہارے باپ نے' جس نے ایک ماں کی طرح اس کا خیال رکھا۔ میں نہیں بھول سکتا وہ بھیانک اور قاتل رات جس میں دادا جی ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے۔ نہیں بھول سکتا تابندہ خالہ کی سسکیاں...... ان کی وہ ویران آنکھیں اور اس میں سجے تمہارے باپ کی سنگت کے ادھورے سپنوں کو...... آج بھی میری سماعتوں میں تابندہ خالہ کی دبی دبی سسکیاں گونجتی ہیں۔ کیسے بھلادوں میں وہ منظر جب میرے داداجی جنہوں نے ہمیشہ شان دار نوابوں والی زندگی گزاری تھی لیکن جب انہوں نے مرتے وقت اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر اپنی بہو سے معافی مانگی تھی' تمہارے باپ کے گناہ کی معافی انہوں نے مانگی تھی...... اس وقت ان کی آنکھوں میں جو بے بسی' بے چارگی اور شرمندگی تھی...... وہ آج بھی میری نظروں میں محفوظ ہے اور پھر میری دادو کے سر پر سفید چادر وہ بھی تمہارے باپ کی وجہ سے آئی اور آج...... آج تم اسی باپ کی بیٹی...... بڑے مان اور چاؤ کے ساتھ بڑے ارمانوں کے ساتھ میری سیج سجانے آئی ہو تو کان کھول کر سن لو تم کبھی بھی میرا پیار' میرا ساتھ اور میری قربت کو نہیں پاسکوگی۔ میں نے تم سے شادی کی تو صرف اس لیے کہ تمہیں احساس دلاسکوں کہ جب دل پر چوٹ لگتی ہے تو کتنا درد ہوتا ہے۔ جب دل پر زخم لگتے ہیں تو کتنی ٹیسیں اٹھتی ہیں' میں تمہارے لیے صرف ایک پتھر ہوں جس پر تم سر پھوڑ سکتی ہو لیکن یہاں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا سوائے درد کے' تکلیف اور زخم کے۔ تم بھی تڑپو گی میری خالہ کی طرح' تم جتنا تڑپو گی مجھے اتنا سکون ملے گا جو آگ تمہارے باپ نے برسوں پہلے لگائی تھی آج سے اس آگ میں تم جلوگی۔ اپنے باپ کا بویا تمہیں کاٹنا ہوگا۔"

وہ لفظوں کے نشتر زہر میں ڈبو ڈبو کر اس کے سینے میں اتار رہا تھا اور راعیہ آنکھیں پھاڑے دکھ اور حیرت کی مجسم تصویر بنی اس کے ہونٹوں سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ کتنا زہر تھا اس کے اندر جو وہ اگلتا جارہا تھا۔ کتنی نفرت چھپا رکھی تھی اس نے پاپا کے لیے' کتنی سفاکی اور سختی تھی اس کے لہجے میں کتنے شعلے برس رہے تھے اس کے الفاظ میں۔

"مگر...... مگر تابندہ خالہ کی تو شادی ہوگئی۔" اس کے کانپتے لبوں سے بمشکل نکلا۔

"ہاں ہوگئی شادی...... میری خالہ حسین تھیں' نیک تھیں سلیقہ شعار اور معصوم تھیں تو کیوں نہ ہوتی ان کی شادی اگر تمہارے باپ نے ان کی قدر نہ کی تو کیا وہ ساری عمر بیٹھی رہتیں لیکن میں جانتا ہوں میری خالہ کے دل و دماغ پر صرف وصی شاہ کا نام تھا۔ بچپن سے ان کو وصی شاہ کے نام سے جوڑ دیا گیا تھا اور وہ اسی نام کے ساتھ جیتی رہی تھیں۔ وہ ان کے لیے تڑپتی تھیں' تمہارے باپ کے لیے راتوں کو میں نے خالہ کو سسکتے دیکھا ہے اور اب تم...... تم تڑپو گی میری چاہت کے لیے' میری قربت اور ایک نگاہ التفات کے لیے لیکن تمہیں یہاں سے کچھ نہیں ملے گا سوائے نفرت' حقارت بے اعتنائی کے۔" راعیہ اس کے زہر آلود جملوں کو اپنے اندر اتار رہی تھیں اس کی خوب صورت آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔ کیسا سچ اگل رہا تھا وہ' کتنا زہر بھرا ہوا تھا اس کے اندر وصی شاہ کے لیے' کتنی نفرت' کتنا کینہ......

"ذہاد پلیز...... جو ہوا وہ بھول جائیں' دیکھیں تو پاپا خود بھی کتنے دکھی ہیں اور...... اور سارے معاملے میں میرا کیا قصور ہے؟" وہ بلتجی تھی۔

"تمہارا قصور...... تمہارا قصور یہ ہے کہ تم وصی شاہ کی

بنی ہو۔ قصور تو میری خالہ کا بھی نہیں تھا ان کو کس بات کی سزا ملی؟ انہیں کیوں ٹھکرایا گیا؟ اٹھو چلو چینج کرو مجھے وحشت ہو رہی ہے تمہیں دیکھ کر۔" بات ختم کر کے وہ اس کی طرف دیکھ کر دوبارہ حقارت سے بولا۔ راعیہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اور ہاں......" اس نے جیب سے ایک ڈبیہ نکال کر اس کی طرف اچھالی۔ "یہ لو میری امی جی نے خاص طور پر دیا ہے...... یہ ڈال لو اپنے ہاتھوں میں خبردار جو اسے اتارا۔" خوب صورت جڑاؤ کنگن تھے اسے بے تحاشہ رونا آ گیا۔ منہ دکھائی میں یہ بھیک ملی تھی اسے اور ساتھ ہی زہریلے جملے دکھ، تذلیل اور بے عزتی بھی...... ڈبیہ پھینک کر اپنے کپڑے اٹھا کر وہ باتھ روم میں چلا گیا، راعیہ اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

اتنا خوب صورت اور ہینڈسم انسان اور اندر سے اتنا سفاک، بے رحم بھی ہو سکتا ہے یہ سب کیا ہو گیا ہے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں جیسے ختم ہو چکی تھیں۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کچھ بھی ہو سکتا ہے، کئی برس پہلے ہونے والا واقعہ اس کے پاپا کی ایک غلطی آج اتنے برسوں بعد اس کی زندگی میں ایسا طوفان لائے گی جو وہم و گمان میں بھی نہ تھا آئینے میں خود کو دیکھا ابھی کچھ دیر پہلے کتنی حسین دکھائی دے رہی تھی مگر اچانک ہی بے وقعتی اور حقارت نے اسے کیسا پژمردہ بنا دیا تھا۔

"یا اللہ میں کیسے جی سکوں گی؟" وہ ایک ایک کر کے زیور اتارنے لگی، کانچ کی نازک چوڑیاں اس کے خوب صورت حنائی ہاتھوں میں بجنے لگیں۔ یہ چوڑیاں جو سہاگ کی نشانی تھیں، کیسا سہاگ...... وہ آنسو بہاتی چوڑیاں اتارنے لگی تب ہی وہ باتھ روم سے نکلا۔

"کان کھول کر سن لو اگر دادو کو یا کسی کو بھی ذرا سی بھنک دی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا سمجھیں۔" انگلی اٹھا کر سفاک لہجے میں وارننگ دی۔

یا خدا یہ کیسا امتحان ہے وہ زخم پر زخم لگائے جا رہا تھا، وہ بنا کچھ کہے شرارہ سنبھالتی ہوئی اٹھی اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔ چینج کر کے آئی تو ذہاد بیڈ کے کونے پر سگریٹ پی رہا تھا۔

شرارہ تہہ کر کے ہینگ کیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بال سلجھانے لگی، ابھی کچھ دیر پہلے کتنی خوش تھی وہ ربیعہ اور حریمہ کے خوب صورت، بے باک اور ہلچل مچا دینے والے جملوں سے شرماتے ہوئے کتنی حسین لگ رہی تھی۔ لیکن سب کچھ ایک لمحے میں ختم ہو گیا تھا۔ سارے جذبے، سرشاری، سارے خواب ایک جھٹکے میں کرچی کرچی ہو گئے تھے، اس کے نرم و نازک وجود کی دھجیاں اڑا کر وہ مطمئن انداز میں آنکھیں بند کیے سو چکا تھا۔

"یا اللہ میں کس طرح سب کا سامنا کر پاؤں گی؟" وہ خود سے سوال کر بیٹھی۔ "اف خدایا......" راعیہ نے غور سے اس دشمن جان کو دیکھا جس کی قربت کے لیے اس نے ایک ایک پل گن کر گزارا تھا، جس کے لیے اتنا سجی، سنوری تھی۔ اس نے تو آنکھ بھر کے دیکھنے کی زحمت تک نہ کی۔ راعیہ نے خود کو آئینے میں دیکھا کتنا مکمل حسن تھا، اس وقت میک اپ سے عاری دھلے ہوئے، روئے روئے چہرے میں وہ مزید حسین لگ رہی تھی۔ دل تھا کہ امڈتا چلا آ رہا تھا آج کی رات، اس حسین رات کے بارے میں کتنا کچھ سنا تھا اس نے اور پھر ربیعہ اور حریمہ نے تو اسے چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کر دیا تھا۔ ایک ایک بات پر، ایک ایک جملے پر وہ کتنا بلش ہوئی تھی لیکن ذہاد تو رگ رگ میں بے وقعتی کا زہر اتار کر سو چکا تھا۔ محبتوں کو پامال کر کے مطمئن تھا۔ ایک لمحے کے لیے بھی راعیہ کی دلی کیفیت، اس کے جذبات کا خیال نہ آیا تھا اسے، ایک بار بھی راعیہ کے اور اپنے رشتے کا احساس نہ ہوا تھا اسے اور پھر کتنی بے رحمی سے، کتنی سفاکی سے یہ حکم بھی صادر کر دیا تھا کہ کسی کے سامنے ظاہر بھی نہ کروں گویا میں آج سے دہری زندگی گزاروں......

"یا الٰہی مجھے ہمت دینا، حوصلہ، صبر اور برداشت عطا کرنا میرے مولا! جو کڑا امتحان میرے نصیب میں ہے مجھے اس میں کامیابی عطا کرنا میرے مالک! میرے پاپا

کے سامنے میرا بھرم رکھ لینا۔" وصی شاہ کا تصور کیا تو بے تحاشہ رونا آ گیا۔ "میرے پاپا پہلے ہی بہت ٹوٹے ہوئے ہیں انہیں میرا دکھ نہ دکھانا میرے مولا! مجھ میں اتنی ہمت پیدا کر کہ میں برداشت کر سکوں۔ اتنے معصوم چہرے کے پیچھے اتنا سفاک اور ظالم شخص بھی ہو سکتا ہے۔" وہ سسک پڑی۔

تو راعیہ صاحبہ! آج سے تم کو دہری زندگی گزارنی ہے کمرے کے اندر الگ اور کمرے کے باہر الگ...... ٹھنڈی سانس لے کر حنائی ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رگڑتی ہوئی سوچنے لگی۔ آج کی خوب صورت رات کو بھی سسکیوں کی نذر ہونا تھا۔ وہ روتی رہی اپنی تقدیر پر ماتم کرتی رہی اور جب تھک گئی تو خاموشی سے اٹھی اور بیڈ کے دوسرے کونے پر منہ دوسری طرف کر کے لیٹ گئی۔

"سنو جب زہاد پاس آئے تو......" کانوں کے قریب سرگوشی ابھری اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو ربیعہ اور حریمہ اسے زہاد کو ستانے اور تنگ کرنے کے گُر سکھا رہی تھیں۔ ہلکی سی سسکی اس کے لبوں سے نکلی ساری رات وہ بے آواز سسکتی رہی اور زہاد آرام سے سوتا رہا۔ اذانِ فجر کی آواز کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی زہاد ابھی تک سو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی دیر تک شاور لے کر اور وضو کر کے نکلی تو وہ جاگ چکا تھا اور بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔

"نئی زندگی کی پہلی صبح مبارک ہو کیسی لگی؟" راعیہ کو دیکھ کر کاٹ دار جملہ اچھالا۔

"نئی صبح نئی زندگی...... خدا نہ کرے کہ کسی کو ایسی زندگی اور ایسی صبح نصیب ہو۔" زہاد کے چہرے پر بھرپور نگاہ ڈال کر ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہتی ہوئی جائے نماز بچھانے لگی۔

زہاد فریش ہو کر آیا تو جب تک راعیہ نمازِ فجر ادا کر چکی تھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے لمبے سلکی بالوں کو سلجھا رہی تھی۔ لمبے بالوں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا لائٹ گرین ہلکے کام والے سوٹ میں میک اپ سے عاری چہرہ رات بھر کی جاگی سرخ اور متورم آنکھیں چہرے پر پھیلا سوگوار حسن جس نے اسے جاذبِ نظر بنا دیا تھا۔ زہاد نے دیکھا تو ایک لمحہ دیکھتا رہ گیا اپنے گھنے بالوں کو تولیے سے رگڑتا لائٹ بلو شلوار قمیص میں نکھرا نکھرا سا زہاد اس کے دل میں اترا جا رہا تھا۔ وہ نماز پڑھ کر اٹھا تو دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ زہاد نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"نئی زندگی کی پہلی خوب صورت صبح مبارک ہو۔" ربیعہ اور حریمہ تھے۔

"شکریہ بھابی!"

"کیا حال ہیں جناب؟" ربیعہ نے شوخ نظروں سے زہاد کو دیکھا۔

"الحمدللہ بھابی! جس کو اتنا حسین اور چاہنے والا ساتھی مل جائے اس کو اور کیا چاہیے؟" زہاد نے محبت پاش نگاہوں سے راعیہ کو دیکھتے ہوئے کہا راعیہ نے سر اٹھا کر زہاد کو دیکھا۔ اس کے کرخت رہنے والے چہرے پر حسین اور دلفریب مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں خوب صورت جذبے اور والہانہ پیار تھا۔

"اُف...... کتنا دھوکے باز انسان ہے۔" راعیہ آنکھیں پھاڑے اس دوغلے شخص کو دیکھنے لگی۔ رات والے اور ابھی والے زہاد میں کتنا فرق تھا رات کو جس منہ سے لفظوں کے زہریلے تیر نکل رہے تھے اس وقت اسی منہ سے محبت اور جذبات میں ڈوبی چاشنی گھلی ہوئی تھی ربیعہ اور حریمہ مسکرا دیے۔

"اور سنایئے دلہن بیگم!" حریمہ قریب آ کر سرگوشی میں گویا ہوئی۔ "زیادہ تنگ تو نہیں کیا دلہا میاں نے؟" راعیہ کا دل ایک دم ہی بجھ گیا اس نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں مبادا آنکھوں میں آئی نمی گزشتہ رات کے راز افشاں نہ کر دے۔

"پلیز بھابی! ہماری نازک سی بیگم کو تنگ نہ کریں ہم نے پہلے ہی رات کو انہیں اچھا خاصا تنگ کر لیا ہے۔" قریب آ کر زہاد نے ربیعہ سے مخاطب ہو کر ذومعنی جملہ کہہ

دیا، راعیہ نے تڑپ کر اس دشمنِ جاں کی طرف دیکھا جو آنکھوں میں بے تحاشہ پیار لیے مسکرا رہا تھا۔

"اُف...... یہ شخص تو مجھے پاگل کردے گا۔" راعیہ نے بے بسی سے نگاہیں جھکالیں۔

"ہاں جی ہاں، ہم تنگ نہیں کررہے آپ کی بیگم کو ہم تو مزاج پرسی کے لیے آئے تھے آپ خود ہی سنبھالیں اور ہاں آپ لوگ ناشتا یہیں کریں گے یا ہمارے ساتھ؟" ربیعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم آتے ہیں بھابی سب کے ساتھ کریں گے۔" راعیہ نے جلدی سے کہا تو ربیعہ نے اس کا ماتھا چوما اور کمرے سے نکل گئی۔

"کیسی رہی میری ایکٹنگ؟" ذہاد نے قریب آکر آہستگی سے پوچھا۔ راعیہ نے جھلملاتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا اور بنا کچھ کہے اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ ذہاد نے بھرپور قہقہہ لگا کر سگریٹ جلائی اور صوفے پر بیٹھ کر کش لگانے لگا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال بناتے ہوئے وہ اس سوچ میں تھی کہ کس طرح سب کا سامنا کرے گی۔ پاپا سے کیسے نظریں ملاسکوں گی؟ کس طرح خود پر کنٹرول رکھ کر سب کے سامنے مسکراتی رہوں گی اور اپنے دل کے اندر اٹھتے دکھ اور تکلیف کو کس طرح چھپاؤں گی؟

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ پاس آکر بولا۔ وہ بے بسی سے تکتی رہ گئی۔

"سنو! یہ روتی بسورتی شکل اور اپنی یہ نحوست یہیں کمرے میں چھوڑ کر جانا' اگر وہاں جا کر کوئی ڈرامہ کیا تو...... تو وہیں ڈراپ سین بھی کردوں گا سب کے سامنے۔" کتنی بے رحمی سے وہ حکم دے رہا تھا۔

"واہ جی! زخم بھی دے رہا تھا اور مرہم پاشی کی اجازت بھی نہ تھی۔" اس نے بے بسی سے سر جھکالیا۔ "ڈراپ سین...... کہیں اگر اس نے طلاق...... نہیں نہیں...... اللہ نہ کرے۔" وہ تڑپ گئی۔ "پاپا تو مرجائیں گے۔"

"چلیں محترمہ! ناشتے کے لیے کوئی دعوت نامہ نہیں آنے والا۔" طنز کا تیر چھوڑا تو وہ خیالات سے چونکی اور جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ناشتے پر سب لوگ موجود تھے دادو، ذکی شاہ، نقی شاہ، عرفانہ، تسکین، تابندہ خالہ اور ان کے شوہر تابندہ خالہ نے آگے بڑھ کر محبت سے اس کا ماتھا چوم کر پیار بھری دعائیں دی تھیں۔ تابندہ خالہ کے لہجے میں مٹھاس تھی پاپا سے مل کر راعیہ کی آنکھیں خود بخود بھیگنے لگی تھیں۔ دفعتاً اس نے ذہاد کی جانب دیکھا' ذہاد کی آنکھوں میں عجیب سی وارننگ تھی' راعیہ نے فوراً ہی خود کو سنبھالا۔ کتنا جان لیوا اور تکلیف دہ تھا اس طرح ڈبل مائنڈ ہوکر جینا' دل میں کچھ اور لب پر کچھ' چہرے کے تاثرات اور دلی کیفیت میں تضاد کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جاسکتی ہے۔

"آجا میری بچی' میری جان!" دادو نے اسے سینے سے لگالیا۔ "اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ڈھیر ساری خوشیاں دے' سدا سلامت رہو۔" دادو نے ڈھیر ساری دعائیں دے ڈالیں۔ ذہاد بڑے خوش گوار موڈ میں ناشتا کررہا تھا' ذکی شاہ سے بھی نارمل رویہ تھا۔ اس نے تھوڑا سا ناشتا کیا دل کہاں چاہ رہا تھا کچھ بھی کرنے کا۔

"جاؤ بچی تھوڑا آرام کرلو رات کو بھی ولیمے کی تقریب میں تھکن ہوجائے گی۔" دادو نے راعیہ کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خوشی سے اٹھ گئی۔

"ذہاد میں نے تو تمہیں چاہا تھا' پیار کیا تھا تم سے۔ دل کی تمام شدتوں کے ساتھ محبت کی تھی اور تم نے...... کیا محبت میں یہ صلہ ملتا ہے؟" کمرے میں آکر وہ صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔

❀......❀......❀

رات کو دعوتِ ولیمہ کی تقریب تھی' راعیہ شام سے ہی بیوٹی پارلر چلی گئی جب تیار ہوکر ہال پہنچی تو ہر آنکھ اسے دیکھتی رہ گئی۔ موو اور سی گرین کنٹراسٹ کا بھاری شرارہ خوب صورتی سے کیا گیا میک اپ اور نفیس جیولری میں اس کا ملکوتی حسن دوچند ہورہا تھا۔ بلیک سوٹ میں ذہاد بھی بہت خوب صورت لگ رہا تھا' ہال میں داخل ہوتے ہوئے

گرم جوشی سے راعیہ کا ہاتھ تھاما تو راعیہ کا سرد اور ملائم نازک ہاتھ زہاد کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں آیا تو راعیہ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ ویسے کی ساری تقریب میں زہاد والہانہ انداز سے اسے دیکھتا رہا' خوب صورت جملے اچھالتا رہا۔ بے تابی اور بے قراری کا اظہار کرتا تھا اور راعیہ اس کی باتوں پر تڑپ کر رہ جاتی' زہاد کی والہانہ نظروں سے راعیہ کا پور پور بکھرنے لگا۔ وہ اندر سے ٹوٹ رہی تھی۔

"کاش...... کاش...... یہ حقیقت ہوجائے۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی رہ گئی اور اس کی کامیاب ایکٹنگ کی داد دیتی رہی وہ بہت غضب کا کھلاڑی تھا اور وہ خود...... وہ خود بھی تو اپنا آپ چھپا کر ہنستی مسکراتی بیٹھی تھی۔

شادی کے ہنگامے سرد پڑے' وصی شاہ بھی مطمئن ہوگئے تھے اور زہاد نے بھی آفس جانا شروع کردیا تھا۔ تابندہ اپنی فیملی کے ساتھ واپس لوٹ گئی تھیں' جاتے وقت راعیہ کو سینے سے لگا کر ڈھیروں دعائیں دے گئی تھیں۔ زہاد اور راعیہ آج بھی کمرے میں اجنبیوں کی طرح رہتے تھے' حریمہ کی طبیعت آج کل کچھ خراب تھی وہ ماں بننے کے عمل سے گزر رہی تھی۔ اس کی شخصیت میں نیا پن اور اعتماد سا آگیا تھا۔ طلال ہر وقت اس کے آگے پیچھے لگا رہتا' یہ کھالو یہ پی لو آرام کرلو باہر چلو...... طلال کا والہانہ پن اور حریمہ کی شرگیں مسکراہٹ دیکھ کر راعیہ کے دل میں کچھ ہونے لگتا۔ اس وقت وہ خود کو ادھورا اور بے بس محسوس کرتی۔

"کیا میں بھی......؟" سوچتے ہوئے وہ بے حال سی ہوجاتی' زندگی جیسے ایک نقطے پر آکر ٹھہر گئی تھی وہ دہری زندگی گزارتے گزارتے تھکنے لگی تھی۔

اس روز موسم بہت حسین ہو رہا تھا سب لوگ آئس کریم کھانے جارہے تھے زہاد اور راعیہ کو بھی کہا۔

"تم لوگ چلو ہم اپنی بیگم کو لے کر آتے ہیں۔" زہاد نے راعیہ کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"واؤ یار راعیہ! تم نے تو سچ مچ زہاد کو بدل کر رکھ دیا۔" ربیعہ نے ہنستے ہوئے راعیہ کو مخاطب کیا۔

"ارے بھابی جس شخص کو ایسا شریک سفر ملے وہ تو ہواؤں میں ہی اڑے گا ناں۔ میں تو تھوڑا سا چینج ہوا ہوں۔" زہاد نے قہقہہ لگا کر کہا۔ وہ چادر اوڑھنے کے لیے کمرے میں گئی تو نہ جانے کیوں اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے۔

"کیا ہوا جاناں؟" زہاد نے قریب آکر محبت سے چُور لہجے میں کہا۔

"زہاد پلیز! بس کریں میں نہیں جی سکتی دہری شخصیت کے ساتھ۔" وہ رو پڑی۔

"ارے واہ بس اتنے سے دنوں میں عاجز آگئیں تم اور میری خالہ بیس سال سے یہ اذیت برداشت کررہی ہیں۔ بند کرو یہ ڈرامے بازیاں' باہر سب ہمارا انتظار کررہے ہیں۔" آنکھوں میں نفرت لیے وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

❁......❁......❁
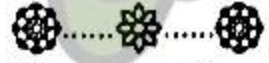
کچھ دن گزرے تو اس بات نے تو راعیہ کے ہوش اڑادیئے کہ لاہور میں بزنس سنبھالنے والے احسان صاحب کی اچانک موت ہوگئی ہے اور وہاں فی الفور کسی کو پہنچنا ضروری ہے اور جب راعیہ کو یہ پتا چلا کہ وہاں اسے اور زہاد کو بھیجا جارہا ہے تو وہ بُری طرح گھبرا گئی۔

"ارے نہیں تائی امی!" اس نے بے ساختہ کہا۔

"کیوں بیٹی تم ایسا کیوں نہیں چاہ رہی ہو۔ کوئی پرابلم ہے کیا؟" ذکی شاہ نے پوچھا۔

"جی...... جی نہیں...... بس وہاں اکیلے رہنے کی تصور سے......" وہ منمنائی۔ اصل مسئلہ تو زہاد کے ساتھ رہنے کا تھا۔

"بیٹی اس وقت باسل اور ربیعہ نہیں جاسکتے کیوں کہ اس کی بیٹی کے ایگزام ہونے والے ہیں۔ طلال اور حریمہ کا جانا مشکل ہے کیوں کہ حریمہ کی حالت ایسی ہے کہ وہ اکیلی نہیں رہ سکتی اس کی ڈلیوری کا مسئلہ ہے اور زہاد اکیلا نہیں رہ سکتا' اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے۔" عرفانہ بیگم نے اسے سمجھایا۔

"ارے یار میں ہوں نا...... کیوں پریشان ہوتی ہو۔" زہاد نے اسے تسلی دی تو وہ زہاد کو دیکھنے لگی۔

"اس دشمن جان کے ساتھ چوبیس گھنٹے کیسے رہ پاؤں گی یہاں تو کم از کم دن بھر اِدھر اُدھر گھومتی رہتی سب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا' گھومنا سب کچھ ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ رہنا جس کی آنکھوں میں راعیہ کے لیے حقارت ہوتی' جس کے دل میں راعیہ کے لیے کبھی بھی کوئی نرم جذبہ نہ ابھرا ہمیشہ تلخ اور زہر میں بجھے لفظ ہوتے۔ یا اللہ! یہ کیسا امتحان ہے؟" کپڑے پیک کرتے ہوئے وہ رو رہی تھی۔

"رونا کس بات کا ہے...... میری میت پر جا رہی ہو کیا؟" وہ سر پر کھڑا تھا۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ بے ساختہ بولی' زہاد کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"دل میں تو "آمین" کہا ہوگا' ہے ناں۔" وہ بالمقابل بیٹھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"پلیز زہاد!" اس نے بے دردی سے اپنے ہونٹ کچلے۔

"ویسے سچ سچ بتانا' دل تو چاہتا ہوگا نا کہ کب میں مروں اور کب تمہاری جان چھوٹے' ہے ناں......" وہ صبر آزمائے جا رہا تھا۔

"خدا کے لیے زہاد! مت آزمائیں میرا صبر۔" وہ ہلکے سے چیخی اور روتی ہوئی واش روم کی طرف بھاگی' پیچھے زہاد کا قہقہہ ابھرا۔

دیر تلک منہ دھوتے ہوئے ڈھیر سارے آنسو بھی بہا ڈالے' طنز کا' تکلیف اور دکھ دینے کا کوئی لمحہ وہ ضائع نہیں کرتا تھا۔ نت نئے طریقوں سے کچوکے لگاتا' اس کی روح کو چھلنی کیے جاتا اور ساتھ ساتھ زخموں پر نمک پاشی بھی کرتا رہتا۔

❀.....❀.....❀

آخر کار وہ اور زہاد لاہور آ گئے' اچھا بھلا بڑا سا گھر تھا احسان صاحب کے گھر کام کرنے والے ملازم نے ضرورت کی ہر چیز لا کر رکھ دی تھی۔ صفائی بھی ہو چکی تھی' ہلکا پھلکا سا سامان سیٹ کر کے راعیہ نے ہاتھ لیا تھا۔ زہاد بھی باتھ لے کر آیا تو راعیہ چائے بنا لائی' احسان صاحب کے ملازم نے کچن میں بھی ضرورت کا سامان رکھ دیا تھا مغرب کی نماز پڑھ کر وہ کچن میں آئی فریج سے چکن نکالی' زہاد کو چکن کڑاہی پسند تھی اس نے کھانے میں چکن کڑاہی پکالی زہاد گھر سے باہر گیا ہوا تھا۔

کھانا تیار کر کے وہ لاؤنج میں آ گئی اور ٹی وی آن کر لیا' اِدھر اُدھر کے پروگرام دیکھتی رہی' نو بجے زہاد آ گیا۔ وہ لاؤنج سے اٹھ کر کچن میں آئی تا کہ کھانا گرم کر سکے' عام سے کاٹن کے بلو اور گرین سوٹ میں لمبے بالوں کو کیچر میں جکڑے وہ کام میں مصروف تھی' زہاد اسے دیکھ رہا تھا۔ کھانا ٹیبل پر لگا کر زہاد کو آواز دی تو زہاد ہاتھ دھو کر ٹیبل پر آ بیٹھا' چکن کڑاہی' روٹیاں' سلاد' وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا جھوٹے منہ اسے بلایا تک نہیں۔ عجیب ال منیرڈ ہے وہ دل میں سوچنے لگی' ڈٹ کر وہ کھاتا رہا کھانا کھا کر ٹی وی دیکھنے بیٹھ گیا' وہ خاموشی سے برتن سمیٹنے لگی۔

کچن صاف کر کے راعیہ کمرے میں آ گئی' بہت اداس تھی وہ یہاں اس کے ساتھ رہنا کسی عذاب سے کم نہ تھا مگر گزارا تو کرنا ہی تھا۔ اسے خود کو ان حالات میں ایڈجسٹ تو کرنا تھا کہ نہ جانے کتنے دن اسے یہاں رہنا تھا۔

دن سست رفتاری سے بے کیف انداز میں گزر رہے تھے تقریباً روزانہ گھر سے فون آ جاتا سب لوگوں سے تفصیلی بات ہوتی۔ زہاد صبح گیا آفس سے شام کو لوٹتا' وہی سرد مہری' بے گانگی اور بے اعتنائی ہنوز برقرار تھی' راعیہ اب ان باتوں پر دھیان نہ دیتی۔ چپ چاپ اس کی جلی کٹی سنتی رہتی اور اپنے کام میں مصروف رہتی۔

موسم بہت حسین ہو رہا تھا' صبح سے ہلکی ہلکی بارش نے موسم کی خوب صورتی میں اضافہ کر دیا تھا۔ ایسے موسم کی تو وہ بچپن سے دیوانی تھی' دل چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بارش کی برستی بوندوں میں نہاتی رہے اور اس وقت اسے آس پاس کا کوئی احساس بھی نہ رہے۔ اس وقت بھی یہی

کیفیت سے دوچار تھی‘ موسم کے حسن کو اپنے اندر اتار لینا چاہتی تھی‘ ساری رنگینیاں اپنے اندر سمو لینا چاہتی تھی۔ ایسے ہی موسم پر شاعروں نے کتنی حسین نظمیں کہی ہیں۔ ساون تو ملن کا تو کہیں جدائی کا نام ہے‘ کہیں ساون کی برستی بوندیں جسم و جاں میں آگ لگا دیتی ہیں تب ہی دل کرتا ہے کہ جانے والا لوٹ کر آ جائے۔

"زہاد کاش...... کاش تم بھی جاؤ۔ تمام تلخیاں بھول کر تمام رنجشیں مٹا کر۔" دل سے آہ نکلی۔

"کاش تم لوٹ آؤ۔"

سنا ہے......!

بارش برسی ہے‘ بہاریں لوٹ آئی ہیں

بہت رنگین موسم ہے‘ بہاریں لوٹ آئی ہیں

برستے بادلوں نے پھر سے‘ بہت سے تذکرے چھیڑے

تمہاری یاد کے منظر‘ میری آنکھوں میں پھر ٹھہرے

کہ

دھند میں لپٹے سرمئی بادل بھی لوٹ آئے

ہوا کا شور اور جھومتے منظر بھی لوٹ آئے

گرجتے بادل آ کر مجھے پھر سے سناتے ہیں

تمہارے ساتھ جو گزرے وہ منظر یاد آتے ہیں

میں کیسے مان لوں جاناں......

بہاریں لوٹ آئی ہیں

کہ جب تم لوٹ آؤ گے

تو یہ موسم بھی بدلے گا

بہاریں لوٹ آئیں گی

یہاں منظر بھی بدلے گا

سنو......

تم لوٹ آؤ ناں......!

دل بے حد اداس ہو رہا تھا‘ دوپہر کے بعد موسم نے مزید پلٹا کھایا اور تیز بارش شروع ہوگئی۔ راعیہ نے کمرے کی کھڑکی سے لان کا نظارہ کیا‘ کتنا حسین منظر تھا‘ سارے پودے بارش میں نہا کر مزید نکھر گئے تھے۔ گیٹ کے آس پاس لگی چنبیلی کی اونچی اونچی بیلیں اپنی بہار دکھا رہی تھی۔ اتنا حسین موسم تھا اور وہ...... وہ کتنی تنہا اور اداس تھی۔ اس موسم میں اگر...... اگر زہاد کا محبت بھرا ساتھ ہوتا تو وہ بے ساختہ لان میں چلی آئی‘ بارش میں بھیگتے رہنے سے جیسے وہ خود سے بیگانی ہوتی چلی گئی۔

نہ جانے کتنی دیر تک وہ بھیگتی رہی اور جب تھک گئی تو برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی‘ ستون سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے آس پاس کے ماحول سے خود کو نہ نکال پائی‘ پانی کا شور اور مٹی کی سوندھی خوشبو اپنے اندر اتار لینا چاہتی تھی۔ فیروزی اور بلیک کاٹن میں جارجٹ کا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ بے خبر بیٹھی تھی‘ لمبے کھلے بالوں سے ٹپکتا قطرہ قطرہ پانی اس کی گود میں گر رہا تھا۔ زہاد گیٹ کا لاک کھول کر اندر آیا تو خود سے بے خبر آنکھیں موندے راعیہ کو دیکھتا رہ گیا‘ دھلا دھلا نکھرا چہرہ‘ معصوم سوگوار حسن اور بالوں سے ٹپکتا پانی زہاد کو بے قابو کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ آہستگی سے راعیہ کے قریب آ گیا‘ دل ناداں کوئی گستاخی کرنے کو مچلنے لگا‘ اس سے پہلے کے وہ جذبات میں آ کر کچھ کر بیٹھتا‘ آہٹ پر راعیہ نے آنکھیں کھولیں‘ زہاد کو اس قدر قریب دیکھ کر گھبرا کر جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

زہاد نے بھی جلدی سے خود کو سنبھال لیا‘ راعیہ بنا کچھ کہے اندر کی طرف بھاگ گئی اور زہاد اس کے ملکوتی حسن کو دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ زہاد کے لیے چائے لے کر لاؤنج میں آئی‘ وہ باتھ لے کر کپڑے چینج کر چکی تھی۔ ریڈ اور فان کلر کے سوٹ میں سلجھے ہوئے بالوں میں وہ اب بھی بلا کی حسین لگ رہی تھی‘ زہاد کو چائے تھما کر وہ کمرے میں آ گئی۔ وہ فوراً اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"سنو! یہ حرکتیں کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟"

اچانک بے تکے سوال پر وہ حیران رہ گئی۔

"کیوں میں نے کیا کیا؟" معصومیت سے الٹا سوال کر ڈالا۔

"بارش میں بھیگ کر یوں خود کو شو آف کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟ بہت حسین ہو‘ مجھے امپریس کرنا چاہتی ہو ان حرکتوں سے؟ مگر یاد رکھو میں تمہاری ان فتنے بازیوں

میں نہیں آنے والا۔'' کس قدر چھوٹی اور عامیانہ بات کر رہا تھا' ایک پڑھا لکھا اور سمجھ دار انسان تو کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تڑپ اٹھی۔

''پلیز زہاد اب بس بھی کردیں۔'' وہ چیخی۔ ''اپنے ہاتھوں سے جلا ڈالو مجھے' تیزاب پھینک دو میرے چہرے پر بگاڑ دو میری شکل' ہاتھ پیر توڑ کر مجھے اپاہج بنا ڈالو۔ میں کیا کروں؟'' وہ بُری طرح رو دی اور زہاد بک بک کرتا ہوا کمرے سے جا چکا تھا۔

بیڈ پر گر کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یااللہ میرے نصیب میں کب تک جلنا ہے؟ ہجر کے عذاب کب تک سہنے ہیں؟ یوں پل پل قطرہ قطرہ زہر کب تک اتارتی ہوں اپنے اندر؟ میں نے تو دل کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ خلوصِ دل کے ساتھ اس بے رحم کا ساتھ مانگا تھا' اسے دعاؤں میں مانگا تھا اور وہی شخص مجھے مل تو گیا مگر...... میرا نہ بن سکا جو لفظوں کے نشتر سے مجھے روزانہ گھائل کرتا ہے' سوچ سوچ کر نئے زخم دیتا ہے' نئے کچوکے لگاتا ہے میں کیا کروں میرے ربّ مجھے حوصلہ دے وہ رب کے سامنے گڑگڑاتی رہی۔

❀......❀......❀

دن اسی طرح بے کیف' بے رنگ اور اداسی کے ساتھ گزرتے جارہے تھے حریمہ ایک پیارے سے بچے کی ماں بن گئی تھی۔ راعیہ نے فون پر اسے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ مبارک باد دی تھی لیکن دل ویسے ہی اداس ہوگیا تھا۔ وہ کال بند کر کے پلٹی تو سامنے وہ دشمنِ جاں کھڑا تھا۔

''کیا ہوا...... منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟ خوشی نہیں ہوئی میرے بھائی کے گھر بیٹا ہوا ہے؟'' طنز کا تیر پھینکا۔ ''اوہ اب میں سمجھا۔'' معنی خیز انداز میں کہہ کر اس کے قریب آ گیا۔ ''کیا سوچیں پال رہی ہو؟'' زوردار قہقہہ لگا کر اس کی دکھتی رگ پر وار کیا۔ کیسا جادوگر ہے سب کچھ جانتا ہے سمجھتا۔

''ہاہاہا......'' وہ قہقہہ لگانے لگا۔

''زہاد! خدا آپ کو سمجھے بہت بُرے ہیں آپ۔ جتنے بھی تیر ہیں ترکش میں سارے ایک ساتھ ہی کیوں نہیں چلا دیتے' قطرہ قطرہ کیوں مار رہے ہیں آپ؟'' بے بسی سے احتجاج کیا۔

''واہ جی واہ' ایسے کیسے تمہیں ایک ساتھ ہی چھٹکارا دے دوں؟'' اس کا لہجہ ایک دم سفاک ہوگیا۔ ''میری خالہ تو بائیس سال سے قطرہ قطرہ مر رہی ہیں اور تم...... تم کچھ ماہ میں بے زار ہوگئیں۔ نہ جی نہ...... تم کو بھی پل پل مرنا ہوگا' ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہوگا۔ تم کو بھی ویسے ہی لمحہ لمحہ تڑپنا ہوگا۔'' اس کی آنکھوں میں وحشت تھی' راعیہ کانپ گئی۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل ڈریسنگ پر پھینک کر وہ تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا۔

❀......❀......❀

دن گزرتے جارہے تھے' بے لذت' بے کیف اور اداسی کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک پل اور آنے والا ہر ہر پل اس کے لیے زہاد سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا جارہا تھا' برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ چوبیس اپریل ان کی شادی کی تاریخ تھی' تئیس اپریل کی صبح راعیہ کی طبیعت بہت مضمحل تھی۔ ایک سال ہوگیا تھا اور اس ایک سال میں ایک بار بھی زہاد نے اسے محبت بھری نظر سے نہ دیکھا تھا۔ ایک جملہ بھی نارمل انداز میں نہیں کہا تھا' سارا سال کتنے کرب و عذاب سے گزرا تھا اور ستم تو یہ تھا یہ سب کچھ اسے اکیلے برداشت کرنا تھا' اپنا دکھ کسی سے بیان بھی نہیں کرسکتی تھی۔ زخم تھے مگر مرہم لگانے والا کوئی نہ تھا' روح گھائل کی جارہی تھی مگر کوئی دل جوئی کرنے والا نہ تھا' بہت بے چینی اور بے کیفی میں سارا دن گزرا تھا۔

اب ہمتیں جواب دینے لگی تھیں۔ دادو اور سب لوگ بہت یاد آرہے تھے' سارا دن وہ روتی رہی۔ شام کو وہ آفس سے لوٹا تو راعیہ کسی حد تک خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہوگئی تھی' حسبِ معمول رات تک گھر کے کام نپٹاتی رہی۔ رات کو سونے کے لیے آئی تو بارہ بجنے والے تھے' اس کی نگاہ گھڑی کے مرکز پر ٹھہر گئی' چوبیس اپریل چند منٹ بعد دن بدلنے والا تھا اس کی بربادی کا دن...... ٹھنڈی سانس

لے کر بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔ وہ کتنا بے خبر اور مطمئن تھا' تب ہی گھڑی نے بارہ بجائے اور موبائل بھی بج اٹھا' ربیعہ کی کال آئی تھی۔

"ہیپی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے..... بیوٹی فل کپل۔" اسپیکر آن کر کے ذہاد نے کال ریسیو کی تھی۔

"تھینک یو سو مچ بھابی!" اس کے لہجے میں حد درجہ مٹھاس گھلی ہوئی تھی۔

"بھابی یار! ابھی تو ہم اپنی بیگم کو وش کرنے لگے تھے کہ آپ نے ہمیں ڈسٹرب کردیا۔" بھرپور قہقہہ کے ساتھ ترچھی نظر راعیہ پر ڈالی۔ راعیہ نے بے تحاشا مچلنے والے آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کی' اب حریم آ گئی تھی۔

"ذہاد بھیا! اب مجھے بھی جلدی سے چاچی بنائیے ناں!" اس کی شوخ آواز ابھری۔

"دعا کرو یار کوششیں تو جاری ہیں۔" وہ تو چوٹ لگانے میں ماہر تھا۔

"اوکے بھئی اب ہماری بیگم سے بات کرو۔" اس نے موبائل راعیہ کو تھمادیا' نہ جانے وہ لوگ کیا کیا کہتے رہے اور راعیہ آنسوؤں کو قابو کرتے ہوئے ہوں ہاں کرتی رہی۔

"ذہاد....." کال بند کر کے وہ ذہاد کی طرف پلٹی۔

"آخر کب تک..... کب تک مجھے اذیت دیتے رہیں گے۔ میں..... میں کب تک برداشت کروں؟ نہیں کرسکتی اور برداشت میں..... ایک سال سے ہر دن اور ہر رات' ایک ایک پل میں نے عذاب میں گزارا ہے۔ روئی ہوں' تڑپی ہوں۔ مسلسل چوٹ سے تو پتھر بھی ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے میں تو انسان ہوں' کمزور اور بے بس۔" وہ اس کے آگے بے بسی سے شکوہ کناں تھی مگر ذہاد تو اطمینان سے اخبار پڑھنے میں مشغول تھا جیسے وہ پاگل ہے' بکواس کررہی ہے اور اس کی بات کا اس کے احتجاج کا ذہاد پر کوئی اثر نہیں ہورہا تھا پھر وہ اٹھا اور گنگناتا ہوا واش روم میں چلا گیا' راعیہ اپنے آنسو صاف کر کے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں سوئی' صبح اٹھا تو ذہاد بالکل فریش اور مطمئن تھا' ساری رات جاگنے اور مسلسل رونے کی وجہ سے راعیہ کی آنکھیں بوجھل اور متورم ہورہی تھیں۔ روئی روئی آنکھوں پر پلکوں کی بھاری چلمن اس کے سوگوار حسن کو مزید حسین بنارہی تھیں' ناشتے سے فارغ ہوکر ذہاد آفس چلا گیا۔ دن بھر کسی نہ کسی کی کال آتی رہی دوپہر کو وہ بہت اداس ہوئی تو شادی کی سی ڈی دیکھنے بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت کتنی خوش اور مطمئن تھی' دادو' پاپا' تایا جی' تائی امی' طلال' حریمہ اور ربیعہ سب کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ سی ڈی بند کر کے لان میں آ گئی تب ہی تابندہ خالہ کی کال آ گئی۔

"بہت بہت مبارک ہو چندا! دیکھو ایک سال ہوگیا' اللہ تعالیٰ تمہیں بہت ساری خوشیاں دے آمین۔ کہاں ہے وہ شریر؟" تابندہ نے کھنکتے ہوئے لہجے میں مبارک باد دے کر ذہاد کا پوچھا۔

"جی وہ آفس میں ہیں۔" راعیہ آہستگی سے بولی۔

"کیا آفس میں' آج بھی آفس..... پاگل ہوگیا ہے کیا وہ؟ ایک تو تم اکیلی اور آج کے دن بھی وہ بے وقوف آفس گیا ہے۔" تابندہ نے قدرے غصے سے کہا۔ "چلو میں اس کے سیل پر بات کرتی ہوں۔" انہوں نے کال بند کردی۔ تابندہ کا پیار بھرا خفگی لیے ہوئے لہجہ' محبت اپنائیت بات میں ٹھہراؤ اور اطمینان' کیا یہ عورت دہری زندگی گزار رہی ہے؟ کیا یہ اپنی زندگی سے مطمئن نہیں؟ کیا وہ اپنی زندگی ایک سمجھوتے کی مانند گزار رہی ہیں؟ وہ بھی اذیت میں ہیں' بے شمار سوالات راعیہ کے ذہن میں آرہے تھے جس کا جواب اسے نہیں مل سکا۔

"ہیلو خالہ! کیسی ہیں آپ؟" ذہاد نے تابندہ کی کال ریسیو کی۔

"اے ون' فٹ اینڈ فائن۔" تابندہ نے جواب دیا۔

"بہت مبارک ہو شادی کی سالگرہ۔" تابندہ نے کہا۔ "اور تمہارا دماغ خراب ہے کیا جو آج کے دن بھی تم بچی کو اکیلا چھوڑ کر آفس میں دماغ کھپا رہے ہو۔ ایک تو وہ پہلے ہی گھر سے دور ہے' آج کا دن اس کے ساتھ گزارنا تھا ناں پاگل۔ دل کررہا ہے کان پکڑوا کر تمہیں اٹھک بیٹھک

کرواؤں۔"

"ہاں تو خالہ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ وہ تنہا رہے۔" زہاد نے کہا۔

"مطلب...... کیا چاہتے ہو تم؟" تابندہ اس کی بات سمجھ نہ پائیں۔

"خالہ! میں نے آپ کا بدلہ وصی چاچو کی لاڈلی بیٹی سے لینے کا جو فیصلہ کیا تھا یہ سب کچھ اس سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے۔ وہ میری بیوی تو ہے مگر میرے پیار کو میرے ساتھ کو ترستی ہے۔ خالہ میں نہیں بھول سکتا وہ بھیانک رات...... دادا جی کی موت' آپ کو رد کیا جانا' آپ کی سسکیاں' وصی چاچو کے کمرے میں جا کر ان کی تصویر سے باتیں کرنا اور آج جب راعیہ روتی ہے' سسکتی' تڑپتی ہے تو مجھے بہت سکون ملتا ہے۔ بہت تسلی ہوتی ہے' اسے روتا بلکتا دیکھ کر اسے تڑپا کر۔" اس کے لہجے میں راعیہ کے لیے بلا کی نفرت تھی۔

"کیا...... کیا بکواس ہے یہ...... کیا بکے جا رہے ہو تم؟ کیا کر رہے ہو اس معصوم کے ساتھ؟" تابندہ آپے سے باہر ہو گئیں۔

"خالہ جس شخص نے آپ کو ٹھکرایا میں نے اس کی بیٹی کو پل پل ٹھکرایا۔"

"اُف خدایا...... یہ تم کیا بول رہے ہو؟ افسوس ہے مجھے تمہاری ذہنیت پر' تمہاری چھوٹی سوچ پر' اس جاہلانہ حرکت پر...... میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اس قدر گر سکتے ہو' اتنی چھوٹی اور نیچ حرکت کر سکتے ہو تم کہ پچھلے ایک سال سے تم بے گناہ بچی کو اس کے ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہو۔ اُف خدایا میرا دل کر رہا ہے کہ تمہارا گلا گھونٹ دوں یا خود کو ختم کر ڈالوں کہ تم میری وجہ سے یہ سب کر رہے ہو؟ کیا میں نے کبھی تم سے اپنی دہری زندگی کا ذکر کیا ہے' کبھی کسی موقع پر تمہیں یہ لگا کہ میں ناخوش ہوں۔ میں اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہوں' میں نے کب تمہارے سامنے اپنے نصیبوں کا گلہ کیا؟ کبھی تمہارے سامنے روئی' تڑپی' کبھی یہ ظاہر کیا کہ میں خوش نہیں ہوں؟" تابندہ باقاعدہ رونے لگی تھیں۔ "احسن سے میرے تعلقات بہت اچھے ہیں' ہمارا کپل بہت خوش اور مطمئن زندگی گزار رہا ہے اور ایک بات یاد رکھو احسن وصی کے دوست تھے اور وصی کے کہنے پر انہوں نے مجھے اپنایا تھا۔ میری اتنی تعریفیں کیں کہ وہ بنا دیکھے مجھ سے شادی کرنے کو تیار ہو گئے اور ساری زندگی مجھے شہزادیوں کی طرح رکھا۔ مثالی محبت دی مجھے' میں تو اس بات کو کب کی بھول چکی ہوں' یہ تو سب نصیبوں کی بات ہے جس کے ساتھ نصیب جڑا ہو وہیں ہوتا ہے۔ اتنی کراہیت اور شرمندگی ہو رہی ہے' مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو رہی ہے کہ تم نے میری وجہ سے ایک بیکار بات کو ایشو بنا کر کتنی گھٹیا حرکت کی ہے۔ لعنت ہے زہاد تم پر اور تمہاری گری ہوئی سوچ پر۔ میں تم کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گی۔" تابندہ کی آواز لرزنے لگی تھی اور دوسری جانب زہاد کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔

اس نے اپنا سر تھام لیا' وہ کیا کر بیٹھا تھا۔ "سوری خالہ! مجھے معاف کر دیں' میں غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔" زہاد روہانسا ہو گیا تھا۔

"معافی...... مجھ سے معافی مانگ رہے ہو ارے معافی تو مانگو اس معصوم اور بے گناہ بچی سے جو صبر اور خاموشی سے تمہاری زیادتیوں کو برداشت کرتی رہی ہے۔" تابندہ کا غصہ ہنوز برقرار تھا۔

"خالہ پلیز آپ مان جائیں میں...... میں منا لوں گا اسے بھی۔" وہ ملتجی تھا۔

"اگر تمہیں راعیہ معاف کرے گی تو آئندہ مجھ سے بات کرنا ورنہ نہیں۔" تابندہ نے حتمی انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔

"اوہ خدایا! یہ میں نے کیا کر دیا۔ بنا سوچے سمجھے جذبات کی رو میں بہتا چلا گیا اور ایک بات کو جواز بنا کر......" اس کی نگاہوں میں راعیہ کا معصوم اور سوگوار چہرہ آ گیا۔ دفعتاً اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر کی جانب چل دیا۔

"سنو! احسان صاحب کی بیوی نے ہمیں آج ڈنر پر

بلوایا ہے میرے آنے تک تم تیار رہنا۔" نکلنے سے پہلے اس نے راعیہ کو کال کی تھی۔ "ذرا اچھی طرح تیار ہونا' آفس کے کچھ لوگ بھی ہوں گے۔" اس کی ہدایت تھی۔

راعیہ کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کی اور کافی دیر بعد گھر پہنچا اس نے ڈھیر سارے موتیا اور گلاب کے گجرے بھی لے لیے تھے۔

راعیہ وقت سے پہلے تیار ہوگئی تھی بلو اور گرین کنٹراسٹ کی ہلکے کام کی ساڑھی پہن کر وہ تیار ہوگئی' ہلکا سا میچنگ نگینوں والا سیٹ پہنے لمبے بالوں کو شانوں پر ایسے ہی بکھیرے ہاتھوں میں میچنگ چوڑیاں پہنے سلیقے سے کیے گئے ہلکے سے میک اپ میں تیار ہو کر وہ کرسی پر بیٹھی تو ہلکا سا نیند کا غلبہ آ گیا۔ ذہاد اندر آیا اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا' وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔ وہ ذہاد کے دل میں اترتی چلی گئی' پہلی بار ذہاد اسے اتنے قریب سے اور ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ذہاد یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

دل مچل رہا تھا اسے بانہوں میں بھرنے کے لیے جو اس کی بیوی تھی' ہاتھوں میں پکڑی ڈھیر ساری موتیا کی کلیاں اس کی طرف اچھال دیں اور خود بھی قریب چلا آیا' کلیوں کی مہک اور اس کے ساتھ ذہاد کے پرفیوم کی مخصوص مہک کے ساتھ اس نے آنکھ کھولی۔

ذہاد اتنا قریب تھا کہ اس کے سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کر کے وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی' ذہاد نے اس کو کاندھے سے پکڑ کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔ ذہاد کو اتنا قریب پا کر وہ حیران تھی ذہاد کی آنکھوں میں آج کچھ نیا پن تھا' کوئی خوب صورت جذبہ' شرمندگی اور ندامت بھی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ذہاد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہنے سے روک دیا۔

"راعیہ پلیز...... میں اس قابل تو نہیں ہوں مگر مجھے پتا ہے تم بہت پیاری لڑکی ہو' تمہارا دل بہت پیارا ہے اور تم...... ضرور اپنے اس گناہ گار کو معاف کردوں گی' آئی ایم ویری سوری میری جان! مجھے معاف کردو پلیز...... اگر تم تڑپی ہو تو یقین کرو کہ میں بھی بہت تڑپا ہوں تمہارے لیے مگر...... نہ جانے کیسی ضد تھی؟ کیسا فضول خیال تھا میرا...... کیسی چھوٹی اور گندی سوچ تھی کہ میں نے تمہارے ساتھ اتنا کچھ کیا' اتنا ظلم اتنی زیادتی لیکن تم...... تم بہت عظیم ہو۔ بہت اچھی ہو راعیہ' شکر ہے آج...... آج کے اس یادگار اور خوب صورت دن مجھے عقل آ گئی' تابندہ خالہ نے مجھے بہت ڈانٹا اور مجھے اپنی غلطی کا احساس دلایا۔ میں واقعی بہت بُرا ہوں بہت بُرا...... معافی کے قابل بھی نہیں مگر پھر بھی مجھے تم سے امید ہے کہ تم مجھے معاف کردو گی۔ میں تمہارے سامنے ہوں' اپنی زیادتیوں اور کوتاہیوں کے ساتھ' تم مجھے کوئی سزا دو مجھے قبول ہوگی۔ کیا...... کیا تم اپنے گناہ گار کو معاف کردو گی؟" وہ اس کے سامنے نیچے فرش پر بیٹھا ہاتھ جوڑے معافی مانگ رہا تھا۔

راعیہ حیرت اور غیر یقینی انداز میں اسے دیکھے جا رہی تھی' کہیں...... کہیں یہ خواب تو نہیں۔ وہ پلکیں جھپکا کر محسوس کر رہی تھی۔

"بولو ناں جان......" وہ سراپا سوال تھا۔ "میں ذہاد کی شاہ تمہارے سامنے ہوں' فیصلہ سنا دو۔" وہ بدستور ہاتھ جوڑے ہوئے تھا' راعیہ کو بے تحاشہ رونا آ گیا' اتنی بڑی خوشی اس کے لیے غیر یقینی تھی۔

"نہ...... نہ...... میری جان! آج کے بعد ان آنکھوں میں کبھی بھی آنسو نہیں آنے دوں گا۔" ذہاد نے اٹھ کر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا اور ہونٹ راعیہ کی گیلی پلکوں پر رکھ دیے۔

"بس اب مسکراؤ...... ہم باہر چل کر گھومیں گے' ڈنر کریں گے' ڈھیر ساری پکس لیں گے اور...... اور......؟"

"اور کیا......؟" راعیہ نے اپنی خوب صورت آنکھیں پھیلائیں۔ "اور ہمیں پھر ربیعہ بھابی اور حریمہ کی فرمائش بھی تو پوری کرنی ہے۔" وہ شوخی سے بولا تو راعیہ بلش ہوگئی۔

یہ بارشوں کا اداس موسم
ہمارے گلشن میں آ گیا ہے
کہ جیسے سیلاب لے کے کوئی
ہمارے آنگن میں آ گیا ہے

اسے کہنا دسمبر آ گیا ہے
دسمبر کے گزرتے ہی
برس اک اور ماضی کی گھپ میں ڈوب جائے گا
اسے کہنا دسمبر لوٹ آئے گا
مگر جو خون سو جائے گا
جسموں میں نہ جاگے گا
اسے کہنا ہوائیں سرد ہیں اور زندگی

کہرے کی دیواروں میں لرزاں ہے
اسے کہنا
شگوفے ٹہنیوں میں سو رہے ہیں
اور ان پر برف کی چادر بچھی ہے
اسے کہنا
اگر سورج نہ نکلے گا
تو کیسے برف پگھلے گی

اسے کہنا کے لوٹ آئے
اسے کہنا دسمبر آگیا ہے......

وہ اوائل دسمبر کی بے حد خنک اور پراسرار سی ایک رات تھی ہر چیز کہر میں ڈوبی جامد اور ساکن تھی بالکل اسی کی طرح۔ سرد ہوا کے جھونکے ذرا سی دیر کو خواب ناک سناٹے میں اپنا طلسم برپا کرتے اور اس کی یادوں کے تسلسل کو روک دیتے' وہ اپنے کمرے سے ملحقہ بالکونی میں کھڑی اردگرد سے بے نیاز گہری سوچ میں گم تھی۔ ایک وقت تھا کہ یہ دسمبر اور سردیاں وہ خاصے جوش وخروش سے انجوائے کرتی تھی' سرد موسم میں جذبات کی گرمی اور جوش وولولہ اس کی زندگی میں رونق بکھیرے رکھتا تھا اور امید کی اک کرن اس کی عزیز از جان ہمنوا' راز داں' دھوپ چھاؤں جیسی دوست کرن تھی جو ہمہ وقت اس کا سایہ بنی رہتی مگر گزشتہ دو برس سے اس کی زندگی ساکن تھی' ایک جامد خاموشی تھی جو اس کے لبوں پر ہمہ وقت تنی رہتی گو کہ زندگی میں کوئی کمی نہیں تھی' عیش وآرام غرض ہر چیز اسے میسر تھی۔ ایک عورت کی زندگی فقط اس کے شوہر اور اس کی ذات سے ملحقہ رشتوں کے گرد ہی گھومتی ہے اور اس کی زندگی میں بھی بے حد چاہنے والا امن پسند ہم سفر فلک شیر شامل تھا جو اس کی رگوں میں خون بن کے دوڑتا تھا مگر پھر بھی نجانے کیوں ایک خلش سی تھی جو اسے جینے نہ دیتی تھی۔

''تم اتنی سردی میں یہاں کیوں کھڑی ہو' ٹھنڈ لگ جائے گی اور اس وقت تک جاگ کیوں رہی ہو؟ میں نے سوچا تھا تم سوگئی ہوگی۔'' اسی وقت فلک شیر کمرے میں داخل ہوا تھا اپنا بریف کیس صوفے پر رکھتا وہ اس کے پاس چلا آیا' اس کا انداز آج بھی محبتیں لیے ہوئے تھا وہ ایک بہت ہی کامیاب بزنس مین تھا ہر پل فرصتوں میں گھرا مگر اپنی عزیز از جان بیوی کے لیے اس کے پاس ہمیشہ وقت ہی وقت ہوتا تھا اس کی ذرا سی تکلیف پر دوڑا چلا آتا اس کے پیار کی کوئی حد نہ تھی۔

''بس ایسے ہی آپ کا انتظار کررہی تھی' آپ فریش ہوجائیں میں کھانا لگادیتی ہوں۔'' فی الوقت اسے یہی بہانہ سوجھا۔ فلک شیر نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور اس کا ہاتھ چوم لیا' اتنی محبتوں وچاہتوں کے باوجود بھی مہرماہ کی آنکھوں کی اداسی کم نہ ہو پائی تھی' وہ یکسر انجان بنتا ہوا واش روم میں گھس گیا اور وہ کچھ سوچتی ہوئی کچن کی جانب آگئی۔ گھر میں نوکروں کی کوئی کمی نہ تھی مگر فلک شیر کا ہر کام وہ ہمیشہ خود ہی کیا کرتی تھی کہ فلک شیر کو بھی یہی پسند تھا اور اس کی پسند کے لیے وہ کچھ بھی کرسکتی تھی۔

❀......❀......❀
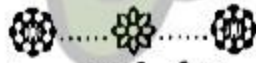
''اری او مہرو! اتنی صبح صبح کہاں چل دی؟'' اپنے سیاہ لمبے آبشار جیسے بالوں کو کیچر میں مقید کرتی' گرے اونی شال اپنے گرد لپیٹتی وہ جانے کے لیے بالکل تیار تھی جب ہی نانی جان کی پاٹ دار آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

''اُف نانو کو بھی ابھی اٹھنا تھا' اب کیا کروں؟'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی وہ نانی کی طرف مڑی جو آنکھوں میں سخت خفگی لیے اسے ہی گھور رہی تھیں۔ اسے خطرے کی تلوار اپنے سر پر لٹکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''نانو وہ میں کرن کی طرف جارہی تھی کچھ کام تھا۔'' اس نے بمشکل ڈرڈر کے اپنا مدعا بیان کیا نتیجہ حسب توقع ہی تھا وہ ہمیشہ کی طرح سخت برہم ہوئی تھیں دراصل انہیں اپنی سیدھی سادی اور کچھ منچلی سی نواسی کا اپر کلاس سے تعلق رکھنے والی کرن سے دوستی رکھنا کچھ خاص پسند نہ تھا' یوں بھی وہ بے جا پابندیوں و سختی کی قائل تھیں۔

''کتنی دفعہ سمجھایا ہے تمہیں کہ گھر میں ٹک کے بیٹھا کرو مجھے یہ لڑکیوں کا منہ اٹھا کے باہر گھومنا پھرنا بالکل پسند نہیں مگر تم ہو کہ سنتی نہیں اگر اتنا ہی ضروری ہے کرن سے ملنا تو اسے یہاں گھر پر بلالیا ہوتا یوں صبح صبح اٹھ کے جانے کی کیا تک بنتی ہے۔ گھر کے کاموں کے لیے تو کبھی تم سے نہیں اٹھا جاتا اتنی جلدی' آنے دو تمہارے بابا کو اس بار کہہ دوں گی کہ سنبھالیں اپنی بیٹی کو۔'' نانی جان نے تاک کے نشانہ لگایا تھا وہ سٹپٹا کے رہ گئی۔

''ارے میری پیاری نانو! ابا کو کیوں زحمت دیں گی' بس آج جانے دیں میں پھر نہیں جاؤں گی بے وقت میری پیاری نانو نہیں ہیں۔'' وہ بھی اس کی نانی تھیں اسی کی طرح رحم دل' بے تحاشہ محبت کرنے والی فوراً اس کی باتوں میں آ گئیں۔

''اچھا جاؤ مگر سہہ پہر سے پہلے آ جانا مجھ اکیلی جان سے اتنا کام نہیں ہوتا۔'' اجازت کے ساتھ ہی وہ تاکید کرنا نہ بھولی تھیں' اجازت ملتے ہی وہ جھٹ چپل پاؤں میں اڑستی باہر نکل گئی۔

یہ نومبر کے اوائل دن تھے مری کا علاقہ کافی سرد تھا' ہوا میں کافی خنکی تھی' خنک ہوا کے ساتھ بادلوں کی اوٹ میں بار بار چھپتا سورج میٹھی میٹھی نرم گرم سی دھوپ بخش رہا تھا۔ سو کچھ دیر میٹھی سی دھوپ کا مزا لینے کو وہ گھر سے ملحقہ روڈ پر آ گئیں جہاں کرن پہلے سے موجود اس کا انتظار کر رہی تھی' ان کا ارادہ لمبی واک کرنے کا تھا کہ اس کے میسج پر ہی وہ اپنی پیاری سی نیند قربان کر کے وہاں آئی تھی۔ کرن کے انداز میں وہی ازلی محبت و گرم جوشی تھی' بھورے بال' نیلی آنکھیں' سنہری شفاف رنگت' پنکھڑی جیسے ہونٹ اس پر دھوپ کا سنہری تاثر ایک پل کو تو مہرماہ خود مبہوت رہ گئی تھی' وہ تھی ہی ایسی' مجسمہ حسن......

''اب دیکھتی ہی رہو گی یا کچھ بولو گی بھی۔'' کرن نے شرارت سے اس کی چوری پکڑی تھی۔

''کیا بولوں یار آج تو گئی تھی میں نانو کے ہاتھوں' تم بھی نہ ایسے اچانک پروگرام بنالیتی ہو اوپر سے نانی کی ڈانٹ۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے دلچسپی سے بتایا تو کرن کی ہنسی نکل گئی۔

''یار تمہاری نانی بہت کیئرنگ اور لونگ ہیں' تم تو بہت خوش قسمت ہو کہ تمہارے پاس کوئی ایسا رشتہ ہے جو تمہیں اتنا چاہتا ہے' کسی نازک آبگینہ کی طرح سینت سینت کے رکھتا ہے قدر کیا کرو۔'' اس کے لہجے میں حسرت دیا سیت تھی جسے مہرماہ محسوس نہ کرسکی وہ ایسی ہی تھی اپنے آپ میں مگن اس کے خیال میں اس کے مسئلے و پریشانیاں دنیا میں سب سے زیادہ تھیں۔

''کون سے رشتے یار نہ بہن بھائی نہ شرارتیں نہ کچھ اور بس ہر وقت نانی کی ڈانٹ پھٹکار تم کتنی لکی ہو کہ نہ روک ٹوک نہ ڈانٹ' تمہارے مما پاپا تمہیں کچھ نہیں کہتے اور تمہاری تو بہن بھی ہے۔'' اپنے آپ پر رشک کرنے کے بجائے اس نے کرن کی حالت و فیملی پر فخر کیا تو وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی جسے مہرماہ جیسی لاابالی لڑکی کے لیے سمجھنا آسان نہ تھا۔

''یہ بحث چھوڑو یہ بتاؤ تمہارے وہ کزن فلک شیر آئے کیا؟'' کرن نے فوراً بات بدلی تھی۔ فلک شیر کے ذکر پر ایک دل فریب سی مسکان اور الوہی چمک مہرماہ کی آنکھوں میں اتری تھی' کرن نے بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھا تھا' دراصل مہرماہ کی گفتگو کا مرکز ہمیشہ فلک شیر ہی ہوتا تھا وہ خود تو فلک شیر سے کبھی نہیں ملی تھی مگر مہرماہ سے اس کا ذکر سن کے وہ اس سے کسی حد تک مانوس ہو چکی تھی۔

''وہ کہاں آئیں گے بھئی' بڑے لوگوں کے

بڑے نخرے، خیر سے بزنس مین بن گئے ہیں نہ اب وہ، سو ہم جیسے غریبوں کے لیے ان کے پاس وقت کہاں۔"

"بُری بات مہرو! ایسے تو نہ کہو ہو سکتا ہے کوئی مصروفیت ہو۔" اس انداز میں اس کا طنز کرن کو بالکل اچھا نہ لگا تو ٹوک گئی۔

"رہنے دو بس اب وہ آئے گا تو بات ہی نہیں کروں گی۔" انداز خفگی ہنوز برقرار تھا، کرن نے مسکرا کے اس کا ہاتھ تھاما۔

"اچھا مت کرنا بات مگر مجھے تو ملوا دینا اس سے آخرتم نے وعدہ کیا تھا۔" مسکراتے ہوئے کرن نے یاددہانی کرائی تھی تو وہ ساری خفگی بھلائے ہنسنے لگی عجیب دھوپ چھاؤں جیسا مزاج ملا تھا اس کو۔

"ہاں کیوں نہیں مگر پہلے گھر چلو ورنہ نانی میری درگت بنانے میں لمحہ نہیں لگائیں گی۔" اس نے ہاتھ میں بندھی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تو دونوں اپنی اپنی منزل کی جانب چل پڑیں۔

❀......❀......❀

مہرماہ اسفند خاور اور بختاور اسفند کی اکلوتی بیٹی تھی، اب یہ قسمت کی ستم ظریفی ٹھہری تھی کہ بختاور مہرماہ کی پیدائش کے وقت داغ مفارقت دے گئیں اور مہرماہ اس بھری دنیا میں آتے ہی ماں کی شفقت، محبت ولمس سے محروم ہوگئی۔ اسفند خاور کی محبت بختاور کے لیے دیوانگی کی حد تک تھی سو یہ صدمہ برداشت کرنا ان کے لیے قطعی آسان نہ تھا وہ دن بہ دن تنہائی پسند ہوتے جارہے تھے۔ ننھی مہرماہ میں انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی ان کے لیے تو بس بختاور کا دکھ ہی کافی گہرا تھا اور ان کی یادوں کے سہارے ہی وہ اپنی ساری زندگی گزارنا چاہتے تھے یوں شبانہ بیگم (بختاور کی والدہ) ننھی مہرماہ کو اپنے پاس لے آئیں۔ عقل وشعور کی دنیا میں قدم رکھتے ہی جو پہلا رشتہ مہرماہ نے دیکھا تھا وہ نانی کا ہی تھا اسفند بھی اب وقت کے ساتھ ساتھ سنبھلنے لگے تھے کہ جو بزنس ان کی بے پروائی کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر جا پہنچا تھا اسے بھی سنبھالنا تھا وہ اسلام آباد میں ہی رہتے تھے جہاں انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی کے ڈھائی سال گزارے تھے کہ اس شہر میں انہیں بختاور کی یادیں سانس لیتی محسوس ہوتی تھیں کبھی کبھار وہ مہرماہ سے ملنے آجاتے تھے۔ شبانہ بیگم کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ اب مہرماہ کے وجود کو تسلیم کرنے لگے تھے اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگے تھے۔

دوسری محبت نانی کے بعد جو مہرماہ کے وجود نے محسوس کی تھی وہ فلک شیر کی تھی۔ فلک شیر مہرماہ کے ماموں بہزاد خان کی اکلوتی اولاد نرینہ تھی، اس کی قسمت بھی مہرماہ سے کچھ مختلف نہ تھی۔ بہزاد اپنی اہلیہ گل نین کے ہمراہ ادائیگی حج کی غرض سے روانہ ہوئے تھے ننھا فلک شیر اس وقت چھ برس کا تھا اور نانی کے پاس تھا مگر یہ اس کی بدنصیبی ٹھہری تھی کہ روانگی کے وقت بہزاد اور گل نین کا جہاز کریش ہوگیا اور وہ ملک عدم سدھار گئے۔

جوان بیٹی کی مدت کے بعد جوان بیٹے اور بہو کی موت کا صدمہ شبانہ بیگم کے لیے سہنا بالکل آسان نہ تھا لیکن ان دونوں بچوں کا ان کے سوا تھا ہی کون بھلا، سو دل پر پتھر رکھ کے انہوں نے بچوں کے لیے مسکرانا سیکھ لیا کہ بچوں کی تربیت اب انہوں نے ہی کرنی تھی، وقت گزرتا گیا اور دونوں کا بچپن نانی کی محبت اور اپنی شرارتوں میں گزر گیا۔ فلک شیر بڑا ہوا تو نانی نے اسے اسفند صاحب کے پاس مزید پڑھائی کے لیے اسلام آباد بھیج دیا جہاں وہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ ان کے بزنس میں بھی ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا اس بات سے

بے خبر کے اس کے بڑے اس کی ذات کے حوالے سے کچھ اور ہی طے کیے بیٹھے ہیں۔ تیسرا رشتہ محبت مہر ماہ نے لڑکپن میں قدم رکھ کے محسوس کیا تھا اس کی اور کرن کی دوستی حادثاتی طور پر ہوئی تھی جب مہر ماہ نے کالج میں داخلہ لیا تو وہ ایف اے آرٹس کی اسٹوڈنٹ تھی یوں تو اسے نانی نے ہمیشہ ہی سب سے لیے دیے انداز میں رہنے کی تاکید کی تھی لیکن اس روز اسے ایک اسائنمنٹ کے سلسلے میں اردو ادب کی ایک کتاب لائبریری سے لازمی ایشو کروانی تھی مگر وہ اپنا کارڈ عجلت میں گھر ہی بھول آئی تھی۔ ایک مبہوت کردینے والی ہستی نے پاس آ کے اس کی مشکل آسان کردی تھی اور اپنے کارڈ پر اسے وہ بک ایشو کروادی تھی اتفاقاً وہ لڑکی اس کی ہم جماعت بھی تھی۔ مہر ماہ کو جی بھر کے اپنی کم عقلی پر غصہ آیا کہ وہ اب تک اپنے کلاس کے لوگوں کو بھی ٹھیک طرح سے پہچان نہ پائی بس جب سے ہی مہر ماہ کی دوستی کرن سے ہوئی تھی۔ مہر ماہ کو اک رازداں مل گیا تھا۔ اس نوخیز عمر میں ویسے بھی لڑکیوں کو ایک دوست وغم گسار کی ضرورت ہوتی ہے اور الہڑ سی مہر ماہ کو بھی کرن کی صورت میں ایک ایسی دوست مل گئی تھی‘ دوسری طرف کرن کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔

❁……❁……❁
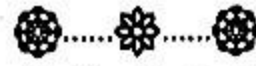
اب کے اسفند خاور فلک شیر کے ہمراہ لوٹے تو ان کی آمد کا مقصد نانو کو خوشیوں سے دوچار کر گیا تھا۔

”بھئی یہ تو تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے میں خود مہرو کی طرف سے کافی پریشان ہوں اتنی بڑی ہوگئی ہے مگر مجال ہے جو ذرا سی بھی عقل ہو اب شادی ہوگی تو شاید اس کی شرارتیں کچھ کم ہوجائیں۔“ نانی اماں ہمیشہ کی طرح اس کی شرارتوں سے پریشان تھیں اسفند صاحب مسکرا کے رہ گئے۔

”ارے اماں یہی تو دن ہیں اس کی شرارتیں کرنے کے‘ آپ خوامخواہ پریشان نہ ہوں ویسے بھی اسے شادی کر کے کون سا پرائے گھر جانا ہے‘ آپ کے اور میرے پاس ہی تو رہنا ہے اور پھر فلک شیر تو خود اس کی عادت واطوار سے بخوبی واقف ہے۔“

”وہ سب تو ٹھیک ہے اسفند میاں لیکن پھر بھی فلک شیر آخر کو لڑکا ہے‘ سمجھدار ہے تم نے پوچھ تو لیا تھا نہ اس سے مہر ماہ کے بارے میں؟“ نانی کو ایک اور فکر سوجھی تھی۔

”کیسی باتیں کررہی ہیں اماں آپ‘ بے شک یہ فیصلہ ہم دونوں نے کیا تھا مگر اب ایسا بھی نہیں کہ میں فلک سے پوچھے بنا سب طے کرلوں‘ اس سب میں اسی کی رضا شامل ہے مگر اس کا ایک فیصلہ ہے کہ مہر ماہ شادی کے بعد اسلام آباد میں رہے گی۔ فلک کے ساتھ چھٹیوں میں وہ لوگ یہاں آجایا کریں گے۔“ اسفند میاں نے نانو کے ہاتھوں بنی مزیدار کافی کا سپ لیتے ہوئے انہیں آگاہ کیا۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا! مہر ماہ سے تو میں نے پہلے ہی رائے لے لی تھی بس اب جلد سے جلد تم تاریخ وغیرہ فائنل کرو جب تک میں اپنی تیاریاں دیکھتی ہوں۔“ کافی کے خالی برتن اٹھا کے انہوں نے کہا پھر کچن کی جانب چلی گئیں‘ یہ دیکھے بنا کے دروازے کی اوٹ میں کھڑی مہر ماہ نے ساری گفتگو سن لی تھی۔

❁……❁……❁

سوادِ زندگانی میں
اک ایسی شام آتی ہے
کہ جس کے سرمئی آنچل میں
کوئی پھول ہوتا ہے
نہ ہاتھوں میں کوئی تارا

جو آ کر بازوؤں میں تھام لے
پھر بھی......
رگ و پے میں کوئی آہٹ نہیں ہوتی
کسی کی یاد آتی ہے
نہ کوئی بھول پاتا ہے
نہ کوئی زخم سلگتا ہے
نہ کوئی زخم سلتا ہے
گلے ملتا ہے کوئی خواب
نہ کوئی تمنا ہاتھ ملتی ہے
سوادِ زندگانی میں......
اک ایسی شام آتی ہے
جو خالی ہاتھ آتی ہے

کہر میں ڈوبی جامد و ساکن خاموشی میں بالکونی سے ٹیک لگائے اس کے اندر کہیں ماتم کی صدائیں گونج رہی تھیں‘ اس نے اک نظر اپنے خالی ہاتھوں کی جانب دیکھا پھر گہرا سانس لے کے ڈائری بند کر دی۔

''میری زندگی کی بھی ہر شام خالی ہوگی‘ ہر صبح سورج کے بنا ماتمی لباس میں لپٹی ہوئی اور رات گہری اماوس کی طرح‘ آہ...... کتنی بدنصیب ہوں میں۔'' اس کے اندر کہیں سناٹے بول رہے تھے۔

''میں نے ملازمہ کو بھیجا تھا تمہیں بلوانے پھر کیوں نہیں آئی تم؟ تمہیں پتا ہے نہ نیچے تمہارے پاپا کے فرینڈ آئے ہوئے ہیں۔ کتنا بُرا لگے گا اگر تم نیچے نہیں آؤ گی تو آخر کیوں تمہیں ہماری بے عزتی کروا کے مزا آتا ہے۔ بولو ہر وقت کمرے میں بند رہتی ہو یا پھر اپنی اس سرپھری سی دوست کے پاس چلی جاتی ہو‘ فوراً نیچے آؤ۔'' اس کا بازو سختی سے پکڑ کر انہوں نے کہا تھا‘ کرن کے لیے یہ رویہ نیا نہیں تھا اس نے زہر خند نظروں سے انہیں دیکھا پھر اک خیال بجلی کی تیزی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا تھا۔ وہ نہایت تیزی سے نیچے کی جانب لپکی جہاں اس کے پاپا کے فرینڈ بیٹھے تھے دراصل اس کے پاپا کسی ضروری کام سے لندن گئے ہوئے تھے اور اس کے بھائی ان کے دوست کے ساتھ بیٹھے کسی ضروری فائل کا مطالعہ کر رہے تھے اس سے آگے کا منظر کرن کا خون کھولا گیا تھا‘ اس نے سختی سے اپنی مٹھیوں کو بھینچا پھر لپک کے سامنے بیٹھے شخص کی گود سے اپنی چار سالہ معصوم بھتیجی ناز کو چھینا تھا اس کی ماما بھی حیرانی کے عالم میں اس کے پیچھے لپکی تھیں یہ منظر ان کو بھی حیران کر گیا تھا۔ لمحہ لگا تھا کرن کو خود کو سنبھالنے میں‘ انہیں سلام کر کے وہ وہاں بیٹھنے کی بجائے ناز کو گود میں اٹھائے باہر آ گئی تھی۔

''معاف کیجیے گا بھائی صاحب دراصل وہ اپنی بھتیجی کے بغیر نہیں رہتی‘ اس لیے اسے لے گئی۔'' عرفان صاحب کو بُرا نہ لگے اس لیے کرن کی مام راحیلہ نے بات بنائی تھی۔

''اٹس او کے کوئی بات نہیں۔'' اتنا کہہ کے وہ عرفان سے ضروری معاملات ڈسکس کرنے لگ گئے تھے جبکہ راحیلہ کا دماغ ابھی بھی کرن کی دن بہ دن بڑھتی عجیب و غریب حرکات میں الجھا ہوا تھا۔

❁......❁......❁

''پانچ منٹ میں جلدی باہر آؤ‘ میں انتظار کر رہی ہوں۔'' مہرماہ کا میسج ملتے ہی اس نے جلدی سے چادر سنبھالی اور اگلے پانچ منٹ میں کرن اس کے روبرو تھی۔

''کیا ہوا‘ اندر نہیں آ سکتی تھیں کیا؟ ایسی کیا افتاد آن پڑی جو یوں جلدی میں مجھے باہر بلا لیا۔'' مہرماہ کو گلے لگاتے کرن نے ایک سانس میں اپنی بات مکمل کی تھی۔

''ارے اتنی بھی کیا جلدی ہے تھوڑا صبر رکھو میڈم اور پہلے میرے ساتھ گھر چلو۔'' مہرماہ کی شوخیاں عروج پر تھیں۔

''گھر کیوں چلوں بھئی میں تو گھر پر بتا کے بھی نہیں آئی۔'' کرن حیران ہوئی تھی۔

''گھر اس لیے میری پیاری دوست کیوں کہ مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا ہے اگر آپ کو یاد ہو تو آپ کی ہی فرمائش تھی جناب فلک شیر سے ملاقات کی اور اب میں وہ پوری کرنے جارہی ہوں تو تم سوال پوچھ رہی ہو۔'' مہرماہ نان اسٹاپ بولے جارہی تھی۔

''اُف اللہ...... اتنی سی بات بتانے میں تم نے اتنا وقت ضائع کیا ہے اب جلدی چلو۔'' کانوں کو ہاتھ لگا کے کرن نے کہا تو جواباً مہرماہ نے اسے چٹکی کاٹی تھی پھر دونوں جلدی جلدی قدم اٹھاتی مہرماہ کے گھر پہنچ گئی تھیں۔ اب یہ مہرماہ کی خراب قسمت ٹھہری تھی کہ دروازے پر اس کا سامنا نانو سے ہوگیا تھا' وہ تو نانی کرن کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے محض اسے گھور کے ہی رہ گئی تھیں۔ مہرماہ نے دل ہی دل میں خود کو آنے والے وقت سے لڑنے کے لیے تیار کیا تھا۔

''اچھا ہوا کرن بیٹا آپ آگئیں' ویسے بھی کچھ ہی دنوں میں مہرماہ یہاں سے جانے والی ہے۔ ہم نے اس کی شادی مہرماہ کے ماموں زاد کزن فلک شیر سے طے کردی ہے پھر یہ وہیں اسلام آباد میں ہی رہے گی۔'' جو بھی تھا نانی ہمیشہ سے مہمان نواز تھیں اور اب جبکہ مہرماہ کی شادی طے ہوگئی تھی تو انہوں نے ازخود کرن کو تفصیل بتانا ضروری سمجھا تھا۔

''واؤ زبردست نانی...... ویسے مہرماہ نے تو مجھے یہ سب نہیں بتایا' لگتا ہے اس کا ارادہ چھپ کے شادی کرنے کا تھا۔'' اب وہ تینوں باتیں کرتے کرتے اندر آگئی تھیں کرن نے صوفے پر بیٹھے ہوئے مہرماہ کو مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے' تمہیں بتانے کے لیے ہی ملنے بلایا تھا۔'' مہرماہ نے فوراً جواب دیا' نانی مسکرا کے چائے بنانے چلی گئی تھیں۔ کرن نے بڑی دلچسپی سے مہرماہ کے شرمیلی چہرے کو دیکھا جہاں محبت کا عکس نمایاں تھا۔ اتنے میں فلک شیر بھی وہاں آگیا مہرماہ نے کرن کو اسپیشل پروٹوکول دیتے ہوئے اس کا تعارف کروایا تھا۔

''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی' نائس ٹو میٹ یو فلک بھائی! اللہ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔'' اس کا دل ہمیشہ مہرماہ کی خوشیوں کے لیے سراپا دعا تھا۔

''شکریہ سسٹر!'' فلک نے بھی جواباً اسے خلوص سے نوازا تھا اتنے میں نانی چائے لے کر آگئی تھیں' وہ ویسے بھی پرانے خیالات کی مالک تھیں' انہیں مہرماہ کا شادی کی بات طے ہونے کے بعد اس کا فلک کے سامنے آنا پسند نہیں تھا اور کرن سے فلک کی ملاقات کروانا نانی کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا وہ دل ہی دل میں مہرماہ کی کم عقلی پر پیچ و تاب کھا کے رہ گئی تھیں۔

''ارے بیٹا فلک! تم کب آئے' تم تو کام سے گئے تھے نا؟''

''جی' بس ابھی آیا ہوں دادی! کام جلدی ختم ہوگیا تھا۔'' فلک نے صوفے سے اٹھ کے احتراماً انہیں جگہ دی تھی۔

''اچھا کیا جلدی آگئے تم' اسفند تمہیں بلا رہے تھے جاؤ جا کر مل لو۔'' نانی نے فوراً اسے وہاں سے ہٹانا چاہا تھا' نجانے کیوں وہ کرن کی خوب صورتی سے اس قدر ڈر گئی تھیں حالانکہ ان کا ڈر بے بنیاد تھا ان کی بات سن کے فلک فوراً اندر چلا گیا تھا جبکہ نانی ان دونوں کو چائے دے کے اپنے کاموں میں لگ گئی تھیں۔

❀......❀......❀

مہرماہ کی شادی میں تقریباً دس دن باقی تھے اور وہ یہ تمام دن کرن کی محبت سنگت گزارنا چاہتی تھی' نجانے کیوں اسے اس سے دور جانے میں خوف آتا تھا یوں لگتا تھا کہ وہ اسے کھودے گی یوں تو نانی کبھی اسے اکیلے کرن کے ساتھ شاپنگ پر جانے کی اجازت نہ دیتیں مگر اس بار مہرماہ نے پاپا سے خود اجازت لی تھی اور چونکہ وہ کرن کے والد اور بھائی کے نام و بزنس سے بخوبی واقف تھے اس لیے انہیں اس بات میں کوئی مضائقہ نہ لگا۔ یوں اجازت پاتے ہی وہ دونوں قریبی مارکیٹ میں آن پہنچی تھیں' کرن نے اپنے ڈرائیور کو بھی ہمراہ لے لیا تھا اس کے لیے مہرماہ کی خوشی سے بڑھ کے کچھ نہیں تھا۔

"کرن تمہاری چوائس کتنی اچھی ہے یار! قسم سے تمہارے ساتھ شاپنگ کر کے تو مزا آ گیا۔" شاپنگ سے فارغ ہو کے نیچے بنے کیفے میں کافی پینے کے لیے وہ دونوں آن بیٹھی تھیں۔

"وہ تو ہے جناب مگر تمہاری چوائس بھی اتنی بُری نہیں ہے۔" کرن نے اس کی دلجوئی کی تھی۔

"ویسے تم شادی میں تو آؤ گی نہ اور یار ذرا جلدی آجانا' میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"آجاؤں گی بابا! ایسا کرتی ہوں ابھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں' ٹھیک ہے نا۔" کرن مسکرائی۔

"یہ ہوئی نہ بات ویسے جلدی چلو دیر ہو گئی تو نانو ناراض ہو جائیں گی۔"

کرن کافی ختم کر کے اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی کاؤنٹر کی جانب آ گئی تھی۔ بل پے کر کے اس کی نظر اتفاقاً گلاس ڈور کے پار کے منظر کی جانب گئی تو پھر یکا یک اس کی آنکھوں میں خون تیرنے لگا تھا وہ تیزی سے باہر کی جانب لپکی تھی' جہاں چھ سالہ معصوم بچی نجانے کسی مجبوری کے تحت فٹ پاتھ پر کشکول لیے کھڑی تھی اور ایک راہ گزر اس کی معصومیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چند پیسوں کے عوض اس کی معصومیت کو خرید رہا تھا اسے گود میں اٹھائے وہ نجانے کون سی تسلیاں دے رہا تھا' اس سے پہلے کہ اس راہ گزر کی سرگرمیاں بڑھتیں کرن نے آگے بڑھ کر اس سے بچی کو چھینا تھا' راہ گزر اس دوران سناٹے میں آ گیا تھا۔

"شرم نہیں آتی تم لوگوں کو' یہ کیا کر رہے تھے تم بچی کے ساتھ؟" کرن حلق کے بل چلائی تھی شور کی آواز سن کے اردگرد کے لوگ بھی متوجہ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ مہرماہ نے کرن کی آواز سنی تو فوراً حیران پریشان سی ڈرائیور کے ہمراہ لپکی تھی۔

"تمیز سے بات کریں میڈم! آپ لڑکی ہیں اس لیے لحاظ کر رہا ہوں اور میں صرف اس روتی ہوئی بچی کو چپ کرا کے پیسے دے رہا تھا' آپ کو اس سے کیا؟" وہ شخص بکتا جھکتا آناً فاناً وہاں سے چلا گیا اتنے میں مہرماہ بھی وہاں آ گئی تھی اور اس بچی کے ساتھ ہی بھیک مانگنے والے کچھ اور لوگ جو اسے وہاں سے لے گئے تھے۔

"کیا ہو گیا تھا کرن! تم اس طرح سے کیوں چلا رہی تھیں؟" مہرماہ نے صورت حال جاننا چاہی تھی' کرن کی آنکھوں میں اب بھی طیش تھا وہ غصہ جو نجانے کتنے برسوں سے اس کے اندر پنپ رہا تھا۔ اسے خود اپنے جسم پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اس نے جھرجھری سی لی تھی۔

"کچھ نہیں' جلدی گھر چلو۔" کرن نے فوراً خود کو سنبھالا پھر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"تو یہ طے ہے کہ ماضی سانپ بن کے مجھے ڈستا رہے گا۔" کرن نے خود کلامی کی تھی پھر نظریں باہر کی

جانب ٹکادی تھیں۔

❀....❀....❀

ڈرائیور نے گھر آ کے تمام کا تمام واقعہ راحیلہ بیگم کو سنادیا تھا جواباً انہوں نے نہایت غصے کے عالم میں کرن کو طلب کیا تو وہ حیرانی کے عالم میں ان کے پاس آئی تھی۔ اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ڈرائیور گھر جا کے اس کی شکایت کرے گا۔

''آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے کرن! تمہیں اتنا پڑھانے کا کیا فائدہ' کیوں تم ہماری عزت کو مٹی میں ملا رہی ہو۔ لوگ کیا کہیں گے کہ اتنے بڑے بزنس مین کی بیٹی باہر روڈ پر کھڑے ہو کے ابنارمل لوگوں کی طرح برتاؤ کرتی ہے آخر ایسا کیا مسئلہ ہے تمہیں۔'' راحیلہ بیگم کا غصہ عروج پر تھا' کرن پھٹی نگاہوں سے ان کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

''مام آپ کو پتا ہے وہ وہاں اس بچی کے ساتھ اتنی بدتمیزی کر رہا تھا۔ کرن نے انہیں سب بتانا چاہا تھا۔

''بدتمیزی کر رہا تھا یا کچھ بھی اور یہ بھکاری بچے ہوں یا بڑے سب بہت چالاک ہوتے ہیں' تمہیں نہیں پتا ان لوگوں کا کہ کس طرح پیچھے پڑ جاتے ہیں پیسوں کے لیے اور آئندہ میں تمہیں کسی کے معاملات میں الجھتا نہ دیکھوں بلکہ تمہاری یہ حرکات کچھ زیادہ ہی بڑھتی جا رہی ہیں اس لیے آج کے بعد تم گھر سے باہر نہیں جاؤ گی۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہارے پاپا کا نام خراب ہو' اب جاؤ اپنے کمرے میں۔'' راحیلہ نے اس بار بھی حکم صادر کر دیا تھا بنا اس کی بات سنے' بنا کچھ جانے وہ ہمیشہ سے ہی ایسی تھیں بس نام نہاد اسٹیٹس پر مرنے والی۔ وہ کمرے سے باہر نکلی تو اس کا سامنا زرینہ بھابی سے ہو گیا جو ناز کو اٹھائے اس کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ کرن کی آنکھوں سے نکلتے آنسو انہیں بے چین کر گئے تھے' اس گھر میں اک زرینہ بھابی ہی ایسی تھیں جن کے لیے رشتے اہم تھے اس وقت بھی اس کا اترا چہرہ دیکھ کے انہوں نے ناز کو کرن کی گود میں تھمایا کیونکہ صرف اس کی معصوم باتیں اور شرارتیں ہی تھیں جو اس کا موڈ ٹھیک کر سکتی تھیں۔

❀....❀....❀

''میں نے اور تمہارے پاپا نے تمہاری شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے' یہ تصویر ہے افنان کی دیکھ لو۔ تمہارے پاپا کے بہت کلوز فرینڈ رضا آفندی کا اکلوتا بیٹا ہے۔ نام تو سنا ہی ہوگا تم نے اور میں یہاں تم سے پوچھنے نہیں آئی ہوں صرف بتانے آئی ہوں کہ تمہارے پاپا کے واپس آتے ہی میں تمہاری شادی کر دوں گی۔'' کرن پروین شاکر کی کف آئینہ پڑھنے میں محو تھی کہ راحیلہ بیگم نے آ کے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا' چند ثانیے تو وہ ششدر سی اپنی ماں کو دیکھتی رہ گئی تھی پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنے لب کھولے تھے مگر یہی اس کی سب سے بڑی سزا بن گئی تھی۔

''میں یہ شادی نہیں کر سکتی مام! آپ پلیز ان لوگوں کو منع کر دیں۔''

''شٹ اپ' اب یہی سننا رہ گیا تھا کہ تم میرے فیصلے سے بغاوت کرو گی۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے بھائی کی شادی بھی ہم نے اپنی مرضی سے کی تھی اور اس نے اُف تک نہ کی' تمہاری یہ مجال کہ تم انکار کرو۔'' راحیلہ بیگم ایک دم ہی آپے سے باہر ہوئی تھیں نتیجتاً ان کی دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کرن کے چہرے پر اپنا نشان چھوڑ گئی تھیں۔

''آپ ہمیشہ اپنی مرضی ہم پر مسلط کیوں کرتی ہیں؟ کیسی ماں ہیں' کیوں نہیں سمجھتیں آپ' پلیز میں شادی نہیں کروں گی۔'' کرن کی اب بھی وہی ضد تھی۔

"آخر کس سے پیار کرتی ہو تم جس کے لیے اپنی ماں سے زبان چلا رہی ہو؟" روایتی ماؤں کی طرح انہوں نے اسے شک کے دائرے میں گھسیٹا تھا۔

"خدا کے واسطے مام! کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں آپ' کیا آپ کو اپنی اولاد پر اعتبار بھی نہیں۔ ہاں ویسے ہوگا بھی کیسے آپ کے پاس ہمیشہ سے اتنا وقت ہی کہاں رہا ہے کہ اپنے بچوں کو سمجھیں مگر آپ بھی میری ایک بات سمجھ لیں کہ میں کسی سے پیار نہیں کرتی' میں کبھی بھی کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی اور آپ لوگ مجھ پر زبردستی نہیں کر سکتے' اوکے۔" ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے نہایت اطمینان سے کرن نے اپنی بات مکمل کی پھر دوبارہ کتاب کھول کے اس میں محو ہوگئی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس ٹاپک پر مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ راحیلہ بیگم غصہ سے پاؤں پٹختی وہاں سے نکلی تھیں' ان کے جانے کے بعد کرن نے کتاب بند کی اور اس کی آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔ تھک ہار کر اس نے آنکھیں موند لی تھیں' نجانے کیوں آج بار بار اسے اپنی ماں کی بے پروائیاں یاد آ رہی تھیں مگر وہ کمزور تھی اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ ان کو آئینہ دکھاتی۔

❁.........❁.........❁

آج مہر ماہ کی مایوں تھی اس نے تو مہر ماہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی شادی میں اس کے ساتھ ساتھ رہے گی مگر مام کی بے جا و بے بنیاد سختی و رویے نے اسے گھر میں ہی قید کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے رہ رہ کر مہر ماہ کا خیال آ رہا تھا اس نے اسے کئی کالز بھی کی تھیں مگر وہ ایک بھی ریسیو نہ کر سکی تھی اس میں ہمت ہی نہ تھی کہ وہ مہر ماہ کا سامنا کرتی مگر اس کا دل ہر اک لمحہ اس کی خوشیوں کے لیے سراپا دعا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اسے ساری سچائی بتا دے اسے سمجھائے کہ اس کی نانی کی سختی کتنی اچھی تھی' کاش وہ اپنی نانی کی نصیحتوں کا بُرا نہ مانتی' اس کا دل چاہ رہا تھا کہ مہر ماہ کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے روئے اور اسے بتائے کہ وہ کتنی بدنصیب ہے مگر اس کی ہمت نہیں تھی کہ اتنی تلخ سچائیاں وہ اسے بتا کے اس کی خوشیوں میں بھنگ ڈالے۔

ٹھیک چار دن بعد مہر ماہ کی شادی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ بس کسی طرح وہ اس کی شادی میں شرکت کرے اس نے ایک بار پھر مام سے بات کرنے کا سوچا تھا' ابھی وہ مام کے پاس جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ زرینہ بھابی اندر چلی آئی تھیں۔

"چندا کھانا کیوں نہیں کھایا تم نے' اپنی حالت دیکھو کیا بنالی ہے تم نے۔ اتنی مرجھا کے رہ گئی ہو۔" کھانے کی ٹرے بیڈ پر رکھ کے انہوں نے نوالہ بنا کے اس کے منہ میں دیا تھا' چند ہی دنوں میں وہ بالکل مرجھا کے رہ گئی تھی آنکھوں کے گرد گھیرے حلقے سرخ و سفید رنگت پر کچھ زیادہ ہی نمایاں تھے۔ وہ برسوں کی بیمار دکھائی دے رہی تھی' زرینہ بھابی نے نہایت دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

"تم مام کی بات مان لو کرن! یہ تو طے ہے کہ وہ تمہاری شادی کر کے ہی رہیں گی' میں نہیں جانتی کہ تمہارے انکار کے پیچھے ایسی کون سی وجہ ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تمہاری عادت ایسی نہیں ہے کہ تم کوئی ایسا کام کرو جس سے اس گھر کی عزت پر کوئی داغ لگے اور تمہارا یہ احتجاج مام کی نظروں میں تمہارے کردار کو اور مشکوک بنا رہا ہے' ہم عورتیں تو پیدا ہی آزمائش کے لیے ہوتی ہیں۔ ہماری گھٹی میں ایثار اور قربانی ملی ہوتی ہے' عورت کبھی اپنے لیے نہیں جیتی ہمیشہ دوسروں کے لیے ہی جیتی ہے۔ تمہیں مام سے شکایت ہے نہ تو ان کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو' مجھے یقین

ہے کہ تم بہت اچھی ماں بنو گی چندا! پلیز مان جاؤ۔"
اس کو سمجھانا انہوں نے اپنا فرض سمجھا تھا' کرن نے نم آنکھوں سے ان کی جانب دیکھا تھا بات کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ گئی تھی سو اس نے سب کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ زرینہ بھابی نے خوشی سے اسے گلے لگایا' یہ دیکھے بغیر کہ اس کا چہرہ مزید بجھ گیا ہے۔

❀......❀......❀

اس کے ہاتھوں پر آج فلک شیر کے نام کی مہندی لگ رہی تھی اس کے انگ انگ سے رنگ و روپ کی بہار جھلک رہی تھی مگر اس کا دل تھوڑا اداس تھا وہ اس وقت کرن کو بہت یاد کر رہی تھی۔ دو دن ہو گئے تھے اس نے اس کی کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی نہ ہی اس کے کسی میسج کا ریپلائی کیا تھا' نجانے کیا ہو گیا تھا کہ جو وہ اس کی مایوں میں بھی نہ آ سکی تھی یہاں تک کہ نانو نے بھی کرن کی خیریت دریافت کی تھی بھلا ایسا ہو سکتا تھا کہ اس کی پکی سہیلی اس کی مایوں میں نہ آئے اس سے پہلے کہ اس کے دوسرے ہاتھ پر بیوٹیشن مہندی لگاتی اس نے ایک بار پھر کرن کا نمبر ڈائل کیا اور اس دفعہ خلاف توقع دوسری بیل پر ہی اس کی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"کہاں تھیں یار تم...... نہ کوئی خیر نہ خبر' تم آئیں بھی نہیں' قسم سے انگلیاں تھک گئیں میری تمہارا نمبر ملا ملا کے سب خیریت ہے تم ٹھیک تو ہو نہ یار!"
نہ سلام نہ دعا کال ریسیو ہوتے ہی وہ نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھی اس کے لہجے سے کرن کے لیے فکر و پریشانی عیاں تھی' کرن کو اس کا کیئرنگ انداز بہت اچھا لگا تھا۔

"بس کرو تم تو شروع ہی ہو گئی ہو یار! مام کی طبیعت کافی خراب تھی اس لیے نہیں آ سکی بس اسی میں مصروف تھی' سوری۔"

"کیا ہو گیا آنٹی کو سب ٹھیک تو ہے نہ اب کیسی ہیں وہ؟ آئی ایم سوری یار! میں مایوں بیٹھ چکی ہوں ورنہ میں ضرور دیکھنے آتی آنٹی کو' پلیز ان کا خیال رکھو اور ہاں اب بارات میں لازمی آ جانا ورنہ میں شادی نہیں کروں گی۔" آنٹی کی خیریت پوچھنے کے ساتھ ساتھ اس نے کرن کو دھمکی بھی دی تھی۔

"کچھ خاص نہیں تم چھوڑو اب ٹھیک ہیں ماما اور میں ضرور آؤں گی' مگر تم ہمیشہ اپنا خیال رکھنا اور ہاں اپنی نانو کو کبھی غلط مت سمجھنا' میں جانتی ہوں تم ان کی ڈانٹ کی وجہ سے پریشان ہو جاتی ہو مگر یقین جانو وہ بالکل صحیح ہیں اور تم سے بے حد پیار کرتی ہیں۔ شادی کے بعد بھی ہمیشہ ان کا خیال رکھنا' ہو سکے تو انہیں اسلام آباد ہی بلا لینا اور ہمیشہ خوش رہنا' وعدہ کرو مجھ سے۔" بات کرتے کرتے کرن بے حد جذباتی ہو گئی تھی نجانے کیوں مگر اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ آج کے بعد مہر ماہ سے بات نہ کر پائے گی وہ ابھی کے ابھی اس سے ہر بات کہہ دینا چاہتی تھی۔

"اُف او...... دادی اماں بن رہی ہو تم...... یار تم کون سا کہیں جا رہی ہو اور میں تو یہاں آتی ہی رہوں گی۔ اچھا میں تم سے پھر بات کروں گی ابھی میں مہندی لگوا رہی ہوں' ٹھیک ہے تم اپنا اور مام کا خیال رکھنا' اللہ حافظ۔" بیوٹیشن اس کے ہاتھ پر مہندی لگانے کے لیے انتظار کر رہی تھی سو اس نے گفتگو کو مختصر کر کے اجازت چاہی تھی۔ کرن سے بات کر کے اس کا دل مطمئن ہو گیا تھا جبکہ کرن اس سے بات کر کے مزید بے چین ہو گئی تھی' کچھ سوچ کے کرن نے لیٹر پیڈ نکالا اور لکھنے بیٹھ گئی۔

❀......❀......❀

جب سے اس نے زرینہ بھابی کے ذریعے مام تک رشتے کے لیے ہاں کہلوائی تھی راحیلہ بیگم کا رویہ

اس کے لیے کافی نرم ہوگیا تھا' یہاں تک کہ انہوں نے اسے مہرماہ کی شادی میں بھی جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اجازت پاتے ہی وہ کھل سی گئی تھی مگر شادی کا فیصلہ اسے بے چین کیے دے رہا تھا' جس کی وجہ سے وہ دن بہ دن اندر ہی اندر گھٹتی جارہی تھی۔ اس کی صحت بھی دن بہ دن گرتی جارہی تھی۔

آج مہرماہ کی شادی تھی وہاں جانے کے لیے اس نے گلابی رنگ کے کپڑوں کا انتخاب کیا تھا' تیار ہوکے اس نے خود کو آئینہ میں دیکھا تو چند ثانیے اپنی اجڑی حالت کو دیکھ کر بے یقین سی ہونے لگی تھی اس نے دھیرے سے اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا پھر چادر لے کے زرینہ بھابی کو کچھ تاکید کرکے ماما کو بتا کر وہ ڈرائیور کے ساتھ جانے کے لیے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ نجانے کیوں اس کا دل بار بار کسی انہونی کا احساس دلا رہا تھا' اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا سفر ختم ہونے چلا ہے مگر دل میں مہرماہ کو دلہن کے روپ میں دیکھنے کی خواہش میں مچل رہا تھا۔ ابھی وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ ایک زوردار دھماکے سے اس کا تسلسل ٹوٹا تھا پھر یکایک اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

❁......❁......❁

''کتنی بے مروت ہوگئی ہے یہ کرن' شادی میں بھی نہیں آئی' میں کال کرکے پتا کرتی ہوں۔'' مہرماہ کی شادی میں کمی تھی تو صرف کرن کی اسے رہ رہ کر اس کا خیال آرہا تھا۔ جب ہی اس کے پہلو میں بیٹھے فلک شیر نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''کیا بات ہے جناب! آپ کی دوست تو آپ کے لیے ہم سے بھی زیادہ ضروری ہے' ہم یہاں ہیں اور آپ کھوئی کھوئی ہیں' آج کے اس حسین دن کے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں آپ؟'' اور فلک کی بات پر وہ فی الحال خاموش ہوگئی تھی مگر دل اداس تھا شادی کے ہنگاموں میں تو اسے فرصت ہی نہ ملی تھی اسے کال کرنے کی سو صبح ہوتے ہی اس نے کال ملائی تھی مگر کئی بار ڈائل کرنے کے باوجود بھی کال ریسیو نہیں کی گئی تھی اب کہ حقیقتاً اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔

اسے یک دم یاد آیا تھا کہ اس کے پاس اس کی بھابی کا نمبر بھی سیو ہے' سو اس نے جلدی سے ان کا نمبر ڈائل کیا جو کہ فوراً ریسیو کرلیا گیا تھا مگر ریسیو کرتے ہی جو خبر انہوں نے مہرماہ کو سنائی تھی وہ اسے شدید غم سے دوچار کرگئی تھی۔ چند ثانیے تو اسے یقین ہی نہیں آیا تھا کہ واقعی کرن اسے یوں چھوڑ کر چلی گئی ہے' کل رات کو مقامی ہوٹل کے قریب ہونے والے بم دھماکے میں اس کی عزیز از جان ہستی اسے داغ مفارقت دے گئی تھی۔ فلک نے سنا تو اس کے لیے روتی ہوئی مہرماہ کو سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا وہ فوراً اسے لے کے کرن کے گھر پہنچا تھا جہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی راحیلہ بیگم نے تو خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ ان کی جوان بیٹی یوں چلی جائے گی۔ جیسی بھی تھیں ماں تھیں' انہیں الگ اس کی ناراضگی ستائے جارہی تھی اس کی میت سے ٹیک لگائے وہ زاروقطار رونے میں مصروف تھیں۔ بار بار وہ یہی کہہ رہی تھیں۔

''ایک بار کہیں سے کرن آجائے اور انہیں معاف کردے' وہ کبھی اس کی شادی نہیں کریں گی اس کی ہر بات مانیں گی بس وہ واپس آجائے۔'' مگر افسوس کہ انہیں سمجھنے میں واپس پلٹنے میں کافی وقت لگ گیا تھا' مہرماہ نے بمشکل اس کی ماما کو سنبھالا جب کہ وہ خود بے حال ہوئی جارہی تھی۔ کل اس کا ولیمہ تھا اور آج یہ المیہ اس کی خوشیاں چھین گیا تھا' رات گئے تک وہ وہیں رہی تھی واپس لوٹتے وقت زرینہ بھابی نے اس کے ہاتھ میں کرن کی طرف سے دیا گیا اک خط تھمایا

تھا جسے لے کے وہ اداس اور بے چین سی فلک کے ہمراہ گھر آ گئی تھی۔

❀.....❀.....❀

عزیزی ہمشیرہ!

میں جانتی ہوں کہ جس وقت یہ خط تمہیں ملے گا میں اس وقت بہت دور چلی جاؤں گی' نجانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ اب میرے پاس وقت نہیں ہے اس لیے تمہیں اپنی زندگی کے کچھ حقائق سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں تاکہ تم اپنی آگے کی زندگی میں سمجھ داری سے کام لو' تم ہمیشہ مجھے کہتی تھیں نہ کہ میں بہت لکی ہوں کہ مجھے ہر وقت اپنی ماما کی ڈانٹ نہیں سننی پڑتی' وہ مجھے کبھی کسی بات پر روکتی نہیں تو میری جان! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ ماں کے ہوتے ہوئے بھی میں نے بن ماں کی زندگی گزاری ہے۔ میری ماں کے پاس اپنی سہیلیوں اور سوشل سرگرمیوں کے لیے ہمیشہ وقت ہوتا تھا مگر انہوں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ ان کے اپنے بچوں کو ان کی کس قدر ضرورت ہے۔ پاپا کے شانہ بشانہ رہنے کے چکر میں وہ مجھے اور بھائی کو آیا کے سپرد کر کے اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتی تھیں' ان کی توجہ کبھی ہمیں نہیں ملی' پاپا کے دوست اکثر ہمارے گھر آتے تھے وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے' گود میں لیتے ٹوفیاں دیتے میں تو بچی تھی جو آہستہ آہستہ بڑی ہو رہی تھی مجھے توجہ اور پیار اچھا لگتا تھا۔ اسکول میں میری سب دوستوں کے پاپا اور ماما انہیں پیار کرتے تھے' چیزیں دیتے تھے میرے پاس چیزوں کی کوئی کمی نہ تھی مگر پیار کی کمی ہی کمی تھی۔ پہلے پہل تو مجھے اچھا لگتا تھا پاپا کے فرینڈز مجھے پیار کرتے تھے' چیزیں دلاتے تھے' ماما کو بھی کوئی فکر نہیں تھی کہ یہ ایرے غیرے لوگ ان کی نازک بیٹی کے ساتھ کیوں کھیلتے ہیں' ان کی نظر میں پاپا کے فرینڈ اپنے ہی تھے مگر جوں جوں میں شعور کی دنیا میں قدم رکھ رہی تھی مجھے ان کا زور زور سے پیار کرنا بھینچنا بالکل اچھا نہیں لگتا تھا وہ بہانے بہانے سے مجھے اپنی گود میں بٹھاتے تھے' ایک معصوم بچی کی معصومیت کے ساتھ کھیلتے ہوئے وہ انسان سے حیوان بن جاتے تھے اور اس سے زیادہ تمہیں بتانے کی ہمت نہیں ہے۔ اپنی ماں کی بے پروائی کی وجہ سے میرا مرد ذات پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا' میں اپنے ہی خول میں سمٹتی جا رہی تھی۔ مام کی روش اب بھی وہی تھی' بھائی بھی اپنی زندگی میں مگن ہو گئے تھے میں جب بھی کسی بچی کو باہر اکیلے دیکھتے' چیز لیتے ہوئے یا کھیلتے ہوئے دیکھتی تو نجانے کیوں میرا دل کانپ اٹھتا تھا۔ ماضی کی کربناک یادیں مجھے لحہ لحہ ڈستی تھیں پھر تم میری زندگی میں آئیں اور میری بھتیجی ناز میں نے ہمیشہ اسے پھولوں کی طرح سنبھال کے رکھنے کی کوشش کی۔ میں چاہ کر بھی یہ سب زرینہ بھابی کو اور مام کو نہیں بتا سکتی تھی ہاں مگر تمہیں بتا رہی ہوں تاکہ تم ایک اچھی ماں بن سکو' تم ابھی ناسمجھ ہو تمہیں احساس نہیں کہ بن ماں کے ہوتے ہوئے بھی اللہ نے نانی کی شکل میں تمہیں ہر چیز سے نوازا ہے۔ تمہیں پتا ہے زرینہ بھابی بھی بہت اچھی ماں ہیں اور اب جبکہ تم بھی ایک بڑے بزنس مین کی بیوی بننے جا رہی ہو تو مجھے یقین ہے کہ تم اور فلک کبھی بھی میرے مام ڈیڈ کی طرح نہیں بنو گے بلکہ میری تو سب سے یہی التجا ہے کہ اپنے بچوں خاص کر کے بیٹیوں کو دنیا والوں کی نظروں سے بچا کے رکھیں۔ پھولوں کی طرح سنبھال کر رکھیں تم مجھ سے کبھی خفا نہیں ہونا...... جانا تو ہر ایک نے ہے بس میرے لیے دعا کرنا تمہیں پتا ہے مام میری شادی کرنا چاہ رہی تھیں' میں نے انکار کیا تو ملزم ٹھہری وہ غلط سمجھ بیٹھی تھیں مگر میں کسی مرد ذات سے اب

منسوب نہیں ہونا چاہتی تھی۔ میں کمزور تھی اس لیے ہار گئی مگر تمہیں مضبوط بننا ہے چٹان کی طرح' اللہ تمہیں ہمیشہ ہر خوشی سے نوازے آمین۔

تمہاری دوست

کرن"

کرن کے آخری خط کو اس ایک سال میں اس نے ہزاروں بار پڑھا تھا اور ہمیشہ اس کی آنکھیں اس کے دکھ میں نم ہوئی تھیں۔ ولیمہ کے بعد وہ نانو کو لے کے ہمیشہ کے لیے اسلام آباد آ گئی تھی کیونکہ وہاں کرن کی یادیں اس کا جینا مشکل کرتی تھیں' فلک کی محبت نے اسے کسی حد تک سنبھال لیا تھا مگر نجانے کیوں دسمبر اسے گہرے دکھ سے دوچار کر جاتا تھا۔ دسمبر میں ہی اس نے کرن کو کھویا تھا اس نے خط کو موڑ کے الماری میں رکھا جیسے ہی وہ الماری بند کر کے پیچھے مڑی تھی فلک کو اپنے پیچھے کھڑا پایا تھا وہ تو شکر تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو پونچھ لیا تھا۔

"کیا بات ہے مہرو! پریشان سی لگ رہی ہو' تمہیں کتنا کہا ہے نہ میں نے کہ پلیز آرام کرلو' تمہاری ڈلیوری میں کچھ ہی دن باقی رہ گئے ہیں مگر تم سنتی نہیں ہو' ابھی دادی کو بلاتا ہوں۔" اس کی ناک محبت سے کھینچتے ہوئے اس نے اسے بیڈ پر بٹھایا تھا کتنی عجیب بات تھی نہ کہ دسمبر میں ہی اس کی شادی ہوئی اور دسمبر میں ہی اس نے کرن کو کھویا اور اب دسمبر میں ہی وہ ماں بننے والی تھی اس نے مسکرا کے فلک کو دیکھا پھر اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا تھا۔

انتہائی شدید تکلیف اٹھانے کے بعد آپریشن کے ذریعے اس نے گول مٹول سی انتہائی خوب صورت بچی کو جنم دیا تھا۔ بابا' نانو' فلک سب انتہائی خوش تھے اور وہ خود بھی آج بہت خوش تھی' بچی کو دیکھ کے اسے بے اختیار کرن یاد آئی تھی' وہ بھی کرن کی طرح تھی سرخ سفید گلاب سی معصوم سی۔

"بہت بہت مبارک ہو مہرو! تم نے مجھے میری زندگی کا سب سے قیمتی تحفہ دیا ہے۔ اب جلدی بتاؤ اس کا نام کیا رکھو گی؟" فلک کو اس ننھی پری کا نام رکھنے کی بہت جلدی تھی۔

"ارے بھئی اتنی بھی کیا جلدی ہے رکھ لیں گے نام بھی۔" نانو مہرماہ کو سوپ پلاتے ہوئے فلک کی جلد بازی پر مسکرائی تھیں۔

"لائیں نانو اسے میری گود میں دیں پھر میں سب کو اس کا نام بتاؤں گی۔" مہرماہ نے کہا تو نانو نے کاٹ سے بچی کو اٹھا کے اس کی گود میں دیا' مہرماہ نے اس کی پیشانی پر پیار کر کے سب کی طرف دیکھا جو جلد سے جلد نام سننے کے لیے بے تاب تھے۔

"آج سے اس کا نام کرن ہے اور اب میں کسی کا اعتراض نہیں سنوں گی۔" مہرماہ نے کہا تو سب ہی کو اس کا فیصلہ پسند آیا تھا' سب جانتے تھے کہ وہ کرن سے کتنا پیار کرتی تھی' اس لیے اس کے فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ نانو نے آگے بڑھ کے اسے گلے لگایا پھر اس نے چپکے سے فلک کی جانب دیکھا جس کی آنکھوں میں اس کے فیصلے کے لیے پسندیدگی تھی سو اس کا دل شانت ہو گیا تھا۔

آج اسے لگ رہا تھا کہ اس پری کی صورت میں اسے اس کی کرن واپس مل گئی ہے اور اب اسے خود سے کیے گئے عہد کو پورا کرنا تھا' مثالی ماں بننا تھا نانو کی طرح اور اس لمحہ اس کا دل اللہ کے حضور شکر گزار تھا۔

❁

مجھے ہے حکم اذاں
ام مریم

ایک مدت سے مری سوچ کا محور تُو ہے
ایک مدت سے میری ذات کے اندر تُو ہے
میں تیرے پیار کے ساحل پہ کھڑا ہوں تنہا
میری چاہت' مری الفت کا سمندر تُو ہے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ابراہیم احمد اور فاطمہ کو بہن بھائی کے بندھن میں دیکھ کر عباس اپنی بدگمانی پر نہایت شرمندگی محسوس کرتا ہے جبکہ دوسری طرف ابراہیم اپنی بہن کو محفوظ ہاتھوں اور مسلم گھرانے میں دیکھ کر نہایت خوش ہوتا ہے ایمان اور امامہ زبردستی لاریب کی رخصتی کی تقریب منعقد کرلیتی ہیں جبکہ سکندر کا سرد مہر رویہ لاریب کو خدشات میں مبتلا کیے رکھتا ہے۔ عباس فاطمہ کے ساتھ اپنی زندگی میں مطمئن ہونے کی کوشش کرتا ہے جب ہی عریشہ کا بھائی سعید احمد عباس پر دوسری شادی کے لیے دباؤ ڈالتا ہے اور اپنی بہن علینہ کا پروپوزل پیش کرتا ہے دوسری طرف عباس کے منہ سے انکار اور فاطمہ سے اس کی شادی کا سن کر شدید اشتعال میں آتے وہ نہ صرف دھمکیوں پر اتر آتا ہے بلکہ گن پوائنٹ پر فاطمہ سے بچوں کو چھین کر بھی لے جاتا ہے۔ ایسے میں عباس کا تمام غصہ فاطمہ پر اترتا ہے بچوں کے نہ ملنے پر وہ اسے زندہ نہ چھوڑنے کی دھمکی دیتا ہے جبکہ فاطمہ اس صورت حال پر اپنی غلطی تسلیم کرتے نہایت اذیت کا شکار رہتی ہے۔ سکندر نہایت برہم انداز میں لاریب کو فیصلے کا اختیار سونپتے سوچنے کی مہلت دیتا ہے تاکہ اس زبردستی کے رشتے کو مزید طول دینے کے بجائے یہیں ختم کیا جاسکے جبکہ سکندر کے منہ سے یہ باتیں سن کر لاریب ششدر رہ جاتی ہے سکندر کا یہ روپ اسے تفکرات میں مبتلا کردیتا ہے۔ عباس اپنے اثر ورسوخ کی مدد سے بچوں کو چھڑانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ عریشہ کے گھر والوں کے اس رویے پر وہ انتہائی غیض وغضب کا شکار نظر آتا ہے عریشہ کی موت کے بعد بھی اس کے گھر والوں نے ایسے ہی اس کا اعتماد ریزہ ریزہ کیا تھا۔ مگراب کے وہ تمام تعلقات ختم کرتے اپنے بچوں کو ان کی حاسدانہ نظروں سے محفوظ کرلیتا ہے۔ دوسری طرف فاطمہ کے ساتھ اس کا رویہ بچوں کے لوٹ آنے پر بھی وہی بدصورتی لیے ہوتا ہے وہ اس غلطی پر اسے معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اپنی ذات کی اس تحقیر پر فاطمہ اپنے رب سے رجوع کرتی ہے اور اپنے رب کو بھول جانے پر صدق دل سے معافی کی خواست گار بن کر ایک نئی فاطمہ کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ جس کے دل میں اب صرف اپنے رب کی محبت ہے۔ وقاص اپنے گزشتہ رویوں پر ایمان سے معذرت کرتا ہے دوسری طرف ایمان بھی اس کے یکسر بدلاؤ کو دیکھ کر سابقہ رویوں کو درگزر کردیتی ہے۔ رخصتی کے بعد لاریب ایک نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے جس میں ہر صورت وہ اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن پہلے ہی موقع پر سکندر کا بدلا انداز اسے بہت کچھ باور کرادیتا ہے۔ سکندر کسی طور اس کے گزشتہ رویوں کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اسے یہی لگتا ہے کہ آج بھی لاریب کا بدلاؤ اس کا حسب نسب بدل جانے پر صرف ایک سمجھوتہ ہے۔ لاریب کی اس تبدیلی میں اسے محبت کا وجود کہیں نظر نہیں آتا۔ اپنی انا کو بلند رکھنے کی خاطر وہ اسے تحقیر کا نشانہ بناتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنے ضبط کو آزماتے اس کے ناروا سلوک کو خاموشی سے برداشت کرتی ہے۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

"یہ آپ کی نافرمانی نہیں ہے، سکندر! میں اللہ کی حکم عدولی سے بچنا چاہتی ہوں، میں اللہ سے جو وعدے کر چکی ہوں ان میں یہ بھی شامل ہے مجھے یقین ہے آپ مجھے فورس نہیں کریں گے۔ یہ یہ معاملہ اللہ کا ہے۔" اگر وہ چند لمحوں کو نہ بولتی تو یقیناً سکندر کا ہاتھ اس پر اٹھ جاتا مگر اب وہ ساکن، متحیر غیر یقین کھڑا تھا۔ حواس جامد اور ہونٹ جیسے سل گئے تھے۔ ایک جھماکا سا ہوا تھا جیسے اور لاریب کی تبدیلی کا اسرار کھل کر واضح ہوگیا۔

سکندر وہاں سے پلٹا تو اس کا سر شرمندگی کے احساس سے جھکا ہوا تھا۔ لاریب نے اس کی خاموشی پر بے اختیار سکھ کا سانس لیا جب وہ چائے لے کر آئی سب کے ہنستے مسکراتے خوش باش چہروں میں سکندر اسے گم صم نظر آیا تھا گاہے بگاہے اس پر نگاہ ڈالتی وہ اس خاموشی کے پیچھے اصل وجہ کھوجتی رہی۔

"ارے.....ارے.....اس طرح بار بار بھائی کو کیوں گھورتے ہو، سیدھی طرح سے کرلو جو بھی بات کرنی ہے۔" سکندر کی لاریب پر اٹھتی نظر کو گرفت میں لیتا ہوا فراز یک دم شوخی بھرے انداز میں کہہ گیا جب کہ سکندر نے خفیف ہوتے رسٹ واچ پر نگاہ کی تھی۔

"ٹائم بہت ہوگیا ہے میرا خیال ہے سونا چاہیے۔"

لاریب نے ایک نظر ڈالی، اسے سکندر کی آنکھوں کے زیریں کنارے بے تحاشہ سرخ ہوتے محسوس ہوئے فراز معنی خیزی سے مسکرانے لگا۔

"تو جاؤ، سو جاؤ، منع کس نے کیا ہے، بھابی البتہ یہاں رہیں گی ہم ایک بار پھر ان سے کافی بنوا کر پئیں گے کیوں بھابی؟" فراز نے آنکھیں نچا کر کہتے لاریب کو بھی اپنا ہمنوا کرنا چاہا تو وہ بس بے دلی سے مسکرادی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو تمہاری چاکری پر مامور کردوں گا، اٹھو لاریب۔" سکندر نے صرف کہا نہیں ہاتھ بڑھا کر لاریب کی کلائی بھی تھام لی تو وہاں اسے محبت کا بے باک مظاہرہ سمجھتے ہوئے ہر سمت ہاہو کار مچ گئی تھی۔ نیوی بلیو سوٹ میں بے تحاشا دمکتی لاریب کی رنگت سکندر کی اس حرکت پہ کندن کی مانند دہک کر جگمگاتی اسے کچھ اور بھی حسین اور دلفریب بنا گئی تھی۔

"ہوں.....ہوں چاکری کے تو بہانے ہیں ورنہ اصل مقصد تو اپنی مسز کو یہاں سے اڑانے کا تھا۔" فراز نے ہنستے ہوئے پھر ٹکڑا لگایا تو سکندر دلکشی و دل آویزی سے مسکرادیا۔

"نئی نویلی دلہن کے بغیر بیڈ روم کیسے کاٹنے کو دوڑتا ہے اندازہ تو ہوگا تمہیں۔" اس فقرے میں سکندر نے فراز کو جیسے ایک ساتھ بہت کچھ جتلایا تھا اور لاریب کی جز بز کیفیت حجاب آمیز جھنجلاہٹ کو خاطر میں لائے بغیر یونہی ہاتھ پکڑے ہال کمرے سے نکال لایا تھا مگر اس کے بعد وہ ایسا اجنبی تھا جیسے لاریب سے کوئی تعلق تھا نہ ہی وہ اسے جانتا تک ہو۔

"کب سے ہے تمہاری خراب طبیعت؟" وہ ہاتھ لینے کے بعد واش روم سے نکلا تھا لاریب کو بیڈ پر بیٹھتے چھینکتے پا کر قدرے چونکا۔

"ابھی کچھ دیر قبل اچانک ہی زکام ہوگیا ہے۔" رومال سے ناک پونچھتی لاریب ایک بار پھر چھینکی تو سکندر نے آئینے میں سے ہی اس کی ڈبڈبائی نظروں اور سرخ ہوتی ناک کو دیکھا تھا۔

"تم صوفے پر لیٹو، فلو کے جراثیم بہت تیزی سے پھیلتے ہیں اور میرا بیمار پڑنے کا موڈ نہیں۔" نخوت زدہ انداز میں کہتا وہ لاریب کو صرف خفت زدہ نہیں کر گیا تھا۔ عجیب سی یاسیت سے بھی دوچار کر گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ بیڈ سے اٹھی تو سکی کا کاٹ دار انداز اس کے اندر وحشت بھر رہا تھا۔

(مجھ سے اتنا دور مت جاؤ سکندر حیات کہ یہ فاصلے پاٹنا میرے بس کی بات نہ رہے) صوفے پر لیٹنے کے بعد سکندر کی جانب سے کروٹ بدلتے آنسوؤں پر باندھے بند ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

عباس حیدر نے سرد آہ بھرتے تصویروں کا البم بند کر کے رکھ دیا۔ جہاں ہر سو عریشہ کے حوالے سے یادیں بکھری ہوئی تھیں آج اسے بچھڑے اک سال پورا ہوا تھا

ایک سال...... کتنی صدیاں قید تھیں ان تین سو پینسٹھ دنوں میں وہ صبح سے ہی بے حد وحشت زدہ پھرتا رہا تھا اور لقمہ بھی کل شام سے اس کے حلق سے نہیں اتر سکا تھا۔

"صاحب فون ہے آپ کا۔" ایزی چیئر پر جھولتے بے کل سے عباس کو ملازمہ نے آکر مخاطب کیا۔ ہاتھ میں کارڈلیس تھا جو وہ اس کی جانب بڑھائے ہوئے تھی۔

"جو کوئی بھی ہے منع کردو اسے مجھے کسی سے بھی بات نہیں کرنی۔" وہ بولا تو اس کی آواز بھنچی بھنچی ہوئی تھی۔

"سر یہ آپ کی مدر کی کال ہے، بہت خفا ہو رہی تھیں مجھ پر کہ آپ کا فون کیوں بند جا رہا ہے مسلسل۔" ملازمہ کے ہکلا کر کہنے پر عباس کو ناچار فون لینا پڑا تھا۔

"السلام علیکم اماں جان۔" وہ جیسے بادل ناخواستہ بولا۔

"وعلیکم السلام بیٹے کہاں گم ہو آپ، کتنے فون کیے مگر......؟"

"خیر اماں جان؟" ان کی متوقع ناراضی کے آگے بند باندھتے ہوئے اس نے اگلی بات چھیڑی۔

"بیٹے ایمان کی صحت یابی کی خوشی میں تمہارے چاچا سائیں نے اپنے گھر میں ختم القرآن کروایا ہے رشتہ داروں کی دعوت بھی ہے۔ تم آجاؤ، دیکھو اب یہ مت کہنا کہ نہیں آسکتا لاریب کی شادی پر بھی تم شریک نہیں ہوئے بالکل مناسب نہیں ہے یہ رویہ، نئی نئی تعلق میں بحالی آئی ہے وہ لوگ سمجھیں گے تم ملنا ہی نہیں چاہتے۔" ان کے انداز سے ہی لگ رہا تھا کہ اس کا انکار انہیں گوارا نہیں ہوگا عباس نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"کب ہے دعوت؟" وہ بے بس سا ہوا تھا۔

"کل شام کو اور سنو بیٹے اکیلے ہی نہ چلے آنا بہو اور بچوں کو ساتھ ضرور لانا ٹھیک ہے۔" اپنی سنا کر اب وہ اس کی تائید کی بھی خواہش مند تھیں۔ عباس نے محض ہنکارا بھرا اور فون بند کردیا وہ شام اور رات بھی گزر گئی۔ عباس صرف نماز کی ادائیگی کے لیے گھر سے نکلا تھا۔

"یہ دیا اتنا کیوں رو رہی ہے؟" اگلے دن وہ ظہر کی نماز کے بعد گھر لوٹا تو بری طرح سے بلکتی دیا کی آواز سن کر اسی سمت آگیا جسے ملازمہ سنبھالنے میں ہلکان بلکہ بےزار نظر آرہی تھی۔

"بچے فاطمہ میم کے بغیر نہیں رہتے ہیں سر، اسامہ بابا بھی خاصا تنگ کرکے بڑی مشکلوں سے سوئے ہیں۔"

"کیوں، فاطمہ کہاں ہے، طبیعت ٹھیک ہے اس کی؟" دیا کو ملازمہ سے لیتا وہ یہی قیاس کرسکا تھا۔

"سر! فاطمہ میم اپنے بھائی کے گھر چلی گئی ہیں۔" ملازمہ کی فراہم کردہ اطلاع نے عباس کو ہک دک کرکے رکھ دیا۔

"کب...... اور بچوں کو چھوڑ کر؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"آج ہی، بچوں کے بارے میں تو میم نے کچھ ہدایت نہیں دی۔" ملازمہ کے جواب سے عباس کی تسلی نہیں ہوسکی۔ دیا کو چاکلیٹ تھما کر بہلانے کی کوشش کی مگر وہ مما مما کی گردان کیے جا رہی تھی۔ عباس چند منٹ میں ہی جھنجلانے لگا کچھ سوچ کر اس نے فاطمہ کا نمبر ڈائل کیا مگر اس پر جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ ابراہیم احمد سے کبھی رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ نہ اس کا کانٹیکٹ نمبر اس کے پاس تھا اس نے دیا کو واپس ملازمہ کے حوالے کیا۔

"جاؤ بیٹے اچھے والے کپڑے پہنو آپ کو مما کے پاس لے کر چلتا ہوں۔" دیا کا گال نرمی سے تھپتھپا کر اس نے بچی کو تسلی دی تھی اور خود سیل فون سے وہ فراز کا نمبر ملا رہا تھا۔

❁......❁......❁

اس نے نرم مسکان کے پیچھے اپنا ہر دکھ پوشیدہ کرلیا تھا یہی وجہ تھی کہ سمعیہ کے ساتھ ساتھ ایمان بھی اس کے اندر کا بھید نہیں پاسکی۔ ابراہیم کچھ عجلت میں تھا۔ جبھی اسے اپارٹمنٹ میں سمعیہ اور ایمان کے پاس چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا سمعیہ کے انداز میں فاطمہ کے لیے بے حد محبت تھی وہ بہت پیار سے پیش آرہی تھی۔

"مجھے اسی روز انہوں نے بتا دیا تھا جب وہ آپ سے مل کر آئے، میں خود بھی آپ سے ملنے آنا چاہ رہی تھی مگر لاریب کی شادی کی مصروفیت کی وجہ سے آنا نہیں ہوسکا

بہت اچھا ہوا آپ چلی آئیں۔ لیکن بچوں کو ساتھ کیوں نہیں لائیں، ابراہیم احمد بتارہے تھے آپ کے دونوں بچے ماشاء اللہ بہت کیوٹ ہیں۔" یہ آخری والی بات ایسی تھی جس کے متعلق فاطمہ کے پاس جواب نہیں تھا۔ جبھی اپنی جگہ پر بے چین ہوکر پہلو بدلا اور ایمان کو دیکھا جو قدرے گم صم نظر آرہی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے دانستہ مسکرانے کی کوشش کی اس کالو دیتا حسن اس سوگوار تاثر کے ساتھ کچھ اور بھی سحر انگیزی سمیٹ لایا تھا ایمان نے ہڑبڑا کر خود کو بامشکل سنبھالا۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہو فاطمہ؟" کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے لہجے میں مخصوص بشاشت اور خوشدلی نہیں بھر سکی، فاطمہ نے مسکرا کر اس کی بات کا جواب دیا اور چند مزید رسمی باتیں کی تھیں۔

"لاریب کی بہن ہیں ایمان بھابی، اس طرح تو آپ کا ان سے ڈبل رشتہ بنتا ہے۔" سمعیہ جو پوری حقیقت سے بے خبر تھی بے تکلفی سے بولی فاطمہ کے حسین خدوخال میں خوشگواریت کا تاثر ابھر آیا یا اس نے شعوری طور پر پیدا کیا ایمان سمجھنے سے قاصر رہی، البتہ وہاں سے راہ فرار ڈھونڈنے کو یکدم اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے مردتاً ہی مسکرا کر کہا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے اندر کی گھٹن بڑھ رہی تھی۔

لاریب سکندر کے ساتھ خوش ہے ایمان کا یقین اس وقت بکھر گیا تھا جب بات بے بات ایمان نے لاریب کی آنکھوں کا بھیگنا اور وحشت سے بھرنا محسوس کیا تھا گم صم خاموش اور حراساں نظر آنے والی یہ وہ لاریب تو کہیں سے بھی نہیں تھی جس کی کھلکھلاہٹوں اور نازک مزاجی کے وہ سب گواہ تھے۔ اس نے صاف محسوس کیا تھا کہ وہ ایک سمجھوتے سے بھری زندگی گزار رہی ہے۔ اس جذباتیت میں اٹھائے گئے قدم کے بعد مستقل سمجھوتہ جو ناگزیر ہوچکا تھا وہ لاریب جو مزاج اور پسند کے برخلاف جوتے استعمال نہیں کرسکتی تھی اسے زندگی میں کیسے بڑے اور کٹھن سمجھوتے کی چکی میں خود کو پیسنا پڑ گیا تھا۔ ایمان سے یہ سب دیکھا نہیں جاسکا تو سکندر کے گھر سے واپس یہاں چلی آئی تھی۔ حالانکہ بابا سائیں کی خواہش تھی کہ وہ ان کے ساتھ رہے۔

"سکندر اور لاریب نے حویلی اور میری ذمہ داریوں کو بہت بہتر طریقے سے انجام دیا ہے بیٹا، اب وہ اپنی زندگی اپنے طور پر گزارنے کا حق رکھتے ہیں۔ امامہ کو میں یہاں اس لیے بلوانا نہیں چاہتا کہ تمہارے تایا جان اور تائی جان اکیلے ہوجائیں گے کہ عباس تو مستقل شہر میں ہی رہتا ہے۔ ہاں تم سے ضرور کہوں گا کہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اپنی اس بچی کے ساتھ میں نے دانستہ یا نادانستہ بھی بہت زیادتی کی تھی لیکن میں آپ کو مجبور بھی نہیں کرنا چاہتا آپ اپنی مرضی کا فیصلہ کرسکتی ہو۔" اور جواب میں ایمان سسکیاں دباتی ان کے بازوؤں سے لگ گئی تھی۔

"میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھاؤں گی بابا جان، وہ ذمہ داریاں جنہیں میں لاریب کے کاندھوں پر ڈال گئی تھی۔ آپ کے ساتھ بہت سارا وقت گزارنے آپ کی خدمت کرنے اور آپ کی محبتیں پانے کی میرے اندر بھی بہت پیاس ہے شرجیل سے بات کرنے اور ان کی اجازت پانے کے بعد میں مستقل آپ کے پاس آجاؤں گی۔" اور بابا سائیں نے مسکرا کر اس کا سر تھپکا تھا شرجیل سے یہ معاملہ ڈسکس کرنے کے بعد جب اس نے اجازت مانگی تو شرجیل نے اسے اپنی رضا کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار سونپ کر گویا اس کا مان بڑھا دیا تھا۔ یہاں ایمان اپنا ضروری سامان لینے ہی رکی ہوئی تھی مگر اب فاطمہ سے ہونے والا سامنا اسے بکھیرنے اور مزید توڑنے کا باعث بن گیا تھا۔

"مجھے صاف لگتا ہے بھابی، میں مذہب سے بہت دور ہوں، یہاں آنے کا مقصد ہی بھائی سے گائیڈنس لینا ہے سچ پوچھیں تو مجھے ابھی صحیح سے نماز بھی پڑھنی نہیں آتی۔" ایمان چائے لے کر لوازمات سے سجی ٹرالی لیے اندر آئی تو اس نے فاطمہ کو کہتے سنا تھا۔ ایمان کچھ کہے بغیر

صوفے پر بیٹھ کر چائے بنانے اور دونوں کو پیش کی۔

"جزاک اللہ آپی باجو۔" ایمان نے چائے کا مگ اس کی جانب بڑھایا تو اس نے بہت پیاری سی مسکان سے اسے نوازا تھا ایمان اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ کتنی حسین تھی وہ، لمحوں میں دل جیت لینے کی صلاحیت سے مالا مال۔ اسے یقین ہوا اگر اس نے مزید ایسی ہی چند مسکراہٹوں سے اسے نوازا تو وہ لمحوں میں پگھل جائے گی تو کیا اس لیے عباس اتنا دیوانہ ہوگیا اس کا؟" وہ سوچتے ہوئے گم صم ہوگئی تھی۔

"ہمارا بہت کم وقت ایک ساتھ گزرا ہے، میں ہمیشہ ممی کے پاس رہی جبکہ بھائی ڈیڈ کے ساتھ ہوتے تھے میں تو کبھی کبھار ڈیڈ کے پاس چلی جاتی تھی مگر بھائی کبھی انڈیا نہیں آئے اس کے باوجود ہماری بہت اچھی ذہنی ہم آہنگی تھی بھائی بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے۔" وہ کتنے مان و یقین سے کہہ رہی تھی۔

"آپ لنچ میں کیا لیں گی فاطمہ، مجھے بتادیں میں وہی بنالیتی ہوں۔" مزید کچھ دیر کی گفتگو کے بعد سمعیہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تھنک اسپیشل بھابی پلیز، جو کچھ پکا ہے میں وہی کھالوں گی آپ میرے پاس بیٹھیں نا اور مجھے بتائیں آپ کی شادی بھائی سے کیسے ہوئی۔" فاطمہ کے چاہت بھرے انداز میں کچھ ایسا اشتیاق تھا جس نے سمعیہ کو گلنار کردیا۔ وہ سرخ پڑی اور ایک نظر ایمان کو دیکھا۔

"یہ سب ان کے شوہر نامدار کا کارنامہ ہے، انہی کے دوست ہیں آپ کے بھائی، بس پھر ہوگئی شادی۔" سمعیہ چاہنے کے باوجود بھی فاطمہ کے آگے وہ تفصیلات نہیں رکھ سکی جسے اپنے والدین اور دیگر فیملی ممبرز کے سامنے فخر سے دہرانے پر اسے ملامت کے نشتر اپنے جسم و روح پر سہنے پڑے تھے۔

ان کے نزدیک گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کی جو حیثیت تھی وہی سمعیہ کی حیثیت تھی اس کے ان سے ملنے اور ان کے ہاں جانے پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ لاریب اور

سکندر کی شادی کی تقریب میں تاؤ جی نے ابراہیم احمد کو دیکھ کر ایک ہنگامہ برپا کردیا تھا۔ ان کے نزدیک یہ سراسر بے حیائی کا مقام تھا کہ وہ لونڈا اٹھ کر کھلے عام ان کے گھر میں دندناتا پھرے جوان کی لڑکی کو در پردہ بھگانے کا باعث بنا تھا۔ شرجیل کے وضاحت وصفائی میں دیے گئے بیان بھی سمعیہ پر عائد جرائم مٹانے میں ناکام رہے تھے۔

"یہ آپ کا گھر نہیں ہے تاؤ جی جہاں آپ کے اندھے قوانین چلیں گے، یہاں ابراہیم احمد کی اتنی ہی عزت ہے جتنی ایک گھر کے داماد کی ہونی چاہیے، مجھے ہرگز پسند نہیں کہ آپ ابراہیم صاحب کے لیے اس طرح گرج کر بات کریں۔" سکندر کے برہم انداز پر تاؤ جی چپ تو ہوگئے تھے مگر ناگواری اپنی جگہ پر قائم ودائم رہی تھی۔ ابراہیم احمد اپنی وجہ سے ہرگز بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔ جبھی وہاں سے جانا چاہ رہا تھا مگر شرجیل نے اسے زبردستی روک لیا۔

"نہیں ابراہیم احمد، تم یہاں سے اکیلے نہیں جاؤ گے، اس لیے کہ سمعیہ سے شادی تم نے اپنی پسند سے نہیں میری خواہش کے احترام میں کی تھی تاؤ جی اگر ابراہیم احمد اور سمعیہ کے لیے یہاں جگہ نہیں ہے تو میں بھی یہاں نہیں رکوں گا نہ کبھی پلٹ کر یہاں آؤں گا۔ سمعیہ میری بہن اور ابراہیم احمد میرا قابل احترام دوست ہے۔" شرجیل کا غصہ اس پل نقطہ عروج پر تھا۔ وہ اس بات پر نالاں تھا کہ تاؤ جی نے اپنی فطرت کا شر پھیلا کر اچھا بھلا ماحول مکدر کر کے رکھ دیا تھا۔

"شرجیل! آپ یہاں سے نہیں جاؤ گے، ابراہیم صرف آپ کے لیے نہیں ہم سب کے لیے اتنے ہی قابل احترام ہیں جنہیں ان کی یہاں موجودگی پسند نہیں انہیں کھلی آزادی ہے، جانے کی۔" سکندر جو ضبط اور برداشت کا دامن بہت کم چھوڑتا تھا اس پل بے حد طیش میں آچکا تھا۔ البتہ ابراہیم کو اس کے بات کرنے کا انداز پسند نہیں آسکا تھا۔

"ٹیک اٹ ایزی سکندر بھائی، کنٹرول یور سیلف۔ بزرگوں کے ساتھ اس انداز میں بات نہیں کرتے۔" اس کا بات کرنے کا مخصوص نرم خو انداز تھا۔ پھر یہ ابراہیم احمد کا تحمل اور اعلیٰ ظرفی تھی کہ بگڑا ہوا معاملہ بتدریج سلجھنے لگا تھا ابراہیم

احمد نے خود آگے بڑھ کر تاؤ جی سے معذرت کی تھی اور سکندر و شرجیل کے سخت رویوں پر انہیں سمجھانے کا فریضہ بھی انجام دیا تھا۔

"یار اس قسم کے لوگوں کے ساتھ نرمی در سان کا فائدہ ہی نہیں ہے۔" شرجیل ابراہیم کے تحمل و بردباری کے آگے پہلی بار جھنجلاہٹ کا شکار نظر آیا تو ابراہیم احمد نے جواباً اسے اسی نرمی و ملائمت سے ٹوکا۔

"یہ بہت غلط طریقہ ہے شرجیل بزرگوں کے متعلق بات کرنے کا دوسری اہم بات یہ کہ کسی کی برائی کو دیکھ کر اگر آپ خود بھی اچھائی کا دامن چھوڑ دیں گے تو اچھائی کا فقدان ہوتے ہوتے خاتم ہو جائے پھر آپ میں اور برائی کرنے والے میں فرق بھی کیا رہ جائے گا۔ بلکہ گہرائی سے سوچا جائے تو برائی کو دیکھ کر اچھائی سے دستبردار ہو جانے والے کا درجہ تو برائی پر قائم رہنے والے سے بھی کم تر سطح پر نظر آئے گا۔ کیونکہ ضروری نہیں برائی والا علم والا بھی ہو اگر کہیں سے فیض بھی پا چکا ہو مگر اچھائی والے کو اللہ نے علم کی دولت سے ہی نہیں عمل کی سعادت سے بھی نوازا ہے، پھر بعد میں اگر ایسا رویہ اختیار کیا جائے تو خدا ہم سے راضی رہے گا؟" وہ سوال کر رہا تھا اور شرجیل خفت زدہ کھڑا رہ گیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو ابراہم احمد ہمیں کبھی بھی کسی کو نچلے درجے کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے، کیونکہ اچھی سوچ بہتر عمل ہماری ذاتی خوبی و کارکردگی نہیں بلکہ خالصتاً اللہ کی عطا ہے اسی کا کرم ہے۔" شرجیل نے اپنی غلطی تسلیم کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور ابراہیم احمد بے ساختہ مسکرانے لگا تھا۔

"بالکل امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ سب انسان مردہ ہیں زندہ وہ ہیں جو علم والے ہیں۔ سب علم والے سوئے ہوئے ہیں بیدار وہ ہیں جو عمل والے ہیں۔ تمام عامل والے گھاٹے میں ہیں فائدے میں وہ ہیں جو اخلاص والے ہیں۔ سب اخلاص والے خطرے میں ہیں صرف وہ کامیاب ہیں جو تکبر سے پاک ہیں۔"

"تو شرجیل احمد کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ابھی تو ہمیں خود اپنے سدھار کے لیے بہت ریاضت و محنت درکار ہے۔" وہ

جب بات کر رہا تھا سمعیہ نے ایک ایک حرف سنا تھا اور جیسے مبہوت ہو کر رہ گئی تھی اسے لگا تھا فاطمہ کا یہاں آنا اور ابراہیم احمد کی محبت میں علم کی دولت حاصل کرنا بالکل درست فیصلہ ہے کال بیل کی آواز ابھری تو ایمان معذرت کرتی اٹھی تھی مگر چند لمحوں کی تاخیر کے بعد وہ پھر واپس آ گئی۔

"فاطمہ عباس بھائی آئے ہیں۔" یہ اطلاع ایسی تھی جس پر تمام تر غیر یقینی کے باوجود فاطمہ کا دل اتنی شدت سے دھڑکا کہ اس کی آواز فاطمہ نے خود سنی۔

"عباس.....!" وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی ایمان اور سمعیہ نے دیکھا ایک لمحے میں جیسے اس کے چہرے پر ہزاروں بلب روشن ہوں لیکن ساکت و ساکن ایسے کھڑی تھی جیسے خود بھی اس بات کا یقین نہ آیا ہو اگلے لمحے وہ کانپتی ٹانگوں اور تمتماتے چہرے کے ساتھ کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی تو اس کے روئیں روئیں میں انوکھی ترنگ اور سرمستی پھیلتی چلی گئی تھی۔

"السلام علیکم!" اس کی آواز میں ایک جوش و خروش اور بھرپور زندگی کا احساس تھا۔ عباس پر اس نے محض ایک نگاہ ڈالی تھی پھر اس کی لرزتی پلکیں جھک گئیں۔ اندر ایسا سکون واطمینان پھیلا تھا جیسے کہ گم شدہ چیز کے مل جانے کے بعد حاصل ہو سکتا ہے۔ تب ہی عباس اس کی جانب متوجہ ہوا دونوں بچے ایک منٹ کے ہزارویں حصے میں باپ کو چھوڑ کر فاطمہ کی جانب لپکے تھے۔

"بنا بتائے منہ اٹھا کر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی، وہ بھی بچوں کو چھوڑ کر۔" وہ بری طرح تپا ہوا تھا۔ اندر کا وہ سارا غصہ اس نے لمحہ بھر کی تاخیر کے بغیر فاطمہ پر نکالا جس کوفت سے وہ پچھلے چند گھنٹوں کے اندر گزر رہا تھا۔ اس نے فاطمہ پر جو نگاہ ڈالی تھی وہ بے حد سنگین تھی۔ چہرے پر ایسا قہر اور تلخی و درشتی تھی کہ فاطمہ لمحہ بھر میں سرد پڑنے لگی۔ اسے اپنی اس بے اختیاری و کمزوری پر طیش سا آیا۔ جس کا مظاہرہ ابھی اس کا دل کر چکا تھا۔ تو یہ طے پایا تھا کہ ابھی بھی عباس کی صرف ایک معمولی سی کوشش اس کے دل و دماغ اور پورے وجود کو زیر و زبر کر سکتی تھی۔ یعنی وہ آج بھی اس پر اسی

شاہانہ انداز میں حکمران تھا وہ یعنی عباس حیدر۔ جبکہ وہ اللہ کی خاطر اس شخص سے پلٹ آنا چاہتی تھی اس کی اجارہ داری اس کی حکومت سے نکل جانا چاہتی تھی کیا وہ ایک بار پھر اس جرم کی مرتکب ہونے جارہی تھی جو اس سے بارہا مرتبہ نادانی میں جنون اور دیوانگی میں سرزد ہوتا رہا تھا؟

"نہیں۔" اس نے وحشت زدہ انداز میں خود اپنی سوچ کی نفی کی اور بچوں کو اپنی گود سے اسی وحشت بھری کیفیت میں نکال دیا وہ پہلے بے وقوف تھی لاعلم تھی جنونی تھی اب وہ باشعور تھی لاعلم بھی نہیں تھی اور جنون...... اس شخص سے وابستہ اب ہر جنون ختم ہوجانا چاہیے تھا اس نے صرف سوچا نہیں فیصلہ بھی کرلیا۔

"اٹھو، ابھی چلو میرے ساتھ، مس فاطمہ تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ میری زندگی میں میرے گھر میں انہی بچوں کی بدولت جگہ ملی تھی۔ اس ذمہ داری سے کوتاہی برداشت نہیں کرسکتا ہوں میں۔" عباس اس کی سوچوں، اس کے فیصلے سے لاعلم تھا جبھی اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کررہا تھا اس کا لہجہ پھنکار زدہ تھا۔ مگر اس نے خود کو سنبھالے رکھا وہ اب کسی قیمت پر ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ جبھی اس نے یکسر بدلے انداز اور لہجے میں کہا۔

"مجھے کچھ دن یہاں رہنا ہے، بھائی کے ساتھ۔" اس نے پہلے عباس کے چہرے سے نگاہ ہٹائی پھر مدہم مگر مضبوط لہجے میں کہا۔ اب وہ اپنے دل کو اپنے پیروں تلے کچلنے کا عزم رکھتی تھی۔ اس دل کے ہاتھوں بہت خواری سہہ لی تھی اب اور نہیں، عباس بھونچکا رہ گیا مگر اگلے لمحے وہ پھٹ پڑا تھا۔

"بکواس بند کرو فاطمہ، انکار کی ہمت بھی کیسے ہوئی تمہیں، اپنی اوقات بھول گئی ہو کیا تم؟" وہ سراپا قہر و غضب تھا۔ فاطمہ کی رنگت چوکھٹ پر کھڑے ابراہیم احمد کو پا کر ہی متغیر ہوئی تھی اور کچھ نہ سہی مگر وہ عباس کی آخری پھنکار ضرور سن چکا تھا۔ ایسی ذلت...... وہ بھی برسوں بعد ملنے والے ہر معاملے سے انجان بھائی کے سامنے فاطمہ کو جیسے زمین میں گاڑھ کر رکھ گئی سبکی اور بے مائیگی کا احساس نمی بن کر اس کی آنکھوں سے پھوٹ پڑا۔

"السلام علیکم، کیسے ہیں عباس صاحب، فاطمہ جاؤ بیٹا اپنی چادر لے آؤ۔" ابراہیم احمد سب کچھ سن لینے کے باوجود اسی تحمل و رسان سمیت کہتا عباس سے ملا تھا جو اس کے مزاج اور طبیعت کا خاصہ تھا فاطمہ دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکلی تھی۔ جبکہ عباس بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ نگاہ کا زاویہ بدل کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"آپ جتنی بھی جلدی میں ہیں مگر چائے پیے بغیر میں ہرگز آپ کو جانے نہیں دوں گا۔" اسامہ کو گود میں لے کر پیار کرتا ہوا ابراہیم عباس کے مدمقابل بیٹھ گیا۔ عباس اس کی غیر متوقع اچانک آمد سے صرف بے زار ہی نہیں جز بز اور خائف بھی ہوا تھا کہ اس چپقلش کے متعلق فاطمہ کے بھائی ہونے کے ناطے اس کے سوال جواب سے گریزاں تھا ابراہیم احمد کے اتنے نارمل انداز پر بے ساختہ ٹھٹک کر اسے بغور تکنے پر مجبور ہوا۔

چھوٹی چھوٹی ریشمی سنہری داڑھی، سنہری سی آنکھیں اور بے تحاشا سرخ و سفید رنگت کا مالک مضبوط و توانا سراپا اور مخصوص لباس۔ وہ وجاہت خوبروئی اور مردانہ دلکشی کا شاندار بے مثال نمونہ لگتا تھا۔ اس کے انداز میں کچھ ایسی تمکنت وقار اور جاذبیت تھی کہ عباس کو اپنا سارا تناؤ زائل ہوتا محسوس ہوا۔

"بہت شکریہ آپ کا ابراہیم احمد میں کچھ جلدی میں ہوں تو......!"

"چائے بالکل تیار ہے آپ کو پانچ منٹ بھی نہیں لگیں گے ویسے میں شرمندہ ہوں بنا آپ کی اجازت کے فاطمہ کو لے آیا غلطی فاطمہ سے بھی ہوئی اسے آپ کی......!"

"اٹس اوکے۔" بنا غلطی و قصور کے ابراہیم احمد کی معذرت اسے اتنا خفت زدہ کرچکی تھی کہ وہ مداخلت کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ یہ ابراہیم احمد کی اعلیٰ ظرفی کا بے مثل ثبوت تھا جو اس پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ جبھی اس نے اپنے رویے کے ازالے کے طور پر اس کی وضاحت ضروری

خیال کی تھی اس کے باوجود کہ یہ اس کے شاہانہ مزاج کا حصہ کبھی نہیں رہا تھا۔

"دراصل مجھے فاطمہ اور بچوں کو ہمراہ لے کر اپنے پیرنٹس کے پاس گاؤں جانا ہے ارجنٹ، فاطمہ بھی اس پروگرام سے آگاہ نہیں تھیں گاؤں سے واپسی پر میں خود فاطمہ کو آپ کے پاس کچھ دن قیام کے لیے چھوڑ جاؤں گا۔" اس کا لہجہ وانداز معذرتی تھا۔

"ضرور، مجھے خوشی ہوگی۔" عباس کے اٹھنے پر ابراہیم احمد نے الوداعی مصافحہ کیا فاطمہ وہاں آچکی تھی۔

"مجھ سے ملنے آتے رہیے گا بھائی، مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔" جس لمحے ابراہیم نے فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھا وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتی اس کے شانے سے لگ کر آنسو بہانے میں کچھ ایسی مصروف ہوئی تھی کہ ابراہیم احمد بھی بوکھلا گیا تھا۔

"ارے رے خود کو سنبھالو، دو بچوں کی اماں بن کر بھی تم ایسے رو رہی ہو جیسے شادی کے بعد پہلی بار رخصت کر رہا ہوں تمہیں۔" ابراہیم احمد کا لہجہ بظاہر جتنا بھی خوشگوار سہی مگر اس کی سحر طراز سنہری آنکھوں میں اضطراب صاف کروٹیں لیتا نظر آیا تھا۔ یہ وہی اضطراب تھا جو ایک بھائی کو بہن کی گرہستی کے غیر پائیداری کے یقین کے بعد گھیرتا ہے۔ عباس کی ڈانٹ اور فاطمہ کے بہتے آنسو صاف ظاہر تھا اندر کوئی نہ کوئی کہانی ضرور تھی۔

"مما کیوں رو رہی ہیں، پاپا؟" اسامہ نے بے قرار ہوتے باپ سے پوچھا۔ عباس نے ایک پرتپش نگاہ ہنوز ابراہیم کے ساتھ لگی کھڑی آنسو بہاتی فاطمہ پر ڈالی اور گہرا سانس بھرا۔ ابراہیم نے ہی بچوں کی پریشانی کا احساس دلا کر فاطمہ کو سنبھلنے پر اکسایا۔

"میرے خیال میں کسی کا ہاتھ پکڑ کر مشکل وقت میں ساتھ نبھانے کا عہد کرکے اس سے بے پروائی برتنا بالکل مناسب بات نہیں ہوتی۔" جس وقت ابراہیم احمد پارکنگ میں موجود ان کی گاڑی میں انہیں بٹھا کر الوداع کہہ کر خود چلا گیا عباس نے ترچھی نگاہ سے فاطمہ کو تکتے بالخصوص کہا اور گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ لہجہ گمبھیر تھا جس میں فاطمہ کو ہلکے سے شکوے کی جھلک بھی محسوس ہوئی تھی۔ فاطمہ جو رخ پھیرے ہوئے تھی جہاں کی تہاں رہ گئی اس نے بے اختیار گردن موڑی، عباس اس کی جانب متوجہ تھا اس وقت اس کی نظروں میں وہ مخصوص سختی تھی نہ کھردرا پن۔

"بچوں کی ذمہ داری کو تم نے بخوشی قبول کیا تھا میں نے کسی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا تم پر۔" اس کی حیران نظروں کے جواب میں عباس نے گویا اس پر اپنی بات کی وضاحت کی اس کا لہجہ نرم تھا فاطمہ نے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا وہ اس کے لہجے کی نرمی میں کھونے لگی جو آج خصوصیت سے محسوس ہو رہی تھی وہ سرد پن، وہ سپاٹ وخشک انداز لیا دیا اسلوب غرض نہ رکھنے والی بے پروائی۔ بے گانا تیور جو اس کے مزاج کی پہچان تھے مگر اس وقت سب کچھ نیا تھا انوکھا تھا اس کی نظروں میں ملائم کیفیت تھی۔ یہی اپنائیت یہی دل آویزی اسے پھر سے گھیر نے پھر سے جکڑنے کا باعث بننے لگی۔ مگر اب وہ اس دام فریب میں نہیں آنا چاہتی تھی۔

"مسلمان ہونے کے بعد مجھ پر صرف حقوق العباد نبھانے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی میں اللہ کے حقوق کو بھی بااحسن نبھانے کی خواہش مند ہوں اور یہ اس صورت ممکن ہو سکے گا اگر میں اس کے متعلق معلومات حاصل کروں، بھائی کے پاس آنے کی اہم وجہ یہی تھی۔" وہ پہلی بار عباس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اتنے مضبوط اتنے واضح اور مدلل انداز میں گویا ہوئی تھی کہ عباس پہلے حیران ہوا پھر نرمی سے مسکرانے لگا۔

"میں نے آپ کو منع نہیں کیا، مگر آپ کو بتانا چاہیے تھا مجھے اور بچوں کو ساتھ لے جاتیں۔" جبکہ عباس کی بات کے جواب میں فاطمہ کے چہرے پر زہر خند سا پھیل گیا تھا۔

عباس اسے اور بچوں کو گھر کے گیٹ پر اتار کر خود کسی کام سے چلا گیا مگر فاطمہ کی سوچیں ہنوز اپنی جگہ پر قائم و دائم تھیں۔

❁......❁......❁

ختم القرآن کی مقدس محفل اپنے اختتام کو پہنچی تو اس

کے بعد دعا مانگی گئی۔ مردوں کا انتظام مردانے میں تھا جبکہ خواتین کی طرف کا سارا انتظام ایمان دیکھ رہی تھی۔ فاطمہ کی خصوصی دعوت پر زینب بھی مدعو تھی اور اس نے واعظ بھی کیا تھا زینب سے مل کر سب سے زیادہ امامہ خوش نظر آتی تھی۔

کھانے کے بعد جب چائے کا دور چلا تو مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگے تب ہی سکھاں بابا سائیں کے پیغام کے ساتھ چلی آئی۔

"بی بی صاحبہ بڑے سائیں آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"ہاں آرہی ہوں۔" ایمان نے چائے کا مگ واپس رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی اس کے اصرار پر لاریب اس کے ساتھ ہوئی تھی کہ ایمان اکیلی وہاں جاتے گھبراہٹ محسوس کررہی تھی۔ جیسے ہی وہ دونوں ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچیں اسی لمحے سکندر باہر نکلا تھا آف وائٹ کلر کے نفیس کڑھائی کے شفون لباس میں سلیقے سے اوڑھے دوپٹے میں لاریب کا بیلے کی کلیوں سے بھی نازک سراپا اپنی تمام تر جاذبیت اور دلکشی کے ساتھ اتنا مکمل نظر آرہا تھا کہ اس پر اٹھی سکندر کی نظر واپسی کا راستہ بھولنے لگی۔

"اندر کون کون ہے سکندر؟" ایمان نے اسے دیکھ کر استفسار کیا۔

"سب ہیں، قابل احترام عباس حیدر سمیت۔" سکندر نے بے حد سنجیدگی سے کہتے جس طرح لاریب کو دیکھا تھا وہ یکدم کنفیوژ ہوگئی تھی۔

"آپ ذرا میری بات سنیں۔" سکندر نے صرف کہا نہیں ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی بھی پکڑی تو لاریب نے گڑبڑا کر ایمان کو دیکھا جو نظر اندازی کا تاثر دیتی آگے بڑھ کر اندر داخل ہوگئی تھی۔

"میں ہرگز نہیں چاہتا ان دونوں بھائیوں کی موجودگی میں تم وہاں جاؤ، صرف ابھی نہیں، کبھی بھی ان سے تمہارا سامنا پسند نہیں کروں گا۔ یہ بات بہتر ہے کہ تم اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھالو کیا بہتر ہوتا کہ جو وعدے تم نے اللہ سے کیے ان میں اس اہم بات کو بھی شامل کرلیتیں۔" ایمان کی نگاہ سے اوجھل ہوتے ہی وہ اس کا بازو چھوڑ کر تحکمانہ انداز میں کہتا آخر میں طنز بھی سمیٹ لایا تھا۔ لاریب کی رنگت پہلے متغیر ہوئی تھی پھر پھیکی پڑتی چلی گئی ایک لفظ کہے بغیر اس نے ہونٹوں کو بے دردی سے کچلا تھا۔ سکندر اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کرتا خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا دوسری جانب نکل گیا۔ لاریب کے واپسی کو اٹھتے قدموں میں کرب اور ملال لپٹا ہوا تھا۔ اسے سکندر کا یہ اجنبی بے گانہ رویہ کند چھری سے کاٹتا تھا مگر وہ شاکی نہیں ہونا چاہتی تھی اسے وہ سب بھی یاد تھا جو اس نے سکندر کے ساتھ کیا تھا۔ وہ بہتے آنسو پونچھتی واپس زنان خانہ کی طرف چلی گئی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

عباس اماں جان کے کمرے میں آیا تو دیا کو ان کی گود میں لیٹے دیکھ کر چونکا۔

"بیٹی تو تمہاری سوگئی، اسے لے جانا اب کمرے میں مما مما کی گردان کرتے بڑی مشکل سے سوئی ہے۔ دونوں بچے ماں کے ہی زیادہ عادی ہیں۔ فاطمہ پر بہت ذمہ داریاں عائد کردی ہیں تم نے بیٹا گھر میاں بیوی کی باہم ذمہ داری اور توجہ کا متقاضی ہوتا ہے۔" اماں جان دیا کو نرمی سے بستر پر لٹاتیں اسے سمجھانے لگیں۔ عباس نے بھنوئیں اچکا کر انہیں دیکھا اور ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"اتنے چھوٹے جڑواں بچوں کو سنبھالنا اور دیکھ بھال کرنا جان جوکھم میں ڈال دیتا ہے حوصلہ ہے بچی کا اتنی کم عمری میں ماں بنی اور بچوں کو ایسے سنبھالتی ہے جیسے پتا نہیں کتنا تجربہ ہو اس کام کا۔ دراصل بہت محبت ہے بچوں سے۔" اماں جان فاطمہ کے انداز واطوار سے صرف مطمئن ہی نہیں بے حد خوش بھی نظر آرہی تھیں۔ عباس پتا نہیں کس جذبے سے خائف ہوتا جز بز نظر آنے لگا۔

"ہر ماں اولاد کی کیئر کرتی ہے اماں جان کیا وہ کچھ انوکھا کررہی ہے؟" اس کا انداز ایسا تپا ہوا تھا کہ اماں جان نے چونک کر اسے دیکھا پھر رسانیت سے ٹوکا۔

"ہر ماں ایسی نہیں ہوتی عباس بیٹے زینی کو تم نے دیکھا ہے بچوں کی پروا تک نہیں کرتی یہاں آئی ہے تو ملازمہ ساتھ ہے۔" ان کا انداز شاکی تھا عباس یوں نظریں چرا گیا

جیسے بری طرح لاجواب ہوگیا ہو۔

"تم کیا فاطمہ سے خفا ہو کسی بات پر؟" ان کے سوال پر عباس صرف چکرایا نہیں تھا پریشان ہو کر انہیں تکنے لگا۔ ایسے جیسے ان کے چہرے سے اصل بات کھوجنا چاہتا ہو اچھی خاصی خائف نظریں تھیں۔

"یہ بات کیوں کہی آپ نے؟" اس کے محتاط قسم کے سوال میں کتنے خدشے تھے اماں جان مسکرادیں۔

"اس لیے کہ جولڑکا اپنی پسند سے کسی لڑکی سے شادی کرتا ہے وہ اتنی جلدی اس سے اتنا لاتعلق اور بے نیاز نظر نہیں آتا جتنا تم اس سے لگتے ہو، بیٹا! فاطمہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کی طرح نہ تو فیشن کی شوقین ہے نہ ہی ہنس مکھ اور شوخ لگتی ہے مجھے تو وہ ہر بار سہمی ہوئی اور گم صم سی لگی کوئی تو مسئلہ ہے نا، کہیں تمہیں اب کوئی اور لڑکی تو پسند نہیں آ گئی؟" اماں جان کا آدھا قیاس بالکل درست تھا اذیت میں مبتلا کردینے والا تھا وہ ہونٹ بھینچتا ہوا نظریں چرا گیا۔ اسے قطعی سمجھ نہیں آسکی اس موقع پر اپنے ساتھ فاطمہ کا بھی پردہ کیسے قائم رکھے۔

"آپ کو مغالطہ ہوا ہے اماں جان، ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے، اب میں اٹھارہ بیس سال کا نوعمر لڑکا تو ہوں نہیں جو سرعام عشق وعاشقی کا مظاہرہ کرتا پھروں فاطمہ کا مزاج بھی کچھ سنجیدہ ہے دوسرے وہ بھی بچوں کی وجہ سے بہت مصروف رہتی ہے۔" محض ان کی تسلی کی خاطر عباس کو ٹوٹے پھوٹے جملوں کا سہارا لینا پڑا تھا۔ اماں جان جو اسے بغور دیکھ رہی تھیں اس کا کاندھا تھپک کر مسکرانے لگیں۔

"ایسی کوئی بات اگر ہے بھی بیٹے تو تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تم اب صرف شادی شدہ ہی نہیں ہو دو بچوں کے باپ بھی بن چکے ہو، فاطمہ کا خاص طور پر خیال رکھا کرو، بچوں کو لے جاؤ، نماز پڑھ لی ہوگی اس کی ماں نے۔" اماں جان نے نصیحت کرتے ہوئے دیا کو اسے تھما دیا۔ عباس اپنے بیڈروم میں آیا تو فاطمہ موجود نہیں تھی دیا کو بستر پر لٹانے کے بعد وہ سگریٹ سلگاتا بالکنی کا دروازہ کھول کر ٹیرس پر آ گیا حویلی کے باغ کی آرائشی لائٹس روشن ہو چکی تھیں۔ اس کی نظریں سرسبز چمکتی گھاس پر ابراہیم احمد کے ہمراہ سست قدموں سے ٹہلتی فاطمہ پر جا ٹھہری۔ ایک بے اختیاری کی کیفیت میں وہ کش لینا بھول کر اسے تکتا چلا گیا وہ چلتے ہوئے رکی تھی اور اپنا سر ابراہیم احمد کے کاندھے سے ٹکا دیا۔

ابراہیم کچھ کہتے ہوئے اس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔ عباس نے جلتی آنکھوں سے یہ منظر ملاحظہ کیا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر اندر کمرے میں آ گیا۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تھی اس میں قابل گرفت بات کوئی بھی نہیں تھی۔ اس کے باوجود عباس کے اندر طیش بڑھتا جارہا تھا اگلا آدھا گھنٹہ مسلسل ٹہل کر اس نے اس کا لمحہ لمحہ انتظار کیا تھا اور اپنا خون جلایا تھا جبھی فاطمہ کے آنے پر وہ خود پر اختیار کھو بیٹھا۔

"مل گئی تمہیں فرصت اپنے بھائی سے لگائی بجھائی کر کے یہاں آنے کی۔" اس وقت بھی فاطمہ کی پلکوں پر نمی کا احساس تھا اس کا فشار خون بڑھ چکا تھا۔

"بچے کیسے ہیں کس حال میں ہیں تمہیں اس سے کیا غرض بھلا، ہے نا؟" وہ پھنکارا اور فاطمہ نے گہرا متاسفانہ سانس بھر کے سر جھکا۔

"میں بچوں کے ساتھ ہی تھی تھوڑی دیر ہوئی مجھے بھائی کے پاس گئے ہوئے۔" وہ بولی تو اس کا لہجہ ہر قسم کی گھبراہٹ سے پاک تھا۔ اعتماد سے بھرپور کسی خوف سے بے نیاز عباس کو اسی یکسر تبدیل انداز واطوار نے حیران کیا تھا۔ وہ حیرانی سے نکلا تو آگ بگولہ ہونے لگا۔

"بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری، تم کیا سمجھتی ہو تمہارا بھائی آگیا ہے تو بہت طاقت آگئی ہے تم میں، اب مقابلہ کروگی تم میرا؟" عباس کچھ ایسے بھرا تھا کہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے جارحانہ انداز میں اس کی کلائی پکڑ کر بے حد طیش کے عالم میں اسے اپنے مقابل کیا۔ فاطمہ نے حسب سابق خائف ہوئے بغیر کچھ دیر بے حد عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر کسی قدر سرد مہر انداز میں اس کے اپنے کاندھے پر جمے مضبوط ہاتھ ہٹا دیے۔

"میں انسانوں پر بھروسہ اور اعتماد کرنے کی حماقت سے

نکل آئی ہوں حیدر عباس صاحب مجھے نماز پڑھنی ہے جانے دیں مجھے۔" اس کے تاثرات کی طرح اس کا لہجہ و انداز بھی سرد تھا۔ عباس حیدر تو صحیح معنوں میں دم بخود ہو گیا۔

......

سکندر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا رسٹ واچ کلائی پر باندھ رہا تھا جب اس نے کمرے کی چیزوں کو ترتیب دیتی لاریب کو منہ پر ہاتھ رکھے واش روم کی سمت بھاگتے دیکھا۔ سکندر کے ہاتھ اسی زاویے پر ساکن ہوئے تھے۔ اس نے بھنویں اچکا کر گردن موڑی، واش روم کے کھلے دروازے سے وہ واش بیسن پر جھکی نظر آئی تھی اور قے کرتے ہوئے حال سے بے حال تھی۔

سکندر نے بے اعتنائی کے بھرپور تاثر کے ساتھ نگاہ کا زاویہ بدلا اور اپنی تیاری مکمل کرنے لگا۔ لاریب کچھ توقف سے نڈھال سی کمرے میں لوٹی تو سکندر کو وہاں نہ پا کر ایک یاسیت بھرا احساس اس کے اندر گھر کرتا چلا گیا تھا۔ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اس کی حالت اور کیفیت سے لاعلم رہا ہو مگر اس کے باوجود اتنی نظر اندازی اور کٹھور پن درد میں اضافے کا باعث بنتا تھا اس وقت بھی اس کی آنکھیں پانیوں سے بھرتی چلی گئی تھیں۔

"لاریب...... جلدی آؤ بھئی...... ناشتہ بالکل ریڈی ہے۔" ایمان نے دروازہ تھپتھپا کر باہر ہی سے آواز لگائی تھی۔ لاریب نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔

"میرا ناشتہ یہیں بھجوا دیں باجو۔"

"ہائیں وہ کیوں؟ ایسے مواقع روز روز تھوڑی آتے ہیں، سب جمع ہیں آجاؤ شاباش۔" ایمان اس کی بات سن کر ہی اندر آئی تھی۔ لاریب نے سر جھکا لیا تھا۔ مزید انکار کا مطلب اسے مشکوک کرتا تھا۔ وہ کم از کم اب اسے مزید اپنی وجہ سے دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"آپ چلیں، میں آتی ہوں۔" اور ایمان مطمئن ہونے کا تاثر دیتی پلٹ کر چلی گئی۔ لاریب وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر آہستہ روی سے باہر نکل آئی۔ اپنے دھیان میں سیڑھیاں اترتے وہ ایک دم کسی کے سامنے آجانے پر بری طرح ٹھٹکی وقاص بھی کتنا حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"السلام علیکم کیسی ہیں لاریب؟" وقاص کے شائستہ و مہذب انداز میں خلوص کی چاشنی تھی مگر لاریب کو اسے روبرو پانا ہی برزخ میں دھکیل گیا تھا پھر وہ اس کے اپنے آگے احتراماً جھکی نگاہیں ہوں یا پھر لب و لہجے کی تبدیلی پر غور کیسے کر سکتی تھی۔

"میرا راستہ چھوڑو، یہ میری بدقسمتی کی انتہا ہے کہ بچاؤ کی ہزار کوشش کے باوجود کہیں نہ کہیں تم سے ٹکراؤ ضرور ہو جاتا ہے لیکن بہتر ہوگا کہ تم ایسی صورت میں مجھ سے کلام نہ ہی کیا کرو۔" ناگواری و سرد مہری چھلکاتا انداز وقاص حیدر کا چہرہ متغیر کر کے رکھ گیا۔

"میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں اور آپ سے معافی......!"

"ایسا سوچنا بھی مت وقاص حیدر کہ میں معاف کر دوں گی تمہیں۔" اس کی بات کاٹ کر وہ بے حد درشتی و نفرت سے پھنکاری، وقاص حیدر کا چہرہ دھواں ہونے لگا۔

"میں واقعی شرمندہ ہوں لاریب اور جانتا ہوں جب تک آپ معاف نہیں کریں گی اللہ بھی......!" وقاص جیسے روہانسا ہوتا بات ادھوری چھوڑ گیا۔ اس کی گردن ڈھلکی ہوئی اور نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں جن پر طنزیہ نگاہ ڈالتی وہ کاٹ دار انداز میں بولی تو لہجے میں از حد حقارت سمٹ آئی تھی۔

"کیا ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تم بدل گئے ہو، یہ چکر تم امامہ کو تو دے سکتے ہو مگر مجھے نہیں، میں جانتی ہوں کتے کی دم سو سال تک بھی نلکی میں رہے تو بھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔" معاً اس کی نگاہ ہال کمرے کے دروازے میں کھڑے سکندر پر پڑی تو وہ سب کچھ بھلائے اس کی جانب لپکی مگر سکندر تنفر زدہ انداز میں اسے کوئی موقع دیے بغیر تیزی سے راہداری کا موڑ مڑ گیا۔ اس کے پیچھے بھاگ کر آتی سٹپٹاتی سی لاریب کی آنکھوں میں جیسے یکدم گھپ اندھیرے چھا گئے تھے سکندر کو وہاں سے جاتے پا کر جبھی بے اختیار دیوار کا سہارا لیا تھا۔

"ارے دھیان سے، سب خیریت ہے نا؟" اسے پکڑ کر سہارا دینے والی ایمان تھی جس کی بڑی بڑی روشن آنکھوں میں اس کے لیے کتنی تشویش تھی۔ لاریب نے خود کو سنبھالنے کی سعی کی اور پھیکی مسکان کے ساتھ راہداری کو جانے کس آس میں مبتلا ہو کر دیکھا جو سرے تک سنسان پڑی تھی۔ سکندر جانے کہاں تھا اور اس کے متعلق اللہ جانے کیا سوچ رہا تھا اسے اس خیال سے بھی رونا آنے لگا۔

"تم ناشتہ کرنے نہیں پہنچی تو مجھے پھر تمہاری تلاش میں دوڑنا پڑا۔ تمہاری طبیعت مجھے اب بھی ٹھیک نہیں لگ رہی ہے لاریب۔" ایمان اس کی کمر میں بازو حمائل کیے اسے پھر سے کمرے میں لے آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں باجو آپ پریشان نہ ہوں۔" ایمان اسے بستر پر بٹھانے کے بعد کمر پر تکیہ رکھ رہی تھی جب لاریب نے بوجھل آواز میں اسے تسلی دی۔

"تمہارا ناشتہ یہیں لے آتی ہوں ویسے تم نے چیک اپ کرایا، مجھے لگتا ہے، ہم دونوں کے بعد اب تمہاری باری ہے ماں بننے کی۔" ایمان نے مسکرا کر کہتے اس کا رخسار چھوا، لاریب کا دل اس بات پر اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ایمان نے بے حد حیرانی سے اس کی فق ہوتی رنگت دیکھی۔

"یہ گھبرانے کی نہیں خوش ہونے کی بات ہے پگلی، خاص طور پر پہلی مرتبہ ماں بننے کی خبر سن کر تو ہر لڑکی گلاب بن کر کھلتی ہے شرماتی ہے ایک تم ہو کہ...... اچھا بتاؤ سکندر کو پتا ہے؟" ایمان اس کے سرد پڑتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت پاش انداز میں دبا کر نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ لاریب کی آنکھوں میں جانے کس احساس کے تحت نمی اترنے لگی۔ ایمان کی بات کے جواب میں اس نے محض نفی میں سر ہلایا۔ وہ اضطراری کیفیت کے زیر اثر مسلسل ہونٹ کچل رہی تھی۔

"آئی ایم شیورڈ، وہ بہت خوش ہوگا سن کر تم پہلی فرصت میں اس کے ساتھ جا کر ضروری ٹیسٹ کراؤ پھر کنفرم ہونے پر ہی ہم یہ خبر بابا جان کے علاوہ باقی سب کو سنائیں گے۔" ایمان جتنی مطمئن اور سرشار لگ رہی تھی لاریب کا دل اسی قدر تیزی سے ڈوبا جا رہا تھا ایمان نے جو ناشتہ بھجوایا وہ بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکی۔

"سکندر کہاں ہیں، انہیں بلا نا پلیز۔" ملازمہ برتن اٹھانے آئی تو لاریب نے اس بے کلی میں مبتلا رہتے ہوئے کہا اور ایمان کے کہنے پر اس سمت آتا ہوا سکندر اس کے منہ سے اپنا نام سن کر زہر خند ہونے لگا۔

"سکندر......!" لاریب کی جیسی ہی اس پر نظر پڑی وہ اپنی جگہ تیزی سے چھوڑتی بے قراری سے اس کی جانب بڑھی تھی کہ سکندر نے سرد سے انداز میں ہاتھ اٹھا کر اس کی پیش قدمی کو روکا۔

"اگر تم کوئی آرگومنٹ دینا چاہتی ہو تو اس کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔" سکندر کا پتھریلا لہجہ سابقہ سرد مہری لیے خوفناک حد تک سنجیدہ تھا۔ لاریب نے ہراساں ہوتے پھر کچھ کہنا چاہا تھا کہ وہ پھر اسی شدید انداز میں اسے ٹوک گیا۔

"میں نے کہا نا کچھ مت کہو کہے بغیر بھی میں جانتا ہوں کہ تمہارے نزدیک میری کتنی اہمیت ہے۔" سکندر کا برفیلا لہجہ لاریب کو اندر تک توڑ کر رکھ گیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے سکندر میری بات تو سنیں۔" بے بسی کی انتہا کو چھوتی وہ بلآخر رو پڑی۔ سکندر نے پرشکن پیشانی کے ساتھ ایک نظر اسے دیکھا۔ بے قراری سے سسکتی تڑپ تڑپ کر روتی یہ لڑکی ہرگز بھی اتنی بے مایا نہیں تھی کہ اس کے دل میں جمی برف کو نہ پگھلا پاتی۔ مگر وہ پگھلنا نہیں چاہتا تھا جبھی رخ پھیر کر تیزی سے پلٹ گیا۔ لاریب بستر پر گری اور زار و قطار رونے لگی۔

٭......٭......٭

جس وقت فاطمہ ابراہیم احمد کے کمرے میں داخل ہوئی اسے ایک جذب اور سرور کی کیفیت میں نعتیہ اشعار پڑھتے پایا۔

"السلام علیکم بھائی صبح بخیر۔" اس کے متوجہ ہونے پر وہ دل سے مسکرائی اور ابراہیم احمد نے بڑھ کر اس محبت و تپاک سے اس کے سر پر بوسہ دیا دن میں دس بار ان کا آپس میں

سامنا ہوتا تو اس کا انداز یہی ہوتا تھا اتنی شفقت اتنی محبت دے رہا تھا اسے ابراہیم احمد کہ فاطمہ جو والدین سے لے کر عباس تک کی محبت کے لیے جنم جنم کی ترسی ہوئی تھی ابراہیم کی پرشفقت قربت نے ساری تشنگی مٹا ڈالی تھی۔

''وعلیکم السلام، اللہ پاک تمہیں دین و دنیا میں بھلائی و عافیت اور کامرانی نصیب فرمائے، آمین۔'' ابراہیم احمد کی دعاؤں کے جواب میں وہ مسکرائی اور صوفے پر ٹک گئی۔

''بھابی نظر نہیں آرہی۔'' اس نے کمرے میں نگاہیں دوڑانے کے بعد سوال کیا۔

''سمعیہ ایمان بھابی کے ساتھ ہیں دراصل دونوں میں محبت بہت زیادہ ہے اور دوستی بھی سمعی کہہ رہی تھی بھابی اب یہیں رہیں گی تو جتنا وقت ساتھ گزار لوں کم ہے۔'' ابراہیم احمد کی مسکرا کر دی گئی وضاحت پر فاطمہ نے محض سر ہلایا پھر جیسے کسی خیال کے تحت بولی۔

''میں نے جب اسلام قبول کیا بھائی تو یہ حقیقت ہے میں اس کی کاملیت اور دلکشی سے واقف نہیں تھی مگر اب دھیرے دھیرے مجھ پر انکشاف ہو رہے ہیں بلاشبہ اسلام ہی بہترین مذہب ہے قابل عمل بھی، قابل تقلید بھی، قابل تحسین بھی۔'' ابراہیم احمد نے مسکرا کر اس کی تائید کی پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کا گال تھپکا۔

''جب ممی نے مجھے بتایا تھا کہ تم کسی مسلم لڑکے کی وجہ سے انہیں چھوڑ گئی ہو تو مجھے یقین نہیں آسکا تھا لیکن تمہارا یہاں اس حیثیت سے ملنا ان کی بات کی صداقت کو ثابت کر گیا مجھے بے حد خوشی ہے فاطمہ کہ تمہیں تمہاری منزل مل گئی عباس حیدر واقعی ایسا شخص ہے کہ اسے چاہا جائے لیکن میں فیل کر رہا ہوں جیسے تم دونوں کے بیچ کچھ مسنگ بھی ہے، اس دن......!''

''اس دن عباس کچھ غصے میں تھے بھائی اور غصے میں وہ یونہی بنا سوچے سمجھے بولتے ہیں۔'' فاطمہ نے پردہ ڈالا وہ ہرگز بھی ابراہیم احمد کو کچھ بتا کر اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی ابراہیم نے بغور اسے دیکھا ضرور مگر کریدا نہیں کیونکہ فاطمہ نے جس طرح نظریں چرائی تھیں یہ انداز اسے ڈسٹرب کر گیا تھا۔ ملازمہ اندر آئی اور دونوں بچے فاطمہ کے حوالے کر دیے جن کے چہرے ماں کو دیکھتے ہی کھل گئے تھے۔ فاطمہ نے دونوں کو پیار کیا اور اپنے دائیں بائیں بٹھا لیا مگر دیا اس کی گود میں چڑھ آئی تھی۔

''آپ کا مما سے کانٹیکٹ ہے بھائی؟'' فاطمہ نے ابراہیم سے سوال کیا۔ ابراہیم جو اسامہ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کر رہا تھا اس بات پر چونک کر متوجہ ہوا بلکہ کنفیوژ ہونے لگا۔

''ہوں...... خیریت......؟'' اس کے انداز میں گریز تھا جسے فاطمہ نے فوری نوٹ نہیں کیا تھا۔ فاطمہ دیا کے ریشمی بال سہلاتی آنسو ضبط کر رہی تھی۔

''کچھ دنوں سے بہت یاد آرہی ہیں مجھے دل میں انہیں دیکھنے اور ملنے کی تڑپ سی اٹھتی ہے۔ آپ کو پتا ہے بھائی ہم ڈیڈ کے لیے نہ کچھ ایصال ثواب کر سکتے ہیں نہ مغفرت کی دعا، وہ ڈیڈ تھے ہمارے، حقیقی باپ۔ دل میں یہ جان کر بہت وحشت جاگتی ہے بھائی کہ اگلی دنیا میں وہ ناکام انسان ہیں ان کی کبھی بھی مغفرت نہیں ہوسکتی۔ ڈیڈ کے لیے ہم کچھ نہیں کر سکے مگر ممی...... ممی کو تو سمجھا سکتے ہیں نا؟'' کیا کچھ نہیں تھا اس کے روہانسے لہجے میں، خواہش، شوق، حسرت، بے بسی، ابراہیم احمد بہت اچھے انداز میں اس کی کیفیات کو سمجھ سکتا تھا۔ وہ خود بھی اس کیفیت سے گزر چکا تھا۔ اس نے بھی بالکل اسی انداز میں سوچا تھا مگر سریتا دیوی اس موضوع پر بات سننے کی بھی روادار نہیں تھیں۔ کجا اسے سوچنا اس پر عمل کرنا وہ تو جان کر کہ ان کے بیٹے کے بعد بیٹی نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے ہسٹریائی کیفیت کا شکار ہوگئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے مکمل طور پر ابراہیم سے قطع تعلقی اختیار کر لی تھی وہ صحیح معنوں میں اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھیں۔

''بی بی صاحبہ آپ کو عباس سائیں بلا رہے ہیں۔'' ملازمہ ایک بار پھر آئی تھی ابراہیم احمد نے نگاہ کا زاویہ بدل کر فاطمہ کو دیکھا جو آنسو پونچھ رہی تھی۔

''بات صرف سمجھانے سے نہیں بننے والی، اس مقام

پر صرف دعا پر تکیہ ہے۔ بے شک اللہ بہتر ہے اپنے بندوں کے لیے مراتب و مقام طے کرنے والا اس کے گھر میں منظوری ہوئی تو ہماری یہ خواہش ضرور پوری ہوجائے گی۔ ہمیں بہرحال اللہ کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھنا چاہیے۔ اب جاؤ عباس بھائی منتظر ہیں تمہارے۔" ابراہیم احمد کا لہجہ مخصوص ٹھہراؤ اور رسان لیے ہوئے تھا۔

"مجھے می سے بات کرنی ہے بھائی، پلیز میری ان سے بات تو کراسکتے ہیں آپ۔" اس کا گلا بھرا رہا تھا۔ ابراہیم احمد نے نرمی سے اس کا گال سہلایا۔

"ان شاء اللہ ضرور مگر تم ان سے اس حوالے سے کوئی بات نہ کرنا یونو وہ بہت اسٹریس لیتی ہیں۔ میں نے کہا نا اس معاملے کو اللہ پر چھوڑ دو، وہ اپنے بندوں کے لیے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔" ابراہیم کے سمجھانے پر وہ سر ہلاتی اٹھی اور ابراہیم احمد کو سلام کرتی دیا کو اٹھائے اسامہ کی انگلی پکڑے کمرے سے باہر آگئی۔

"کہاں کی سیر ہورہی ہے محترمہ، میں یہاں گھومنے پھرنے کے لیے نہیں آیا مجھے اور بھی کام ہیں اپنی تیاری کرو ہمیں فوری واپس چلنا ہے۔"

عباس جو کمرے میں ٹہل رہا تھا اسے دیکھ کر کش لینا ترک کرکے گہرے طنز سے بولا اس کی یہ سحر طاری کرتی ہوئی نظریں کبھی فاطمہ کو سلگاتی پگھلاتی تھیں مگر اب وہ نارمل نظر آرہی تھی کسی حد تک بے نیاز، عباس کو اس کا یہی گریز یہی لاتعلقی خار بن کر چبھنے لگی، وہ جھنجلایا کیوں کہ اب وہ فاطمہ کے سامنے بے بس ہورہا تھا وہ اس کی جانب آخر کیوں متوجہ ہورہا تھا؟ اس روز جب اسے پتا چلا تھا فاطمہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی ہے تو کیسی بے چینی اور عجیب سا خوف اسے گھیرنے لگا تھا یہ بے چینی، یہ خوف اس کے چھوڑ کر چلے جانے کے سوا اور بھلا کیا تھا وہ عریشہ کے بعد اسے کھونے سے کیوں خائف ہونے لگا، اسے اپنا آپ اس پل ایسے بچے کی طرح لگا تھا جو میلے میں تنہا رہ جانے کے خیال سے ہراساں ہو۔ یہ اس کی عدم موجودگی کا ہی خیال تھا کہ اک عجیب سی بے چینی اس کے اندر سرایت کرنے لگی تھی اندر کے اضطراب سے گھبرا کر وہ کھڑا ہوا تھا۔

یہ کیا ہونے جارہا تھا اس کے ساتھ، فاطمہ.....؟ فاطمہ بھلا کیوں اس کے لیے اہمیت اختیار کرنے لگی۔ اس کا دل اس خیال سے ہی تھمنے لگا ذہن بار بار بھٹک کر اس کی جانب جاتا تھا۔ یہ تیور بھلا کب اچھے تھے۔

پھر جب ابراہیم احمد کے گھر کے ڈرائنگ روم میں وہ اس کے سامنے آئی تو عباس کی بے چینی سے منتظر نگاہ اس پر اٹھی اور ٹھہر گئی اندر ایسا سکون و اطمینان پھیلا جیسے کسی گم گشتہ چیز کے مل جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ وہ کیسے گم صم رہ گیا تھا۔ ایک بار اٹھنے والی نظر بے ساختہ اور بار بار اٹھ رہی تھی۔ ایسا اس سے قبل اگر ہوا تھا تو اسے خبر نہیں تھی وہ اپنے بدلتے احساس پر ششدر اور غیر یقین ہوچکا تھا۔ ایک عجیب سی دل شکستگی سی تھی جو اسے جکڑ رہی تھی جبھی اس نے بلاوجہ اس پر برس کر اسے ذلیل کیا تھا۔ اس طرح وہ خود اپنی اسی کیفیت کی نفی کر رہا تھا خود کو کچھ باور کرا رہا تھا جو ہو کر نہ دیتا تھا اور اس کی جھنجلاہٹ بڑھتی جارہی تھی ایسے میں سب سے زیادہ اس کے قہر کا نشانہ فاطمہ ہی بنتی تھی۔

اس کے لیے یہ ناقابل قبول تھا اس کے نزدیک یہ عریشہ سے بے وفائی تھی اس نے تمام عہد عریشہ سے باندھے تھے اس نے فاطمہ سے کب کوئی عہد باندھا تھا پھر بھی وہ اس کی جانب مائل ہونے لگا تھا۔ وہ اسے دیکھتا تو اس کے چہرے پر اٹھنے والی نگاہ کو ہٹا نہیں سکتا تھا۔ وہ جیسے خود پر قادر ہی نہیں تھا اس کے دل میں انوکھے احساس جنم لیتے تھے جو دل و روح پر رنگ نچھاور کرتے تھے۔ فاطمہ کا زور آور عشق کرشمہ سازی دکھلا رہا تھا عباس کو اس سے محبت ہورہی تھی۔

"وہ کنگن کدھر ہیں جو اماں نے پہنائے تھے تمہیں کچھ خیال ہے کہ انہیں تمہاری کلائیوں میں نہ پاکر کتنی تکلیف ہوئی ہوگی انہیں۔" وہ اسے متوجہ کرنے، اسے مخاطب کرنے کو اس قسم کے بے معنی سوال اٹھایا کرتا تھا۔

"میں کبھی نہیں اتارتی لیکن بچے ڈسٹرب ہوتے ہیں انہیں اٹھاتی ہوں تو چبھتے ہیں انہیں۔" فاطمہ نے اس سے

نظریں چار کرنے کا بھی یارا نہ تھا۔

وہ ہمیشہ سے شدت پسند تھی وہ اب بھی اسی شدت سے سوچ رہی تھی عباس اسے چند پل گھورتا رہا پھر انہی تلخ تاثرات کے ساتھ پلٹ گیا۔ اس کے دل و دماغ میں جیسے بگولے اٹھ رہے تھے۔ فاطمہ کا یہ انداز اسے سراسر توہین آمیز محسوس ہوتا تھا۔ جس طرح اس نے عباس سے بات کی تھی وہ جتنا سوچتا اس قدر حیران ہوتا کڑھتا اور حیرت ہوتا تھا یعنی سراسر تذلیل تھی اس کی۔ جسے وہ ہرگز بھی برداشت کرنے سے قاصر تھا۔

آج تک ایسا ہوا ہی نہ تھا کہ کوئی لڑکی اسے نظر انداز کر جائے۔ وہ بھی فاطمہ.....؟ اس کی آنکھوں میں ہی نہیں اس کے ہر انداز میں عباس نے ہمیشہ اپنے لیے ایک وارفتگی اور بے خودی محسوس کی تھی وہ بہت آغاز میں فاطمہ کے رنگ ڈھنگ سے جان گیا تھا کہ وہ اس لڑکی کے لیے کس درجہ اہمیت رکھتا ہے وہ اس کی کتنی بڑی کمزوری ہے مگر وہ اس سے بدکتا رہا تھا۔ یہ دیہ کب بدلا اسے خبر ہی نہیں ہوسکی وہ اس انوکھے احساس کو ہی قبول نہ کر پا رہا تھا کہ فاطمہ کے بدلتے انداز و اطوار نے اسے سرتاپا سلگا ڈالا تھا۔ یہ تو ڑپھوڑ اتنی شدید تھی کہ وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا واپس آیا تو فاطمہ بستر پر بچوں کو سلانے میں مصروف تھی۔ بیڈ کے داہنی جانب اسامہ تھا پھر وہ تھی سینے پر دیا کو لٹا رکھا تھا۔ عباس اس وقت خود سے نبرد آزما تھا اور نڈھال بھی جبھی چپ چاپ آکر اپنی جگہ لیٹ گیا۔ اب فاطمہ چند انچ کے فاصلے پر اس کے پہلو میں تھی۔ وہ بے خیال سی تھی مگر جیسے ہی اس کی موجودگی کو محسوس کیا یکدم اس کے چہرے پر تغیر سمٹ آیا عباس کے لیے یہ توہین و ہتک کا باعث تھا مگر اس وقت انتہا ہوگئی جب فاطمہ بستر سے اتر کر صوفے پر جا بیٹھی۔

عباس کو لگا اس کے وجود کو کسی نے دہکتے انگاروں سے داغنا شروع کردیا ہو ہونٹ بھینچے وہ کچھ لمحوں کو سکتہ زدہ رہ گیا۔ یہ ذلت و توہین کی گویا انتہا تھی اس کی مردانہ انا پر پڑنے والی نظر اندازی و گریز کی یہ چوٹ بہت کاری تھی۔ وہ اس صدمے سے باہر آیا تو اس نے نائٹ بلب کے ہلکے نیلے غبار میں اپنے بائیں جانب صوفے پر نیم دراز گلابی لباس میں اس جیتی جاگتی قیامت کو ایک نظر دیکھا اور دہشت آمیز غیض بھرے انداز میں اٹھ کر بے حد تنفر زدہ جھٹکے سے دیا کو اس سے چھین لیا اور اس کی کلائی جھپٹ کر گھسیٹ کر کھڑا کردیا۔

''نکل جاؤ اس کمرے سے باہر، مجھے دوبارہ تمہاری شکل نظر نہیں آنی چاہیے۔'' وہ واقعی حواسوں میں نہیں تھا بھڑ بھڑ جلتا اسے بھی اسی آگ میں جلا کر خاکستر کردینے کے درپے۔ خشونت برساتا ہوا تلخ ترین لہجہ فاطمہ کے اعصاب خوف سے منجمد کرکے رکھ گیا وہ جو پہلے دھچکے سے ہی نہیں سنبھلی تھی اس حکم پر جیسے سناٹوں کی زد پا گئی، اس اچانک افتاد کی وجہ کیا خاک سمجھتی۔

''کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ ہڑبڑائی اور بے حد خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا جس کے خوبرو مگر تنفر چھلکاتے چہرے پر پہچان کا کوئی رنگ نظر نہیں آتا تھا۔

''تم نے سنا نہیں، دفع ہوجاؤ یہاں سے۔'' عباس عجلت میں دیا کو بیڈ پر تقریباً پھینک کر پھر اس کی جانب متوجہ ہوا اور اسے زور سے دھکا دیا۔ جس کے نتیجے میں وہ لڑکھڑا کر دروازے سے جا ٹکرائی اور اس ہراسگی کے عالم میں رو پڑی۔

''مم..... میں کہاں جاؤں گی عباس یہ آپ کا گھر تو نہیں ہے، مجھے یہاں اس طرح دیکھ کر سب کیا سمجھیں گے کچھ تو خیال کریں۔'' اس کے بے رحم بر فیلے درشت تاثرات فاطمہ کو اس کے آگے گڑگڑانے پر مجبور کرگئے باقی صرف ہاتھ جوڑنے کی کسر تھی۔

''یہ میرا نہیں تمہارا مسئلہ ہے۔'' وہ حلق کے بل چیخا۔ فاطمہ کی حالت ہر لمحہ غیر ہوتی گئی۔ بستر پر جاتا تو کجا اس سے اٹھ کر صوفے پر بھی نہیں بیٹھا جاسکا ذلت و رسوائی کا یہ سلسلہ پتا نہیں کتنا دراز تھا۔ گھٹنوں میں سر دیے وہ بے آواز آنسو بہائے گئی۔

✿.....✿.....✿

اس دھوپ میں ہوتا رہوں تحلیل کہاں تک

اے عشق تیرے حکم کی تعمیل کہاں تک
بکھرا ہے بدن گردِ راہ شوق کی صورت
لے آئی مجھے خواہش تکمیل کہاں تک
لو آنکھ کا یہ آخری قطرہ بھی ہوا خشک
صحراؤں سے بھلا لڑتی یہ جھیل کہاں تک

اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا لینڈ کروزر پوری رفتار سے سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی اس کی سفید مرمری سی انگلیاں گود میں سوئی دیا کے ریشمی بالوں میں سرسرائی تھیں اور دل میں عجیب سے سناٹے کا راج، کیسے یقین کرتی بھلا وہ وقت کے پلٹنے کا ایسا کم از کم اس کی زندگی میں ممکن نہ تھا۔ عباس کی نظروں کا بے قراری و اضطراب کی کیفیت میں بار بار اس پر اٹھنا اور واپسی کا راستہ بھولنے لگنا اس کی توجہ بار بار بھٹکتی وہ بار بار غوطہ کھاتے دل کو سنبھالتی۔

(یا اللہ! یہ مجھے اس طرح کیوں دیکھتے ہیں اب، اب کیوں...... جبکہ مجھے ان کی طرف پلٹنا نہیں ہے اگر یہ ایک بار پھر میری آزمائش ہے تو مجھے بچالے اللہ پاک، اگر تو اپنے بدلے پھر سے مجھے یہ شخص دینا چاہتا ہے تو مجھے نہیں کرنا یہ سودہ، میں کمزور ضرور ہوں مگر تجھ سے محبت تو کرتی ہوں نا، مجھے نہیں معلوم یہ محبت اب بھی عباس کی محبت سے زیادہ ہے یا نہیں لیکن میں...... میں اب دھوکہ کھانا نہیں چاہتی ناکام ہونا نہیں چاہتی مجھے اس مزید خواری سے بچالے مجھے اکیلا نہ چھوڑ) وہ دل ہی دل میں سسکتی تھی اور خود اپنے آگے ہار جانے سے ہراساں تھی۔

"دیا سو چکی ہے لاؤ اسے میں سیٹ پر لٹا دوں تھک گئی ہوگی تم بھی۔" عباس نے اچانک گاڑی روکی تھی فاطمہ کے حیرانی سے متوجہ ہونے پر بولا اس کا لہجہ اپنائیت آمیز اور نرم تھا۔ ایسی نرمی لیے جس سے وہ آشنائی ہی نہ رکھتی تھی مگر کبھی بہت خواہش مند ضرور تھی فاطمہ جواب میں کیا اعتراض کرتی خاموش رہی دیا کو اس سے لیتے عباس کا ہاتھ اس کے بازو سے ٹکرایا پھر ہاتھ سے مس ہوا۔

تب وہ خصوصیت سے اس کی جانب ہی متوجہ تھا فاطمہ کی رنگت میں گھلتی سرخی اور ہونٹوں کا بھینچنا محسوس کرتا مدھم سا مسکرایا۔ فاطمہ کا دل ڈوبنے لگا یہ جان کر یہ سوچ کر اس کی مسکان فاطمہ کے لیے آج بھی اتنی جان لیوا تھی۔ بے اختیار وہ صرف نظر ہی نہیں رخ بھی پھیر گئی۔ وہ ہرگز بھی خود کو کمزور کرنا اس آگ میں جل کر بھسم ہونا نہیں چاہتی تھی۔

"تم ابھی تک مجھ سے خفا ہو، سوری فاطمہ میں پریشانی و اضطراب میں مبتلا ہو کر اکثر تمہیں ہرٹ کر دیتا ہوں۔" دیا کو پچھلی سیٹ پر سوئے ہوئے اسامہ کے ساتھ لٹا کر وہ واپس اپنی جگہ پر آیا تو گاڑی اسٹارٹ کرنے سے قبل پوری توجہ اس پر مرکوز کر دی فاطمہ کا دل سینے میں ایسے پھڑ پھڑانے لگا جیسے باہر آ گرنے کو بے تاب ہو وہ سکتہ زدہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

کمال کی مقناطیسیت رکھنے والا مرد جسے عورت کے حواسوں پر چھانے کے لیے ذرا سی بھی محنت نہ کرنی پڑتی ہو جس کے نرم لہجے اور خوش گوار نظر کو خوش قسمتی کا پیمانہ سمجھا جاتا ہو اس کی جانب سے اس قسم کا اظہار حواس سلب کر لے تو عجب کیا ہے۔

"معاف نہیں کرو گی مجھے؟"

عباس نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے صبیح گال کو چومتی بالوں کی لٹ پکڑ کر نرمی سے اپنی انگلی پر لپیٹی۔ فاطمہ تھر تھر کانپنے لگی۔ اس کی حواس باختگی کا عالم بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا وہ شاید اب اس طرح اسے جھکانا چاہتا تھا وہ یقیناً ہر صورت خود کو سر بلند رکھنا چاہتا تھا فاطمہ کو خود اپنے آپ سے خوف محسوس ہوا اس کا دل چاہا وہ زور زور سے روئے اسے کہے بلکہ باور کرائے اب اس شخص کو کوئی حق نہیں اسے راہ سے بھٹکانے کا۔

"اتنا ڈرتی کیوں ہو مجھ سے، یار شوہر ہوں تمہارا۔" وہ بہت مطمئن قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا یوں جیسے وہ اندر کی جنگ کے سامنے شکست تسلیم کر کے کسی حتمی نتیجے پر پہنچ گیا ہو اور اس کے سامنے اس جھوٹی انا کو سرنگوں کر دینا چاہتا ہو۔

"اتنا عرصہ ہو گیا ہماری شادی کو اور مجھے اندازہ ہی نہ

ہوسکا میری بیوی کے ہاتھ اتنے خوب صورت ہیں۔" عباس نے مزید پیش رفت کی اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے دھیمے لہجے سے وارفتگی کی آنچ سی پھوٹ رہی تھی فاطمہ کی جان پر بننے لگی۔ یہ وارفتگی اسے نہال کرنے کے بجائے سراسیمگی کی انتہاؤں تک لے جارہی تھی وہ روہانسی ہونے لگی۔

یہ توجہ، یہ لوٹ لینے والا انداز یہ سحر انگیز قربت اور تنہائی وہ تو ازل سے اس کی شیدائی تھی جان دیتی تھی اس کی ایک ایک ادا پر اسے اپنی ہار کا یقین کامل ہوا تو روح آنسوؤں کی روانی میں بہنے لگی۔ عباس کی وارفتگی نے کیا کیا نہ یاد دلا دیا تھا۔ تمام زخموں سے ٹانکے ادھڑے تھے۔ اب تو وہ اپنی محرومیوں اور تشنہ لبی پر راضی ہونے جارہی تھی پھر وہ کیوں ابر رحمت بن رہا تھا۔

کل جب لاریب کے ہاں سے وہ لوگ گھر جانے کی بجائے بڑی حویلی آ گئے تھے۔ تب بھی عباس کے یکسر بدلے رنگ ڈھنگ نے اس کے لیے ایسے ہی حواس سلب کیے تھے۔ بابا جان نور کے عقیقے کے ساتھ اسامہ اور دیا کے بھی اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے جبھی عباس کو بھی روک لیا تھا۔ ایسے میں اس تقریب کے موقع پر اماں جان نے انوکھی خواہش کا اظہار کر ڈالا تھا اس کے سامنے، وہی مہرون ساڑھی پہننے کی فرمائش جس کے متعلق عباس کی قہر آمیز تنبیہ اچھی طرح یاد تھی اسے جبھی وہ اماں جان کے سامنے بہانے بناتی تھکنے لگی تھی اور بات بن بھی جاتی اگر انہی لمحوں میں عباس بھی کمرے میں نہ پہنچ جاتا۔

کچھ کہے بغیر وہ خاموشی و رسان سے ساری بات سنتا رہا تھا فاطمہ کو گمان تک نہ تھا اس کی ساری توجہ انہی کی گفتگو کی جانب ہے وہ تب حیران بلکہ ہونق رہ گئی تھی جب اس نے خاموشی سے وہ ساڑھی بیگ سے نکال کر فاطمہ کے سامنے بیڈ پر رکھ دی۔

"جھوٹ بولنا بہت غلط بات ہے فاطمہ اماں جان کی خواہش اتنی بے ضرر ہے کہ آپ کو ہرگز کوئی فرق نہیں پڑے گا اگر آپ اسے پورا کردیں گی۔" فاطمہ کو جیسے سکتہ ہوگیا اور اماں جان نہال، اسے جلدی تیار ہونے کا کہتیں خود باہر چلی گئیں کہ آج ان کی مصروفیت عام دنوں سے کہیں زیادہ تھی۔

"میں نے اگر اس وقت یہ بات کہی تھی تو وہ حرف آخر تو نہیں ہونی چاہیے، خفا نہیں ہوئیے پلیز۔" وہ سر جھکائے خاموش اور غیر یقین بیٹھی تھی جب عباس نے اگلی بات کہہ کر اسے مزید گم صم کردیا وہ حواسوں میں لوٹی تو پھر اس سے ہی نہیں خود سے بھی خوف زدہ ہو کر بھاگ گئی تھی۔ ساڑھی باندھ کر بالوں کو سمیٹتی وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو عباس حیدر کی اپنی تیاری آخری مراحل میں تھی۔ خود پر پرفیوم کا اسپرے کرتے ہوئے اس نے فاطمہ کو خصوصی نظروں سے دیکھا۔ ایسی نظریں جو اسے رنگ جایا کرتی تھیں۔ دل دھڑکانے کا سبب بنا کرتی تھی۔ وہ کہاں کہاں کس کس مقام پر خود کو مضبوط کرتی۔ اس وقت وہ بالکل حواس باختہ ہوگئی تھی جب عباس نے اس کے کپکپاتے ہاتھوں کی ڈھیلی گرفت سے بار بار نیکلس کی ہک کو پھسلتے دیکھ کر خود اس کام کو کردیا تھا۔ وہ دھک سے رہ گئی۔ وہ سرتاپا دہک اٹھی۔

اس نے دیکھا وہ آئینے میں اس کے مقابل کھڑا تھا آئینے نے گواہی دی ان دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی ہے نک سک سے تیار وجاہت و مردانگی کا شاہکار اس پر امارت کا تڑکا اور سب سے بڑھ کر اپنی خوبیوں سے آشنائی نے آنکھوں میں ایک احساس تفاخر ثبت کردیا تھا وہ آج بھی بجلی کا لپکا تھا جو بھسم کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا ایک ایسا کوندا تھا جو دل ہی نہیں جلاتا تھا روح بھی خاکستر کر ڈالتا تھا آج بھی اس کے چہرے پر نظر ٹکانا ایک امتحان تھا آج بھی ان آنکھوں میں نظر جمانا ایک انعام تھا۔ اتنا سب کچھ ہوجانے کے باوجود دل میں اس کی محبت زندہ تھی اس کی آنکھوں میں دھند چھانے لگی۔

"آپ جائیے میں آجاؤں گی۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، عباس مبہم سا مسکرایا اس کی گہری متبسم نظر اس کے تغیر زدہ چہرے پر تھی وہ آج اسے پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا وہ اس کی بیگانگی سے اس کے آگے نہیں جھکی تھی۔ وہ اس کی توجہ سے کیسے نہ پگھلتی۔ اس کی مردانہ انا ہر صورت اس

خود دار انا پرست لڑکی کو اپنے قدموں پر جھکے اس کی توجہ کی
بھیک مانگتے دیکھنے کی متمنی تھی۔ وہ اس کے سامنے پتے
پھینک رہا تھا۔ وہ یقین رکھتا تھا اس کی ناکامی کا۔

عباس نے تامل نہیں کیا ابھی کے لیے اتنا ہی کافی تھا
مگر اسے دوبارہ بہت جلد موقع مل گیا پھر فاطمہ کا امتحان
لینے اس کے حواس سلب کرنے اور سراسیمگی کی انتہاؤں پر
لے جانے کا سیڑھیاں اتر کر آتے پیروں کو چھوتی ساڑھی
میں اس کی نازک ہیل الجھ گئی تھی وہ گرتے گرتے بچی تھی
اسے پکڑنے والا عباس حیدر تھا جو اس کا ہی منتظر تھا اس کے
کمرے سے باہر آتے وہ اس کے ہمراہ ہولیا تھا محض چند
قدم پیچھے مگر فاطمہ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ آگاہ نہیں ہوسکی
تھی۔ لیکن جب عباس نے اسے بروقت سنبھالا تب وہ
گھبرا کر اسے تکنے لگی تھی عباس نے اسے اپنی پرحدت
پناہیں بخش دی تھیں گھبراہٹ کا باعث یہ بات نہیں تھی کہ
عباس نے اسے سنبھالا تھا اصل گھبراہٹ اس بات پر تھی
کہ عباس نے اسے سہارا دیئے کے بعد اس کے سنبھل
جانے کے بعد بھی نہ اسے چھوڑا تھا نہ فاصلہ بڑھایا حالانکہ
اس سے قبل وہ جتنی بار بھی مجبوراً اس قسم کا اقدام کرچکا تھا
ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا تھا مگر اب وہ جانے کیا ٹھانے
ہوئے تھا۔ اتنی قربت اور اس کی جسم و جاں کو سلگاتی حدت
وتپش وہ جان سے جانے لگی جبھی کسمسائی مگر عباس نے
دھیان کہاں دیا تھا وہ اسے یونہی تھامے ایک ایک سیڑھی
اطمینان سے اتر رہا تھا۔

"ارے ارے..... خیریت، چوٹ لگ گئی انہیں
کیا؟" ہال کمرے تک پہنچتے زیبی سے ٹکراؤ ہوگیا جو اپنے
بچوں کے پیچھے بھاگتی دوڑتی یہاں پہنچی تھی مگر عباس کو اس
طرح فاطمہ کو سہارا دیے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔ فاطمہ کا
حجاب اور کوفت سے جھنجلایا سرخ چہرہ دہک کر انگارہ ہوا اس
نے پوری قوت صرف کرکے خود کو اس کی گرفت سے
زبردستی نکال لیا۔

"ہاں لگ ہی جاتی اگر میں نہ پکڑ لیتا۔" عباس کا لہجہ
متبسم تھا زیبی کھلکھلائی۔

"پھر تو آپ نے نیکی کی ان کے ساتھ، لگ بھی تو
بہت پیاری رہی ہیں اس کلر میں نظر نہ لگ جائے میں اماں
جان سے کہتی ہوں ان کی نظر اتاریں۔" فاطمہ جتنی خفت
زدہ اور جزبز تھی زیبی کو اسی قدر شرارت سوجھ رہی تھی۔

"لوگ صرف میرون رنگ میں ہی حواسوں پر طاری
نہیں ہوتے وائٹ کلر میں بھی کم نہیں جچتے۔" عباس کی
فاطمہ کو تکتی نظریں یکایک لو دینے لگیں۔ فاطمہ نے چونک
کر اسے دیکھا۔ عباس کی ساحر آنکھوں میں بھی وہ لمحہ جگمگا
رہا تھا فاطمہ نے ہونٹ بھینچ لیے وہ لمحہ تو اس پر بھی بھاری
رہا تھا جب بلال صاحب کے ہاں دعوت کے لیے فاطمہ
نے ہر انجام کی پروا کیے بغیر کتنے دل سے خود کو اس ستم گر
کے لیے سنوارا تھا محض اس کی ایک ستائشی نگاہ کی چاہ میں
لیکن وہی نہیں مل سکی تھی اسے، عباس کا اسے وہاں ساتھ
لے جانا ایک مجبوری ہی تھی کہ وہ بلال صاحب کو انکار نہیں
کرسکا تھا وہ ان کا اتنا ہی احترام کرتا تھا لیکن فاطمہ کو دیکھ کر
اس کا موڈ یکلخت سوا نیزے پر جا پہنچا تھا حالانکہ یہ دوسری
نظر تھی جس میں قہر و غیض تھا پہلی نگاہ اس پر ڈال کر وہ بھی
حواس کھونے سا لگا تھا۔

بالوں کو سمیٹ کر چمکیلے کیچر میں جکڑتی فاطمہ نے
آئینے میں اس کی جھلک دیکھی تو بے اختیار اس کی جانب
گھوم گئی تھی تو اس کا فرش کو چھوتا سفید رنگ کا فراک بھی
ساتھ چکر لگا گیا تھا۔ عباس کو لگا تھا اس کا وجود ہی روشنی سے
بنا ہو۔ صحیح معنوں میں مبہوت کردینے والا منظر تھا گویا
چاندنی زمین پر اتری ہو وہ حیران سحر زدہ سا اس کے سامنے
کھڑا اسے دیکھتا تھا اور فاطمہ وہ جیسے اپنی کامیابی پر نازاں
ہوتی چلی گئی تھی اس کی خواہش پوری ہوگئی تھی۔

عباس چونک گیا اپنی بے خودی پر خفت زدہ اس کی اس
جہت پر قہر و غیض سے بھرنے لگا۔ اس کے بعد جو منہ میں
آیا وہ وہی بولا تھا۔ ہر لفظ آتشیں تھا جس نے ایک بار پھر
فاطمہ کو بکھیرا توڑا اور ریزہ ریزہ کرکے پیروں میں پھینک
دیا۔ وہ اس کے آرڈر پر جاکر کپڑے بدل آئی تھی اور چاندی
کے جیسی نازک ہیل مخملیں سفید پیروں سے الگ کرکے

رکھ دی پھر کبھی نہ پہننے کے لیے۔

اس کی آنکھوں کی سرخی بتاتی تھی وہ رو کر آئی ہے، عباس کی ہمراہی کا فخر اس کی سنگت کے جبر نے معدوم کر ڈالا تھا اس روز اس کے الجھے ہارے بے بس نڈھال انداز نے اس پر واضح کر دیا تھا۔ اس نے جان لیا تھا پورے ماحول پر سحر طاری کرتا سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس وہ شخص پورے کا پورا اس کا ہو کر بھی اس کے لیے نہیں تھا کبھی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

"آیئے، میں اماں جان کے پاس لے چلوں آپ کو، کچھ پڑھ کر دم کر دیں گی۔" زہبی اسے اماں جان کے پاس لے آئی انہوں نے اس پر آیۃ الکرسی کا دم کیا۔ کتنے چاؤ تھے اس کے کتنے ارمان مگر وہ گم صم نظر آتی تھی اور عباس لحہ بہ لحہ اس کے ساتھ اس کی جانب متوجہ اور اس کی توجہ کا طالب مگر وہ کسی اور ہی جہاں میں گم لگتی تھی اس کی اس عدم توجہی کو سب کے ساتھ اماں جان نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ جبھی تو کتنا پریشان ہو گئی تھیں وہ شاید اس لیے انہوں نے اسے تنہائی میں بالخصوص سمجھایا بھی تھا۔

"تمہیں تو اپنی اولاد اور شوہر پر حق جتلانا بھی نہیں آتا بیٹے، یہ غلط ہے۔" وہ اس سے پہلے کتنا اس سے پوچھتی رہی تھیں اس کا عباس سے جھگڑا تو نہیں ہوا کوئی اور ایسا معاملہ مگر وہ ہر بات کے جواب میں سر نفی میں ہلاتی تھی۔ تب اماں جان نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"عباس بہت شدت پسند ہے بیٹے، میں ماں ہوں اس کی جانتی ہوں وہ اس وقت تمہاری توجہ کا طالب ہے تمہیں اس پر توجہ دینی چاہیے دیکھو بیٹے بیوی اگر شوہر کی پروا نہ کرے اپنا حق نہ جتلائے پیار کی لڑائی نہ لڑے تو شوہر اپنے اندر کوئی خامی ڈھونڈنے لگتا ہے۔ وہ خود کو ایسے یتیم بچے کی طرح محسوس کرتا ہے جس سے اس کی ماں اور باپ کی محبت وشفقت چھن گئی ہو عباس میں بھی میں نے یہی کیفیت محسوس کی ہے میں مانتی ہوں تمہارے بچے چھوٹے ہیں تم بہت ذمہ دار ہو مگر بیٹے شوہر کو بھی نظر انداز نہ کرو۔" وہ ہر بات سے انجان تھیں وہ انہیں بتاتی بھی کیا سو خاموش رہ ہی رہی۔ مگر عباس کا یہ انداز یہ اطوار اب اس کے لیے کم از کم قابل قبول نہیں تھا جبھی وہ سب ضبط گنوا کر بے قراری و وحشت بھرے انداز میں رو پڑی۔ اس کے آنسو بے تابی سے ٹوٹ کر بکھرے اور عباس ششدر ہونے لگا۔

"کیا ہوا؟" اسے لگا اس کے سارے پتے بے کار گئے ہیں اسے حیرت کے بجائے غیر یقینی گھیرنے لگی کیا اس کے سارے قیاس غلط تھے؟ اس نے خود سے سوال کیا بلکہ قیاس کیا اسے یقین تھا فاطمہ مرتی ہے اس پر جان دیتی ہے پھر اب......؟

"گھ......گھر......چلیں پلیز۔" عباس کے ہاتھ اپنے کاندھے پر محسوس کر کے دہشت بھری جھرجھری لے کر بولی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے فاطمہ۔" عباس سب کچھ بھول کر پریشان نظر آنے لگا۔ فاطمہ کی گھبراہٹ اس کے لہجے پر دہری ہونے لگی۔ وہ لمحوں میں زرد پڑ رہی تھی۔ عباس کی تشویش میں اضافہ ہونے لگا۔ اس نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھائی۔ مگر اس سے پہلے فاطمہ کو بوتل تھمائی۔

"چند گھونٹ تو لو، طبیعت سنبھلے گی تمہاری۔"

اس کے نفی میں سر ہلانے پر وہ اصرار کہہ رہا تھا فاطمہ مزید انکار نہیں کر سکی مگر اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔ اس کی بگڑتی حالت پر ہی عباس نے شہر کے مضافات کے نزدیک گاڑی کو روک دیا تھا۔

"باہر آؤ، تھوڑی دیر کھلی ہوا میں سانس لو، بہتر محسوس کرو گی خود کو۔" عباس نے صرف کہا نہیں باہر نکل کر اس کی جانب کا دروازہ کھول کر اسے سہارا دے کر باہر آنے میں مدد بھی دی۔ مگر وہ اس کے ہاتھوں میں ہی بکھرتی چلی گئی کب سے ان کا تعاقب کرتی بلیک گاڑی سے فائر ہوئے تھے اور فاطمہ خون میں نہاتی چلی گئی......!

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

رفاقتوں کے خواب نئے

بے سود نہیں جیتے ہم درد کے مارے بھی
دنیا تیری زینت ہیں کچھ خواب ہمارے بھی
تقدیر کی دنیا میں تدبیر نہیں چلتی
موہوم بھروسے بھی' لاچار سہارے بھی

میں نے تین چار دفعہ بیل دی مگر کوئی بھی دروازے پر نہیں آیا اندر ناہید اختر کا مشہور نغمہ ''اللہ ہی اللہ کیا کرو دکھ نہ کسی کو دیا کرو'' زوردار آواز میں بج رہا تھا' تنگ آ کر میں نے دروازہ بجانا شروع کردیا مگر دو دفعہ کی کوشش بھی ناکام رہی مجبوراً میں لوہے کی سلاخ کا کھٹکا ہٹا کر خود ہی اندر داخل ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی اندر بجنے والا ٹیپ بھی بند ہوگیا۔

''بند کریں نا بس اب' مجھے نیر نور کو سننے دیں۔'' یہ لالؤا کی آواز تھی جو شاید شمروز سے کہہ رہی تھی۔

''میں کہتا ہوں آن کرو پلیز' یہ تمہاری روتی صورت نیر نور سے تو بہتر ہے۔''

''کیا کہا...... میری فیورٹ نیر نور روتی صورت ہے اب تو یہ کیسٹ کبھی نہیں چلے گا۔''

''ارے ارے لالؤا کی بچی! دو میرا کیسٹ ورنہ زوردار تھپڑ رسید کروں گا۔'' وہ چیخا۔

''اے کیا ہے' تم لوگاں کیوں اتنا شور مچارئیں۔'' یہ

شمروز کی دادی تھیں اب مجھے خیال آیا کہ میں نے اب تک اپنی آمد کی اطلاع تو دی ہی نہیں دراصل یہ میرے دوست شمروز کا گھر تھا اور میں یہاں کرائے دار کے طور پر رہ رہا تھا۔ گھر کے فرسٹ فلور پر ایک کمرا میں نے لیا ہوا تھا جس تک جانے کے لیے سیڑھیاں برآمدے میں تھیں' یوں تو میں چاہتا تو بغیر بتائے اپنے کمرے میں چلا جاتا مگر میں اخلاقاً دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آتا تھا حالانکہ دروازہ اسی طرح کھلا ہوا ملتا تھا۔ میں نے مڑ کر لوہے کا گیٹ دوبارہ بجایا' اچانک اندر ہونے والی اماں اور شمروز کی بحث تھم گئی۔

''ابھی آ کر تمہیں بتاتا ہوں' ذرا دیکھ لوں دروازے پر کون ہے۔'' شمروز غصے سے کہتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو حیران ہوا۔

''ارے دل! تم یہاں کیوں کھڑے رہ گئے' اندر کیوں نہیں آئے اور یہ دستک دینے کی کیا ضرورت ہے؟''

''لو ضرورت کیوں نہیں ہے یہ تو اخلاق کا تقاضا ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا حالانکہ اس سے پہلے میں کبھی بھی اتنا پُر اخلاق نہیں رہا۔

''او کم آن یار' اب تم بھی اس گھر کے ایک فرد ہو پھر یہ رسمی اخلاقیات کس لیے؟''

''تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ میں اس گھر کا فرد نہیں ہوں' اس قسم کی اخلاقی جرأتیں تو میں اپنے گھر میں بھی کرتا رہتا تھا۔'' میں نے کہا تو وہ ہنسا۔

''واہ یار' خوب رہی۔ اب ذرا ان فارملیٹیز کی گرد یہاں جھاڑ دو اور اندر چلو۔''

''مم...... میرا خیال ہے میں اپنے کمرے میں چلتا ہوں' تھک گیا ہوں آرام کروں گا۔''

''کیوں دفتر سے کیا پیدل آ رہے ہو؟''

''نہیں' دراصل آج مجھے تیز گام میں پائیدان پر لٹک کر آنا پڑا ہے نا۔''

''او اچھا' چلو ٹھیک ہے تم تھوڑی دیر آرام کر لو' کھانے پر ملاقات ہوگی اوکے۔'' وہ یہ کہہ کر اندر چلا گیا اور میں اوپر اپنے کمرے میں آ گیا۔

بڑی مشکل سے خود کو کپڑے تبدیل کرنے پر راضی کیا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا ایسے ہی بستر پر پڑ جاؤں' دایاں ہاتھ بُری طرح دکھ رہا تھا کیونکہ حیدرآباد کی بسوں میں سفر کرنے کا اور وہ بھی پائیدان پر دونوں پیر جمائے ہوئے ایک ہاتھ سے ڈنڈے کو تھامے رہنا میرے لیے بالکل نیا تجربہ تھا' اس لحاظ سے بھی کہ میں دراصل اسلام آباد کا رہنے والا تھا اور اس لیے بھی کہ میں اس سے پہلے ہمیشہ کار کے آرام دہ سفر کا عادی رہا تھا۔ یہ تو مجھے اب معلوم ہوا تھا کہ جو لوگ ذاتی سواری سے محروم ہوتے ہیں سفر کے لیے کیسی کیسی مشکلات برداشت کرتے ہیں۔ میں آج کل شہر کی ایک انشورنس کمپنی میں بطور اسسٹنٹ اکاؤنٹ ملازم ہوں اور میری ملازمت قطعاً عارضی ہے' چونکہ زیادہ تر مجھے سائٹ پر بھیجا جاتا تاکہ لوگوں کو انشورنس کروانے کے بارے میں بتایا جائے کیسے کروانی ہے اس لیے لوگ مجھے صاحب جی کہتے۔ اپنی اہلیت اور قابلیت کے برعکس مجھے جس قسم کی ملازمت کرنا پڑ رہی تھی کچھ اس وجہ سے بھی میں ڈپریسڈ رہتا اگر مجھے کھانے پینے کے لالے نہ پڑ گئے ہوتے تو کبھی حقیر سی نوکری نہ کرتا۔ آپ کو شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ ایم کام فرسٹ کلاس ہونے کے باوجود میں کوئی معقول جاب حاصل نہ کر سکا مگر نہیں شاید آپ کو اس پر حیرت نہ ہو کیونکہ آج کل تو ایسی سینکڑوں مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ گولڈ میڈلسٹ ایم ایس سی اور ایم اے بھی معمولی کلرک یا جونیئر اسکول ٹیچر کی جاب کرتے نظر آتے ہیں۔

ہاں آپ یہ جان کر ضرور حیران ہوں گے کہ میں اسلام آباد کے ایک مشہور بزنس مین اکبر علی قریشی کا بیٹا ہو کر ایسی کسمپرسی کی زندگی گزار رہا تھا۔ جی ہاں میں یعنی دل آویز خان ہمیشہ سے پُرآسائش زندگی کا عادی رہا اور سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والی کہاوت مجھ پر اور میرے بڑے بھائی باسط علی خان پر صحیح معنوں میں صادق آتی تھی اور اسی بات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہمارا معیار زندگی کیا رہا ہوگا۔ شہر کے مہنگے ترین تعلیمی اداروں میں ہم نے تعلیم حاصل کی اور تفریح کی خاطر آسٹریلیا اور برطانیہ

کے ٹور تو ہمارے لیے معمولی بات تھی۔ پاپا نے کہا بھی اگر میں چاہوں تو سائنس کے مضامین منتخب کرسکتا ہوں مگر ماما کا کہنا تھا کہ سائنس انہیں پڑھنا چاہیے جنہیں نوکری کرنا ہو جبکہ مجھے تو بزنس لائن میں جانا تھا اس لیے سائنس پڑھنا فضول تھا چنانچہ میں نے کامرس پڑھی اور باسط بھائی نے بزنس ایڈمنسٹریشن کا انتخاب کیا۔

اب خیال آتا ہے کہ وہ دن بھی کیا دن تھے' اکیس اپریل' سن انیس سو ناوے سے پہلے تو مجھے علم ہی نہیں تھا کہ دکھ کیا ہوتا ہے اور پریشانی کسے کہتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے مجھے ذاتی طور پر ان دونوں سے واسطہ نہیں پڑا تھا بلکہ آپ مجھے بہت حد تک خودغرض بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ دوسروں کو بھی دیکھ کر بھی مجھے کبھی دکھ اور افسردگی محسوس نہیں ہوئی۔ اور تو اور ہم میں سے (ہم سے مراد ماما' پاپا' باسط اور میں ہے) کوئی اتنا سیریس بیمار تک نہیں ہوا کہ مجھے پریشانی محسوس ہوتی۔ چھوٹی موٹی طبیعت کی خرابی پر تو ''ٹیک کیئر آف یور سیلف'' اور گیٹ ویل سون جیسے جملے کہہ دینا ہی بہت ہوا کرتا تھا۔

پریشانی کا ادراک تو مجھے اس دن ہوا جس دن پاپا نے میری زندگی کے بارے میں ایک ایسا فیصلہ سنایا جس میں میری اپنی قطعاً کوئی مرضی نہیں تھی جی ہاں وہ اکیس اپریل کا دن تھا شام میں میری سالگرہ کی تقریب تھی جو ہر سال کی طرح اس دفعہ بھی دھوم دھام سے منائی جانا تھی۔ اسی صبح ناشتے پر پاپا نے مجھے بتایا کہ وہ شام میں زوبیہ سے میری منگنی کا اعلان کرنے والے ہیں' میں یہ سن کر نہ صرف دھک سے رہ گیا بلکہ جیلی لگا سلائس کا جو پیس میں منہ میں رکھنے جارہا تھا اسے بھی واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

''یہ...... یہ...... آپ کیا کہہ رہے ہیں پاپا...... زوبیہ سے میری منگنی......؟''

''ہاں تو اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔'' ماما بولیں۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ماما جبکہ آپ جانتی ہیں کہ میں روما سے کتنا اٹیچڈ ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کم آن ڈیئر کسی لڑکی سے اٹیچڈ ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ لائف پارٹنر بھی اسے ہی بنایا جائے۔'' ماما نے کہا۔

''ماما پلیز میں زوبیہ سے شادی نہیں کرسکتا۔''

''مگر کیوں؟'' پاپا نے یوں پوچھا جیسے میں نے کوئی انتہائی نامعقول بات کی ہو۔

''اس لیے کہ مجھے روما پسند ہے اور میں اسے ہی لائف پارٹنر بناؤں گا۔'' میں نے بھی زور دے کر جواب دیا۔

''مگر تمہاری روما کے ساتھ شادی سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔'' وہ کافی کا سپ لیتے ہوئے خالص کاروباری لہجے میں بولے اور میں ایک بار پھر حیران رہ گیا۔

''پاپا...... کیا شادیاں بھی فائدے کے لیے کی جاتی ہیں؟''

''بچوں کی طرح برتاؤ مت کرو' تم جانتے ہو کہ یہ ہماری کلاس کی ڈیمانڈ ہے۔ یہاں شادیاں بھی ایک بزنس ڈیل کا حصہ ہوتی ہیں۔'' پاپا بدستور اسی انداز میں بولے۔

''او نو پاپا! میں ایسا نہیں کرسکتا' کیا آپ لوگوں کے نزدیک میری پسند ناپسند' میرے جذبات کی کوئی حیثیت نہیں؟ میری رائے کی کوئی اہمیت نہیں؟'' میں جوش میں آ گیا۔

''اُفوہ یار! بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' باسط بھائی بولے تو مجھے اور غصہ آ گیا۔

''آپ بھی یہ کہہ رہے ہیں جبکہ خود آپ نے اپنی پسند کی شادی کی ہے۔''

''ہاں یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میری پسند وہی لڑکی تھی جس سے شادی کرنے میں پاپا کا کاروباری فائدہ بھی تھا' کیوں پاپا؟'' وہ ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولے تو پاپا بھی جواباً مسکرائے اور تو اور میں نے مسز باسط کی طرف دیکھا تو وہ بھی منہ نیچے کیے مسکرا رہی تھیں۔ گویا اسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اس کی ذات یہاں کس حوالے سے معتبر قرار دی جارہی ہے۔

''او مائی گاڈ!'' میں نے دل میں سوچا اس حد تک

مادی ذہنیت۔
''اوکے بیٹا! پھر تیار رہنا۔'' میں بھی ناشتا چھوڑ کر اٹھ گیا۔
''میں کم از کم آپ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کرسکتا' مجھے روما کے علاوہ کوئی اور لڑکی قبول نہیں۔'' میں یہ کہہ کر فوراً ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا بلکہ گاڑی لے کر گھر سے ہی باہر چلا آیا اور پریشانی کے عالم میں بے مقصد گاڑی سڑک پر دوڑانے لگا یوں بھی اہم کام مکمل کرنے کے بعد مجھے ان دنوں اس کے علاوہ کوئی اور کام تھا بھی نہیں مگر اس وقت تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں؟ برتھ ڈے کی ساری خوشی خاک میں مل گئی تھی میں سوچ رہا تھا کہ یہ بات روما کو کیسے بتاؤں گا کہ میرے پاپا نے اس کے بجائے میرے لیے کسی اور کو منتخب کرلیا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ روما کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں تھی اس کے بابا بہت بڑے زمیندار تھے بلکہ ان کی ٹیکسٹائل اور فلور ملز بھی تھیں۔ اسے جب معلوم ہوگا تو ظاہر ہے وہ اپنے رد کیے جانے کی وجہ پوچھے گی بلکہ اسے تو شاید بہت شاک لگے گا کیونکہ ہم نے تو اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں بہت سے پلان بھی بنائے ہوئے تھے۔

❁......❁......❁

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو......'' جب میں نے روما کو تمام صورت حال بتائی تو اسے بھی پہلے تو یقین ہی نہ آیا۔
''یقین کرو روما' ایسا ہی ہے۔'' میں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔
''مگر کیوں...... تمہارے پاپا ایسا کیوں چاہتے ہیں؟ کیا مجھ میں کوئی کمی ہے؟ ہم تمہارے پاپا کے ہم پلہ ہیں۔'' وہ نخوت سے کہہ رہی تھی۔
''میں کب کہہ رہا ہوں روما ڈیئر کہ تم کسی سے کم ہو بلکہ تم جیسی تو مجھے کوئی اور لڑکی مل ہی نہیں سکتی جبھی تو مجھے تمہارے علاوہ کوئی اور قبول نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ اب کیا کروں؟''
''کرنا کیا ہے' انکار کردو......'' وہ جلدی سے بولی۔
''واہ...... یہ تو تم بالکل ایسے کہہ رہی ہو جیسے یہ بات میرے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی۔ ارے بابا میں انکار کر آیا ہوں بلکہ یہ بھی کہہ آیا ہوں کہ روما نہیں تو کوئی بھی نہیں۔'' میں نے اسے بتایا تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
''تو پھر انہوں نے کیا کہا؟''
''کہنا کیا تھا انہیں تو زوبیہ کے ڈیڈی شیخ تنویر سے کوئی کاروباری فائدہ حاصل کرنا ہے جس کے لیے مجھے قربان کرنا چاہتے ہیں۔'' میں نے منہ بنایا اور اس کا چہرہ اداس ہوگیا۔
''تو اب کیا ہوگا دل؟'' وہ پریشانی سے بولی۔
''یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔''
''دل! تم پھر اپنے پاپا سے بات کرو' انہیں راضی کرنے کی کوشش کرو۔''
''ہاں وہ تو میں کروں گا مگر تمہارے ڈیڈی کی طرف سے تو کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی نا۔''
''نہیں' میں نے امی کو بتایا ہے تمہارے بارے میں' وہ خود ہی ڈیڈی کو راضی کرلیں گی۔''
''چلو یہ تو اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔
''مگر پتا نہیں ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے۔''
''ہاں۔'' اس نے بھی ٹھنڈی سانس بھری۔ ''مگر تم کوشش ضرور کرنا۔''
''یہ تو تمہیں کہنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ یہ میرا بھی زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔'' میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا اور وہ ایک ادا کے ساتھ دھیرے سے مسکرائی اس وقت مجھے وہ مسکراہٹ دنیا کی حسین ترین مسکراہٹ لگ رہی تھی۔
''اوکے روما! اب میں چلتا ہوں۔''
''اوکے دل!'' وہ بھی اٹھ گئی۔
اس شام میری برتھ ڈے بڑی پھیکی سی گزری' روما نے یہ بات سن کر پہلے ہی آنے سے معذرت کرلی تھی۔ مجھے بہرحال میں پارٹی میں شرکت کرنا تھی البتہ میں نے پاپا کو منگنی کا اعلان کرنے سے روک دیا تھا۔

کچھ دن بعد جب پاپا نے مجھ سے بات کی تو میں نے انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ میں روما کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتا مگر وہ کسی طور ماننے کو تیار نہ ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی بات سننا نہیں چاہتے انہوں نے چونکہ میری پرورش بہت اعلیٰ معیار پر کی تھی مجھے ہر آسائش مہیا کی ہے۔ میری ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کیا تھا اس لیے مجھے ان کی بات ماننا ہوگی۔ خیر یہ تو ان کا کہنا تھا جبکہ میرا خیال تو یہ تھا کہ انہوں نے یہ سب اس لیے کیا کہ وہ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور تھے جو ہر باپ کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے مگر وہ نہیں مانے ان کا کہنا تھا کہ اگر میں نے ان کی نافرمانی کی تو وہ مجھے عاق بھی کر سکتے ہیں۔

میں عجیب مصیبت میں گرفتار تھا اور میں اس دوران روما سے بھی نہیں ملا مگر ایک ہفتے بعد جب وہ مجھے پارک میں ملی تو اس نے پوچھا۔

”کیا ہوا دل آویز! تم نے اپنے پاپا سے بات کی؟“

”ہاں۔“ میں نے مختصر جواب دیا۔

”تو کیا وہ مان گئے؟“

”نہیں۔“

”تو پھر......؟“ وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”روما......“ میں نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں مخاطب کیا۔ ”میں نے سوچا ہے ہم شادی کر لیتے ہیں۔“

”کیا...... مگر کیسے؟“ وہ بے تحاشا حیران ہوئی۔

”بھئی فکر نہ کرو ہم تمہارے ڈیڈی سے پوچھ کر یہ سب کریں گے۔“ میں نے اسے دلاسا دیا۔

”میرے ڈیڈی سے پوچھ کر؟“

”ہاں یار! بس تم اپنے ڈیڈی سے بات کرو اگر وہ راضی ہو گئے تو ایک دفعہ ہماری شادی ہو جانے کی دیر ہے بعد میں پاپا خود ہی مان جائیں گے؟“

”اچھا ٹھیک ہے...... میں کوشش کرتی ہوں۔“ وہ بولی۔

اس دن کے بعد ہماری ملاقات کئی دن نہ ہو سکی اور جب وہ کافی دن بعد ملی تو نگاہیں جھکا کر بولی۔

”آئی ایم سوری دل! میرے ڈیڈی بھی نہیں مانے۔“ اور میں یہ سن کر دھک سے رہ گیا۔

”لیکن کیوں...... کیا تم نے ساری صورت حال انہیں نہیں بتائی؟“

”بتائی تھی۔“ اس نے کہا۔ ”مگر وہ بولے وہ ایسا نہیں کر سکتے اس طرح تو تمہارے پاپا خوامخواہ ان کے دشمن بن جائیں گے۔“

”ایسا نہیں ہوگا بس چند دنوں کی بات ہے روما! پھر میں انہیں منا لوں گا۔“

”مگر ڈیڈی نہیں مان رہے وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہارے ڈیڈی راضی نہیں ہیں تو میری تمہارے ساتھ شادی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”او مائی گاڈ!“ میں نے سر تھام لیا اور پھر کتنے ہی لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے۔

”روما! تم اپنے ڈیڈی کو راضی کیوں نہیں کر لیتیں؟“

”کیسے راضی کر لوں جب تم لڑکے ہو کر اپنے پاپا کو راضی نہ کر سکے میں تو پھر لڑکی ہوں اور ویسے بھی دل ڈیڈی ایک اور وجہ سے بھی نہیں مان رہے۔“ وہ جلدی سے بولی۔

”کون سی وجہ؟“ میں چونک اٹھا۔

”ان کا کہنا ہے کہ تم ابھی کچھ بھی نہیں ہو تمہارا کوئی بزنس کوئی جاب نہیں ہے تو پھر تم اپنے پاپا سے الگ ہو کر کیا کرو گے۔“

”اوہ...... ہو......“ میں نے اپنی بائیں ہتھیلی پر مکہ مارا۔

”تو یہ کچھ ایسی غلط بھی نہیں۔“ وہ نظریں چرا کر بولی۔

”روما! تم بھی یہ کہہ رہی ہو...... کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟“ مجھے اس کے منہ سے سن کر شاک سا لگا تھا۔

”مجھے تو یقین ہے دل! مگر ڈیڈی کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی بات تو ہو مگر تمہارے پاس تو کوئی پلس پوائنٹ نہیں ہے۔“

”مگر تم انہیں میری طرف سے یقین تو دلا سکتی ہو نا کہ میں جلد ہی جاب حاصل کر لوں گا۔“ مگر جب اس نے یہ

کہا کہ......

"نہیں دل! وہ جاب کا سن کر بھی راضی نہیں ہوں گے۔"

تو میری امیدوں پر اوس پڑ گئی اور مجھے پہلی بار احساس ہوا اس غلطی کا جو میں نے اب تک پاپا کے بزنس میں حصہ نہ لے کر کی تھی اگر چھ مہینے پہلے ہی جب پاپا نے مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کو کہا تھا میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتا تو اب تک باسط کی طرح میں بھی کچھ شیئرز کا مالک تو ہوتا مگر اب کیا ہو سکتا تھا میری بے پروائی نے تو یہ دن دکھائے تھے۔

"اچھا دل! بہت دیر ہوگئی ہے، میں اب چلتی ہوں۔" روما کی آواز مجھے ہوش کی دنیا میں لے آئی۔

"بائے......" وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی چلی گئی اور میں وہیں بیٹھا رہ گیا میرا دماغ جیسے سن ہو کر رہ گیا تھا۔

اس کے بعد میری آخری جھڑپ پاپا کے ساتھ ہوئی تھی۔ میں نے بھی پاپا کو اپنا فیصلہ سنا دیا کہ چونکہ انہیں میرے جذبات واحساسات کا کوئی خیال نہیں اس لیے میں بھی یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں میرے منہ سے یہ سن کر وہ ذرا متاثر نہیں ہوئے۔ ماما تو پھر بھی مجھے روکنا چاہتی تھیں مگر انہوں نے صرف اتنا کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو ضرور کرو۔" اپنے کچھ کپڑے واک مین، کچھ کیسٹس، ضرورت کی چند دوسری چیزیں اور اپنے ضروری ڈاکومینٹس ایک بڑے بیگ میں ڈالے اور ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"میں جا رہا ہوں پاپا...... اور ماما آپ بھی سن لیں۔"

"دل ڈیئر! کیوں ضد کر رہے ہو تم خود سوچو کہاں جاؤ گے، کیسے رہو گے۔ پاپا کی بات مان لو بیٹا!" ماما نے مجھے سمجھانا چاہا میں نے ان کی بات ایک کان سے سنی اور دوسرے سے نکال دی (اب میں سوچتا ہوں کہ میں نے اس وقت بالکل ٹھیک کیا تھا) میں یہ کہہ کر مڑنے لگا تو پاپا بولے۔

"مائی سن! تم اگر واقعی جا رہے ہو تو اپنے پاکٹ سے کار کی چابی نکال کر یہاں ٹیبل پر رکھ دو۔" اور یہ سن کر میں ساکت رہ گیا۔

"کیا...... کیا کہا آپ نے پاپا؟" میں نے حیرت سے پلٹ کر پوچھا۔

"میں نے کہا گاڑی کی چابی یہاں رکھ جاؤ کیونکہ اب تمہارا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔"

"کیوں...... کیوں حق نہیں ہے وہ گاڑی تو آپ نے مجھے گفٹ کی تھی۔"

"ہاں گفٹ کی تھی مگر اب میں وہ گفٹ واپس لے رہا ہوں ویسے بھی اس کوٹھی کے گیراج میں کھڑی تمام گاڑیاں اس گھر میں رہنے والوں کے استعمال کے لیے ہیں اس کو چھوڑ کر جانے والے ان پر کوئی حق نہیں رکھتے۔" وہ پائپ کا کش لیتے ہوئے بولے۔

میں نے چابی ان کے سامنے پٹخی اور تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے باہر نکل آیا اب میرا رخ سیدھا روما کے گھر کی طرف تھا۔

"دل تم......" وہ مجھے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

ہاں میں...... چلو میں تمہیں لے جانے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے لے جانے آئے ہو...... مگر کہاں؟"

"بھئی میرے ساتھ چلو گی تو پتا چلے گا نا۔"

"لیکن کچھ تو بتاؤ۔"

"دیکھو روما ڈیئر نہ تمہارے ڈیڈی مان رہے ہیں اور نہ ہی میرے پاپا چنانچہ میں نے سوچا ہے کہ ہم لوگ کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔" میں نے کہا تو وہ باقاعدہ اچھل پڑی۔

"مگر میں ایسا نہیں کر سکتی، میرے ممی ڈیڈی کو بہت شاک لگے گا۔" وہ بولی۔

"کم آن روما! میں تمہاری خاطر اپنے مما، پاپا، گھر اور اس کی آسائشیں سب کچھ چھوڑ آیا ہوں۔ کیا تم ایسے میں مجھے اکیلا چھوڑو گی۔" اب میں اس کے ردعمل پر حیران تھا۔

''آئی ایم سوری دل! تم تو یہ سب کچھ چھوڑ آئے ہو مگر اب مجھے بھی ان سب سے محروم کر دینا چاہتے ہو۔''
''کک...... کیا مطلب؟'' میں ہکلایا۔
''مطلب بالکل صاف ہے دل!'' وہ رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔ ''تمہارے پاس تو کوئی چھوٹی موٹی جاب بھی نہیں' تم خود سوچو اگر میں تمہارے ساتھ چلی گئی تو ہم رہیں گے کہاں' کھائیں گے کہاں سے؟''
''روما! تم ایک بار میرا ساتھ دینے کی ہامی تو بھرو' میں جاب ڈھونڈتا ہوں گھر تلاش کرتا ہوں پھر میرے ساتھ چلنا۔ میں تمہاری خاطر سب کچھ کر سکتا ہوں روما! سب کچھ......'' میں جذبات سے بوجھل لہجے میں بول رہا تھا مگر روما کی بات مجھے پستیوں میں دھکیل گئی۔
''نہیں دل! میں تمہارا ساتھ صرف اسی صورت میں دے سکتی ہوں جب تم اپنے پاپا کو راضی کرو کیونکہ میں کسی صورت ان آسائشوں سے علیحدہ ہو کر نہیں رہ سکتی۔ تمہارے ساتھ جانے کی صورت میں مجھے نہ صرف ان سے محروم ہونا پڑے گا بلکہ ایک بے حد مشکل زندگی میری منتظر ہوگی جو کم از کم میں نہیں گزار سکتی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بول رہی تھی اور مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
''روما یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' میں نے تصدیق چاہی۔
''آئی ایم سوری اگین دل!'' وہ افسوس زدہ لہجے میں بولی اور مجھے ماننا پڑا کہ جو کچھ اب تک ہو چکا تھا وہ خواب نہیں تھا۔
''میرا تم کو بھی یہی مشورہ ہے دل کہ تم اپنے گھر چلے جاؤ۔'' وہ پیچھے سے بولی مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔
''واپس تو میں کسی صورت نہیں جا سکتا تھا کیونکہ واپس جانے کا مطلب تھا زوبیہ کو شریک زندگی بنانا جبکہ میں سمجھتا تھا اس سے بہتر ہے بندہ اکیلا رہ لے بلکہ اب تو میں یہ سوچنے لگا تھا کہ شاید میں نے روما سے محبت کر کے غلطی کی تھی وہ بھی زوبیہ کی طرح بناوٹی چہرے والی اور دولت اور ظاہری خوب صورتی پر مرنے والی تھی جبھی تو دولت کے ساتھ ہی وہ بھی ساتھ چھوڑ گئی۔

سب دوست بھی مجھ سے دور ہو گئے انہوں نے مجھے بے یار و مددگار دیکھا تو بجائے اس کے سہارا دیتے الٹا مجھے غلط قرار دے کر گھر واپس جانے کا مشورہ دینے لگے۔ ہر ایک کے پاس مدد نہ کر سکنے کا معقول جواز موجود تھا' نتیجتاً میں نے سب طرف سے مایوس ہو کر یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ شہر ہی چھوڑ دوں گا چنانچہ میں اسلام آباد سے کراچی آ گیا' ریل کے ٹکٹ کے پیسے اور دو چار دن کے کھانے کا خرچہ بھی نکل ہی آتا مگر اصل مسئلہ تو رہائش کا تھا۔ کراچی میں پہلی رات میں نے ایک تھرڈ کلاس سرائے میں کھٹملوں والی چارپائی پر سوتے جاگتے گزاری۔ اس رات تو مجھے گزری ہوئی پُرآسائش زندگی کا ایک ایک پل یاد آ رہا تھا اور میری اذیت کو دُگنا کر رہا تھا اور سب سے زیادہ روما کا سپاٹ لہجہ تھا۔
''تو کیا اب میں ساری عمر اسے نہیں دیکھ سکوں گا؟'' میں سوچ رہا تھا۔ ''نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے میں تو اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' میرا دل کہہ رہا تھا۔
''تو پھر اس نے تجھے تنہا کیوں چھوڑ دیا؟'' دماغ کی آواز آئی۔
''اس وقت تو وہ مجبور تھی' ظاہر ہے وہ اتنی پُرآسائش زندگی اتنے آرام سے کیسے چھوڑ دیتی' خود اس کی جگہ ہوتا تو شاید یہی کرتا۔'' میں نے خود کو تسلی دی۔
''اب میں اپنی محنت سے اپنی حیثیت منواؤں گا۔ کوئی اچھی سی جاب ڈھونڈوں گا' اس کے لیے گھر بناؤں گا' اسے اس کی مرضی سے سجاؤں گا اور پھر جب اسے اپنا بن جانے کے لیے کہوں گا تو مجھے یقین ہے وہ میری طرف ضرور لوٹے گی۔''
دل ناداں اسے کسی طور بے وفا ماننے کو تیار نہ تھا اور نہ ہی اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہ رہا تھا کہ اب اس کا حصول میرے لیے تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں سوچتے سوچتے رات کے آخری پہر جا کر میری آنکھ

لگی اور صبح جب میں جاگا تو ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ مجھے جلد از جلد کوئی جاب تلاش کرنا ہے۔

ناشتے سے فارغ ہوکر میں نے سب سے پہلے نیوز پیپر خریدا اور ایک پارک میں بیٹھ کر اپنے مطلب کی نوکری کا اشتہار دیکھنے لگا۔ چار پانچ جگہیں ایسی تھیں جہاں میں اپلائی کرسکتا تھا مگر زیادہ تر لوگوں نے تحریری درخواست مکمل ایڈریس کے ساتھ مانگی تھی' اس لیے میں نے پہلے رہنے کے لیے ٹھکانے کا بندوبست کرنا چاہا' مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ رہنے کی کوئی جگہ میں کیسے حاصل کرتا؟ یہ شہر اگرچہ میرے لیے بالکل اجنبی تو نہ تھا' میں پہلے بھی شارٹ ورزٹس پر یہاں آچکا تھا لیکن یوں شہر کی سڑکوں پر مارے مارے پھرنے کا میرا پہلا اتفاق تھا مگر چار دن تک یوں مسلسل پھرتے رہنے پر بھی مجھے رہنے کی کوئی جگہ نہ ملی۔ یہ تین راتیں بھی میں نے ایک سستے سے ہوٹل میں گزاریں' اخبار میں شائع ہونے والے "کرائے پر خالی ہے" کے اشتہارات بھی دیکھے' میں دراصل ایک کمرا کرائے پر لینا چاہتا تھا مگر ایسا کوئی ٹھکانہ مجھے نہ مل سکا۔ دو دن اور گزر گئے اب تو میرے پاس پیسے بھی ختم ہوگئے تھے۔ میرا کل اثاثہ وہ بیگ تھا جو میں گھر سے لے کر چلا تھا' طرح طرح کی مایوس سوچیں میرے ذہن پر یلغار کررہی تھیں۔ میرے کپڑے بھی شکن زدہ تھے اور شیو بڑھ گئی تھی اور جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا مجھے رات فٹ پاتھ پر گزارنا ہوگی۔

اس وقت میں شہر کی ایک مصروف شاہراہ پر چلا جارہا تھا' سوچتے سوچتے میرا دماغ گھومنے لگا تھا' مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے اب میں زیادہ دیر اپنے پیروں پر بھی کھڑا نہیں رہ سکوں گا...... کیا ہوا اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

جب مجھے ہوش آیا میں اسپتال کے بستر پر لیٹا تھا اور میری ہی عمر کا ایک لڑکا میرے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا میں نے پوری آنکھیں کھول کر ایک نظر اپنے اطراف میں اور پھر اس پر ڈالی وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم کون ہو...... اور میں کہاں ہوں؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"میں کون ہوں کا جواب میں ذرا فرصت کے اوقات میں دوں گا ہاں یہ بتائے دیتا ہوں کہ تم اس وقت اسپتال کے بیڈ پر موجود ہو۔"

"اوہ......" مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ "تو تم مجھے سڑک پر سے اٹھا کر یہاں تک لائے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں......" وہ بولا۔ "لیکن بات کیا تھی؟ تم تو اچھے خاصے صحت مند نظر آتے ہو' ہاں بس ذرا خستہ حال لگ رہے ہو۔" میں نے اس کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا اسے بتاؤں یا نہ بتاؤں' اچانک مجھے اپنے بیگ کا خیال آیا جس میں میرے کپڑے اور ڈاکومنٹس کے علاوہ میرا واک مین بھی تھا مگر قبل اس کے کہ میں اس سے کچھ پوچھتا یا اس کی بات کا جواب دیتا وہ پھر بول اٹھا۔

"شاید تم بتانا نہیں چاہتے دوست! خیر یہ رہی تمہاری امانت۔" اس نے میرا بیگ میری طرف بڑھایا۔

"دیکھ لو اس میں کوئی چیز کم تو نہیں ہوگئی؟" وہ کہہ رہا تھا اور میری آنکھیں حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میں تو یہ سوچنے لگا تھا کہ شاید اب میں اپنے واحد اثاثے سے بھی محروم ہوچکا ہوں مگر اس لڑکے نے نہ صرف میری جان بچائی تھی بلکہ میرے سامان کی حفاظت بھی کی تھی۔

"اور سنو......" اس نے پھر مجھے مخاطب کیا۔ "اسپتال کے چارجز میں نے ادا کردیئے ہیں تم چونکہ اب ٹھیک ہو اس لیے جہاں چاہو جاسکتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے مڑا اسی وقت میں اسے پکار بیٹھا۔

"ٹھہرو دوست!" میں بستر سے نیچے اتر آیا۔ "اپنا نام تو بتادو۔" وہ مسکرا کر مڑا۔

"مجھے شمروز یامین کہتے ہیں۔"

"اور میں بدنصیب دل آویز خان ہوں۔" میں نے اسے بتانے کا ارادہ کرلیا' وہ ایک دم بولا۔

"بدنصیب شاید تمہارا تخلص ہے۔" اور میں نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"برا مان گئے؟ آئی ایم سوری مگر خود کو بدنصیب کہنے کی کوئی تو وجہ ہونا چاہیے۔" اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ اپنا تمام فیملی بیک گراؤنڈز' پاپا سے اپنی ناراضگی اور گھر چھوڑنے کے بعد سے اب تک اس شہر میں گزاری ہوئی راتوں کی سب تفصیل میں نے اس کے گوش گزار کردی۔

"فکر نہ کرو یار! آج سے تم اور میں دوست ہیں' چلو آؤ میرے ساتھ۔" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگا۔

"مگر کہاں؟" میں نے پوچھا تو کہنے لگا۔

"تمہیں ایک عدد ٹھکانے کی تلاش ہے نا' جہاں تم رہ سکو اور اطمینان سے جاب تلاش کرسکو؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تو پھر میرے ساتھ چلو تمہیں ٹھکانہ دلواتا ہوں۔" وہ بولا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

ہم لوگ بس میں سفر کرکے ایک صاف ستھرے علاقے میں پہنچے پھر ایک گھر کے دروازے پر جا رکے۔ شمروز نے بیل دی' دوسری بیل کے جواب میں دروازہ کھلا اور ایک معصوم اور کیوٹ سی لڑکی کا چہرہ نظر آیا۔

"ارے آج اتنی جلدی کیوں آگئے؟"

"غلطی ہوگئی واپس چلا جاؤں۔" شمروز تپ کر بولا۔

"نہیں اب آگئے ہیں تو آ ہی جائیں۔" وہ شریر انداز میں مسکرائی اور مڑنے لگی تھی کہ شمروز پھٹ پڑا۔

"نظر نہیں آتا میرے ساتھ میرا دوست بھی ہے۔" یہ سن کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور دایاں ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔

"واقعی نہیں دیکھا تھا۔" اس نے جلدی سے سر پر دوپٹہ درست کیا اور اندر کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "میں امی کو بتاتی ہوں۔"

"آ جاؤ یار دل!" وہ بولا۔ "یہ میری چھوٹی بہن تھی لتو!! اس کے علاوہ میرے دو بھائی بہن کشف اور نجیل بھی ہیں۔" وہ اندر کی طرف جاتے ہوئے مجھے بتانے لگا۔

"مگر تم مجھے اپنے گھر کیوں لائے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جس ٹھکانے کا میں تم سے ذکر کررہا تھا وہ یہی ہے۔" وہ کہنے لگا۔ "اصل میں اوپر ایک کمرا بمعہ اٹیچڈ باتھ کے بالکل خالی ہے' میں نے سوچا فی الحال تمہاری ضرورت کے لیے ٹھیک رہے گا۔"

"دل...... لیکن تم نے تو کہا تھا کہ مجھے کمرا کرائے پر دلواؤ گے؟" میں نے تھوک نگلا۔

"تو اب ایسا کرو' میرے اس اسٹیٹمنٹ سے میں کرائے کے الفاظ حذف کردو' کمرا حاضر ہے۔" وہ مزے سے بولا۔

"لیکن میں اس طرح نہیں رہ سکتا۔" میں نے فوراً انکار کیا۔

"اگر مجھے کوئی کمرا کرائے پر نہیں دلوا سکتے تو رہنے دو' میں خود ہی کوئی ٹھکانہ ڈھونڈ لوں گا۔" میری خودداری آڑے آرہی تھی ویسے بھی وہ میرا کچھ لگتا بھی نہیں تھا کہ میں اس کا احسان لیتا۔ میں نے تو اب تک اپنے سگے بھائی کا احسان نہیں لیا تھا۔

"ارے ارے....." میں جانے لگا تھا کہ وہ میرے سامنے آ گیا۔ "کہاں چلے؟"

"مجھے تمہارا احسان نہیں چاہیے۔" میری فطری نخوت عود کر آئی۔

"او ہو تو یہ بات ہے۔" وہ گویا سمجھ جانے والے انداز میں بولا۔ "اچھا چلو تم اگر اسے احسان سمجھ رہے ہو تو تم کرایہ دے دیا کرنا۔ کرائے دار کے طور پر رہ لو۔" وہ مجھ سے بے تکلفی سے مخاطب تھا جیسے یہ ہماری پہلی ملاقات نہ ہو بلکہ ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں' اپنی طبیعت کے برخلاف مجھے اس کا خلوص اٹریکٹ کرنے لگا اور میں نے ہار مان لی۔

"اب تو اندر چلو۔" وہ بولا تو میں زبردستی مسکرا دیا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

یوں شمروز سے میری دوستی ہوئی اور یوں میں نے جانا کہ میں لاکھ خود غرض اور بے حسی کا مارا سہی مگر دنیا بے غرض اور مخلص لوگوں سے خالی نہیں۔ شمروز کی طرح اس کی اماں

اور ابا بھی بہت شفیق اور محبت کرنے والے ثابت ہوئے اور اس کے بہن بھائی بھی بہت جلد مجھ سے بے تکلف ہوگئے حالانکہ میں خود کو ان کے درمیان مس فٹ محسوس کررہا تھا مگر ان لوگوں کی کسی بات سے یہ ظاہر نہ ہوسکا کہ میں ان کا کچھ نہیں لگتا۔ یہ کمرا اس کے چچا کے استعمال میں رہتا تھا جو شادی ہوجانے کے بعد علیحدہ ہوگئے تھے۔ اس کے ابو نے مجھے جتنی شفقت سے دلاسا دیا تھا میں متاثر ہونے لگا اور کچھ کچھ شرمندہ بھی' کرائے کے بارے میں پوچھنے پر انہوں نے کہا۔

''جب جاب مل جائے تو جتنے چاہو پیسے دے دینا' ابھی اطمینان سے رہو۔'' مگر مجھے ابھی ایک فکر اور تھی' دوسرے خرچوں کے لیے میرے پاس پیسے بالکل نہیں تھے' اس لیے میں نے شمروز سے درخواست کی کہ وہ میری گھڑی اور گلے کی چین اور واک مین بکوانے میں میری مدد کرے۔

''تمہیں پیسوں کی ضرورت ہے نا' تو مجھ سے قرض لے لو۔'' وہ میری بات سن کر بولا مگر مجھے اس کی بات اچھی نہیں لگی۔

''اگر تم اس سلسلے میں میری مدد نہیں کرسکتے تو ٹھیک ہے' میں خود ہی یہ چیزیں اونے پونے دام بیچ دوں گا۔'' میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''ارے ارے..... ایک تو یار تم ہتھے سے بہت جلد اکھڑ جاتے ہو۔ اچھا ایسا کرو یہ واک مین ابھی رکھو میں دو چیزیں بکوادوں گا اور پھر جب تم کو جاب مل جائے گی تو مسئلہ ہی حل ہوجائے گا۔'' اس نے کہا اور پھر اگلے ہی دن مجھے ان دونوں چیزوں کے پانچ ہزار روپے لاکر دے دیئے۔ پیسے ہاتھ میں لیتے ہی مجھے خیال آیا کہ پانچ ہزار تو میرے ہفتے بھر کا خرچ ہوتا تھا مگر اب پتا نہیں کتنے دن اس رقم کو احتیاط سے خرچ کرکے گزارتا ہوں گے۔

کبھی کبھی میں سوچتا کہ اگر میرے ساتھ یہ سب کچھ نہ ہوتا تو شاید عام زندگی میں' میں اس مڈل کلاس گھرانے کے افراد کے قریب ہوتا تو درکنار ان سے سیدھی طرح بات کرنا بھی پسند نہ کرتا مگر اب یہی لوگ مجھے زندگی کی طرف لوٹانے کا سبب بنے تھے۔ اگرچہ میری زندہ دلی اور شوخی ہوا ہوچکی تھی مگر ان لوگوں کے درمیان بیٹھ کر میں سرشار ہوجاتا تھا۔

تجمل اور کشف کی شرارتیں اور لتوا اور شمروز کی نوک جھونک..... آنٹی کی محبت بھری ڈانٹ اور انکل کا شفیق لہجہ مجھے کبھی کبھی احساس محرومی میں بھی مبتلا کردیتے کہ کاش میں بھی کسی ایسے ہی گھرانے کا فرد ہوتا حالانکہ اس سے پہلے میں اپنے سے کم حیثیت لوگوں پر نظر بھی حقارت سے ڈالا کرتا تھا مگر یہ تو اب مجھے معلوم ہورہا تھا کہ جو منظر یہاں ہے وہ نہ تو ہزار گز پر محیط کوٹھی میں' آسائشوں بھری زندگی میں ہے اور نہ ہر دوسرے مہینے آسٹریلیا اور برطانیہ کا ٹور کرنے میں' نہ کلب کی حسین چمک دار شاموں میں ہے اور نہ ائرکنڈیشنڈ کار کی لانگ ڈرائیو میں۔

نوکری کی تلاش میرے لیے ایک مسئلہ ثابت ہوئی اپنی صلاحیت اور قابلیت کے لحاظ سے میں نے مختلف جگہوں پر اپلائی کیا' دو تین جگہ انٹرویو بھی دیئے مگر انٹرویوز میں کامیاب ہونے کے باوجود مجھے نوکری کے حصول میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلسل ایک مہینے تک میں دفتر کے چکر لگا لگا کر تھک گیا' دو ہزار کی حقیر سی رقم تو درخواستیں ٹائپ کراتے اور بسوں کے کرایوں میں خرچ ہوگئی' مجھے اب مایوسی کے ساتھ ساتھ پریشانی ہونے لگی تھی تب میں نے مجبوراً کسی بھی چھوٹی موٹی نوکری کی تلاش کردی جو خواہ میری قابلیت کے مطابق نہ ہو مگر پیٹ پالنے کا ذریعہ تو بن سکے تب مزید پندرہ دنوں کی کوشش کے بعد مجھے ایک انشورنس کمپنی میں اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ کی جاب مل گئی۔ تنخواہ محض دس ہزار روپے تھی مگر مجبوری تھی' مجھے فی الحال اسی میں گزارا کرنا تھا۔ پہلی تنخواہ ملتے ہی میں نے اس میں سے تین ہزار الگ کیے اور آنٹی کے پاس جا پہنچا۔ میں لاؤنج میں داخل ہوا تو تجمل اور کشف کے درمیان ایک رسالے کے لیے چھینا جھپٹی چل رہی تھی۔

''لتوا اماں.....'' شمروز کی دادی پکار رہی تھیں۔

"جی دادی جان!" کچن میں سے اس کی آواز آئی۔
"تم ہری مرچی کے سالن کے لیے مصالحہ پیس دیئے؟"
"جی دادی جان پیس لیا ہے۔" اس کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔
"لاؤ دیکھوں ذرا' کیسا پیسے......؟"
"جی اچھا۔"
"یہ پوتا پوتی (لڑکا لڑکی) تو میرا ناک میں دَم کیے دیتے ہیں۔ تمہاری اماں کہاں ہیں؟"
"وہ اقبال بھائی کی پتلون ٹھیک کر رہی ہیں۔" وہ وہیں سے چیخ چیخ کر جواب دے رہی تھی پھر تیز تیز قدموں سے کچن سے نکلی۔
"یہ لیں دیکھیں' بالکل باریک پیسا ہے۔" اس نے کٹورا دادی جان کے سامنے کیا جو تخت پر بیٹھی تھیں۔
"ہو...... بھوت باریک پیسے...... اجی خشخاش کے دانے تو صاف محسوس ہو رئیں ناں۔"
"کاں محسوس ہو رہے ہیں۔" اس نے منہ بنایا مگر دادی جان نے حکم صادر کر دیا۔
"چلو دوبارہ پیسو...... ایسا مصالحہ سالن میں ڈالے تو پک گیا سالن۔ ایک تو آج کے پوتیاں (لڑکیاں) کو کام جو بولو تو آگ لگتی ہے۔" اس نے پاؤں پٹخے۔
"ہاں نہیں تو...... اللہ میاں کسی کو حیدرآبادی گھرانے میں پیدا نہ کرے۔ سل پر بٹہ چلاتے چلاتے ہاتھ دکھ جاتے ہیں مگر کمبخت مصالحہ پس کے نہیں دیتا۔" وہ دوبارہ کچن کی طرف مڑی۔
"تو ب اچھا بولئے ذرا دل لگا کو کام کرے تو کیسا نہیں پستا۔" وہ بول رہی تھیں پھر پان دان کھول کر پان بنانے لگیں اور میں یہ دلچسپ گفتگو سننے کے لیے دروازے پر ہی رک گیا تھا یاد آیا کہ میں کسی کام سے آیا تھا۔
"السلام علیکم دادی جان!" میں نے ان کے قریب جا کر کہا۔
"اے وعلیکم السلام! جیتے رہو۔ جمیل! بھائی کو کرسی لا کے دیو' بیٹھو بیٹا!"
"نہیں دادی جان! میں خود ہی کرسی لے لیتا ہوں' آپ فکر نہ کریں' میں تو دراصل کام سے آیا تھا آنٹی کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"اندر ہوں گے بلواتیوں۔" وہ گلوری منہ میں رکھتے ہوئے بولیں۔
"جمیل! ذرا اپنی اماں کو تو بلاؤ' دل بھائی آئیں۔"
"جی اچھا!" وہ بلانے کو اندر بھاگا اور جب آنٹی آئیں تو میں سلام کے بعد اپنے مقصد کی طرف آ گیا۔
"وہ آنٹی اصل میں...... میں یہ پیسے دینے آیا تھا آپ کو...... مجھے آج پہلی تنخواہ ملی ہے نا۔" میں نے رقم ان کے سامنے رکھی۔
"ہائیں...... یہ کیسے پیسے ہیں؟" وہ حیران ہو کر بولیں۔
"آنٹی میں تو آپ لوگوں کے پاس کرائے دار کے طور پر رہ رہا ہوں نا۔" میری سمجھ میں نہیں آیا اس سے آگے کیا کہوں۔
"بیٹا! مجھے شمروز بتائے تھے کہ تمہاری تنخواہ صرف دس ہزار روپے ہے' اس میں سے یہ تو ہم کو دے رہیں' تو تمہارے خرچوں کو کہاں بچے ہوں گے۔" وہ بولیں۔
"آنٹی! جو بچ گئے ہیں وہ میری ضرورت کے لیے کافی ہیں۔"
"کاں کافی ہوتیں بیٹا! ابھی یہ تم رکھو اپنے پاس جب اچھی نوکری مل جائے تو اکٹھا دے دینا۔" انہوں نے رقم اٹھا کر میرے ہاتھ میں رکھنا چاہی مگر میں نے واپس ان کے ہاتھ پر رکھ دی۔
"نہیں آنٹی پلیز یہ مت کریں' اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں یہیں رہوں تو پلیز یہ لے لیں ورنہ پھر میرا یہاں رہنا مشکل ہوگا۔" میں نے التجائیہ انداز میں کہا تو وہ میری طرف محبت سے دیکھنے لگیں۔
"بیٹا! تم ہم کو شرمندہ کیے دے رہے ہیں۔"
"نہیں آنٹی! شرمندہ تو مجھے آپ کر رہی ہیں' آپ

لوگوں کا خلوص اور محبت بھی مجھ جیسے شخص کے لیے بڑی نعمت ہے۔ پلیز آنٹی یہ لے لیں پلیز آپ مجھے بیٹا کہہ رہی ہیں ناں۔" پتا نہیں کیسے یہ سب میں نے کہہ دیا اور مجھے محسوس ہوا کہ میں اپنا پرانا نخوت بھرا اور بے پروا انداز تکلم بھولتا جارہا ہوں اور وہی انکساری مجھ میں بھی آتی جارہی ہے جو مجھے اس گھرانے کا طرہ امتیاز لگی تھی۔

❀......❀......❀

ماما' پاپا مجھے بہت یاد آتے تھے' مجھے گھر سے آئے ہوئے تین ماہ ہوچکے تھے چنانچہ میں نے ایک پی سی او سے فون ملایا پہلے میری بات ماما سے ہوئی' وہ میرے لیے پریشان تھیں اور مجھے واپس آنے کو کہہ رہی تھیں پھر پاپا سے بات ہوئی۔ وہ غصے میں تھے اور ان کا کہنا تھا کہ گھر واپسی کی صورت صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ میں ان کے فیصلے پر سرتسلیم خم کردوں گویا انہیں مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' تین مہینے میرے بغیر اطلاع کے غائب ہونے پر بھی انہیں تشویش نہیں تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بالآخر میں تنہائی اور سب سے بڑھ کر معاشی پریشانیوں سے مجبور ہوکر واپس آجاؤں گا۔ اس لیے وہ میرے بارے میں بالکل فکر مند نہیں تھے مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ میں اب کافی بدل چکا ہوں اور پاپا سے بالکل مختلف انداز میں سوچنے لگا ہوں مگر میں نے انہیں غلط فہمی سے نکالنا مناسب نہ سمجھا کہ مبادا وہ مجھ پر ہنسنے لگیں البتہ میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب گھر واپسی صرف اسی صورت میں جاؤں گا جب خود کسی قابل ہوجاؤں گا۔

روما مجھے اب بھی تنہائیوں میں شدت سے یاد آتی تھی باوجود اس حقیقت کے کہ آخری ملاقات والے دن اس نے مجھ سے تقریباً تمام ناتے توڑ لیے تھے مگر میرے دل نے اس کے رویے کی جو وجہ تلاش کی تھی اس کی بنا پر وہ بے وفا نہیں لگتی تھی بلکہ دل کی خواہش تو یہ تھی کہ جلد از جلد اس قابل ہوجاؤں کہ اسے فخر سے اپنا بن جانے کے لیے کہہ سکوں۔

❀......❀......❀

اس حقیر سی ملازمت کے ساتھ میں نے ایک بہتر جاب کی تلاش جاری رکھی ہوئی تھی اور مجھے نہ جانے کیوں یقین تھا کہ میں کامیاب ہوجاؤں گا۔ وہ جمعہ کا دن تھا میں صبح سے اپنے کمرے میں موجود تھا کہ باہر سے کسی کے بڑے سریلے انداز میں گنگنانے کی آواز آئی۔

"کوئی بات کرو...... کوئی بات کرو...... کوئی خوشبو جیسی بات کرو۔" میں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو لاڈا کپڑے سکھانے کے لیے چھت پر موجود تھی۔

"ہے سونا بن کہ پھیلی دھوپ نظاروں پر
وہ چاندنی جیسی برف جمی کساروں پر......
کوئی بات......"

میں دروازے میں کھڑا بڑے انہماک سے اسے دیکھ اور سن رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر مجھ پر پڑی اور وہ چونک اٹھی۔

"ارے دل بھائی آپ اندر موجود تھے؟" اس کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے کچھ اور پھیل گئیں اور نیم وا ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"مجھے پتا نہیں تھا۔" یہ اس کے حیران ہونے کا مخصوص انداز تھا میں مسکرادیا۔

"ہاں میں تو صبح سے کہیں نہیں گیا۔"

"لیجیے تو پھر آپ نے اپنے کپڑے کیوں لاکر نہیں دیئے دھونے کو۔" اس نے کہا۔ "میں سمجھی کمرے میں لاک لگا ہوگا ورنہ نجیل سے ہی منگوالیتی۔"

"مگر میں نے تو اپنے کپڑے خود ہی دھولیے اور ویسے بھی مجھے اپنا کام خود کرنا پسند ہے۔" میں نے ایک ہی جملے میں دو جھوٹ بولے۔ "وہ تو شمروز خود ہی مجھ سے اصرار کرکے میلے کپڑے لے جاتا تھا اور تمہارے لیے کام بڑھا دیتا تھا۔" میں نے وضاحت کی۔

"واہ کام کیوں بڑھنے لگا اور اب آپ یہ تکلف چھوڑ دیں' بس مجھے اپنی چھوٹی بہن سمجھتے ہوئے بلا جھجک ہر کام کہہ دیا کریں۔" وہ کمال معصومیت سے بولی۔

"اچھا۔" میں مسکرادیا۔ "پھر تو میں سوچوں گا اس پر۔"

"کس پر؟" اس نے پوچھا۔
"اس پر کہ تمہیں چھوٹی بہن سمجھنا چاہیے یا نہیں۔"
"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے بھلا؟"
"مگر میں تو ہر کام سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔" میں نے کہا تو وہ بھی مسکرائی۔
"اچھا پھر سوچیں اور خوب سوچیں۔" اس نے خالی ٹب اٹھالیا۔
"اور جب سوچ لیں تو مجھے ضرور بتائیں۔"
وہ زینے کی طرف مڑی اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی چلی گئی اس کی تیزی کے ساتھ ہلتی ہوئی دراز چوٹی کافی دیر تک میری نگاہوں میں رہی اور اس کے ساتھ ہی مجھے روما کے تراشیدہ بال یاد آئے اور وہ اس کا پیشانی پر آئی لٹ کو ایک ادا سے پیچھے کی طرف جھٹکنا' ایک عجیب سی نخوت ہوا کرتی تھی اس کے اندر' مجھے بہت پسند تھی مگر اب مجھے اقرا کی معصومیت بھی متاثر کرنے لگی تھی اور میں غیر ارادی طور پر دونوں کا موازنہ کرنے لگا۔
"کیا بکواس ہے۔" میں نے سر جھٹکا۔ "بھلا کوئی لڑکی روما جیسی ہوسکتی ہے' وہ سب سے منفرد ہے۔"

❁......❁......❁

اس دن میں ایک انٹرنیشنل فرم میں خالی ہونے والی سیٹ پر منیجر کی ویکنسی کے لیے انٹرویو دے کر لوٹا تھا' انٹرویو میں میرٹ بیس پر دیے جانے کی تو مجھے امید نہیں تھی مگر ڈر تو پھر بھی لگ رہا تھا کہ کہیں ناکام نہ ہوجاؤں۔
"اس بار بھی دادی جان آپ میرے لیے دعا کریں کہ یہ جاب مجھے مل جائے۔" میں نے ان سے کہا تھا دراصل میں نے سنا تھا کہ دعا سے بڑے بڑے رکے ہوئے کام ہوجاتے ہیں' وہی یاد آگیا تھا۔
"ایو بیٹا! میں تو دن رات تم لوگوں کے لیے دعایاں کرتیوں' تم فکر نکو کر' یہ نوکری تم کو ضرور ملیں گی۔" میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں نور تھا۔
اور پھر ایک ہفتے بعد ہی مجھے وہ گڈ نیوز ملی جس کی میں توقع کر رہا تھا اور یہ شاید دادی جان کی دعاؤں کا اثر تھا کہ مجھے اسی پوسٹ کے لیے اس فرم کی طرف سے اپائنمنٹ لیٹر مل گیا۔ میں سوچنے لگا کہ کاش میں نے پہلے دادی جان کو کہا ہوتا تو یہ کام کب کا ہوگیا ہوتا خیر اب بھی میرا کچھ نہیں بگڑا تھا میری خوشی کا تو پوچھنا ہی کیا مگر جمیل کے گھر والوں نے میری خوشی کو دوبالا کردیا کہ ایک چھوٹی سی پارٹی کا انتظام کر ڈالا' مجھے تو اس کی خبر بھی نہیں تھی۔ وہ تو جب میں شام کو گھر آیا تو اچانک جمیل نے میرے کان کے پاس ایک غبارہ پھوڑا اور اس کے بعد مجھے اس سرپرائز پارٹی کا علم ہوا اگرچہ گھر والوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا مگر اس پر بھی آنٹی نے اتنا سارا اہتمام کر رکھا تھا۔
"آنٹی ان سب چیزوں کی کیا ضرورت تھی' اتنا اہتمام.....،" میں نے کہا تو وہ مسکرائیں۔
"بیٹا تمہیں نوکری بھی تو اتنی اچھی ملی ہے' خوشی کا موقع تو ہے۔"
"جی آپ ٹھیک کہتی ہیں مجھے اتنے عرصے دھکے کھانے کے بعد نوکری ملی ہے تو خوشی کی بات تو ہے مگر آپ لوگوں کا خلوص بھی ہے کہ سڑک پر پڑے ہوئے اجنبی لڑکے کو اٹھا کر اپنے گھر میں جگہ دینا اور پھر اس پر اپنوں کی طرح اعتماد کرنا' آپ لوگوں کی محبت کا کوئی بدل نہیں۔" میں نے حقیقی احساسات اور جذبات سے مغلوب ہوکر کہا۔
"خلوص اور محبت کا بدل تو ویسا ہی خلوص اور محبت ہے بیٹا!" انکل بولے۔
"اور جہاں تک اپنوں کی طرح اعتماد کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لیے انسانیت کا رشتہ ہی کافی ہے۔"
"اُفوہ بھئی..... یہ آپ لوگ کیا اتنی سیریس گفتگو لے کر بیٹھ گئے۔ چلو دلیار کیک کاٹو۔"
"نہیں..... میں نہیں..... دادی جان کاٹیں گی۔"
"اِئی کا ہے کو کاٹوں کیک....." وہ ہنسیں تو میں نے کہا۔
"دادی جان! مجھے نوکری بھی تو آپ ہی کی دعاؤں سے ملی ہے۔" اور پھر دادی جان نے مسکراتے ہوئے

تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا' میں اس وقت محسوس کر رہا تھا کہ میں بالکل ان لوگوں کے سانچے میں ڈھل چکا ہوں۔ لبنیٰ نے مجھے چائے دی تو میں نے غور سے اسے دیکھا' وہ عام دنوں کی نسبت آج زیادہ اچھے لباس میں تھی' اس کی گوری کلائیوں میں سیاہ کانچ کی چوڑیاں دیکھیں تو مجھے روما یاد آ گئی' اس کے ہاتھوں میں چوڑیاں میں نے بہت کم دیکھی تھیں۔ وہ زیادہ تر بریسلیٹ پہنا کرتی تھی مگر چوڑیوں کی کھنک کی اپنی ایک کشش ہوتی ہے' میں نے سوچا۔

"کہاں کھو گئے دل؟" شمروز کی آواز مجھے ہوش میں لے آئی۔

"کچھ نہیں یار...... کچھ بھی تو نہیں۔"

"اوں ہوں' کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" وہ گنگنایا۔

"ارے کچھ نہیں یہ بتاؤ تمہیں ایم بی بی ایس کی ڈگری کب مل رہی ہے؟" میں نے ایک دم بات بدل دی۔

"ہاں بس چند دن اور ہاؤس جاب بھگتنا ہوگا پھر راوی چین ہی چین لکھے گا۔" وہ آرام سے پیر پھیلاتے ہوئے بولا اور پھر یونہی ہلکی پھلکی باتوں میں وہ شام بیت گئی۔

❀......❀......❀
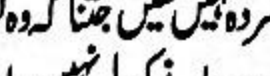
ایک مہینے کے بعد ہی میں نے دو کمروں کا ایک فرنشڈ فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا جب میں گھر چھوڑ کر آ رہا تھا اس وقت بھی ماما اتنی افسردہ نہیں تھیں جتنا کہ وہ لوگ نظر آ رہے تھے' میرا اپنا وہاں سے جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر اب میں مزید ان لوگوں کو زحمت نہیں دینا چاہتا تھا۔ مگر میں نے ان سے ملتے رہنے کا وعدہ کر لیا یوں تنہا رہنے کا میرا پہلا اتفاق تھا۔

پانچ بجے تک تو میں دفتر میں ہی ہوتا تھا مگر اس کے بعد کا وقت میرے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔ اکثر مجھے ماما' پاپا اور روما بہت شدت سے یاد آتے۔ میں تنہائی سے بچنے کے لیے ہفتہ میں تین چار مرتبہ شمروز کے گھر جانے لگا ویسے بھی ان لوگوں سے ناطہ توڑ لینا اب میرے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ بارہا میرا دل چاہا ماما کو فون کروں اور بتاؤں کہ دیکھیں اب میں کامیاب ہو گیا ہوں' روما سے کہوں کہ دیکھو روما میں کتنا تنہا ہوں' آ کر میری تنہائیوں میں روشنی کرو مگر پھر جب مجھے ان لوگوں کے رویے یاد آتے تو میرے فون کی طرف بڑھتے ہاتھ رک جاتے۔

❀......❀......❀

اس شام میں شمروز کے گھر بیٹھا تھا' چائے پی جا رہی تھی اور سب ہی وہاں موجود تھے جب لبنیٰ نے مجھ سے پوچھا۔

"دل بھائی! کیا آپ کو اپنے امی ابو یاد نہیں آتے؟" یہ سوال سن کر میں نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا تو وہ گھبرا سی گئی۔

"سوری دل بھائی! اگر آپ کو میرا سوال کرنا برا لگا۔"

"اس میں برا ماننے کی کون سی بات ہے بھلا' میں ایک دم چپ ہو گیا۔" پھر بولا۔ "وہ لوگ مجھے یاد آتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو بہت ہی شدت سے یاد آتے ہیں مگر پھر ان لوگوں کے شدید رویے یاد آتے ہیں تو میں واپس جاتے ہوئے جھجکتا ہوں۔"

"مجھے تو حیرت ہوتی ہے دل بھائی! آپ ایسے تو نہیں لگتے کہ اپنے والدین کو ناراض کر دیں جبکہ آپ ان سے اتنی محبت کرتے ہیں تو پھر وہ آپ سے کیسے ناراض ہو گئے؟" اس کے انداز میں معصومیت تھی میں جواباً شمروز کی طرف دیکھ کر رہ گیا کیونکہ اصل حقیقت کا تو شمروز کو علم تھا اور دوسرے انکل اور آنٹی کو۔ باقی اس سے لاعلم تھے' شمروز بھی میری طرف دیکھ رہا تھا اس نے اچانک بات پلٹی۔

"فضول قسم کے سوالات کرنا تو کوئی لبنیٰ سے سیکھے۔" وہ ایک دم بولا۔ "ظاہر ہے' کند ذہن لوگوں سے یہی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"کیا...... میں کند ذہن ہوں۔" وہ بھڑک اٹھی۔

"اور نہیں تو کیا چار سال سے بی اے کر رہی ہو...... ہو ہی نہیں رہا۔"

"آپ بھی تو سات سال سے ایم بی بی ایس کر رہے

ہیں حالانکہ صرف پانچ سال کا ہوتا ہے۔'' اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

تو اکے سوال نے شاید مجھے جھنجوڑ دیا تھا کہ میں نے گھر کا نمبر ڈائل کیا مگر دوسری طرف ماما پاپا حتیٰ کہ باسط علی خان کوئی بھی نہیں ملا البتہ گھر کے ملازم نے ایک عجیب بات یہ بتائی کہ کافی عرصہ سے گھر کی فضا کچھ مکدر سی ہے۔ تقریباً روز ہی باسط اور پاپا کی کسی کاروباری مسئلے پر بحث ہونے لگی ہے اور ان دونوں کے درمیان اختلاف بڑھتا ہی جارہا ہے اگرچہ یہ سن کر مجھے کافی حیرت ہوئی تھی کیونکہ باسط بھائی کی تو پاپا سے مجھ سے زیادہ بنتی تھی بلکہ دل ہی دل میں جیلس ہوکر میں تو انہیں پاپا کا چمچہ بھی کہا کرتا تھا تو پھر یہ اختلاف کیسے ممکن ہے' مجھے پریشانی نے آ گھیرا۔ دل چاہ رہا تھا کہ پاپا' ماما سے مل آؤں مگر میں فیصلہ نہیں کر پارہا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرے اس طرح گھر چھوڑ کر جانے پر انہیں چیچ تنویر کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑی ہوگی۔ ان کا بزنس ایگریمنٹ جو میری زوبیہ سے منگنی کے ساتھ مشروط تھا یقیناً کینسل ہوگیا ہوگا۔ ایک مہینہ یونہی شش و پنج کی حالت میں گزر گیا اور پھر تنگ آ کر میں نے بالآخر فون کر ہی ڈالا اس دفعہ ریسیور خود پاپا نے اٹھایا۔

''ہیلو......'' ان کی رعب دار آواز کانوں میں پڑی تو یکبارگی دل چاہا لائن کاٹ دوں مگر پھر ہمت کر ہی لی۔

''ہے...... ہیلو...... پاپا...... میں دل بول رہا ہوں۔''

''اوہو دل! بھئی کیسے فون کرلیا' میرا خیال ہے گھر چھوڑ کر جانے کے بعد یہ تمہارا دوسرا فون ہے۔''

''وہ میں نے آپ لوگوں کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا۔''

''ہماری خیریت......'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسے۔

''تم اپنی کہو بیٹا! کہاں ہو؟ کیسے رہ رہے ہو اور کتنی دفعہ گھر چھوڑنے کے فیصلے پر پچھتائے؟'' وہ میرے لیے ذرا بھی بے چین نہیں لگ رہے تھے' مجھے بہت دکھ ہوا۔

''میں کراچی میں ہوں پاپا اور بہت آرام سے رہ رہا ہوں اور اس تمام عرصہ میں ایک مرتبہ بھی گھر چھوڑنے کے

امید

○ امید ایک ایسا لفظ ہے جو دل کو تسلی دیتا ہے
○ امید ایک ایسا جگمگاتا جگنو ہے جو بھٹکے ہوئے انسان کو حوصلہ دیتا ہے
○ امید ایک ایسی رہ گزر ہے جو انسان کو اس کی منزل کے قریب لے جاتی ہے۔
○ امید کے بل بوتے پر دنیا کا نظام چل رہا ہے

عائشہ اکرم...... وہاڑی

فیصلے پر نہیں پچھتایا۔''

''اچھا......'' وہ پھر ہنسے۔ ''ڈیئر سن! اگر تم نے یہ سوچ کر فون کیا ہے کہ ہم لوگ تمہارے لیے بے چین ہوں گے تمہاری طرف سے کوئی اطلاع نہ ملنے پر بے تاب ہوں گے اور تمہاری آواز فون پر سنتے ہی تم سے فوراً گھر چلے آنے کا کہیں گے تو تم غلطی پر ہو۔ میں فیصلے اٹل کیا کرتا ہوں اگر تم واقعی گھر آنا چاہتے ہو تو سوچ لینا کہ تمہیں زوبیہ سے شادی کرنا ہوگی۔'' وہ بے لچک لہجے میں بول رہے تھے اور میں غم و غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ریسیور تھامے سن رہا تھا۔

''پاپا! آپ بھی بہت بڑی غلطی پر ہیں' میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں اور فیصلے بار بار تبدیل نہیں کرتا۔ آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ میری زندگی آپ کی دولت اور آپ کے فیصلوں پر منحصر کرتی ہے تو آپ غلط سمجھتے ہیں۔ میں آزاد ہوں۔ ایک فرم میں منیجر کی جاب کررہا ہوں اور دراصل میں نے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ میں تو آپ سب سے بہت محبت کرتا ہوں مگر لگتا ہے کہ آپ کو صرف دولت سے پیار ہے اس لیے اللہ حافظ۔''

میں نے کھٹ سے فون رکھ دیا دل تو میرا ماما سے بات کرنے کو بھی چاہ رہا تھا مگر اس وقت میرا غصے سے برا حال ہوگیا تھا یعنی پاپا کو میری ذرا بھی فکر نہیں تھی۔ ہوسکتا ہے ماما کو میرا خیال ہو یہی سوچ کر دو تین دن بعد ماما سے بات کرنے کے لیے فون کیا' وہ واقعی فکر مند تھیں مگر ان کا کہنا

بھی یہی تھا کہ میں واپس آ کر پاپا کی بات مان لوں۔ ان کا خیال تھا کہ اتنے بڑے بزنس مین کے بیٹے کو کسی چھوٹی موٹی فرم میں نوکری کرنا زیب نہیں دیتا مگر میں نے صاف انکار کردیا۔ البتہ ان سے وعدہ کرلیا کہ میں انہیں فون کرتا رہوں گا۔

تنہائیوں میں بار بار روما کا خیال آیا تو دل و دماغ میں ایک جنگ سی چھڑ گئی۔ دماغ کہتا تھا کہ وہ اب تیری نہیں رہی کیا تو آخری ملاقات والے روز اس کا رویہ اس کا بے تاثر لہجہ بھول گیا مگر دل کہتا تھا کہ اس کا وہ لہجہ اور رویہ بھی بے وجہ نہیں تھا تو ایک مرتبہ اس سے فون پر ہی سہی بات کرکے دیکھ شاید وہ اب بھی تیری ہو اور پھر دل کی ہی بات مان کر میں نے اس کا نمبر ڈائل کیا۔ اسے تو میری آواز سن کر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"دل...... کیا واقعی تم ہو؟"

"ہاں روما! یہ میں ہی ہوں تمہارا دل۔"

"اتنے عرصے بعد تمہیں میرا خیال کیسے آگیا؟" اس کے لہجے میں کچھ تھا مگر میں نے نظر انداز کیا۔

"تمہارا خیال تو ایک پل کو بھی مجھ سے علیحدہ نہیں ہوا روما!" میں نے کہا۔

"وہ تو دراصل میں کچھ بننے کی کوشش میں لگا ہوا تھا اسی لیے اتنے عرصہ دور رہا مگر اب میں ایک انٹرنیشنل فرم میں اعلیٰ پوسٹ پر فائز ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تمہارے ڈیڈی اب مجھے رد نہیں کرسکیں گے کیونکہ اب میں اس قابل ہوگیا ہوں کہ تمہیں خوشیاں دے سکوں' وہ سب جو تم چاہتی ہو۔"

"مگر دل اب بہت دیر ہوچکی ہے اب تم میرا خیال اپنے دل سے نکال دو۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "کیونکہ میری منگنی پچھلے ہی مہینے میرے کزن سے ہوگئی ہے۔" مجھے زبردست شاک لگا۔

"کیا کہہ رہی ہو روما؟"

"ہاں دل! یہ سچ ہے۔"

"تم نے انکار کیوں نہیں کیا روما!"

"میں کس بل بوتے پر انکار کرتی دل! تم تو ایسے غائب ہوگئے تھے جیسے اب کبھی نہ لوٹو گے اور ویسے بھی میرا وہ کزن ڈیڈی کی طرح بہت سی زمینوں کا مالک ہے اور ڈیڈی بھی اس کے لیے انکار نہ سنتے۔" وہ کہہ رہی تھی اور میں سن رہا تھا۔

"میں تمہیں ہمیشہ ایک اچھے دوست کی حیثیت سے یاد رکھوں گی بائے۔" اس نے لائن کاٹ دی اور میں نہ جانے کتنی دیر تک ریسیور تھامے کھڑا رہا۔

اگرچہ یہ خبر میرے لیے غیر متوقع نہیں ہونا چاہیے تھی کیونکہ آخری ملاقات والے دن میں نے اس کے لہجے کے سرد پن کو محسوس کرلیا تھا۔ کیا سب ایسے ہی مطلبی اور خود غرض ہوتے ہیں...... ہاں شاید کیونکہ جب اولاد سے ماں باپ کی محبت بھی مشروط ہو تو پھر اور کون سا رشتہ معتبر رہ جاتا ہے۔ مستقل سوچتے سوچتے سر درد سے پھٹنے لگا' بڑی مشکل سے میں نے پین کلر کے ذریعے اس درد سے نجات حاصل کی مگر اس درد کا علاج تھا جو اپنوں کے رویوں سے بننے والے زخموں سے ہو رہا تھا۔

❀......❀......❀
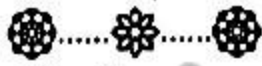
"ارے تم اتنے بیمار ہو اور ہمیں خبر تک نہیں کی؟" یہ شمروز تھا جو میرے بخار سے پریشان ہوگیا تھا۔

"تم خوامخواہ فکر مند ہو رہے ہو یار حالانکہ معمولی بخار ہی تو ہے۔" میں زبردستی مسکرایا۔

"حد ہوگئی یہ معمولی بخار ہے آنکھیں لال ہو رہی ہیں اور بالکل آگ ہو رہے ہو تھرمامیٹر کہاں رکھا ہے؟"

"وہ اِدھر دراز میں پڑا ہوگا۔" میں نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا تم لیٹو۔" اس نے تھرمامیٹر نکال کر میرے منہ میں لگایا۔

"او میرے خدا ایک سو تین۔" اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "اتنی بے پروائی' کب سے ہے یہ حالت؟"

"کل رات ہی تو ہوا ہے یار!" میں نے جھوٹ بولا۔

"مجھے پتا ہے اس بہانے تجھے اپنی ڈاکٹری کا رعب جمانے

کا موقع مل گیا۔"

"اچھا بکواس مت کر مجھے پتا ہوتا تو اپنا میڈیسن بکس لے کر آتا اور اگر امی نے مجھے بھیجا نہ ہوتا تو کو اپنی موت ہی کی خبر بھجواتا شاید" وہ مسلسل مجھے لتاڑے جا رہا تھا۔

میری بیماری کا سن کر سب کے سب چلے آئے اور میری دلجوئی میں لگ گئے۔ آنٹی نے اپنے ہاتھ سے میرے لیے پرہیزی کھانا تیار کیا۔ رات تک وہ لوگ میرے پاس رکے رہے پھر سب چلے گئے سوائے شمروز کے ان کی اپنائیت نے میرا دکھ اور سوا کر دیا تھا۔ اپنے تو کٹھور بنے ہوئے تھے اور غیر میرے لیے اتنا کچھ کر رہے تھے دل عجیب بوجھل سا ہو رہا تھا اور جی چاہ رہا تھا کہ شمروز کو سب حال دل سنا دوں۔ اس نے بھی میری خاموشی اور اداسی کو محسوس کر لیا تھا اور شاید میری اس کیفیت کو بھی...... اس لیے بولا۔

"یار دل! میں محسوس کر رہا ہوں جیسے تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو مگر کہتے ہوئے جھجک رہے ہو؟" اور اس کا یہ کہنا تھا کہ میں خود پر مزید جبر نہ کر سکا اور سب کچھ اسے بتا دیا وہ یہ سب سن کر بولا۔

"دل یار میں ہرگز نہیں کہوں گا کہ تم نے یہ سب مجھ سے اب تک کیوں چھپایا مگر اتنا ضرور بتانا پسند کروں گا کہ کچھ کھو دینے کے غم کے علاوہ یہ تمہارے دل کا بوجھ تھا جس نے تمہاری یہ حالت بنائی۔ اس لیے آئندہ اپنی جان پر یہ ظلم مت کرنا اور اپنی پریشانیاں کسی سے شیئر ضرور کر لیا کرنا' اچھا اب یوں کرو دوا کھاؤ اور آرام کرو۔" اس نے مجھے تسلی دی اور دوا بھی اور اس کے بعد میں واقعی دنیا و مافیہا سے بے خبر سویا۔ حتیٰ کے اگلے دن کا ناشتا بھی شمروز نے بنایا اور شمروز کی دی ہوئی دوائی سے زیادہ اس کی تسلی نے کام دکھایا کہ میں دوپہر تک ٹھیک ہو گیا بلکہ اگلے روز دفتر جانے کے قابل بھی ہو گیا۔

اس کے بعد میرا وہی لگا بندھا روٹین تھا' ہاں البتہ ہر دو تین دن بعد میں شمروز کے گھر ضرور جاتا تھا جہاں پھولوں کی مہک تھی اور شمروز جیسے دوست کا ساتھ بھی۔ ساتھ کے علاوہ اب تو ایک اور ہی احساس میرے اندر پیدا ہو رہا تھا۔

لائبہ کی معصومیت نے تو شروع دن سے ہی مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا مگر روما کے غرور حسن کے سامنے مجھے سب کچھ ہیچ لگتا تھا اب جبکہ اس جھوٹی محبت کی دھند میری نگاہوں کے سامنے سے چھٹی تو مجھے ادراک ہوا کہ اس کی معصوم اور بڑی بڑی ہرنی جیسی آنکھوں میں تو وہ چمک ہے جس کے آگے ہر چمک ماند محسوس ہو رہی تھی۔

❀......❀......❀

دن یونہی بدلتی رتوں کے درمیان گزر رہے تھے کہ مجھے ایک ساتھ دو بُری خبریں ملیں ایک تو مجھے یہ روح فرسا خبر ملی کہ لائبہ جس کی حسین آنکھوں میں اپنا آپ گم کر دینے کا

نازیہ حسن

ڈیئر قارئین اینڈ کیوٹ دوستوں کیسی ہیں آپ سب؟ جناب یقیناً آپ سب ٹھیک ہی ہوں گی' میرا نام نازیہ حسن ہے 11 ستمبر 1988ء کو اس دنیا میں تشریف لائی میرا اسٹار سنبلہ ہے۔ میں بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں میرا تعلق سندھ کے شہر شہداد پور سے ہے۔ میری فیملی چھوٹی سی ہے ہم تین بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں مجھ سے چھوٹی عابدہ' شازیہ کنول ہے۔ میں نے آنچل 2005ء سے پڑھنا شروع کیا۔ نازیہ کنول نازی کے ناول بہت پسند ہیں' سفید اور کالا رنگ پسند ہے۔ کھانے میں سب کچھ کھا لیتی ہوں' میٹھے میں آئس کریم' کسٹرڈ اور کھیر پسند ہے۔ موسموں میں بہار اور گرمی پسند ہے' میرے آئیڈیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے۔ میوزک شوق سے سنتی ہوں' پرانے گانے بہت پسند ہیں۔ مووی بھی دیکھتی ہوں شاعری سے بے حد لگاؤ ہے۔ شاعری میں وصی شاہ' پروین شاکر' غالب اور فراز بے حد پسند ہیں۔ جیولری میں چین پسند ہے' ہم سب کزن آپس میں بہت پیار کرتے ہیں' میری کزنز کا نام صابرہ' نائلہ' ناصرہ' نسیم اختر' غلام حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آنچل کو بہت نوازے آمین اب اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

ارادہ کیے بیٹھا تھا بہت پہلے ہی میری پہنچ سے دور ہوچکی ہے۔ یہ بات مجھے اتفاقاً اس وقت معلوم ہوئی جب دادی جان اور آنٹی کی گفتگو میں بار بار اس شخص عدیم کا نام سن کر اس کے بارے میں پوچھ بیٹھا اور معلوم ہوا کہ ہما تو اس کی منکوحہ ہے اور جلد ہی اس کی رخصتی ہونے والی ہے۔

مگر ابھی میں اس شاک سے سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ دوسری خبر ملی' پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوگیا تھا یہ خبر ملتے ہی میں اپنے سب دکھ بھول بھال کر اسلام آباد بھاگا۔ اللہ کا شکر کہ وہ بچ گئے تھے مگر اسپتال میں ایڈمٹ تھے' ماما بھی بہت اداس اور مضمحل تھیں انہی کی زبانی پتا چلا کہ باسط اور پاپا کے درمیان اختلاف بہت بڑھ گئے تھے۔ باسط نے لڑ کر اپنے تمام شیئرز الگ کر لیے اور پھر اپنے سسر کے بزنس میں لگا دیئے۔ پاپا کا بزنس ان دنوں خسارے میں جارہا تھا' باسط کے شیئرز علیحدہ ہوجانے کے بعد بزنس کو ایک بہت بڑا جھٹکا لگا جو پاپا سہہ نہ سکے جس کا نتیجہ ہارٹ اٹیک کی صورت میں نکلا۔

اس وقت پاپا اگرچہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہورہے تھے مگر سخت ذہنی دباؤ میں تھے' مجھے دیکھ کر وہ حیران بھی ہوئے ان کو یقین دلایا کہ اب انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اگر ان کا ایک بیٹا الگ ہوگیا تو کیا ہوا' دوسرا تو ان کے ساتھ ہے۔ اور پھر میں نے تباہ شدہ کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیا' پاپا کے مشوروں سے میں اسے ری اسٹیبلش کرنے کی جدوجہد میں لگ گیا۔ اپنی جاب کو خیرباد کہہ دیا' باسط بھائی اس دوران پاپا سے ملنے آئے تھے۔ میرے لیے انہوں نے زیادہ گرم جوشی نہیں دکھائی بلکہ میری کوششوں کو طنزیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

شمروز سے فون پر بات ہوئی اسے میں نے تمام صورت حال بتائی تو اس نے بھی میری ہمت بندھائی اس کے بعد بھی وہ وقتاً فوقتاً فون کرتا رہتا تھا۔

پاپا کو اس واقعہ نے بدل کر رکھ دیا تھا وہ اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے میں بھی تو بہت بدل گیا تھا بالآخر دن رات کی محنت رنگ لائی اور چھ مہینے بعد پاپا کا بزنس دوبارہ اسی مقام پر آ کھڑا ہوا جہاں پہلے تھا۔ ماما کی خوشی کا تو ٹھکانہ ہی نہ تھا پاپا نہ صرف خوش تھے بلکہ اپنے پچھلے رویوں پر شرمندہ بھی تھے بلکہ میری صلاحیتوں اور محنتوں کا شاندار پھل دیکھ کر فخر بھی محسوس کررہے تھے۔ باسط بھائی میری اس کامیابی پر انگشت بدنداں تھے' پاپا نے اب ان کی طرف توجہ دینا چھوڑ دی تھی ان کے نزدیک میں ہی اب ان کا سب کچھ تھا۔ مجھے بھی اطمینان تھا مگر یہ جو سب کچھ مجھے مل گیا تھا اس خلش کو کم کرنے کے لیے قطعاً ناکافی تھا جو مجھے ملی تھی۔ روما سے بچھڑنے کا دکھ تو اتنا تکلیف دہ نہ تھا بلکہ اب تو اس کا خیال تک میرے دل میں بھٹکتا نہ تھا ہاں خلش...... یہ خلش اب شاید ساری زندگی ساتھ رہنا تھی۔

اچانک ایک دن فون آیا اور پتا چلا کہ شمروز کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے مجھے ان لوگوں سے ملے ہوئے کافی دن ہوگئے تھے اس لیے میں نے جانے کا ارادہ کرلیا۔ ماما' پاپا کو ان لوگوں کے خلوص ومحبت کے بارے میں سب کچھ بتادیا تھا وہ لوگ بھی دل سے ان کے ممنون تھے۔

وہاں پہنچا تو گھر کی فضا کچھ بوجھل سی تھی' شمروز نے میری آمد پر خوشی کا اظہار کیا مگر میں نے محسوس کیا کہ وہ اداس ہے۔ میں نے پوچھ ہی لیا اور شمروز نے جو کچھ بتایا وہ میرے لیے اتنا مسرت انگیز تھا کہ مجھے یکایک اپنے بے انتہا خوش قسمت ہونے کا احساس ہونے لگا مگر بہرحال اس خوشی کا اظہار میں شمروز کے سامنے نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے بظاہر اسے تسلی دی اور اسے اللہ کی مصلحت قرار دیا مگر اندر ہی اندر میں کتنا خوش تھا یہ تو میں جانتا تھا۔

شمروز نے بتایا کہ ہما کا شوہر جو دراصل جرمنی میں پچھلے تین سال سے ملازم تھا اس نے وہاں ایک مقامی لڑکی سے شہریت کے لالچ میں شادی کرلی تھی اور اس کی اس حرکت سے خود اس کے گھر والے لاعلم رہے۔ مگر اس کے گھر والے شریف لوگ تھے جنہوں نے خوامخواہ بیٹے کی حمایت کرنے کے بجائے اصل حقیقت معلوم ہوتے ہی ان لوگوں کو بتائی اگرچہ شمروز لوگوں کے لیے یہ ایک بہت بڑا دھچکا تھا مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ہما کا

نکاح تنسیخ کروادیں اور شمروز کی امی کی طبیعت کی خرابی کی وجہ بھی یہی حادثہ تھی۔ وہ لوگ تو اسے اپنی بیٹی کی بدقسمتی قرار دے رہے تھے مگر میری تو یہ بہت بڑی خوش قسمتی تھی۔

وہ کچن میں مصروف تھی میں دروازے پر جا کھڑا ہوا' آج شام دراصل میرا واپس جانے کا ارادہ تھا مگر میں اس سے بات کر کے جانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے میں نے اس سے اس انداز میں کبھی بات نہ کی تھی اگرچہ میری نگاہوں میں اس کی حیثیت بہت پہلے ہی سے کچھ اور ہو چکی تھی۔

"اجوا......" میں نے ایک جذب کے عالم میں اسے پکارا۔

"جی دل بھائی!" اس نے بدستور کام کرتے کرتے جواب دیا۔

"میں تم سے تمہارے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"میرے بارے میں؟" اس نے مڑ کر حیرانگی سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں تمہارے بارے میں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو اس نے جلدی سے پلکیں جھکا لیں۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ دل بھائی!"

"یہ تمہارے دیوں کی جوت کیوں مدھم پڑ گئی ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔

"جی...... کیا مطلب؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں آنکھیں پھیلا کر حیران ہوئی۔

"بھئی مطلب یہ ہے کہ تم اتنی اداس کیوں ہو؟ تمہیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ مستقبل کے متوقع دکھ اور تکلیف سے تمہیں نجات مل گئی۔" میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"اوہ تو آپ یہ کہنا چاہ رہے تھے۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "بات دراصل یہ ہے دل بھائی کہ میری اداسی اس شخص کے لیے نہیں جس کے ساتھ میں تین سال سے منسوب رہی بلکہ مجھے تو یہ احساس کچوکے لگاتا ہے کہ میری وجہ سے میری امی ابو کو اور سب گھر والوں کو کتنی تکلیف اٹھانا پڑی اور اب بھی وہ لوگ میرے مستقبل کے اندیشوں میں گرفتار ہیں۔"

"کیا تمہیں عدیم کی ذات سے کوئی دلچسپی یا لگاؤ نہیں تھا؟" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے دل بھائی!" وہ میری حالت سے بے خبر بول رہی تھی۔ "تین سال تک وہ میری سوچوں کا محور رہے' ایسا لگاؤ تو خود بخود پیدا ہو جاتا ہے مگر مجھے ان سے علیحدگی کا اتنا دکھ نہیں جتنا امی ابو کو ہے۔" اس نے

ساجدہ منیر

آنچل کے تمام اسٹاف اور قارئین کو میرا اسلام۔ امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے میرا نام ساجدہ منیر ہے میں اس دنیا فانی میں 23 مارچ کو پنجاب کے شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں پیدا ہوئی۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں' تین بہنیں اور دو بھائی۔ میں بی ایس سی کی طالبہ ہوں' فیورٹ کلر میں بے بی بلیو لائٹ ریڈ پسند ہے۔ سبزیوں میں ساگ اور بھنڈی پسند ہے' سویٹ ڈش میں کھیر اور کسٹرڈ جیلی پسند ہے۔ ڈرنکس میں کوک کے علاوہ سب پسند ہے۔ فیورٹ سیزن سردیوں کا ہے اور سردیوں میں آئس کریم کھانا پسند ہے' کپڑوں میں لانگ شرٹ' ٹراؤزر اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ اپنا ملک تو سارا پیارا ہے لیکن پھر بھی اسلام آباد فیورٹ شہر ہے۔ خوبیاں تو بہت تھوڑی ہیں کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی' ضدی نہیں ہوں وغیرہ وغیرہ۔ خامیاں تو بے شمار ہیں غصہ بہت جلد آتا ہے' ناراض بہت جلد ہو جاتی ہوں اور ناراضگی میں کھانا چھوڑ دیتی ہوں۔ دوستیں تو میری سب ہی مخلص ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے دوستوں کے نام انعم' عمارہ' اقصیٰ' مریم' اقراء اور حافظہ۔ آنچل میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے' بیسٹ ناولز "جنت کے پتے" اور "کچھ خواب' بھیگی پلکوں پر' مصحف' زمین کے آنسو' عشق دعا ہے' یقین کامل ہی بندگی ہے۔" ٹیچر بننا اور آرمی میں جانا میرا خواب ہے' دعا کریں دو میں سے کوئی ایک خواب پورا ہو جائے' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

سنجیدگی سے کہا اور میں نے ٹھنڈی سانس لی اس وقت وہ مجھے پہلی دفعہ اس معصوم سی لاڈو اسے مختلف لگی جسے میں چند مہینوں پہلے چھوڑ کر گیا تھا۔

''اچھا سنو لاڈو ا..... اب تمہیں اپنی امی ابو کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرے پاس ان کی پریشانی کا ایک بے حد خوب صورت حل موجود ہے۔'' میری یہ بات سن کر وہ بھی چونک کر سر اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی۔

''ہائیں دل بھائی! آپ کی باتوں کا مطلب.....؟''

''ایک منٹ..... یہ میری گزارش ہے تم سے کہ آئندہ تم مجھے دل بھائی نہیں صرف دل کہنا کیونکہ.....'' میں کہتے کہتے رک کر مسکرانے لگا وہ بدستور حیران نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''کیونکہ اب میں آنٹی انکل سے یہ درخواست کرنے والا ہوں کہ وہ مجھے اپنی فرزندی میں لے لیں' کیوں کیا خیال ہے؟'' میں نے شوخی سے کہا تو وہ ایک دم گلابی ہوگئی اور پیٹھ موڑ کر کھڑی ہوگئی' میں سمجھا شاید شرما گئی ہے مگر اگلے ہی لمحے اس کی غصے بھری آواز آئی۔

''دل بھائی! اگر یہ مذاق ہے تو آپ کو مجھ سے مذاق کرنے کا کوئی حق نہیں اگر آپ یہ سب سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں تو سن لیجیے مجھے بھیک میں ملی ہوئی خوشیاں نہیں چاہئیں۔ آپ شاید میری حالت زار پر ترس کھا کر مجھے اپنانا چاہتے ہیں۔'' میں دنگ رہ گیا۔

''لاڈو..... لاڈو..... تم غلط سمجھ رہی ہو میں تمہیں بھیک دینے نہیں بلکہ تم سے خوشیوں کی بھیک لینے آیا ہوں۔ تم نہیں جانتیں لاڈو کہ جب میں اسلام آباد واپس جا رہا تھا تو دل میں کیسی خلش تھی' مگر روانگی سے چند دن قبل ہی مجھے تمہاری نسبت کا علم ہوا اور تم نہیں جانتیں کہ اس وقت میں کتنا افسردہ تھا اور اب جبکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے مل سکتی ہو تو میرے دل کی حالت کا تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔''

میں جذب کے عالم میں بولے جا رہا تھا وہ تو شکر تھا کہ اس وقت گھر میں صرف ہم دونوں' نبیل اور کشف ہی تھے۔

دادی جان سو رہی تھیں ورنہ میرے جوش کے عالم میں کہے گئے جملے پتا نہیں کیا کچھ کر دیتے۔

''لاڈو ا..... کیا تمہیں اب بھی انکار ہے؟'' وہ خاموش رہی میں بے چین ہوگیا۔ ''لاڈو پلیز..... کیا یہ سب جان کر بھی تم انکار کر رہی ہو؟ بولو لاڈو ا.....'' میں نے کہا تو اس کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''دل بھائی میں نے اپنے بارے میں فیصلوں کا اختیار اپنے والدین کو دے رکھا ہے' اس لیے آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔''

''تو اس کا مطلب ہے اگر آنٹی انکل راضی ہوئے تو تم بھی.....'' مجھ سے اپنی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

''ج..... جی.....'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی اور میں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ اور پھر وہاں سے چلا آیا کیونکہ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ اگرچہ وہ تمام وقت مجھ سے رخ موڑے کھڑے رہی مگر ان سب باتوں کے سننے کے بعد اس کی کیا حالت ہوگی۔

وہاں سے واپس آتے ہوئے میں نے آنٹی سے بات کی تھی کہ میں ان شاء اللہ جلد اپنے والدین کو ان کے پاس لانے والا ہوں ایک خاص مقصد کے لیے۔ یہ بات میں نے جس طرح جھجکتے ہوئے کہی تھی اس پر وہ حیران تھیں اور خاص مقصد کے لفظ پر چونکی بھی تھیں بلکہ میں نے تو ان کی آنکھوں میں ایک چمک لہراتی دیکھی تھی شاید وہ اس مقصد کی نوعیت سمجھ گئی تھیں اور ان کی آنکھوں کی چمک اس بات کی غماز تھی یہ خاص بات جس کے لیے میں مما پاپا کو لانے والا ہوں ان کے لیے بھی خوشی کا باعث ہوگی۔

اتنا تو مجھے خود پر یقین ہے کہ آنٹی انکل مجھے رد نہیں کرسکیں گے اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو رفاقتوں کے نئے خواب خوشنما ہیں۔

تم بھری دنیا کی نظروں سے بچا لو مجھ کو
اب پناہوں میں ترے دل کی اُترنا ہے مجھے
مرے دشمن ہیں بنے چاہنے والے جاناں
ابھی دشمن کے ارادوں سے گزرنا ہے مجھے

''میں یہ شادی نہیں کرسکتی، آپ لوگ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہے؟'' اُس نے قدرے جھنجلا کر سامنے بیٹھی آپا کی طرف دیکھا جو اسے قدرے ناراضگی سے دیکھ رہی تھیں۔

''فطقہ! تمہیں آخر مسئلہ کیا ہے؟ کیانی انکل کی فیملی اتنی اچھی ہے رضوان اتنا خوب صورت اور اس سے بڑھ کر خوب سیرت ہے پولیس میں اچھے عہدے پر فائز ہے وہ لوگ تمہیں اتنی چاہ سے مانگ رہے ہیں تمہیں اور کیا چاہیے؟'' آپا اس کی بے جا ضد سے زچ ہوگئی تھیں۔

''اسی لیے تو مجھے اس سے شادی نہیں کرنی کہ وہ پولیس میں ہے۔'' وہ اپنے موقف پر قائم تھی۔

''کیا مطلب؟'' آپا اُلجھیں۔

''دیکھیے آپا! آپ اور بابا جہاں چاہیں میری شادی کردیں مگر ایک پولیس والے سے ہرگز نہیں پلیز میرا دل نہیں مانتا۔'' اُس نے بڑی عاجزی سے درخواست کی۔

''کیوں پولیس والوں میں کیا برائی ہے؟'' آپا کا لہجہ قدرے تیکھا ہوا۔

''آپا! کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ لوگ کتنے حرام خور اور عیاش ہوتے ہیں اور میں ایک ایسے بندے کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جس کی کمائی حلال نہ ہو اور جس کا کردار بھی مشکوک ہو۔'' اس نے اپنے انکار کی واضح دلیل دی۔

''مگر رضوان ایسا نہیں ہے ہم سب اُسے اچھی طرح جانتے ہیں۔'' مگر فطقہ نے اُن کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

''آپ کون سا چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہتی ہیں۔'' وہ زچ ہوئی۔

''رضوان واقعی خوب صورت ہے لیکن اس کی خوب سیرتی پر میرے نزدیک بڑا سا سوالیہ نشان لگا ہوا ہے اس لیے پلیز مجھے تو معاف ہی رکھیے۔'' وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''ٹھیک ہے تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو میں بابا تک

تمھارا پیغام پہنچادوں گی میرا کام تمھیں سمجھانا تھا، آگے تمھاری مرضی۔" آپا اس پر کوئی بات اثر ہوتی نہ دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

❀......۞......❀

فضہ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی جب بابا اُس کے کمرے میں چلے آئے۔

"بابا! آپ...... مجھے بلالیا ہوتا۔" اُس نے جائے نماز تہہ کرکے اس کی جگہ پر رکھی۔

"میں نے سوچا اپنی بیٹی سے خود ہی مل لیا جائے جو آج کل اتنی مصروف ہوگئی ہے کہ اُسے میرے پاس بیٹھنے کا ٹائم بھی نہیں مل رہا۔" وہ اُس کے بیڈ پر ٹک گئے۔ وہ اُن کے داہنی طرف آکر بیٹھ گئی۔

"نہیں بابا! بس آج کل کالج میں بچوں کے ٹرم ہورہے ہیں اسی وجہ سے صبح جلدی جانا پڑتا ہے۔" اُس نے مسکرا کر اُن کا گلہ دور کرنے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا اور اثبات میں سر ہلادیا۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد اُنھوں نے فضہ کی طرف دیکھا۔

"فضہ بیٹا! اگر میں تمھارے لیے کوئی فیصلہ کروں تو تمھارے نزدیک وہ فیصلہ تمھاری بھلائی کے لیے ہوگا یا نقصان کا؟" وہ اس کا جواب سننے کے لیے رکے۔

"یقیناً بھلائی کے لیے ہوگا بابا اس میں تو شک والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔" اُس کا لہجہ اعتماد سے بھرپور تھا۔

"توشین نے مجھے تمھارے سارے خدشات بتائے ہیں اس کے علاوہ کوئی اور بات تو نہیں ہے نا؟ میرا مطلب ہے تمھاری کوئی پسند وغیرہ......" وہ بات مکمل نہ کرسکے۔

"بابا......!" فضہ تڑپ کر اُن کے قدموں میں جابیٹھی۔

"بابا! آپ کو لگتا ہے کہ آپ کی یہ بیٹی ایسا کوئی کام کرسکتی ہے جس سے آپ کا سر جھکے۔" اُس کا گلا رندھ گیا۔

"بالکل نہیں۔ مجھے تم پر پورا یقین ہے۔ میں یہ سب اس لیے پوچھ رہا تھا کہ میں چاہتا ہوں میری بیٹی ہمیشہ خوش رہے۔" بابا نے اُسے کندھوں سے تھام کر دوبارہ اپنے برابر بٹھالیا۔

"میں نے کیانی کو اس بھروسے پر زبان دے دی تھی کہ میری بیٹی میرا کہا کبھی نہیں ٹالے گی لیکن تمھارا دل راضی نہیں ہے تو کوئی بات نہیں میں اس سے معذرت کرلوں گا تم بےفکر رہو۔" وہ ہولے سے کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ساری رات کی کشمکش کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اُسے اپنے بابا کو کسی طور تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے اس کے لیے اُسے خود سولی چڑھنا پڑ جائے۔

"بابا! مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔" ناشتے کی ٹیبل پر چائے کے کپ پر نظریں جمائے اُس نے اپنی رضامندی دے دی اگر وہ نظریں اُٹھاتی تو دیکھتی کہ اس کے اس فیصلے سے اُس کے باپ کے چہرے پر کتنی خوشی پھیلی ہوئی ہے۔

ویک اینڈ پر انکل کیانی کی پوری فیملی آکر رسم ادا کرگئی۔ شادی کی تاریخ تین ماہ بعد کی رکھی گئی تھی رضوان بھی ساتھ تھا وہ ایک دو دفعہ پہلے بھی اس سے مل چکی تھی بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا مگر وہ اپنے اس دل کا کیا کرتی جو کسی طور مطمئن نہیں ہورہا تھا۔

❀......۞......❀

اسی بے اطمینانی کی کیفیت میں فضہ بیاہ کر کیانی ہاؤس آگئی۔ رضوان جو بظاہر بہت سخت نظر آتا تھا، اس کا رویہ فضہ کے ساتھ بہت نرم اور محبت آمیز تھا کیانی انکل، آنٹی (جنھیں اب وہ رضوان اور اس کے بہن بھائیوں کی طرح ممی پاپا کہنے لگی تھی) سمیت گھر کا ہر فرد اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ دو ہفتے شمالی علاقہ جات کی سیر کے بعد وہ لوگ واپس آئے تو رضوان نے ڈیوٹی جوائن کرلی اور فضہ نے بھی کالج جانا شروع کردیا انکل آنٹی نے جاب جاری رکھنے یا چھوڑنے کا اختیار فضہ کو دیا تھا اور اُس نے فی الحال اسے جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تھا آہستہ آہستہ وہ یہاں ایڈجسٹ ہونے لگی تھی۔

❁......❁......❁

"فضہ! اِدھر آؤ۔" رضوان فل یونیفارم میں ملبوس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

"یہ لو۔" اُس نے ایک سفید لفافہ فضہ کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" اُس نے ہاتھ نہ بڑھایا۔

"بھئی زوجہ محترمہ! چاہے آپ خود کماتی ہیں مگر اب آپ میری ذمہ داری ہیں یہ آپ کا جیب خرچ ہے۔" رضوان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فضہ پر عجیب سی گھبراہٹ طاری ہوگئی اس کو گھبراتے دیکھ کر رضوان کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ جلدی سے لفافہ تھام کر سائیڈ پر ہوگئی اور وہ کمرے سے باہر چلا گیا رضوان جب بھی اُس کے قریب ہوتا اُس پر اسی طرح حد سے زیادہ گھبراہٹ اور بے چینی سوار ہوجاتی کہ نہ جانے اس سے پہلے وہ کتنی عیاشیاں کرچکا ہے۔

"ان پیسوں میں نہ جانے کن مظلوموں کی آہیں شامل ہیں۔" اُس نے بے دلی سے وہ لفافہ الماری کی دراز میں رکھ دیا اور کالج جانے کی تیاری کرنے لگی۔

رضوان اس کی ساری بدگمانیوں سے بے خبر تھا مگر وہ اس کے لیے دیے انداز کے باوجود اس کا بہت خیال رکھتا تھا اس سے والہانہ محبت کا اظہار کرتا تھا کہ بعض اوقات اس کا یہ محبت بھرا رویہ فضہ کو شرمندہ کردیتا تھا مگر وہ اپنے دل میں موجود بدگمانیوں کو ختم کرنے پر قادر نہ تھی ابھی تک اُسے رضوان کے کردار میں کوئی قابل گرفت بات نظر نہیں آئی تھی مگر پھر بھی وہ بے چین تھی یہ بدگمانیاں نہ ہوتیں تو وہ رضوان کی شریک حیات بننے پر فخر کرتی مگر ابھی تو وہ اس قابل بھی نہیں تھی کہ اس کی محبت کا جواب محبت سے دے سکے۔

❁......❁
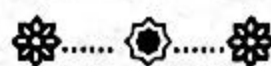
وہ کالج سے واپس گھر آئی اور سب سے سلام دعا کے بعد اپنے کمرے میں چلی آئی رضوان وہاں پہلے سے موجود تھا بہت دنوں کی مصروفیت کے بعد آج وہ تھوڑا فری تھا تو وقت سے پہلے گھر چلا آیا۔

"فضہ!" رضوان نے اُسے پکارا وہ بیگ رکھ کر پلٹی سرخ کڑھائی والے سیاہ سوٹ میں سرخ دوپٹا گلے میں ڈالے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ بے ساختہ اُسے دیکھے گیا۔

"یہاں آؤ۔" اُس نے اپنے برابر میں جگہ بنائی۔ فضہ حسب معمول کشمکش کا شکار ہوئی رضوان نے اپنی مسکراہٹ کو بمشکل دبایا۔

"اِدھر آؤ نا یار! مجھ سے اتنا کیوں ڈرتی ہو۔" اُس نے شرارت سے کہا تو وہ خاموشی سے آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"میری طرف دیکھو۔" اُس نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اُونچا کیا اور اس کی گھبرائی ہوئی شکل دیکھ کر ہنس پڑا۔

"تمہارا انتظار کررہا تھا کہ تم آؤ تو دونوں اکٹھے کھانا کھائیں گے جاؤ تم چینج کر کے آؤ۔" رضوان نے اُسے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"اور اپنی شکل بھی ٹھیک کر کے آنا، ایسا لگ رہا ہے ابھی گر جاؤ گی۔" اس نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

رضوان کے اچھے سلوک اور محبت سے فضہ کے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوگیا تھا مگر پھر بھی وہ اس کی طرف سے اپنا دل و ذہن صاف نہیں کرسکی تھی۔

"چلو تمہیں شاپنگ کروادوں۔ آج میں فارغ ہوں تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔" شام کو رضوان نے اُسے شاپنگ پر چلنے کو کہا۔

"میں آج بہت تھک گئی ہوں پھر کسی دن چلیں گے۔" اُس نے تھکن کا بہانہ کیا۔

"ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی مگر میں حیران ہوں کہ تم کیسی لڑکی ہو جسے شاپنگ کا بالکل شوق نہیں ہے اتنی بار تمہیں کہہ چکا ہوں مگر تم انکار کردیتی ہو۔" اس کے لہجے میں واقعی حیرت تھی فضہ کے پاس خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ تھا تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کسی دوست کی طرف چلا

گیا وہ اُسے کئی بار شاپنگ پر جانے کو کہہ چکا تھا مگر وہ ہر بار اس خیال سے ٹال جاتی تھی کہ نہ جانے اس کی کمائی حلال بھی ہے یا نہیں وہ کوشش کرتی تھی کہ اس کی کمائی اپنے اُوپر کم سے کم خرچ ہونے دے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

رضوان! آج شام کو مجھے بابا کی طرف چھوڑ دیجیے گا۔“ کل وہ پندرہ دن کی ٹریننگ پر اسلام آباد جا رہا تھا اور وہ یہ سارے دن اپنے بابا کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی ممی پاپا نے بخوشی اجازت دے دی تھی۔

”زہے نصیب! آج تو آپ نے اس ناچیز کو نام لے کر مخاطب کیا ہے (وہ بہت کم اس کا نام لیتی تھی) فرمایئے، ہم دل و جان سے حاضر ہیں۔“ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے تھوڑا سا جھکا رضوان کے اس انداز پر فضہ مسکرا دی تو وہ حیران ہوا۔

”میرے محترمہ! آج کیا بابا کے پاس جانے کی خوشی میں ہمیں اتنی توجہ سے نوازا جا رہا ہے۔“ فضہ رضوان کی اس بات پر ایک دم شرمندہ ہوگئی واقعی وہ رضوان سے کب اس طرح خوش دلی سے بات کرتی تھی ہر وقت کترائی کترائی سی رہتی تھی۔

”ارے یار! میں مذاق کر رہا ہوں تم بھی نا پوری پاگل ہو۔“ رضوان نے اس کے شرمندہ شرمندہ چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

فضہ کو بابا کی طرف آئے ہوئے آٹھ روز ہوئے تھے جب نوشین آپا بھی بچوں کے ساتھ چلی آئی تھیں دونوں بہنیں بابا کے ساتھ مل کر خوب انجوائے کر رہی تھیں آج رضوان کو اسلام آباد گئے ہوئے پندرہ روز ہوگئے تھے۔ کل اُسے واپس آنا تھا اور فضہ کو گھر واپس چلے جانا تھا۔

بابا قیلولہ کے لیے اپنے کمرے میں جا چکے تھے نوشین کے بچے بھی سو رہے تھے فضہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی جب نوشین آپا چائے کے دو مگ لیے اس کے ساتھ صوفے پر آن بیٹھیں۔

”جی فضہ ڈارلنگ! اب بتاؤ پولیس والوں کے بارے میں تمھارے خیالات کچھ بدلے ہیں یا نہیں۔“ انھوں نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔ فضہ نے ٹی وی بند کر دیا۔

”آپا سچ بتاؤں تو میرے خیالات اب بھی وہی ہیں رضوان کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے تقریباً چھ ماہ ہوگئے ہیں بظاہر سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے مگر میرا دل ابھی تک مطمئن نہیں ہوا ہے وہ میرے پاس آتے ہیں تو یہ سوچ کر میرا دل بند ہونے لگتا ہے کہ اس سے پہلے وہ نہ جانے کس کس کے ساتھ وقت گزار چکے ہیں مجھے ان کے دیے ہوئے روپے خرچ کرنے سے ڈر لگتا ہے کہ نجانے کس کا حق مارا ہوگا یقین کریں آپا! انھوں نے چھ ماہ میں مجھے جتنے روپے دیے ہیں، میں نے اُن میں سے ایک روپیہ بھی اپنے اُوپر خرچ نہیں کیا رضوان کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہے مگر میرے دل سے یہ پھانس نہیں نکلتی کہ وہ بھی شراب و شباب کی محفلوں میں شریک ہوتے ہوں گے اب بھی پچھلے پندرہ روز سے میں اُن کے ساتھ تو نہیں ہوں نا نجانے وہ وہاں کیا کچھ......“ وہ آگے کچھ اور بھی کہہ رہی تھی مگر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے رضوان ساکت ہو چکا تھا دوسرے ہی لمحے اُسے لگا جیسے کسی نے اس کی ذات کے پرخچے اُڑا دیے ہوں۔

وہ آج فارغ ہو کر دوپہر کی فلائٹ سے واپس آ گیا تھا اور ائرپورٹ سے سیدھا اِدھر آیا تھا وہ فضہ کو سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ یہاں آ کر وہ خود سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں رہے گا ”اُف اتنی بدگمانی۔“ شدید تکلیف کا احساس لیے وہ خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

رضوان اپنے گھر پہنچا تو سب اپنے اپنے کمروں میں تھے اس نے شکر ادا کیا کہ اس وقت وہ کسی کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہا تھا اپنا سامان ملازم کے حوالے کر کے وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا اور جوتوں سمیت بیڈ پر دراز ہوگیا۔

"تو تمہارے جس گریز کو میں شرم سمجھتا رہا اصل میں وہ تمہاری نفرت تھی۔" وہ اپنے خالص جذبوں کے یوں رُل جانے پر شدید اذیت میں تھا۔

رضوان پولیس ڈیپارٹمنٹ کے اُن ایماندار اور بااُصول آفیسرز میں سے ایک تھا جن کی ایمانداری کی گواہی محکمے کا ہر فرد دے سکتا تھا مگر کیا فائدہ ہوا کہ اس کی اپنی بیوی اسے بے ایمان، حرام خور اور بدکردار سمجھتی ہے۔ وہ جو اپنے کردار کے حوالے سے ہمیشہ اتنا محتاط تھا کہ اس نے کبھی کسی حرام چیز کو اپنے دامن سے چھونے بھی نہیں دیا تھا مگر اس کی بیوی اسے اتنا بدکردار سمجھتی ہے کہ اس کا قرب اسے تکلیف میں مبتلا کردیتا تھا۔

"اُف! یہ کیسی بے اعتباری تھی۔" انہی تکلیف دہ سوچوں میں گم نہ جانے کب وہ سوگیا۔

"بیٹا! اُٹھ جاؤ اب شاباش، دیکھو مغرب کا وقت ہوگیا ہے۔" ممی نے اس کے کمرے کی لائٹیں آن کیں۔

"السلام علیکم ممی!" وہ اُٹھ کر بیٹھا تو ممی نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اس کا حال چال پوچھا۔

"بیٹا! تم جب آئے تھے تو مجھے جگا دیتے آ کر بھوکے ہی سوگئے۔" ممی نے اس سے گلہ کیا۔

"کرم دین نے کھانے کا پوچھا تھا مگر مجھے بھوک نہیں تھی سو منع کردیا پھر میں نے آپ کو نیند سے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"

"اچھا چلو فریش ہو کر آجاؤ، میں چائے بنواتی ہوں۔" اُنھوں نے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

"فضہ کو لینے کب جاؤ گے، آج یا کل؟" اُنھوں نے جاتے جاتے مڑ کر پوچھا۔

"اگر تم کہو تو میں اور تمہارے پاپا جا کر فضہ کو لے آئیں؟"

"جی لے آئیں اگر وہ آنا چاہے تو۔" آخری بات اس نے دل میں کہی تھی ممی نے اپنے بیٹے کی تھکی ہوئی صورت کو بغور دیکھا اور اثبات میں سر ہلا کر چلی گئیں۔

رضوان اُٹھ کر الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگا تو

مسکراہٹ

مسکراہٹ دوستی کی ابتدا ہے۔
مسکراہٹ دل کی اندرونی کیفیت کا اظہار کرتی ہے۔
مسکراہٹ محبت کا زیور ہے۔
مسکراہٹ پتھر دل کو موم کردیتی ہے۔
مسکراہٹ محبت کی زبان ہے۔

نصرت عارف ...... وار برٹن

بے ساختہ الماری کے اندر والی دراز کھول کر دیکھنے لگا ان چھ ماہ میں اس نے فضہ کو روپوں کے جتنے لفافے دیے تھے وہ سب جوں کے توں رکھے اسے منہ چڑا رہے تھے اُس نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

❀ ...... ◉ ...... ❀

ممی اور پاپا فضہ کو لے آئے رضوان تھکن کا بہانہ کر کے کمرے میں پڑا رہا وہ سب سے مل کر آئی۔

"السلام علیکم رضوان! آپ کیسے ہیں...... ٹریننگ کیسی رہی؟" وہ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا وہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی وہ اس کے سوالوں کا جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا اس کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں فضہ کو پہلا خیال یہی آیا کہ شاید وہ نشے میں ہے اس کا یہ خیال اس کے چہرے پر یوں درج تھا کہ رضوان نے باآسانی پڑھ لیا۔

"بے فکر رہو میں نشے میں نہیں ہوں یہ وہ سرخی ہے جو بے عزتی کے شدید احساس کے بعد کسی بھی حساس بندے کی آنکھوں میں اُتر آتی ہے۔" وہ تلخ ہوا اور فضہ کا مسکراتا چہرہ پل میں بجھ گیا اُسے کسی گڑبڑ کا شدت سے احساس ہوا اُس کے خیالات رضوان کے بارے میں جتنے بھی منفی سہی مگر اس نے کبھی یہ نہیں چاہا تھا کہ یہ خیالات رضوان تک پہنچ کر اس کے لیے تکلیف کا باعث بنیں ابھی اس کی بات نے اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجائی تھی آج دوپہر آپا سے بات کرتے ہوئے اُسے لگا تھا جیسے کوئی دروازہ

ملکے سے بند کر کے پلٹا ہوا اس نے آپا سے ذکر بھی کیا تھا مگر اُنھوں نے اس کا وہم قرار دے کر اسے مطمئن کر دیا تھا اب رضوان کی یہ طنزیہ بات سن کر وہ گنگ ہوگئی تھی۔

رضوان صوفے سے اُٹھا اور الماری سے روپوں والے سارے لفافے نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیے۔

"تم اپنی نفرت میں شاید یہ بات بھول گئی ہو کہ پولیس والوں کو ان کے کام کی تنخواہ بھی ملتی ہے جوان کے لیے بالکل حلال اور جائز ہوتی ہے یہ روپے میرے خون پسینے کی حلال کمائی ہے جسے تم نے بڑی آسانی سے حرام کہہ کر ٹھکرا دیا مجھے تمھیں وضاحت دینے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے مگر خدا گواہ ہے کہ میں نے کبھی اللہ کی مقرر کردہ حدوں کو نہیں توڑا۔ مگر...... مگر...... میں تمھیں یہ سب کیوں بتا رہا ہوں تم جیسی پاک باز اور باکردار عورت کو مجھ جیسا "بدکردار" مرد بالکل سوٹ نہیں کرتا سو تم...... فیصلہ کرلو۔ میں تمھیں اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کروں گا۔" آج پہلی دفعہ اس کا لہجہ فطمہ سے بات کرتے ہوئے اتنا سخت ہوا تھا۔

رضوان کی باتوں سے فطمہ کو یقین ہوگیا تھا کہ وہ ان دونوں بہنوں کی باتیں سن چکا ہے۔

"رضوان! آپ کو یہ سب۔" اُسے سمجھ نہ آیا کہ اس سے کیا پوچھے۔

"کوئی اور بتاتا تو میں شاید کبھی یقین نہ کرتا مگر اپنے بارے میں تمھارے یہ خیالات میں نے خود اپنے کانوں سے سنے ہیں۔" رضوان بات مکمل کر کے کمرے سے باہر نکل گیا اور فطمہ مارے شرمندگی کے اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے اور رضوان ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا وہ ہاتھ ملتے ہوئے کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکرا رہی تھی۔

"یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا اُنھیں میری باتوں سے کتنا دکھ ہوا ہوگا۔ میری بدگمانی کی بھی تو کوئی حد نہیں تھی نا۔ اسی لیے اللہ نے بدگمانی سے منع کیا ہے کہ یہ دوسروں کی اچھائیاں بھی ہماری نظروں سے اوجھل کر دیتی ہے اب وہ واپس آتے ہیں تو میں ان سے معافی مانگ لوں گی۔" وہ اپنے دل کو تسلیاں دے رہی تھی۔ رضوان واپس آیا تو اُسے بات کرنے کا موقع دیے بغیر سونے کے لیے لیٹ گیا۔

❁......◉......❁

پچھلے پورے ہفتے سے رضوان کسی کیس کے سلسلے میں بُری طرح مصروف تھا رات کو اول تو گھر ہی نہ آتا اور اگر آتا تو بہت لیٹ اور صبح منہ اندھیرے نکل جاتا فطمہ کو اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا کہ وہ معافی مانگ کر اپنی پوزیشن کلیر کرتی۔

رات کے دس بج رہے تھے ممی پاپا اپنے کمرے میں جا چکے تھے اور اس کی نند اور دیور اپنی پڑھائی میں مصروف تھے وہ بور ہو رہی تھی جب ہی وہ ٹی وی آن کر کے نیوز چینل پر کوئی ٹاک شو دیکھنے بیٹھ گئی پروگرام کے دوران اچانک ہی بریکنگ نیوز چلنا شروع ہوگئی۔

"دہشت گردوں کے اڈے پر پولیس کا کامیاب چھاپہ...... دس دہشت گرد گرفتار...... دو ہلاک...... بارود اور اسلحے کا بڑا ذخیرہ برآمد...... آپریشن کے کمانڈنگ آفیسر ڈی ایس پی رضوان کیانی شدید زخمی۔"

رضوان کے زخمی ہونے کی خبر سن کر ریموٹ اُس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے سیڑھیاں اُتر کر نیچے آئی اور بغیر سوچے سمجھے اپنی ساس سسر کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔

"کیا ہوا فطمہ...... خیریت ہے؟" اس کی زرد رنگت دیکھ کر ممی پاپا دونوں نے بیک وقت پوچھا۔

"ٹی وی پر خبر آرہی ہے کہ رضوان ایک آپریشن کے دوران شدید زخمی ہوگئے ہیں۔" اُس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے ماما نے اسے گلے سے لگا لیا پاپا نے فوراً ٹی وی لاؤنج والا ٹی وی آن کیا۔ میڈیا نے حسب روایت اس واقعے کو لے کر خاصی سنسنی پھیلا رہے تھے۔ اُنھوں نے فوراً ٹی وی بند کیا اور کوئی نمبر ملا کر بات کرنے لگے۔

"جی! میں اس کا فادر بات کر رہا ہوں۔" اُنھوں نے کسی کی بات کا جواب دیا۔

"کون سے اسپتال میں؟ جی...... جی بالکل ٹھیک ہے ہم پہنچتے ہیں۔" وہ پریشان سے ممی اور فضہ کی طرف مڑے۔

"کرم دین، سنی اور حوریہ کو بلالاؤں۔" اُنھوں نے آواز لگائی۔

"سب خیریت ہے نا؟" ممی نے پاپا کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ بہت گھبرائی ہوئی تھیں فضہ کی حالت تو پہلے ہی خراب تھی۔

"رضوان کے بازو میں دو گولیاں لگی ہیں ہم سب کو ابھی اسپتال جانا پڑے گا تم لوگ گھبراؤ نہیں اللہ خیر کرے گا۔" پاپا نے ممی اور فضہ دونوں کو بیک وقت تسلی دی سنی گاڑی نکال چکا تھا وہ سب اسپتال پہنچے تو اس کا آپریشن جاری تھا ایس پی صاحب خود وہاں موجود تھے اُنھوں نے پاپا سے ہاتھ ملایا اور انھیں آپریشن کی تفصیل بتانے لگے فضہ، ممی اور حوریہ بینچ پر بیٹھ گئیں فضہ کا رواں رواں اللہ کے حضور رضوان کی سلامتی کی دعائیں کررہا تھا تقریباً ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر نے آپریشن کامیاب ہونے کی اطلاع دی تو سب نے اللہ کا شکر ادا کیا آپریشن کے بعد رضوان کو آئی سی یو میں شفٹ کردیا گیا ایس پی صاحب جانے سے پہلے فضہ کے پاس آئے۔

"بیٹا! رضوان جیسے ایمان دار اور فرض شناس آفیسر پولیس ڈیپارٹمنٹ کے ماتھے کا جھومر ہیں جو اپنی جان پر کھیل کر اپنے وطن کی عزت اور آن کی حفاظت کرتے ہیں اللہ اُسے صحت اور لمبی عمر دے اور تم دونوں ہمیشہ خوش رہو۔" اُنھوں نے فضہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اور فضہ رضوان کے بارے میں اپنے خیالات پر جی بھر کر شرمندہ ہوئی وہ سب باری باری جاکر اُسے دیکھ آئے تھے ابھی وہ ہوش میں نہیں تھا مگر پھر بھی تکلیف سے اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔

❁......❁......❁
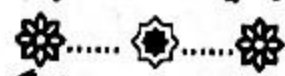
رضوان اسپتال سے ڈسچارج ہوکر گھر آیا تو اس کی خیریت معلوم کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اُسے گھر آئے ہوئے تقریباً پندرہ روز ہوچکے تھے ابھی تک لوگوں کا آنا

جانالگا ہوا تھا۔
رضوان کا دوست تنویر اور اس کی بیوی نورین بھی اس کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے رضوان کو چونکہ زیادہ چلنا پھرنا منع تھا اور پھر ابھی تھوڑا سا ہلنے پر بھی اسے بازو میں بہت تکلیف ہوتی تھی کہ گولیاں بازو میں بہت اندر تک چلی گئی تھیں اور زخم کافی گہرے تھے سو وہ انہیں بیڈ روم میں لے آئی وہ اُن کے لیے چائے اور دیگر لوازمات ٹرالی میں سجا کر وہیں چلی آئی انہیں چائے سرو کر کے اپنا کپ لیے سامنے کرسی پر جا بیٹھی جب نورین نے با آواز بلند کہا۔
''فضہ! آپ واقعی بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو رضوان بھائی جیسا شوہر ملا ہے۔'' اس کی بات پر تنویر اور رضوان دونوں ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔
''فضہ بھابی! نورین بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے لڑکیاں تو اس کے پیچھے دیوانی ہو جاتی تھیں بلکہ اب بھی بہت ساری لڑکیاں اس پر مرتی ہیں مگر کیا مجال ہے صاحب بہادر نے کبھی کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا ہو یا کسی کو اس حوالے سے ذرا بھی لفٹ کرائی ہو موصوف شادی کے بعد کی محبت کے قائل تھے کہ ان کے سارے جذبے اس کے لیے ہیں جو ان کی زندگی کی ساتھی بنے گی۔'' تنویر کے چہرے پر رضوان کے لیے ستائش تھی۔
فضہ نے بے ساختہ رضوان کی طرف دیکھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی دونوں کی نظریں ملیں تو فضہ نے مجرمانہ سے انداز میں سر جھکا لیا کہ جس کے لیے وہ بدکرداری کا سرٹیفکیٹ لیے پھرتی تھی وہ اتنی پاکیزہ سوچ اور عمل کا مالک تھا۔
''رضوان تو پکے پھل کی طرح جھولی میں آ گرنے والی لڑکیوں سے بہت سختی سے پیش آتا تھا لڑکیوں نے تو اسے خوب صورت ہٹلر کا نام دے رکھا تھا۔'' تنویر اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا۔
''بس کرو یار! میری بیوی پہلے ہی میری اتنی عزت کرتی ہے کہ مجھ سے سنبھالے نہیں سنبھلتی۔'' رضوان نے گہرا طنز کیا تھا جسے صرف فضہ ہی سمجھ سکی تھی۔
''ہاں تو آپ ڈیزرو کرتے ہیں کہ آپ کی عزت کی جائے۔'' نورین نے بات آگے بڑھائی۔
فضہ نے بے چینی سے پہلو بدلا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اتنے دنوں کے ساتھ میں رضوان یہ بات تو جان ہی گیا تھا کہ وہ جب بھی شرمندہ ہوتی تھی یونہی نچلا ہونٹ اپنے دانتوں تلے دبا لیتی تھی اس کی صورت دیکھ کر رضوان نے باتوں کا رخ موڑ دیا اور وہ برتن سمیٹنے کے بہانے سے اُٹھ گئی۔

❁......✿......❁

تنویر اور نورین کو رخصت کر کے وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو رضوان ٹی وی پر کوئی میچ دیکھ رہا تھا۔
''رضوان!'' فضہ کے پکارنے پر اس نے ایک نظر اس پر ڈالی اور ٹی وی کی آواز کو میوٹ کر دیا۔
''رضوان! میں اپنی سوچ پر بہت شرمندہ ہوں پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' رضوان کی بے رخی اُسے مارے دے رہی تھی۔ اس نے بات مکمل کر کے بمشکل اپنی سسکی کو روکا مگر کچھ آنسو بغاوت کر کے اس کے گالوں پر لڑھک گئے۔
رضوان نے اس کی طرف غور سے دیکھا وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی اُس کے چہرے پر آس، التجا، محبت کیا کچھ نہیں تھا وہ سب دیکھ اور سمجھ رہا تھا۔ وہ اتنا بے حس نہیں تھا کہ اس کے ہر انداز سے جھلکتی محبت اور شرمندگی کو نہ سمجھ پاتا ابھی بھی اس نے بے شک صرف معافی مانگی تھی محبت کا اقرار نہیں کیا تھا مگر پھر بھی رضوان کا دل اس کی محبت پر ایمان لے آیا تھا اتنے دن فضہ نے اپنا آپ بھلا کر جس طرح اس کا خیال رکھا تھا اس سے رضوان کے دل کے سارے گلے شکوے دھل گئے تھے مگر اس بات کے جواب میں وہ بولا بھی تو کیا۔
''اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور پلیز تم یوں رونی صورت لے کر میرے سامنے مت آیا کرو۔'' رضوان نے بڑی دقتوں سے اپنے لہجے میں سختی پیدا کی تھی ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اسے سینے سے لگا کر ہر

فکر سے آزاد کردے۔

فطضہ کو شاید اس بات کی توقع نہیں تھی بے عزتی کے احساس سے اس کے چہرے پر سرخی چھا گئی اور وہ فوراً کمرے سے باہر چلی گئی جبکہ رضوان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"محترمہ! اب تم بھی نظر انداز کیے جانے کا تھوڑا مزہ چکھو۔" وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھا۔

کمرے سے نکل کر فطضہ سیدھی کچن میں چلی آئی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ممی کچن میں یخنی دیکھنے آئیں جو وہ تھوڑی دیر پہلے چڑھا کر گئی تھیں مگر وہاں اسے یوں روتے دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

"فطضہ ڈیئر! کیا ہوا...... کیوں رو رہی ہو؟" انہوں نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ مڑ کر ان کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی اس کا دل اس وقت بہت دکھی تھا اور وہ تھوڑی سی ہمدردی پا کر بکھر گئی تھی ممی نے اس کا سر تھپکا اور اُسے کرسی پر بٹھا کر پانی پلایا۔

"رضوان کی وجہ سے پریشان ہو رہی ہو؟" اس کے رونے کی شدت میں کمی آئی تو ممی نے سوال کیا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا وہ ان کو حقیقت نہیں بتا سکتی تھی۔

"ارے! ڈی ایس پی کی بیوی ہو کر یہ چڑیا جتنا دل ہے تمہارا بھئی پولیس والوں کی زندگی میں اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں تم بس اس کی صحت و سلامتی کی دعا مانگا کرو اب تو وہ تیزی سے ٹھیک ہو رہا ہے اور پندرہ بیس دن میں وہ ڈیوٹی جوائن کرلے گا شروع میں تم نے اتنا حوصلہ رکھا ہے تو اب کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہو چلو جاؤ میرا بچہ منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔" اس کو وہاں سے اُٹھا کر انہوں نے پیالے میں یخنی نکالی اور رضوان کے کمرے میں چلی آئیں اُسے یخنی پکڑا کر پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں وہ یخنی پی چکا تو انہوں نے اس سے خالی پیالہ لے لیا۔

"رضوان! تم اب ماشاء اللہ تیزی سے صحت یاب ہو رہے ہو تو یہ بات فطضہ کو بتاؤ کہ اب تم بہتر ہو اس کو حوصلہ دو وہ بہت پریشان ہے اس کی صورت دیکھی ہے تم نے وہ

ضمیر

انسان کا ضمیر بھی عجیب شے ہے یہ اگر سو جائے تو انسان پستیوں میں جا گرتا ہے اسے یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ وہ اس کائنات کا مرکز ہے۔ وہ جو کچھ کرتا چلا جا رہا ہے وہ اس کے شایان شان نہیں اسے یہ بھی احساس نہیں رہتا کہ وہ خود کیا ہے؟ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ لیکن اگر یہی ضمیر بیدار ہو تو انسان کو خود بخود ان راہوں پر لے جاتا ہے جہاں انسانیت کے اعلیٰ معیار ہیں۔ اسے شعور ہوتا ہے کہ کائنات اور اس کا تعلق کیا ہے اور وہ کس مقصد کے تحت اس کائنات میں موجود ہے۔ ضمیر کا یہ عمل بڑی حد تک لاشعوری ہوتا ہے انسان کو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ کس وقت کیا ہے؟

امجد جاوید کی عشق کا قاف سے اقتباس:

فاطمہ مصطفیٰ...... سرگودھا

سب کچھ بھلائے صرف تمہاری تیمارداری میں مصروف ہے کالج بھی نہیں جا رہی تمہارے لیے چھپ چھپ کر روتی ہے اب بھی کچن میں کھڑی رو رہی تھی میری ذرا سی ہمدردی پا کر بُری طرح بکھر گئی تھی میں اُسے کمرے میں بھیجتی ہوں تم اُسے تسلی دو۔" ممی کی باتیں سُن کر رضوان اپنی مسکراہٹ کو روکنے میں ناکام ہو گیا اور وہ اسے مسکراتے دیکھ کر خفا ہونے لگیں۔

"رضوان! تمہیں شرم آنی چاہیے میں تم سے اس کی پریشانی شیئر کر رہی ہوں اور تم ہنس رہے ہو۔" وہ اُسے گھور رہی تھیں۔

"سوری ممی! میری کیا مجال کے میں ہنس کر آپ کی بہو کی شان میں کوئی گستاخی کروں میں فطضہ سے بات کرلوں گا آپ پریشان نہ ہوں۔" رضوان کا لہجہ بہت فریش تھا ممی مطمئن ہو کر چلی گئیں۔

تھوڑی دیر بعد فطضہ کمرے میں آئی تو رضوان نے اس کی طرف غور سے دیکھا اس کی آنکھیں اور ناک سرخ ہو رہی تھی فطضہ نے رضوان کی طرف دیکھے بغیر الماری سے

اپنے کپڑے نکالے اور واش روم میں گھس گئی۔

⁂

پچھلے دو تین روز سے وہ کمرے میں دانستہ بہت کم آتی تھی اب بھی ممی نے اُسے دودھ کا گلاس دے کر بھیجا تھا۔

''یہ دودھ لے لیں۔'' فضہ نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

''مجھے ضرورت نہیں ہے۔'' رضوان نے اخبار پر نظریں جمائے جواب دیا۔

''میں جانتی ہوں، ڈی ایس پی صاحب کہ آپ کو کسی کی ضرورت ہے نہ پروا مگر آپ سے وابستہ لوگوں کو آپ کی ضرورت بھی ہے اور بہت زیادہ پروا بھی۔'' اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

''اور تمہیں؟'' رضوان نے دودھ کا گلاس پکڑ کر سوالیہ انداز اپنایا۔

''میں بھی آپ سے وابستہ لوگوں میں شامل ہوں۔'' دھیمے لہجے میں جواب آیا۔ فضہ کے اس ڈھکے چھپے اقرار نے اس کے اندر جیسے پھول کھلا دیے تھے۔ فضہ کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب بیٹھ گئی۔

''مگر تم تو مجھ سے نفرت کرتی ہو کیونکہ میں ایک بے ایمان پولیس آفیسر ہوں۔'' رضوان کا لہجہ ابھی بھی کھردرا تھا۔

''کرتی تھی مگر اب میں یہ بات سمجھ گئی ہوں کہ اچھے بُرے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ زیادہ قابل ستائش اور عزت کے لائق ہوتے ہیں جو نا مساعد اور ناموافق حالات میں بھی اپنی اچھائی اور نیک نامی کو زندہ رکھتے ہیں۔'' فضہ کے لہجے میں سچائی تھی اور نظریں اپنے ہاتھوں پر مرکوز تھیں۔

''اوہ! تو اب تمہیں لوگوں کی گواہیاں سن کر میرے کردار پر یقین آگیا ہے یہی بات ہے نا؟'' اس نے تصدیق چاہی۔ فضہ نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں اس سلسلے میں میرے نزدیک صرف میرے دل کی گواہی معتبر ٹھہری ہے۔'' اس کا لہجہ ہنوز دھیما تھا۔

''اور وہ گواہی کیا ہے؟'' وہ بھی جیسے ابھی سب کچھ اگلوا لینا چاہتا تھا۔

''کہ آپ ایک اچھے اور ایماندار انسان ہیں۔'' اُس نے یقین دلانے والے انداز میں رضوان کو دیکھا۔

''یعنی اب تم مجھے پسند کرتی ہو؟'' فضہ رضوان کے چہرے پر بکھری شرارت اور مسکراہٹ کو دیکھ کر پل میں ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔

''یہ میں نے کب کہا؟'' وہ شرارت کا جواب شرارت سے دے کر مسکرادی۔

''قسم سے بہت ظالم ہو، تمہیں کیا فرق پڑ جائے گا اگر تم یہ کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔'' رضوان اس کے صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں والے اسٹائل سے چڑا تھا۔

''تو میرے نہ کہنے سے آپ کو بھلا کیا فرق پڑتا ہے؟'' وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''پڑتا ہے فرق، بالکل پڑتا ہے میں رضوان کیانی جو لڑکیوں میں ہٹلر کے نام سے مشہور ہوں، میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے صرف وہ عورت چاہے اور سراہے جسے شریعت اور قانون دونوں نے یہ حق دیا ہے یعنی میں چاہتا ہوں کہ میری بیوی مجھ سے محبت کرے کیا تم ایسا نہیں کرسکتی؟'' اب کے اس کے لہجے میں ہلکی سی آنچ تھی فضہ کرسی سے اُٹھ گئی اس کے ہونٹوں پر بہت خوب صورت مسکراہٹ تھی۔

''اچھا تو سنیے ڈی ایس پی صاحب...... اگرچہ کہ آپ بہت بُرے ہیں مگر پھر بھی آپ کی بیوی آپ سے محبت کرنے لگی ہے۔'' کمرے کے دروازے کے پاس جاکر وہ پلٹی اور اپنی بات مکمل کرکے فوراً دروازہ پار کرگئی۔ رضوان اس کے انداز پر طمانیت سے مسکرادیا۔

فائزہ کنول

بارشوں کے اُداس موسم میں
خود کو دیکھوں تو یاد آئے کوئی
کاش اک بار یوں بھی ہو جائے
میں پکاروں تو لوٹ آئے کوئی

آج دسمبر کی پہلی بارش تھی پتہ نہیں کیوں دسمبر کو اداسی اور بارش کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے لیکن جس نے بھی منسوب کیا بہت صحیح کیا، یہ ماہ دسمبر صرف اداس لوگوں کے لیے ہے۔ ان لوگوں کے لیے جن سے ان کے اپنے کہیں کھو چکے ہیں۔ یہ اذیت ناک ماہ صرف انہیں کے لیے ہے، یہ میری اپنی سوچ تھی۔

آفس میں بیٹھے ہوئے میں نے شیشے کے اس پار دیکھا تو بارش نے دھرتی کو سیراب کرنا شروع کر دیا تھا۔ دسمبر کی پہلی برسات شروع ہو چکی تھی میں اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا آیا۔ باہر بہت شور اور ہنگامہ تھا۔ ہر کوئی اپنی دھن میں، اپنی مستی میں چلا جا رہا تھا۔ کوئی گاڑی پہ، کوئی بائیک پہ، کوئی سائیکل پہ تو کوئی پیدل ہی، اپنی حیثیت کے مطابق ہر کوئی اس بھیگتے موسم کو انجوائے کر رہا تھا۔

میں نے کھڑکی کے پٹ کھول دیے اور اپنی کرسی پہ آ کر بیٹھ گیا۔ میرے ٹیبل پر کافی کا گرما گرم مگ بھاپ اڑا رہا تھا۔ پیپر ویٹ کے نیچے وصی شاہ کی کتاب ''میرے ہو کہ رہو'' رکھی تھی۔

پورے آفس میں کشور کی آواز ہلکے ہلکے گونج رہی تھی۔ دسمبر کی پہلی بارش تھی اور میرے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا مجھے سمجھ نہیں آتی کہ لوگ کیسے کسی کی یادوں سے چھٹکارا حاصل کر کے خوش رہتے ہیں۔ اپنی زندگی میں ان لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر جو ان کے ساتھ چلنے کے عادی ہوتے ہیں۔ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ میں نے بہت بار کوشش کی تھی کہ میں بھی اسے بھول جاؤں، اس کی یادوں سے مجھ آزادی مل جائے لیکن اس نے کہا تھا۔

''تم جہاں بھی جاؤ گے مجھے وہیں پاؤ گے۔''

میں نے اپنا گھر، آفس، ہر وہ جگہ چھوڑ دی تھی جہاں وہ کبھی میرے ساتھ موجود تھی۔ وہ بہت ڈھیٹ تھی (ہاں میں اسے ڈھیٹ ہی کہوں گا کیونکہ وہ میری سوچوں میں جونک کی طرح چمٹ چکی تھی۔ بہت کچھ کر کے دیکھ چکا تھا لیکن سب بے کار ثابت ہوا۔ بس وہ تھی اور اس کی یادیں......

میرے آفس کے سامنے ایک گھر کی بالکنی میں تین بچے بارش میں اچھل کود کر رہے تھے بے فکری ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ میں نے ان سے

نظر ہٹائی اور وصی شاہ کی کتاب کھول کر پڑھنا شروع کردی۔

میں کیسے سرد ہاتھوں سے تمہارے گال چھوتا تھا
دسمبر میں تمہیں میری شرارت یاد آئے گی

کیا خوب لکھا تھا وصی شاہ نے اس شعر کو پڑھتے ہی میرے اندر ہلچل مچ چکی تھی۔ اس کی آواز میرے آس پاس گونجنے لگی تھی۔

''کب تک جان چھڑاؤ گے ذیشان احمد، میں تو مر کے بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔'' ہاہاہاہا اس کی جلترنگ ہنسی چاروں طرف گونجی تھی۔

میں نے کتاب بند کر کے آنکھیں بھی بند کرلی تھیں۔ بارش پیاسی زمین کو سیراب کررہی تھی اور اس کی یادیں میرا تن من بھگو رہی تھیں۔ اس کی آواز ایک بار پھر ابھری تھی۔

''ذیشان احمد جب بھی کافی پیو گے نا تو کافی کے مگ سے اڑتی ہوئی بھاپ میں تم مجھے پاؤ گے۔ جب جب دسمبر کی بارش ہوگی تم اس کے ہر قطرے میں مجھے پاؤ گے۔''

''جب بھی تم کشور، غلام علی کی غزلیں سنو گے تو مجھے بھی اپنے سنگ پاؤ گے۔'' باہر بارش شدت اختیار کرچکی تھی اور اس کی یادیں بھی۔

''ذیشان میں مرگئی تو کیا تمہیں افسوس ہوگا؟'' اس کے ہاتھ میرے ہاتھوں میں تھے۔

''یہ کیسا سوال ہے؟'' میں نے اسے غصے سے دیکھا۔

''بتاؤ نا کیا تمہیں افسوس ہوگا یا نہیں؟'' اس نے پھر وہی سوال دہرایا۔

''ہاں ہوگا۔'' میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔

''اچھا بس افسوس ہوگا تمہیں اور کچھ نہیں۔'' پتہ نہیں وہ کس بات کی تصدیق کرنا چاہ رہی تھی۔

''ذیشان اگر میں کبھی تم سے جدا ہوجاؤں تو تم کیا کرو گے؟''

''تمہیں اٹھا کرلے آؤں گا جہاں بھی جاؤ گی تم۔'' میں نے اس کی سرخ ہوتی ناک اپنے داہنے ہاتھ سے کھینچی جو سردی کی وجہ سے ٹھنڈی ہوچکی تھی۔

شیشے کے اس پار بارش ابھی تک اپنے عروج پر تھی۔ آج وہ وہاں تھی جہاں سے میں اسے واپس نہیں لاسکتا تھا اس دنیا سے بہت دور جاچکی تھی وہ۔

''پتہ ہے جب میں تمہارے پاس نہیں ہوں گی جب میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گی تو کیا ہوگا؟'' وہ میری طرف دیکھ کر بولی تھی۔

''جی بتاؤ کیا ہوگا میرے ساتھ۔'' میں نے شرارت سے اسے دیکھا۔

''میری یادوں کی یخ بستگی تمہیں مار ڈالے گی۔'' وہ ہنسی تھی۔

اور میں سوچ رہا تھا اس نے ٹھیک ہی کہا تھا دسمبر تھا، بارش تھی اور اس کی یادوں کی یخ بستگی تھی۔

جسم اور روح کو منجمد کرتی ہوئیں سرد یادیں......

تاعمر ساتھ رہنے والی یادیں......

کسی کو پا کر کھو دینے والی یادیں......

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

مجیب الرحمان...... گلگت

جواب:۔ بچے پر آسیب ہے، علاج کروائیں مکمل۔ آیات شفا روزانہ 7 مرتبہ پانی پر دم کر کے پلایا کریں۔

فریحہ...... سرگودھا

جواب:۔(۱) ہر فرض نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر 7 مرتبہ پڑھا کریں۔ رب شرح لی صدری...... یفقھو قولی (سورۃ طٰحہٰ 25-28) حافظہ کے لیے۔

(۲) بعد نماز عشا سورۃ قریش 111 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ نوکری کے لیے، روزانہ۔

و.م.ن...... حویلیاں

جواب: رات کو سونے سے قبل وضو کر کے بستر پر سورۃ فاتحہ 41 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ (تمام مسائل کے لیے دعا کریں) روزانہ۔

صدقہ بھی دیں ان شاء اللہ آپ کے حالات اچھے ہوجائیں گے پڑھتے وقت یکسوئی ہو۔

شمائلہ...... سرگودھا

جواب: (گھر/گاڑی/نوکری) کے لیے بعد نماز فجر 3 مرتبہ سورۃ یاسین روزانہ (دونوں) تصور رکھ کر پڑھیں، پیسہ آنے پر کوئی کاروبار شروع کریں۔

حنا علی...... ناظم آباد، کراچی

جواب:۔ رشتہ کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ۔ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ (جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں یہ بھی تصور میں رکھیں کہ اگر خالہ کے یہاں بہتر ہے تو یہیں ہوجائے)

اور ایک مرتبہ سورۃ والضحیٰ پڑھ کر دم کرلیا کریں (دونوں) روزانہ۔

نائلہ...... گوجرہ

جواب:۔ آپ پر آسیب ہے، علاج کرائیں۔

مہوش نورین...... جھنگ صدر

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف (رشتہ کا تصور رکھ کر پڑھیں) جلد ہوجائے۔

بعد نماز مغرب 3 مرتبہ سورۃ عبس پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں اور پانی پر دم کر کے روزانہ پئیں۔ (۳ ماہ تک)

پروین بی بی

جواب:۔ بعد نماز فجر 101 مرتبہ یا عزیز اول وآخر 3،3 مرتبہ درود شریف۔

خاوند کا تصور رکھ کر پڑھیں۔ (41 دن بعد ان سے بات کریں) وظیفہ مستقل پڑھتی رہا کریں۔

حافظہ مسکان...... وہاڑی

جواب:۔ سورہ شمس 41 مرتبہ روزانہ بعد نماز فجر اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ پانی پر دم کر کے دونوں کو پلائیں۔ پڑھتے وقت تصور میں ہو کہ یہ دونوں انہیں بھول جائیں۔ (والدہ پڑھ لیا کریں یا گھر کا کوئی ایک فرد)

روزگار کے لیے سورۃ قریش مستقل پڑھا کریں (والد)

ع ک

جواب:۔ بعد نماز فجر 3 مرتبہ سورۃ یاسین، روزانہ۔ اپنے لیے دعا کریں اور گھر والوں کے لیے بھی اور تمام مسائل کے لیے بھی۔

مہوش ضمیر...... ہری پور

جواب:۔ یا جبار 101 مرتبہ روزانہ بعد نماز اول وآخر 3،3 مرتبہ درود شریف۔ پانی پر دم کر کے پلائیں۔ (پڑھتے وقت نیت بھی ذہن میں ہو)

رشتے کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں (وظیفہ والدہ کریں)

حنا ضمیر...... ہری پور

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ (جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں) ان شاء اللہ جہاں آپ کے حق میں بہتر ہوگا وہیں رشتہ ہوگا۔ پاکی کی حالت میں وظیفہ کرنا ہے (3 ماہ)

ش ح...... لودھراں

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف تصور رکھیں کہ جہاں بھی رشتہ بہتر ہو وہاں ہو۔

صوفیہ شہادت...... راولپنڈی

جواب:۔ مسئلہ نمبر1۔ حکیمی علاج کروائیں۔ سورۃ المومنون آیت نمبر 12'14۔ 111 مرتبہ درود شریف۔ بعد نماز عشاء پانی پر دم کر کے پئیں روزانہ۔ پڑھتے وقت مقصد بھی ذہن میں ہو۔

مسئلہ نمبر2:۔ یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم۔ والدہ ہر نماز کے بعد 11 مرتبہ دل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پڑھیں۔ بہن کالا نمک استعمال کیا کرے۔

مسئلہ 3'4:۔ بعد نماز عشاء سورۃ قریش۔ 111 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ معاشی حالات کے لیے پڑھیں۔ دعا بھی کریں صدقہ خیرات بھی دیں۔

کامران' عمران...... حیدر آباد

جواب:۔ گھر میں آسیب ہے۔ جس کی وجہ سے آپ لوگ پریشانی میں ہیں۔ بہتر ہے کسی اور گھر میں شفٹ ہوجائیں۔ یا پھر کسی اچھے عامل سے مکمل علاج کروائیں۔

عاصمہ...... فیصل آباد

جواب:۔ بندش ہے۔ بعد نماز فجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

بعد نماز عشاء۔ 41 مرتبہ سورۃ فلق اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ پڑھتے وقت تصور ہو کہ رکاوٹ اور بندش ختم ہو رہی ہے دم بھی کریں۔

http://facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔
موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کردیا گیا ہے۔
اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔
ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن

نام .... والدہ کا نام .... گھر کا مکمل پتا ....

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں ....

میمونہ رومان

شاعرہ: فرمین ریاض...... کراچی

نت نئے رنج دل کو دیتی ہے زندگی
ہر خوشی کو غم کر دیتی ہے زندگی
چاہے لاکھ خوش ہوں ہم مگر
آنکھیں نم کر دیتی ہے زندگی

ملائکہ مہر گل...... اورنگی ٹاؤن کراچی

تم کو چاہا تو محبت کی سمجھ آئی فراز
ورنہ اس لفظ کی تعریف سنا کرتے تھے

فرحت اشرف کمسن...... سیدوالہ

ستارے مشعلیں لے کر مجھ کو ڈھونڈنے نکلیں
میں رستہ بھول جاؤں جنگلوں میں شام ہوجائے
محسن اپنے تعارف کے لیے یہ بات کافی ہے
ہم اس سے ہٹ کر چلتے ہیں جو رستہ عام ہوجائے

ایبہار رضوان...... کراچی

یہ حسن اتفاق ہے یا حسنِ اہتمام
ہے جس جگہ فرات وہیں کربلا بھی ہے

اقراء لیاقت...... حافظ آباد

روز ہی بھول جاتے ہو تم ہمیں
ہم تمہارے دوست ہیں کوئی سبق تو نہیں

فائزہ بھٹی...... پتوکی

میں تو خود پر بھی کفایت سے اسے خرچ کروں
وہ ہے مہنگائی میں مشکل سے کمایا ہوا شخص

گلناز مان...... مان

بدن سے روح جاتی ہے تو بچھتی ہے صفِ ماتم
مگر کردار مرجائے تو کیوں ماتم نہیں ہوتا؟

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

وہ بے رخی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں
میں خوش نصیب ہوں کہ کسی کی نظر میں ہوں

زاہدہ زمان...... چوک سرور شہید

ابھی تم طفل مکتب ہو سنبھالو اپنے جوبن کو
یہ طوطے کچی فصلوں کا بڑا نقصان کرتے ہیں

سمیرا تعبیر...... سرگودھا

وہ میرا ہے جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو
ہر قدم ساتھ چلنے کا عزم وفا رکھتا ہو
ناز میں اس سے اٹھواؤں تو شکایت نہ کرے
ہر غم سہہ کر بھی ہنسنے کی ادا رکھتا ہو

مدیحہ نورین...... برنالی

بات اتنی ہے کہ تم بہت دور ہوتے جارہے ہو
اور حد ہے کہ تم یہ بات مانتے بھی نہیں

ارم کمال...... فیصل آباد

یہاں ہر طرف ہے عجب سماں سب ہی خود پسند سب ہی خودنما
دل بے سکون کو نہ مل سکا کوئی چارہ گر بڑی دیر تک
مجھے زندگی سے عزیز تر اسی واسطے میرے ہم سفر
مجھے قطرہ قطرہ پلا زہر جو کرے اثر بڑی دیر تک

روبی علی...... سیدوالہ

ہاتھ پکڑ کر محبتوں کے راستے پر چلایا تھا جس نے
آج وہ کہتا ہے یوں آنکھوں میں خواب نہ سجایا کر

نادیہ عباس دیا قریشی...... موسیٰ خیل

میرے اجڑنے کا سبب جب بھی کسی نے پوچھا
تو میں نے بس اتنا بتایا محبت کی تھی

یاسمین کنول...... پسرور

لطف کی ان سے التجا نہ کریں
ہم نے ایسا کیا کیا نہ کریں

عائشہ پرویز...... کراچی

کیا کہیں کیسے بسر ہجر کی راتیں کی ہیں
عمر بھر چاند سے اک شخص کی باتیں کی ہیں

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

ان ہی لفظوں کے اشک بنتے ہیں
جو زباں سے ادا نہیں ہوتے

عظمیٰ اقراء فوزیہ...... عارف والہ

کبھی پتھروں کے ٹکرانے سے آتی نہیں خراش
کبھی اک ذرا سی بات سے انسان بکھر جاتا ہے
آمنہ عدنان...... چوک اعظم

وابستہ کریں کس سے ہم اپنی امیدیں غالب
اس دور کا ہر شخص وفا بھول چکا ہے
حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

تم کو معلوم ہے اک روز کہا تھا میں نے
کسی خوش فہم کو خوابوں کی ردا مت دینا
پھر کوئی بات نکل آئے گی ایسی ویسی
میرے محتاط رویوں کو ہوا مت دینا
فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی

تھکی تھکی سی آس ہے یہ دل بہت اداس ہے
کوئی تو درد راس ہے یہ دل بہت اداس ہے
عجب وسوسوں میں گھر گئی ہے یہ زندگی
نہ امید ہے نہ آس ہے یہ دل بہت اداس ہے
صندل رانا...... دھر وڑ ھند کے

سجدوں میں سر کٹانے پر عبادت ناز کرتی ہے
خون سے وضو جو کر لو تو طہارت ناز کرتی ہے
شہیدوں کو تو اکثر ناز ہوتا ہے شہادت پر
شہید ابن علیؓ پر تو شہادت ناز کرتی ہے
دلکش مریم، معظم شاہ...... چنیوٹ

دہکتی ہے میرے اندر فصل شعلوں کی
تم بات کرتے ہو بارش کی' پھولوں کی
اک لڑکی ہنستی تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر
مگر یہ بات بہت پرانی ہے جانے کتنے سالوں کی
شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھا کشن

دشمن کے ارادوں کو ہے زیر اگر کرنا
تم کھیل وہی کھیلو بس انداز بدل ڈالو
اقبال کرو ہمت کچھ دور سویرا ہے
چاہتے ہو اگر منزل تو پرواز بدل ڈالو
اقصیٰ زرگر، سنیاں زرگر...... جوڑہ

اس کی آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز

سونے والوں کی طرح جاگنے والوں جیسی
لیلیٰ شاہ...... چک سادہ گجرات

اگر بے وفاؤں کی الگ دنیا ہوتی صاحب
ہمارا شاہ وہاں کا بادشاہ ہوتا......!
شیزا بلوچ...... جھنگ

تم کو ہی فرصت نہ تھی کسی افسانے کو پڑھنے کی
ہم تو بکتے رہے تیرے شہر میں کتابوں کی طرح
فریدہ جاوید فری...... لاہور

اگر وہ خوش ہے تجھے بھول کر تو یونہی سہی
خدا کرے نہ میری یاد اس کو آئے کبھی
فصیحہ آصف خان...... ملتان

جو بچھڑے وہ کب ملے ہیں فراز
پھر بھی تو انتظار...... شاید
مدیحہ بتول گوندل...... مانگٹ، شیخوپورہ

حسینؓ تیری عطا کا چشمہ دلوں کے دامن بھگو رہا ہے
یہ آسماں پر اداس بادل' تیری محبت میں رو رہا ہے
صبا بھی گزرے جو کربلا سے تو اس کو کہتا ہے عرش والا
تُو اور دھیرے گزر یہاں پر میرا حسینؓ سو رہا ہے
راحیلہ عطاریہ...... بارہ قطعہ نیا

ہونٹوں کو لاکھ تبسم سے باز رکھ لیکن
تیری تو آنکھیں مسکرانے والی ہیں
مریم مختار...... بوسال مصور

کوئی پھول چنتا ہے کس لیے کوئی دھول ہٹتا ہے کس لیے
یہ وقت وقت کی بات ہے تجھے زندگی بتائے گی
اقصیٰ مصطفیٰ...... طور جہلم

وہ اکثر ہم سے کہا کرتا تھا زندگی تمہارے نام کر دی
نہ جانے زندگی میرے نام کر کے وہ خود کس کا ہو گیا
فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال

چمکا نہ کرو رات کو جگنو کی طرح تم
لے جاؤں گا مٹھی میں کسی روز چھپا کر

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

چکن ٹماٹو سوپ

اجزا:

چکن	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
گاجر	ایک عدد (کش کی ہوئی)
ٹماٹر	آدھا کلو
مکھن	ایک کپ
لہسن	ایک جوا (پسا ہوا)
ادرک	ایک چمچ (پسا ہوا)
ہری مرچ	دو عدد
اجوائن	ایک چٹکی
نمک، کالی مرچ	حسب ذائقہ
سفید زیرہ	حسب ذائقہ

ترکیب:

سوس پین میں مکھن کو گرم کریں اور اس میں باریک کٹی ہوئی پیاز ڈال دیں جب پیاز تھوڑی سی سبز ہوجائے تو چکن ڈال کر فرائی کریں چکن ہلکا سا فرائی ہوجائے تو کش کی ہوئی گاجر، لہسن اور پسا ہوا ادرک ڈال کر مزید فرائی کریں سبزیاں اور گوشت فرائی ہوجائے تو ٹماٹر ڈال کر ڈیڑھ لیٹر پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر سوپ تیار ہونے دیں سوپ گاڑھا ہونے لگے تو اجوائن، نمک، سیاہ مرچ اور سفید زیرہ ڈال کر سبز مرچ کٹی ہوئی (بیج نکال کر) شامل کریں اور گرم گرم سوپ نوش فرمائیں۔

فاطمہ ظہیر...... شاہ فیصل، کراچی

لذیذ چائنیز سوپ

اجزا:

یخنی	چار پیالی
انڈہ	ایک عدد
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ
انگور کی بیل کے خشک پتے	چار چائے کے چمچ (پاؤڈر بنالیں)
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

ابلتی ہوئی یخنی میں سیاہ مرچ اور نمک حسب ذائقہ ملادیں۔ انڈے کو اس قدر پھینٹیں کہ اس کا جھاگ ابھر آئے اب اسے کھولتی ہوئی یخنی میں دھار باندھ کر آہستہ آہستہ ملادیں اور سیٹ ہونے دیں پھر چمچ سے ہلائیں سوپ کے پیالے میں تیار شدہ سوپ انڈیلیں اس میں سویا ساس ملائیں اور انگور کے پتوں کا پاؤڈر ڈال کر نوش فرمائیں۔

طلعت نظامی...... کراچی

عربین سوپ

اجزا:

لوبیا سفید	سوا پیالی (ایک گھنٹہ بھگوئیں)
مغز بادام	ایک پیالی (چھیل کر پیس لیں)
لہسن	پانچ جوے (پسا ہوا)
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچ
ڈبل روٹی	دو سلائس
نمک	حسب ذائقہ
پودینہ	چند پتیاں
سفید زیرہ کالی مرچ	ایک ایک چائے کا چمچ

ترکیب:

لوبیا کو ابال لیں جب گل جائے چھلنی میں ڈال کر پانی نکال کر رکھ لیں پسے ہوئے باداموں میں پسا ہوا لہسن اچھی طرح ملادیں لوبیا کے پانی میں زیتون کا تیل ملائیں لہسن اور بادام والا آمیزہ شامل کر کے خوب پکائیں جب گاڑھا ہونے لگے تو لوبیا، نمک، پسا مصالحہ اور پودینے کے پتے شامل کر کے پیالی میں ڈالیں اور نوش کریں۔

عمیمہ ظہیر...... کراچی

قیمہ گھوٹالا

اجزا:

گائے کا قیمہ	آدھا کلو
دہی	آدھا پاؤ (پھینٹی ہوئی)

پسا ہوا کچا پپیتا	2 کھانے کے چمچ
دہی کی بالائی	2 کھانے کے چمچ
پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا لہسن، ادرک	ایک کھانے کا چمچ
پیکٹ والا تندوری مصالحہ	2 کھانے کے چمچ
ہری مرچیں	2 عدد (باریک کٹی ہوئی)
لیموں	4 عدد
ہرا دھنیا	ایک گڈی چوپ کیا ہوا
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھی پیالی
ہرا دھنیا، لیموں کی قاش	سجانے کے لئے

ترکیب:

قیمے میں ۲ کھانے کے چمچ تیل اور باقی اجزاء ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دیگچی میں تیل گرم کریں، اس میں قیمہ ڈال کر خوب بھونیں اور ڈش میں نکال لیں۔ مزیدار قیمہ ہرے دھنیے اور لیموں سے سجا کر پیش کریں۔

نزہت جبین ضیاء.....کراچی

قیمہ ان میکرونی

اجزاء:

قیمہ	۳۵۰ گرام
اُبلی میکرونی	آدھا پیکٹ
دار چینی	ایک عدد
ٹماٹر پیوری	چوتھائی کپ
پسی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
تیل	آدھا کپ
لونگ	3 عدد
ٹماٹر	2 کپ
نمک	حسب ذوق
ادرک پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
کالی الائچی	ایک عدد
تارہ چاول	سرونگ کے لئے

ترکیب:

تیل گرم کر کے ثابت گرم مصالحہ اور قیمہ ڈال کر فرائی کریں۔ جب پانی سوکھ جائے تو اس میں باریک کٹے ٹماٹر، ٹماٹر پیوری، تمام مصالحے اور پانی ڈال کر پکائیں۔ میکرونی کو ڈش میں نکال لیں اور اوون میں 180 ڈگری سینٹی گریڈ پر 15 منٹ تک گرم کریں۔ اب اُبلے پانی میں ڈال کر اُبالیں اور خشک کریں۔ آخر میں قیمے میں شامل کر کے 5 منٹ تک دم پر رکھیں۔ تیار ہونے پر چاول کے ساتھ سرو کریں۔

نور العین.....نارتھ کراچی

لبنانی سلاسہ کبابش

اجزاء:

قیمہ	آدھا کلو
مٹر	ایک کپ
پیاز	3 عدد
ٹماٹر	3 عدد
آلو	3 عدد
ہری مرچ	10 عدد
ڈبل روٹی کا چورا	ایک کپ

ترکیب:

ایک پین میں پانی قیمہ، نمک، ادرک لہسن کا پیسٹ پیاز شامل کر کے پکنے رکھ دیں، جب پانی خشک ہو جائے تو ٹماٹر، مٹر، ہری مرچ، میکرونی، کالی مرچ، ڈبل روٹی کا چورہ، کالی مرچ شامل کر دیں اور رول کی طرح کباب بنا لیں اور انڈے میں ڈپ کر کے فرائی کریں۔

اتباع عثمانی.....ملتان

چکن ساتے مونگ پھلی ساس

اجزاء:

مرغی	آدھا کلو (کیوبز میں)
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
سویا ساس	2 چمچ
لیموں کا رس	2 چمچ

ہری مرچیں	3 عدد
مونگ پھلی	بھنی ہوئی (آدھی پیالی)
براؤن شوگر	ایک چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	2 کھانے کے چمچ

مونگ پھلی ساس

مونگ پھلی، بھنی ہوئی	آدھی پیالی
لہسن چوپ	2 کھانے کے چمچ
سویا ساس	4 کھانے کے چمچ
براؤن شوگر	1 کھانے کا چمچ
لیموں کا رس	2 کھانے کے چمچ
ہری مرچیں	4 عدد
تیل	2 کھانے کے چمچ

ترکیب:

بلینڈر میں ساس کے تمام اجزا ڈال کر مکس کرلیں۔ اس کے بعد بلینڈر میں ادرک، سویا ساس، لیموں کا رس، ہری مرچیں، مونگ پھلی، براؤن شوگر، تیل اور نمک ڈال کر مکس کرلیں۔ اب ایک پیالے میں پسا ہوا مصالحہ اور مرغی کی بوٹیاں ڈال کر ایک گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ پین میں تل لیں اور ساس کے ساتھ پیش کریں۔

ایمان رضوان.....کراچی

چکن فرائیڈ رائس

اجزاء:

مرغی کی بوٹیاں	ابلی اور ریشہ کی ہوئی (ایک پیالی)
چاول	ابلے ہوئے 3 پیالی
شملہ مرچ باریک کٹی ہوئی	ایک عدد
بند گوبھی	باریک کٹی ہوئی (ایک عدد)
انڈہ	ایک عدد
گاجر باریک کٹی ہوئی	2 عدد
ہری پیاز (ایک پیالی)	سبز اور سفید حصہ الگ کر دیں
مرغی کی یخنی	آدھی پیالی
سفید سرکہ	ایک کھانے کا چمچ
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچ
پسی ہوئی کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ
سویا ساس	2 کھانے کے چمچ
نمک	ایک کھانے کا چمچ
تیل	آدھی پیالی
ہری پیاز	سجانے کے لئے

ترکیب:

دیگچی میں تیل گرم کر کے ہری پیاز کا سفید حصہ سنہری کریں، اس میں گاجر، مرغی، چائنیز نمک، کالی مرچ اور نمک ڈال کر اچھی طرح سے ملالیں۔ اس میں چاول سویا ساس اور انڈہ ملالیں۔ اس میں باقی اجزاء ڈال کر اچھی طرح سے ملائیں اور دم پر رکھ دیں۔ مزیدار چاولوں کو ہری پیاز سے سجا کر پیش کریں۔

منیزہ.....جھڈو، سندھ

انڈے کی بریانی

اجزاء:

چاول	آدھا کلو
انڈے (ابلے اور درمیان سے کٹے ہوئے)	آٹھ عدد
ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	2 عدد (باریک کٹی ہوئی)
ٹماٹر	2 عدد (باریک کٹے ہوئے)
پسی ہوئی لال مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچ
پسی ہوئی ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
ناریل کا دودھ	آدھی پیالی
ہرا دھنیا	(چوپ کیا ہوا) 2 کھانے کے چمچ
پودینہ	چند پتے
ہری مرچیں	چار عدد

پانی	آدھی پیالی
گھی	دو کھانے کے چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
تیل	آدھی پیالی

ترکیب:

دیگچی میں تیل گرم کر کے ثابت گرم مصالحہ ایک منٹ تک بھونیں۔ پھر پیاز سنہری کر لیں۔ اس میں لہسن، ادرک، ٹماٹر، لال مرچ، ہلدی، دھنیا، زیرہ، پسا ہوا گرم مصالحہ اور نمک ڈال کر بھونیں۔ پھر ناریل کا دودھ اور پانی شامل کر کے آمیزہ گاڑھے ہونے تک پکائیں۔ ایک علیحدہ دیگچی میں آدھے چاول، تیار مصالحہ، انڈے، ہرا دھنیا، پودینہ اور ہری مرچوں کی تہہ ڈال کر اوپر سے باقی چاول ڈال دیں۔ اس پر گھی ڈال کر دم پر رکھ دیں۔

دعا خان...... رحیم یار خان

سی فوڈ بریانی

اجزاء:

مچھلی	آدھا کلو
جھینگے	آدھا کلو
چاول	تین پیالی
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن	دو کھانے کے چمچ
پیاز	دو عدد درمیانی
ٹماٹر	تین عدد درمیانے
پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
میتھی دانہ	چند دانے
ثابت رائی	آدھا چائے کا چمچ
کڑی پتہ	چند پتے
ہری مرچیں	تین سے چار عدد
آئل	آدھی پیالی

ترکیب:

مچھلی کو چکور بوٹیوں میں کاٹ لیں اور جھینگوں کو صاف کر کے دھو لیں۔ پین میں آئل دو سے تین منٹ ہلکا گرم کریں اس میں میتھی دانہ، رائی، کڑی پتہ اور ہری مرچیں ڈال کر کڑکڑائیں، پھر پیاز ڈال کر سنہرا ہونے تک فرائی کریں۔ لہسن ادرک اور ٹماٹر ڈال کر اتنی دیر پکائیں کہ ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں اور تیل علیحدہ ہو جائے۔ نمک، لال مرچ، ہلدی اور دھنیا ڈال کر ہلکا سا پانی کا چھینٹا ڈال کر بھونیں۔ مچھلی کی بوٹیاں اور جھینگے ڈال دیں۔ تین سے چار منٹ پکا کر احتیاط سے مچھلی کو علیحدہ نکال لیں اور اس مصالحے میں چاول ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ تین سے چار پیالی پانی ڈال کر پکنے رکھ دیں۔ ڈھک کر درمیانی آنچ پر پانی خشک ہونے تک پکائیں، اوپر سے مچھلی اور جھینگے رکھ کر ہلکی آنچ پر پانچ سے سات منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔

سحرش نسیم...... گجرات

بیسن کا حلوہ

اشیاء

بیسن	آدھا پاؤ
انڈے	چھ عدد (سخت ابلے ہوئے)
دیسی گھی	حسب پسند
چینی	ایک پاؤ
بادام	ایک پیالی (باریک کٹے ہوئے)
پستہ	ایک پیالی (باریک کٹا ہوا)
سبز الائچی	چار سے چھ عدد (پسی ہوئی)
دودھ	ایک کپ

ترکیب!

دودھ میں چینی ڈال کر حل کر لیں۔ سخت ابلے ہوئے انڈوں کی سفیدی اور زردی الگ کر لیں۔ اب ایک دیگچی میں گھی گرم کریں۔ اس میں بیسن ڈال کر بھونیں۔ خوشبو آنے لگے تو اس میں انڈوں کی زردیاں شامل کر دیں۔ جب اچھی طرح بھن جائے تو اس میں چینی اور دودھ کا آمیزہ شامل کر دیں۔ ساتھ ہی الائچی پاؤڈر بھی ڈال دیں۔ اب پستہ بادام شامل کر دیں۔ آخر میں انڈوں کی سفیدی بھی شامل کر دیں۔ تھوڑی دیر بھون کر ڈش میں نکال لیں۔ بیسن کا مزے دار حلوہ تیار ہے۔

(سیدہ نسبت زہرہ۔ کھرڑ پکا)

روبینہ احمد

موسم سرما میں جلد کی حفاظت

سردیوں کی آمد آمد ہے خشک اور ٹھنڈی ہوا سردیوں کی آمد کا بھرپور احساس دلاتی ہے اور ہماری جلد پر بھی اس کے اثرات نظر آنے لگتے ہیں صبح اور شام کے اوقات میں ہلکی سردی اور ٹھنڈ کا احساس ہوتا ہے اور جیسے جیسے دن چڑھتا جاتا ہے گرمی کی شدت محسوس ہونے لگتی ہے۔ کبھی ہماری جلد خشکی کا احساس دلاتی ہے تو کبھی نم ہوجاتی ہے ان علامات کے ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں، پاؤں اور چہرے کی حفاظت کے لیے اپنی تیاریاں شروع کردیں اور اپنے چہرے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں اور پیروں کی طرف بھی خاص توجہ دیں اور ان کی دیکھ بھال کریں۔

چہرے کی حفاظت اور دیکھ بھال

ہر موسم کے لحاظ سے ہماری جلد کی حفاظت اور دیکھ بھال کا طریقہ بدل جاتا ہے اور موسم کے اعتبار سے یہ طریقہ بہت اہمیت رکھتا ہے سردیوں کے موسم میں ہمارے ہاتھوں اور پاؤں کی جلد یا کھال اترنے لگتی ہے ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ہماری جلد نئے خلیات بناتی ہے اور پرانے خلیات اس اتری ہوئی کھال کی صورت میں جھڑ کر گرنے لگتے ہیں۔ یہ عمل ہماری ساری جلد پر مستقل جاری رہتا ہے مگر بظاہر نظر نہیں آتا یا محسوس نہیں ہوتا ہے چہرے کی جلد پر بھی یہ عمل جاری رہتا ہے اور چہرے سے بھی ان مردہ خلیات کو جلد از جلد صاف کردینا چاہیے اس عمل کو کلینزنگ کہتے ہیں کلینزنگ ایک ایسا بنیادی اصول ہے جس پر ہمارے حسن اور خوب صورتی کے مزید نکھرنے کا دارومدار ہے اسی کے ذریعے اپنی جلد کو دائمی بقا دی جاسکتی ہے اپنا روزانہ کا معمول بنالیں کہ چہرے کی اسکربنگ بھی کی جائے جس کے لیے بیسن، چوکر، (چھنے ہوئے آٹے کی بھوسی) ابٹن یا پھر کوئی کھردرے سوتی کپڑے سے بھی کام لیا جاتا ہے اس طرح مہنگے اسکرب خریدنا نہیں پڑیں گے۔

رات کو سونے سے قبل نیم گرم پانی سے ہاتھ، پاؤں اور چہرہ دھولیں۔ تولیہ سے ہلکے ہلکے تھپتھپا کر صاف کریں۔ یاد رکھیں کہ اپنی جلد کو خصوصاً چہرے کی جلد کو تولیہ یا کسی کپڑے سے رگڑ کر صاف نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بعد کولڈ کریم کا مساج کریں اگر آپ کی جلد خشک ہے تو آپ کی جلد کے لیے کولڈ کریم بہت زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا اپنی جلد کی ساخت کو مدنظر رکھیں اور اسی کی مناسبت سے کولڈ کریم کا انتخاب کریں سرد موسم میں چہرے کی جلد خشک اور کھردری ہوجاتی ہے یہ ایک قدرتی عمل ہے چہرے کی جلد کو نمی سے بھرپور اور نرم رکھنے کے لیے گلیسرین اور لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لگائیں۔ سردیوں کے موسم میں یہ لوشن آپ کے چہرے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں اور پاؤں کی جلد کو بھی نرم کرے گا اور خوب صورت بنائے گا۔

ہاتھوں کی دیکھ بھال

سرد موسم صرف چہرے ہی کو نہیں بلکہ ہاتھوں اور پیروں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اس موسم میں ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کی جلد پھٹ جاتی ہے جس کے باعث ہاتھ اور پاؤں بہت بدنما لگتے ہیں ہاتھوں سے بھی ہماری کھال کے مردہ خلیات چھلکوں کی صورت میں اترنے لگتے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ کسی جھانوے کی مدد سے رگڑ کر یہ چھلکے علیحدہ کیے جائیں۔ جلد کو پرانے اور مردہ خلیات کے مضر اثرات سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں فوری طور پر جلد سے ہٹادیا جائے۔ سردیوں میں ہمارے ہاتھوں کی جلد ذرا زیادہ توجہ چاہتی ہے اس

لیے اگر آپ ایسا کام کررہی ہیں جس میں ہاتھ بار بار گیلے ہوں گے جیسے کپڑے یا برتن دھونا تو آپ ہاتھوں میں پلاسٹک کے دستانے پہن لیں اور اگر دستانے پہن کر کام کرنے میں مشکل ہو یا الجھن محسوس ہو تو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے قبل ہاتھوں میں ایسا لوشن یا کریم لگا لیں جس میں چکنائی کم ہو اور جو اس مقصد کے لیے بنائی گئی ہو، کام کاج ختم کرنے کے بعد ''لینولین'' پر مشتمل کریم سے ہاتھوں پر مساج کریں۔

گھریلو نسخوں میں ہاتھوں پر مکھن لگا کر ہاتھوں کے حسن کو مزید نکھارا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ لیموں کا رس اور عرق گلاب ملا کر لگانے سے ہاتھ ملائم ہوجاتے ہیں۔ رات کو سونے سے قبل ناریل کے تیل میں موم ملا کر ہاتھ پر لگائیں صبح ہاتھ نیم گرم پانی سے دھو ڈالیں چند دنوں میں فرق نظر آنے لگے گا۔ دودھ اور عرق گلاب ملا کر ہاتھوں پر ملیں ایک گھنٹہ بعد دھولیں ہاتھ نرم اور ملائم ہوجائیں گے اور صاف ستھرے بھی ہوجائیں گے موسم سرما میں شہد، گلیسرین اور لیموں کا رس ملا کر ہاتھوں پر لگانے سے بھی ہاتھ صاف ہوجاتے ہیں ہاتھوں کو نرم اور ملائم کرنے کے لیے لیموں کا رس یا سرکہ ملیں۔ عرق لیموں میں عرق کی مقدار کے برابر گلیسرین ملائیں اور اس میں ایک چھوٹا چمچ بورک ایسڈ ڈال کر تینوں کو یکجا کریں اور ایک شیشی میں بھر کر رکھ لیں۔ ہاتھ دھونے کے بعد دن میں تین چار بار اس کا استعمال کریں۔ ہاتھ نرم اور رنگت صاف ہوگی۔ رات سوتے وقت روغن بادام کی مالش کریں۔ اس کے علاوہ مہینے میں ایک مرتبہ مینی کیور کریں۔

پاؤں کی حفاظت

یہ بات تو بے شمار بار کہی جاچکی ہے کہ خواتین اپنے چہرے کے مقابلے میں ہاتھوں اور پیروں کو زیادہ توجہ نہیں دیتی ہیں۔ بہت کم خواتین ایسی ہیں کہ جن کے چہرے کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی خوب صورت اور دلکش ہوتے ہیں آج کل خواتین کی ایک بڑی تعداد ملازمت پیشہ ہے۔ ان خواتین کے پاؤں زیادہ وقت جوتوں میں قید رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی انگلیوں کے درمیان میل اور پسینہ جمع ہوجاتا ہے اگر اس میل کی باقاعدگی سے صفائی نہ کی جائے تو یہ زخم بھی بن سکتا ہے۔ لہٰذا ہر بار جوتے اور سینڈلز پہننے سے قبل اور اتارنے کے بعد پیروں کو اچھی طرح دھو کر خشک کرلیں اور رات کو سوتے وقت ان پر معیاری کریم لگائیں تاکہ نرم و ملائم رہیں۔ ایڑیاں پھٹنے اور پاؤں خشک ہونے سے بچانے کا آسان اور کارآمد حل یہ ہے کہ روزانہ رات کو سونے سے پہلے پیروں پر بکری کا کچا دودھ مل لیں۔ صبح پاؤں اچھی طرح دھو کر کولڈ کریم لگائیں۔ اس کے علاوہ نیم گرم پانی میں نمک اور پیپرمنٹ آئل کے چند قطرے ملائیں اور پیروں کو اس محلول میں پندرہ سے بیس منٹ تک بھگوئیں اس کے بعد پیروں کو پانی سے نکال کر انہیں خشک کرلیں پھر کریم لگا کر پیروں کو ہاتھ سے رگڑیں اس کے بعد مساج کریں۔ اس سے بھی پیر نرم ہوں گے پندرہ دن میں ایک مرتبہ لازمی پیڈی کیور کریں۔ اگر سردیوں میں پیروں کی انگلیاں سوج جاتی ہیں تو دیسی شلجم ابالیں اب اس ابلے ہوئے شلجم کے پانی میں نمک اور سرسوں کا تیل ملا کر آہستگی سے مالش کریں اور کپڑا لپیٹ کر سوجائیں تاکہ ہوا نہ لگے پاؤں کی جلد کو نرم و ملائم کرنے کے لیے انڈے کی سفیدی سے مالش کریں ناریل کے نیم گرم تیل سے پیروں کی ایڑیوں سمیت مالش کریں اس کے بعد نرم تولیے سے صاف کرلیں پاؤں نرم ہوجائیں گے۔ پندرہ دن میں ایک مرتبہ پیڈی کیور کرنا ضروری ہے۔

سیدہ رباب...... کراچی

نیرنگ خیال

ایمن وقار

دسمبر استعارہ ہے

کون کہتا ہے دسمبر استعارہ ہے
دکھوں کا دوریوں کا
محبتوں اور فاصلوں کے بیچ
ڈولتی مجبوریوں کا
کون کہتا ہے دسمبر اک اشارہ ہے
جدائی کا بے وفائی کا
در و دیوار سے چمٹی ہوئی
سرد تنہائی کا
کون کہتا ہے دسمبر میں ستارہ ہے
کہر میں ڈوبی اداس شاموں کا
درخت پر لکھے دو گمنام ناموں کا
دسمبر سے ہی کیوں مشروط ہے یہ نسبتیں ساری
مہینے دن پہر موسم کیا سب اک سے نہیں ہوتے
ابھی پچھلی دسمبر تک یہی سوچ تھی میری
مگر اب کے دسمبر میں جب تم ساتھ نہیں میرے
آنے والی صبحوں میں ملن کا کوئی تارا نہیں ہے
تو مجھ کو یہی محسوس ہوتا ہے
دسمبر استعارہ ہے دکھوں اور دوریوں کا
محبتوں اور ناموں کے بیچ ڈولتی مجبوریوں کا

ام ثمامہ...... جھڈو سندھ

دسمبر

سنو......
یہ سرد ہوائیں
یہ زرد پتے
ویران آنکھیں
کپکپاتے لب
سنو......
سب لوٹ آئے ہیں
تم بھی تو لوٹ آؤ
کہ دسمبر پھر سے آیا ہے

رابعہ اکرم...... فیصل آباد

غزل

چاند تاروں سی حسیں ذات مرے نام کرو
کالی زلفوں کی سیاہ رات میرے نام کرو
تم سے ممکن ہو اگر جاں وفا جیون میں
اک دسمبر کی کوئی رات میرے نام کرو
اپنے آنکھوں میں مچلتے ہوئے دریا سارے
اپنی آنکھوں کی یہ برسات میرے نام کرو
تتلیاں پھول محبت کے گلابی لمحے
اپنی یادوں کی یہ برسات میرے نام کرو
میری غزلیں میری نظمیں تو تیرے نام ہوئیں
اپنے ہونٹوں کے یہ نغمات میرے نام کرو
تم محبت میں اگر کوئی کھیل کھیلو تو
میرے حصے کی مگر مات میرے نام کرو
اپنے جیون کے سبھی درد مجھے دے دو فری
اپنے جذبات کی ہر بات مرے نام کرو

فریدہ فری یوسف زئی...... لاہور

دسمبر......!

کبھی جو ٹوٹ کر برسا دسمبر
لگا اپنا بہت اپنا دسمبر
گزر جاتا ہے سارا سال یوں تو
نہیں کٹتا مگر تنہا دسمبر
بھلا بارش سے کیا سیراب ہوگا
تمہارے وصال کا پیاسا دسمبر
وہ کب بچھڑا نہیں اب یاد لیکن
بس اتنا یاد ہے کہ تھا دسمبر
جمع پونجی بس یہ ہی ہے عمر بھر کی
میری تنہائی اور میرا دسمبر......!

جاذبہ ضیافت عباسی...... دیول مری

نظم

اے میرے دیس کی سوگوار ہواؤں
غمزدہ موسموں بے چین فضاؤں
تیری حسین سرزمین کی
اداس شمیں غمگین شامیں
حالات دہر پر غمزدہ ہیں
تڑپتی زمین غم دہر پہ تڑپ رہی ہے
بلک رہی ہے
فضا میں ہر سو اداسیوں کا پہرہ ہے
ہر فرد یہاں درد دل سے بے بہرہ ہے
سچ کے لبادے میں چھپا جھوٹ
عدالتوں میں بیٹھے نام نہاد انصاف دہندہ کے
جیبوں کو مال و زر سے بھرا جا رہا ہے
"اے میرے دیس کی سوگوار فضاؤں"
تیری ہواؤں کی لہروں میں ہر سو بارود م کی بو محو رقصاں ہے
تیری سرسبز زمین تیرے شہریوں کے بہتے خون سے لال ہو چکی ہے
ہر جانب لاشیں بکھری پڑی ہیں
آہ وفغاں کی صدائیں بلند سے بلند تر ہو کے
خموشی کی دبیز چپ اوڑھے سو چلی ہیں
امیر شہر کو فرصت نہیں
ملکی ایوانوں میں بیٹھے ہوئے سفید پوش بھیڑیے
رفتہ رفتہ اپنے ہی کارواں کے مسافروں کو
لالچ کی ہوس میں کھائے چلے جا رہے ہیں
"اے میرے دیس کی سوگوار فضاؤں"
امن کی خواہش دل میں رکھے
حالات دہر پہ غمزدہ نہ ہو
دعا یقین ہے
دعا سے ملے گا سب
دعا ہے حاصل
رکھ یقین کامل

سامعہ ملک پرویز..... بھیرہ خانپور

نظم

لہلہاتے کھیت اور کھلیان زیر آب ہیں
فاقہ کش مزدور اور دہقان زیر آب ہیں
جو تلاطم سے لڑے وہ جانب منزل گئے
ناتواں کمزور اور نادان زیر آب ہیں
خواب چکنا چور ہیں ہر ایک طالب علم کے
سب کتابیں کاپیاں جزدان زیر آب ہیں
پاسبان قوم کی محفوظ مہنگی کوٹھیاں
ہر غریب شہر کے دالان زیر آب ہیں
چشم راہی نے یہ دیکھا خواب یارو شب ڈھلے
بے ضمیر انسان سب سلطان زیر آب ہیں

براکت راہی..... ڈگری

غزل

زباں آنسوؤں کی وہ جانتا نہ تھا
اور بیاں کا مجھ میں حوصلہ نہ تھا
اس کا میری محبت کی کچھ ایسی طلب نہ تھی
ورنہ ہمارے درمیاں اتنا فاصلہ نہ تھا
احساس ندامت سے وہ پلٹ کر ہی نہ آیا
جس کی جفاؤں پر مجھ کو گلہ نہ تھا
اک انا نے کردیئے دو رستے رفاقت کے
اس کے سوا تو اور کوئی مسئلہ نہ تھا
دل فگار موسم سدا ہی رہے ہمارے ساتھ
خوش بختیوں کا ہماری تقدیر میں سلسلہ نہ تھا

حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤالدین

غزل

بخشا ہے ترے ہجر نے انعام مسلسل
ہوتا ہے تری یاد کا الہام مسلسل
مجھ بے کس و نادار کو ملتا ہے دلاسہ
آتا ہے ترے در سے جو پیغام مسلسل
دنیا کے غموں سے مجھے پیارا ہے ترا غم
آتی ہی نہیں اس پر کبھی شام مسلسل
یہ قریب محبوب ہے پلکوں کو بچھاؤ

لازم ہے کہ ہر اک گام پر اکرام مسلسل
اس دل کی فصیلوں پر تیری یاد کے ظاہر
دن رات مچاتے ہیں یہ کہرام مسلسل
میخانے میں کافر و مومن پہ برابر
ساقی کی نگاہوں سے چلے جام مسلسل
باطل کی نگاہوں میں کھٹکتا ہوں میں فائق
کرتا ہوں فقیروں کا جو اکرام مسلسل

عمران فائق...... اٹک

میں کانچ سی

میں کانچ سی
اور
تم سنگ دل زمانے کے
سوچنا ذرا
یہ ممکن ہے کیا؟
میں تم ہو جاؤں
تم مجھ میں کھو جاؤ
میں کانچ سی
تم سے سنبھلوں گی کیسے؟
چھوڑو تم
رہنے دو
جانے دو
بس اتنا سا سوچنا تم
یہ ممکن ہے کیا؟
ساتھ ہو جائیں
پاس ہو جائیں
میں اور تم
ہم ہو جائیں......؟

صائمہ قریشی...... آکسفورڈ

دسمبر کی بارش

دھیمی دھیمی بوندوں میں
ہلکی ہلکی پھوار میں
دھند میں لپٹی فضا میں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں
تیری یاد کا پنچھی جب
پر پھیلا کے ناچتا ہے
تو دسمبر کی بارش
صبح کی شبنم کی طرح
اس کے پروں پر چمکتی ہے
اور اتنی شفاف لگتی ہے
جیسے کہ تمہاری چاہت
اور اتنی اجلی لگتی ہے
جیسے تمہاری شخصیت
پھر میں مسکرا دیتی ہوں
کیونکہ......
دسمبر کی بارش کی طرح
تیری یاد کا پنچھی بھی
مخصوص موسم میں آتا ہے

ثانیہ مغل...... للیانی، سرگودھا

ربّ کعبہ

اے ربّ کعبہ
آپ کا شکر ہے کہ
آپ نے ان گناہ گار قدموں کو
اپنے در کو چھونے کی اجازت دی
اے دو جہاں کے ربّ
ان قدموں نے تیرے گھر کا طواف کیا تھا
اور......
اب یہ بے تاب و بے چین آنکھیں
ہر پل، ہر گھڑی تیرے گھر کا
طواف کرتی ہیں
اور بین کرتی ہیں کہ
اے ربّ کعبہ
پھر کب......؟
پھر کب اذن دید ملے گا
پھر کب......؟

شگفتہ خان ٹونی...... بھلوال

اداسیاں

چاند کی سرد چاندنی تھی
اور تنہا اداس راتیں
املتاس کے گھنے پیڑ تلے
جہاں کی تھیں عہد وپیاں کی باتیں
ہوگئیں خواب
وہ ساری ملاقاتیں
اب تو زیست میں
اماوس کی رات ٹھہر گئی ہے
حسن کے اندر دور تک
تنہائی کا بسیرا ہے
ہر خوشی دم توڑ گئی ہے
جہاں تک میری نظر گئی ہے
اداسیوں کا پہرا ہے
گھور اندھیرا ہے

فصیحہ آصف خان...... ملتان

تمہیں یاد ہے نا

تمہیں یاد ہے نا
وہ دسمبر کی سرد راتیں
ہم اور تم تھے وہ نرم وملائم سا کمبل
کمرے کی مدھم روشنی
کہیں دور جھینگروں کی آوازیں
کبھی کبھی کتوں کا بھونکنا
اور ایسے میں ڈر کر
میرا تمہارے بازوؤں میں
منہ چھپالینا
دیکھو نا پھر دسمبر آگیا ہے
مگر......
تم ہو نہ وہ کمبل...... نہ کمرے کی مدھم روشنی
میں تنہا اپنے کمرے میں تمہیں اور وہ راتیں یاد کرتی ہوں

مسز نگہت غفار...... کراچی

غزل

کیسے بھلادوں میں وہ گزرے ماہ و سال
وہ بارشوں میں چلنا اور ہواؤں کے سوال
وہ بے بسی سے پھیلی آنکھوں کی التجائیں
یہ ہاتھوں پر بے ربط لکیروں کے جال
وہ بہاروں کے موسم میں یوں ساتھ ساتھ چلنا
اور یہ خزاں کی رت کے روٹھے ہوئے وصال
ان گزرے سالوں میں گر یاد آیا تو یہ آیا
تیری بے رخی کی حدیں اور محبتوں کے جلال

عائشہ تبسم...... چکوال

غزل

ہم کو ٹوٹا ہوا کیا کام ملا
جس طرح آخری سلام ملا
رات پڑھنے کے واسطے ہم کو
غالب و فیض کا کلام ملا
زخم آج پھر ہوگئے تازہ
آج پھر آپ کا پیغام ملا
کوچہ کوچہ بنا مقدر ہے
یہ وفا کا ہمیں انعام ملا
میں نے اس کا بھی احترام کیا
ترا جب جب مجھے غلام ملا
آج بھی رانا کسی نے آنا ہے
آج روشن چراغ بام ملا

قدیر رانا...... راولپنڈی

تم نہیں رہے ہو

آؤ دیکھو کبھی
میرے شہر میں پھر سے
وہی چمک اتری ہے
وہی دھنک اتری ہے
اب کے برسوں سے ویران وادی میں
پھر سے وہی رونق اتری ہے

آ ؤ دیکھو...... پھر سے سب پہلے جیسا ہے
وہی مان ہے وہی عزت ہے
وہی شوخیاں ہیں وہی ہنسی لوٹ آئی ہے
آ ؤ دیکھو پھر سے وہی موسم لوٹا ہے
جو ہم نے ساتھ گزارا تھا
دسمبر کی ٹھٹھرتی شامیں
اور بھیگی جنوری بھی لوٹ آئی ہے
آ ؤ دیکھو کہ اگر پھر سے سب پہلے جیسا ہے
وہی محبتیں ہیں میرے پاس
وہی لوگ ہیں ہر موسم بہار کا ہے
ہوائیں بھی گنگناتی ہیں
فضائیں بھی رقص کرتی ہیں
دیکھو آ کر سب پہلے جیسا ہے
وہی دن لوٹ آئے ہیں
بس تم نہیں رہے ہو
بس تم نہیں لوٹے ہو......

ساریہ چوہدری...... ڈوگہ گجرات

غزل

جب دل میں رہا جشنِ بہاراں نہیں پیارے
پھر دور حاضر کرتا بھی درماں نہیں پیارے
کس کس کے تعاقب میں چلوں بھی تو کہاں تک
پاؤں میں سفر باندھنا آساں نہیں پیارے
اس پیار میں جینا بھی تو مشکل تھا بہت ہی
مرنا بھی تو اس شخص پر آساں نہیں پیارے
گرے تھے بہت دھوپ سے میرے بھی مراسم
سر پہ بھی رہا اب کوئی سائباں نہیں پیارے
ساحل سے بچھڑنے کا وہ انداز عجب تھا
اب ان سے ملاقات کا امکاں نہیں پیارے

خالد ایاز ساحل...... گوجرانوالہ حافظ آباد

غزل

خشوع وخضوع سے خالی بندگی میری
ہائے! کتنی ادھوری سی زندگی میری
اس عشق کے چکر میں دنیا سے بھی گئے ہم
کچھ کام نہ آئی یہ دل لگی میری
تمام عمر کی پونجی اک پل میں گنوادی
کتنی عجیب ہے انا کی ورندگی میری
تمام عمر غفلت میں پڑی رہی میں
اور عذاب ہوگئی اب زندگی میری
اور کتنے روپ بدلے گی یہ زندگی؟
اس پر ہی ہے عقل کی سراسیمگی میری
اب اور کسی کی تو ضرورت نہیں رہی
جب سے ہمسفر ہوئی دل گرفتگی میری
اب کسی صلے کی تمنا نہیں ہم کو غزل
کچھ نہ دے تو نہ سہی فریفتگی میری

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

غزل

دل وحشی کو حیرانی بہت تھی
ہمیں کل تک پریشانی بہت تھی
تمہیں خود ہی گنوا ڈالا ہے ورنہ
تمہیں پانے میں آسانی بہت تھی
ہمارے عشق کے دریا کے اندر
ترے اشکوں کی طغیانی بہت تھی
تمہیں دل میں کہیں رکھا گیا تھا
تری ہر بات بھی مانی بہت تھی
ادھر خوابوں پر جب پہرے لگے تھے
تو ان آنکھوں پر نگرانی بہت تھی
محبت آبلہ پائی تھی لیکن
محبت کی یہ قربانی بہت تھی
تمہارا پیار بھی سچا تھا راشد
مری چاہت میں ارزانی بہت تھی

راشد ترین...... مظفر گڑھ

یاد

میں جب چلا جاؤں گا
تو بہت یاد آؤں گا

بادلوں سے نکلتے آفتاب کی طرح
قسبح کے دلکش سماں کی طرح
کوئل کی دلکش صدا کی طرح
دلوں میں مچلتی وفا کی طرح
محبت کی تاثیر سپنوں کی صورت
چمکتے ہوئے چاند کی چاندنی میں
مچلتے ہوئے شب کے تاروں کی مانند
نظر عکس آنکھوں میں آئے گا میرا
جسے تم کبھی بھی چھو نہ سکو گے
جدائی میں میری سو نہ سکو گے
مگر دور مجھ سے ہو نہ سکو گے
محبت مری یاد آئے گی تم کو
سدا یاد میری ستائے گی تم کو

بلال ایان......اٹک

کبھی لوٹ کر آؤ تو دیکھو

کیسی گزری میری اداس شامیں
بسر ہوئی کیسے اداس راتیں
تیری بن سانس لینا بھی لگتا تھا محال
پھر بھی گزر گئے کئی ماہ و سال
کبھی لوٹ کر آؤ تو دیکھو
شب کے تنہا اداس لمحوں میں
منتشر سانسوں کی ساعتوں میں
تیرا عکس جھلملاتا ہے
یاد مجھ کو بس تو آتا ہے
کبھی لوٹ کر آؤ تو دیکھو

آنسہ شبیر......ڈوگہ گجرات

غزل

اجڑی ہوئی دنیا کو بسایا تو بہت روئے
کل شب طفلِ نو دفنایا تو بہت روئے
کتنے ہمدرد فریبی تھے میرے شہر کے لوگ
اپنے ہی ہاتھوں گھر جلایا تو بہت روئے
تقدیر کے مالک نے آزمایا تو بہت روئے
اپنی حد میں رہتے تو بہت اچھا تھا
تیری خاطر گھر باہر لٹایا تو بہت روئے
بہار رفتہ سے تو اب کہنا نہیں کچھ بھی
دردِ دل خود کو بھی ستایا تو بہت روئے
تازہ کنول کھلتا تو کوئی بات بھی تھی
دیکھی بھالی دلدل نے دھنسایا تو بہت روئے
شب غم یہی احساس دلاتی ہے چندا
ہر شخص نے سرِ بازار رلایا تو بہت روئے

چندا چوہدری......حویلیاں

غزل

خود اپنے ہی زخموں سے چور ہوگئی
محبت جو حد سے بڑھی تو ناسور ہوگئی
بے حد ہے اس کی یہ اجارہ داری
اب سوچ کے پہرے پہ مامور ہوگئی
ناآشنائی اب اچنبھے کی بات ہے
تیرے پاس آتے آتے دور ہوگئی
اس نے ڈالی ہے گرہستی کی بنیاد
میری تو محبت بھی مزدور ہوگئی
بن کے جگنو تیرے آنگن میں چمکی
وہ نیند جو میری آنکھ سے مفرور ہوگئی
کوئی سانحہ ایسا تھا کہ وہ بھولی لڑکی
اپنی چوڑیاں توڑنے پر مجبور ہوگئی
کس ادا سے کہتے ہیں کہ بتاؤ عمیس
کیا غلطی مجھ سے ایسے حضور ہوگئی

عمیس احمد......جھنگ صدر

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! آمنہ غلام نبی (ہری پور) مجھے آپ کی دوستی قبول ہے اور سب آنچل سے وابستہ لوگوں کے لیے بہت سی نیک دعائیں ہیں سب ہمیشہ خوش اور کامیاب رہیں اپنی زندگی میں۔ یہ میں سب کے لیے لکھ رہی ہوں۔ آپ کی دعاؤں کی طلبگار آپ سب کی بہن۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

شاہ گروپ مدیحہ گل اور شیریں گل کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو زونی، جیجی، پارس، ثمرین اور رابی شاہ ارے تم سب اتنی موٹی ہوگئی ہو؟ اف میں تو بھول ہی گئی عید کا گوشت کھا کھا کر اب تم سب بھینسیں ہی بنو گی...... پارس شاہ پلیز ان ظالم نگاہوں سے نہ دیکھو کم از کم میں تو گھائل ہونے سے رہی میں بڑی اسمارٹ لڑکی ہوں زونی اور جیجی کو پکڑو رابی سچ سن کر ان کے سر تو چکرائیں گے بھلا کسی سے سچ برداشت ہوا ہے بھی (ہاہاہا) خدا میرے ملک کو اپنی حصار رحمت میں رکھنا، آمین۔ مدیحہ اکرام مریم نے ایمان کو گھر سے بھگایا بھی تو شرجیل کے گھر میں اس کے لیے کوئی پھولوں کی سیج نہیں تیار کرائی تھی۔ ام مریم کے اس کردار کو پڑھ کر لڑکیاں پر لگانے سے پہلے سو بار سوچیں گی ضرور۔ شیریں آنچل تو شاہ گروپ کا گھر ہے اپنے گھر میں اپنا کوئی خاص نام رکھنا چاہیے نہ آپ بھی شاہ گروپ میں آسکتی ہیں آپ کا خیر مقدم ہوگا سب آنچل اسٹاف کو دعا وسلام۔

لیلیٰ شاہ...... چک سادہ گجرات

آنچل اور اپنوں کے نام

السلام علیکم! طویل عرصے بعد آنچل میں انٹری دی ہے یار، اریبہ شاہ جس کا نام آنچل کی شان بڑھا دیتا ہے ساتھ ساتھ تمام آنچل کی شرارتی بلیوں کی جن میں سرفہرست پری چوہدری، کرن شاہ، عمیمہ رباح بانو، انزہ ایمان، صائمہ سکندر علی سومرو، نازیہ آپی، عشنا آپی اور وہ تمام فرینڈز جو مجھے یاد کرتی ہیں اور میں بھی کرتی ہوں لیکن آنچل کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ آنچل سے منسلک تمام لوگوں کے لیے ڈھیروں دعائیں اور نیک تمنائیں۔ جاناں، سائرہ لنگڑیال، شگفتہ آپی، چندہ، امثال، شمع مسکان، شاہ زندگی، کرن وفا، فرح طاہر، تانی چوہدری، ظل ہما اور بہت سی۔ ہیر شاہ! جانی تیرے شہر بہاولپور آکر بہت مزہ آیا۔ تم سب سے مل کر بہت اچھا لگا۔ چندہ، شگفتہ آپی، ماریہ، فاریہ، بھابی، بابا، امن، ماں، خالدہ اور خالائیں سب بہت اچھے لگے کرن آپی کا پیار اور کیئر ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ آنچل رائٹرز سے التجا ہے کہ گلیمر کی بجائے ماضی کی طرح سادہ اور دیہاتی اسٹوریاں بھی لکھا کریں۔ پری جانی اللہ تمہاری تمام خواہشات پوری فرمائے آمین۔ ثریا شاہ اور مدھو کو بھی سلام، صائمہ یار تم تو بدلتی جارہی ہو۔ تم غائب ہوئی ہو میں نہیں، نازی آپی کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ پیارے پاکستان کے لیے بہت سی دعائیں اور میرے بھائی کی شادی ہورہی ہے سب ان کی نئی خوشیوں بھری زندگی کے لیے دعا کیجیے گا۔ خدا آنچل کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

لاڈو ملک...... دیپال پور

کچھ خاص اور ایک پیارے کے نام

السلام علیکم! عرض کیا ہے رہنے دو پھر کبھی کریں گے بس یار تھوڑا بیمار تھے تھوڑا مصروف تھے۔ ارے ارے شاہ زندگی ہم غریبوں کی آپ کو کیسے یاد آگئی ہے۔ شمع، جیا، ایس انمول، نورین، جاناں آپ سب جلدی سے آؤ، آنچل آپ سب کا منہ دیکھ رہا ہے کہ یہ سب پریاں کب آئیں گی۔ میرے پیارے سے بھیا آفتاب احمد (تابی) جس کی 20 دسمبر کو سالگرہ ہے ان کو اللہ تعالیٰ لمبی زندگی عطا فرمائے جس میں کوئی دکھ نہ ہو بھیا آپ کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ رہے آمین۔ بھیا آپ کرکٹ کی دنیا میں بہت نام کمائیں، آمین ثم آمین۔ نئے سال کی دعا ہے کہ ملک پاکستان ترقی کی منزل طے کرے، آمین۔ 2015 میں ملیں گے۔ اللہ حافظ۔

طیبہ افضل...... چکوال

دل کی رانیوں کے نام

السلام علیکم! ارے ارے مدیحہ سعدیہ کیا ہوگیا ہے یار منہ تو ذرا بند کرلو ورنہ...... ہاہاہا۔ حافظ انعام رشید یار غصے سے نہیں ویسے دل چاہا ہے تمہیں عزت دینے کو اس لیے پورا نام لیا ہے۔ مجھے اپنی ناگن جیسی آنکھوں سے کیوں گھور رہی ہو، پیار سے دیکھو نا ارے ثمرہ تم بھی ادھر ہو، یار تھوڑی موٹی ہوجاؤ، سونیا مجھے بھی یاد کرلیا کرو اور ثمرہ حسین تمہیں کب فرصت ملے گی مجھ سے بات کرنے کی خفصہ تم بہت یاد آتی ہو۔ شیزا، ماریہ مہوش، ثنا اسما، ماورا، مقدس، فروا، مدیحہ اسحاق، اقصیٰ، سمعیہ، اقرا افضل اور کوئل کی سی آواز والی اقصیٰ یوسف یار تم لوگ بہت بہت یاد آرہے ہو اور کنول محسن تم کیوں اپنے ہونٹ لٹکا کر بیٹھ گئی ہو تم بھی یاد آتی ہو تھوڑی سی کیونکہ تم مجھے بھولتی ہی نہیں ہو۔ مدیحہ یار دسمبر آرہا ہے تو تمہیں پتا ہے کہ میں دسمبر میں کتنی بیمار ہوجاتی ہوں۔ تم نے میری عیادت کے لیے لازمی آنا ہے۔ ویسے تو تم نے آنا ہی نہیں ہے، وسلام۔

سائرہ شاہین...... طلونڈی

لولی سسٹر کے نام

8 دسمبر کی ایک ٹھٹھرتی صبح کہ شام یہ مجھے کنفرم نہیں ہے میری پیاری سی کیوٹ سی سسٹر بختاور نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تھی۔ جس کے آنے سے گڑیا، مریم کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی تھی بھائیوں کو ایک کیوٹ سی ننھی پری مل گئی تھی۔ اریشہ، ایمان اور ہانیہ کی فیورٹ خالہ جانی ہے اینی ویز مائی لولی سسٹر ہیپی برتھ ڈے ٹو یو تم جیو ہزاروں سال اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے نصیب اچھے کرے، آمین۔ بختو تمہیں نہیں لگ رہا کہ کچھ جل رہا ہے۔ نہیں سمجھی میں بتاتی ہوں کہ 9 دسمبر کو ہماری گڑیا کا بھی تو برتھ ڈے ہے اور تمہاری اتنی تعریفیں سن کر گڑیا کی طبیعت نہ خراب ہو جائے گڑیا سسٹر آپ کو بھی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، کیک کاٹنا اپنے ہزبینڈ اور اریشہ کے ساتھ تو مجھے ضرور یاد کرنا ان شاء اللہ نیکسٹ ایئر اریشہ کا بھائی بھی کیک کھائے گا آپ کے ساتھ۔ آپ کی سوئٹ سسٹر۔

عظمیٰ بٹ...... سمندری

چاند چہروں کے نام

السلام علیکم! ڈیئر روبین حیدر ویسے تو آپ فرینڈز کے معاملے میں کافی چوزی ہیں پھر بھی آپ سے دوستی کی ریکوئسٹ ہے سوئٹ ہارٹ سنبل ملک، جس طرح آپ نے ایک بے سہارا عورت کو اپنے گھر رکھنے کی بات کی تو سچ میں دل خوشی سے بھر گیا۔ ڈیئر نور سحر اینڈ چندا چوہدری آپ سے بھی دوستی کی ریکوئسٹ ہے سوئٹ شاہ زندگی اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیر ساری خوشیاں عطا فرمائے، آمین، ہائے بلیو مون تجھے بھول تو نہیں گئی۔ مما جان کو سلام دینا اور صوفی صائمہ کو ڈھیر سارا پیار مائی لولی فرینڈز شمع اینڈ امبر سکندر کیا چل رہا ہے آج کل ایمن وفا، نبیلہ نازش، مائی پریٹی ڈول، حورعین، مس یو ویری مچ اچھی دوست ثانیہ مغل کیا چل رہا ہے تیری لائف میں تیری دوست کنزہ مریم کیسی ہے مائی پریٹی فرینڈز نورین، پارس شاہ، جاناں زیست، ابرش، زوبارش، ثمیرا تعبیر، اقصیٰ کنزہ، آپ سب اچھی ہو خوش رہو اور ہاں فرینڈز آئندہ آپ مجھے رشک حنا کے نام سے پڑھیے گا اجازت دیں فی امان اللہ۔

رشک حنا...... سرگودھا

اپنوں کا نام

السلام علیکم! سب سے پہلے شازینہ تمہیں شادی کی بہت بہت مبارک ہو ہمیشہ خوش رہو اور جمیل کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز اچھے طریقے سے کرو اور پیاری باجی شمیم آپ کو بھی شادی کی بہت مبارک ہو خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین، راشد تمہیں قرآن حفظ کرنے پر بہت بہت مبارک ہو، رابعہ ڈیئر پاس ہونے کی خوشی راس نہیں آئی تمہیں جو آپریشن ہی کرا ڈالا۔ بچارے فیصل شکر ہے تم پاس ہوئے مبارک ہو صوبیہ چچل تمہیں ایڈوانس میں برتھ ڈے مبارک ہو، طیبہ نذیر، شاہ زندگی، پرنس افضل شاہین، سارہ چوہدری، نوشین اقبال، اسکول گروپ ثمیرہ زکا، افرا، تم کبھی ہنس وی لیا کرو، فیضی بھی سنجیدہ بھی رہا کرو۔ سرجی شہباز! اسلام علیکم آپ کو بھی۔ شاہین، فرحت کانوں میں گھسر پھسر کم کیا کرو، افرا اپنا غصہ ٹھیک ہے بی ہاہاہا، غصہ نہیں ہوتا اگر ہوتا ہے تو ہو جاؤ مجھے کیا ہاہاہا۔ تمام پڑھنے والوں کو بہت بہت سلام اور دعا میں خدا ہمارے ملک عظیم کو ناگہانی آفات سے پاک رکھے آمین اللہ حافظ۔

مدیحہ نورین ملک...... برنالی

ایف بی گروپ کے نام

السلام علیکم ٹو آل فرینڈز۔ پریشے افق اور انا ایمان سب سے پہلے تو منہ بند کرو تم دونوں شاباش، آنچل کے توسط سے میں اپنی شکایتوں کی پٹاری لے کر آئی ہوں۔ سمیرا شریف طور آپی میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ سے میری دوستی ہوگی، پر جب بھی آپ کوئی پوسٹ لگاتی ہیں تو خود غائب ہو جاتی ہیں۔ خاص طور پر جب میں کمنٹس دیتی ہوں ویری ناٹ فیئر، مجھے تو لگتا ہے کہ آپ پر فینی خان، وشمہ چوہدری، میرب عباسی اور نیلم انجم کا قبضہ ہے میں نے آپ سے ایک ریکوئسٹ بھی کی تھی (تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو) میری پیاری اور بہت ہی اچھی دوست مسکان خان اللہ تمہاری ساری پریشانیاں اور بیماریاں دور کرے آمین۔ افق فاطمہ تم تو ہو ہی جادوگرنی (ہاہاہا) پریشے یار اپنی انا بدلی بدلی سی لگتی ہے اب، ہے نا اور تم دونوں نے تو مجھے حاضر دماغ کرنے کا ٹاسک لیا تھا اب بھول گئی ہو کیا اور شانا ناز میں بہت جلد آپ کو اپنے آنچل میں دیکھنا چاہتی ہوں، اللہ پاک تمہارے بابا جان کو تندرستی والی لمبی عمر عطا فرمائے آمین۔ سپاس گل آپ تو ہیں ہی بہت اچھی، جب بھی میسج کرو ضرور جواب ملتا ہے ڈھیروں دعائیں بھی ملتی ہیں۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، آمین۔ دیا، اے معید، عروہ شاہ، رخ نذیر، تہنی آپو اینڈ لولی ہانیہ حیدر کو سلام۔

دیا مہر...... گوجرانوالہ

سوئٹ گروپ اور اپنوں کے نام

ہائے فرینڈز اینڈ آنچل کی حسیناؤں اور پریوں کیسی ہو؟ ہم نے پہلا گھر فروخت کر دیا ہے ماشاء اللہ سے نیا گھر تیار ہو گیا ہے۔ نٹ کھٹ ربیعہ اور گریٹ ملیحہ، کیف تم دونوں کو سلام دے رہی ہے۔ محمد حاشر، محمد علی 22 منحا گل 21 آنٹی سعدیہ خالد، اقصیٰ نور جانو، کرن 28، فائقہ ابرش، انا ہتا سیف 4، منتشاہ ضحیٰ 6، ارسہ ضیغم 7 آپ سب کو سالگرہ مبارک ہو کیک میں بھابی عالیہ سے کھالوں گی، طیبہ نذیر، حیا آپی، ثوبیہ کوثر جی آپ سب بھی

ٹھیک ہو طیبہ اور جیا آپی مجھے آپ دونوں کی شاعری پسند آتی ہے میں آپ تینوں سے موبائل پر رابطہ کرنا چاہتی ہوں، شمع مسکان آپ اتنی اداس کیوں رہتی ہو؟ امی جی، ابو جی، عادل بھائی، عالیہ بھابی، شمائلہ آپی، ناصر بھائی، کیوٹ کیفہ، سہیل مائی سویٹ کیوٹ اینڈ ناٹی برادر، اقراء، اقصیٰ نور، محمد صائم جانو پھول فاطمہ آئی لو یو سو مچ، بحری اکیڈمی میں ایڈمیشن ہو گیا ہے مبارک ہو بی ایس سی میں اچھے نمبرز لینا باربی ڈول تمام آنچل کی پریوں کو بہت بہت سلام، اللہ حافظ۔

فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال، گجرات

نادیہ فاطمہ اور دیگر کلیوں کے نام

السلام علیکم! نادیہ فاطمہ رضوی، 7 نومبر کو آپ کی سالگرہ ہے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہزاروں سال ہنستی مسکراتی رہو، پروین افضل شاہین آپ کے ابو کا لیٹ پتا چلا بہت دکھ ہوا، اللہ آپ کو صبر دے، آمین۔ سمیرا آپی کاش میں آپ کو بتا سکتی آپ میرے لیے کتنی امپورٹینس رکھتی ہیں خوش رہا کرو کیوٹ سی نازی آپی آئی لائک یو، ام مریم اینڈ اقرا اصغر احمد مسکراتی رہو، عشنا کوثر، اقرا اصغر پلیز واپس آجاؤ ہمارے لیے کوئی ناول لے کر۔ شمع مسکان، شاہ زندگی، اریبہ شاہ، تسی گریٹ او، دوست بناؤ گی پچی والی؟ حمیرا عروش، سامعہ ملک، عائشہ پرویز، طیبہ نذیر، خضا، ایس بتول، حافظہ زائمہ ریحانہ، صائمہ سکندر، امبر گل، لیلیٰ شاہ، حرا قریشی، آپ سب کیسی ہو؟ انا احب آپ کا نام بہت پیارا ہے مطلب کیا ہے؟ اقصیٰ وشنیاں زرگر ہمیں بھی آپ کی مما کا بہت دکھ ہے ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو، شمع مسکان اینڈ شاہ زندگی پلیز ہمارا آنچل میں اپنا تعارف کراؤ۔ پارش شاہ، دلکش لو یو ڈیئر، فائزہ بھٹی، ندا چوہدری، کرن وفا، سندس جبیں، آپ کیسی ہو؟ آورش آپ کا نام کیوٹ ہے مطلب ضرور بتانا۔ نادیہ عباس، سامعہ ملک، انٹری دیتی رہا کرو۔ ایس کو ہر نومبر میں سالگرہ مبارک ہو آپ بے شک چودہ سال کی ہو پھر بھی مجھ سے دوستی کرو گی؟ کشمالہ اقبال 18 اکتوبر کو آپ کی برتھ ڈے تھی بہت بہت مبارک ہو۔ سامعہ ملک شکریہ یادگار لمحوں میں میرا انتخاب پسند کیا، سمیرا آپی اینڈ شاہ زندگی میں ڈائریکٹلی آپ سے کونٹیکٹ کرنا چاہتی ہوں پلیز؟ اللہ حافظ۔

ملالہ اسلم...... خانیوال

میم سمعیہ ضیاء کے نام

السلام علیکم! جی جناب آج ہم جس مقصد عظیم کی خاطر آنچل کی اس پروقار محفل میں آئے ہیں وہ ہے میری سویٹ سی میم سمعیہ ضیا جنہیں کالج کی گڑیا کہنا زیادہ مناسب ہوگا (بھئی وہ اسمارٹ ہی اتنی ہیں) میم سمعیہ آپ نے کالج چھوڑ دیا جان کر بہت دکھ ہوا۔ مگر پھر بھی ایک خوشی ہے کہ آپ اب اپنے گھر میں بہن بھائیوں کے درمیان رہیں گی (بھئی پہلے ہاسٹل میں رہتی تھے نا) میم آپ کے جانے کے بعد کالج بہت ویران ہو گیا ہے ہمیں بالکل بھی مزہ نہیں آتا۔ میم آپ ریڈ کلر پہنا کریں کیونکہ یہ کلر آپ پر بہت سوٹ کرتا ہے۔ فن فیئر پر جب آپ نے ریڈ کلر کی فراک پہنی تھی آپ بہت خوب صورت لگ رہی تھیں یقین مانیے میں نے ریڈ کلر اتنا کسی پر جچتے نہیں دیکھا جتنا آپ پر جچتا ہے اور ہاں آپ کی سسٹر کی 3 نومبر کو سالگرہ تھی میری طرف سے عائشہ کو بہت بہت مبارک ہو اللہ آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے آپ کی زندگی میں جو چند خوبصورتیوں کا اضافہ ہوا ہے خدا ان میں اور اضافہ کرے آمین۔ ماضی کا ورق پلٹتے ہوئے ہمیں ضرور یاد رکھیے گا۔ کیونکہ ہم آپ کے ماضی کا خوب صورت حصہ ہیں اس کے علاوہ عاصمہ نسیم، مصباح، رمشہ، ارمیہ، اقرا، عارفہ، رومان کیا حال ہیں شاہ زندگی سار یہ حمیرا عروش، انیس تم لوگ کیسی ہو امن فاطمہ، عاصمہ عاشق، دل آویز میری پیاری کزنوں آپ کو سالگرہ مبارک ہو (ہاہاہا) دعاؤں میں یاد رکھیے گا خدا حافظ۔

عنزہ یونس چدھڑ...... حافظ آباد

سکس ایڈ سکس کے نام

السلام علیکم! میری کالج فیلوز عاصمہ، مصباح، عنزہ، اقرا، سدرہ اینڈ سویٹ رمشہ تم لوگ کیسی ہو؟ مجھے یقین ہے کہ تم سب فٹ فاٹ ہو گی اور پورے ذوق وشوق کے ساتھ اپنے ٹیچرز کو تنگ کرتی ہوں گی (مابدولت سمیت) شیطانوں کی سردار ہو اپنی اوٹ پٹانگ حرکتیں کم کردو ورنہ...... (میں بھی کروں گی ہاہاہا) اور ہاں مصباح اور سوری مشو تمہارے بین ثمین کا کیا حال ہے؟ اور ہاں سدرہ تم نے تنہائی کو مات دے کر ہنسا بولنا شروع کر دیا اچھا لگا ویلڈن...... عاصمہ جی ہمارے شیدے بتول کا کیا حال ہے اور تمہارے ان کا (شرماؤ مت) کیوں جی رمشہ ڈیئر تم انار کلی کب بن رہی ہو، بتانا ضرور۔ عنزہ جی جلدی جلدی طبیعت ٹھیک کرلو، کیونکہ تمہیں رائٹر بننا ہے (ہے نا؟) اقرا جی ٹیچرز کے سحر سے نکل کر پڑھائی شروع کردو ہر وقت میم حنا کی باتیں ہی کرتی رہتی ہو (مذاق) سب ریگولر کالج آیا کرو (اتوار کے علاوہ) سکس ایڈ سکس اپنی شیطانی حرکتوں سے باز آجاؤ کیونکہ میں...... (تنگ آ گئی ہوں) سوری جی اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

سکس ایڈ سکس گروپ...... جلالپور بھٹیاں

سویٹ ٹیچرز کے نام

السلام علیکم میم کیا حال ہے مزاج کیسے ہیں؟ بدلے ہیں یا ویسے ہی ہیں ویسے میم بدل جانے کا خیال بھی دل میں مت لائیے گا کیونکہ آپ کے بدل جانے سے ہم بکھر جائیں گے۔ ویسے میم نیا کالج کیسا لگا دل لگ گیا وہاں میم حنا اور ہم سب یاد تو آتے ہوں گے نئے اسٹوڈنٹس کیسے ہیں؟ ضرور بتائیے گا ویسے

میم بتا ہے آپ کے چلے جانے کے بعد کالج بہت بدل گیا ہے جب فرسٹ ایئر کو فول بنانا تھا تو کسی نے بھی ہمارا ساتھ نہیں دیا حالانکہ سیکنڈ ایئر نے ہمیں بھی فول بنایا تھا اور ٹیچرز نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا اور ان کا ساتھ دیا تھا بس اس دن آپ کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی فرسٹ ایئر بھی ہماری عزت نہیں کرتی حالانکہ ہم سینئر ہیں اب تو...... اور میم حنا سے کتنی محبت ہے تو شاید آپ...... (ساری زندگی اس محبت کو ناپتے ہی رہیں) اگر محبت ناپنے کا کوئی پیمانہ ہوتا تو شاید اس پر وہ درجہ مسنگ ہوتا جس حد تک مجھے آپ سے اور میم حنا عظمت سے محبت ہے اللہ کرے ہمارے ہوتے میم حنا یہاں ہی رہیں، آمین۔ بہرحال آخر میں سارے آنچل ریڈرز، رائٹرز مل کر میری جان سے پیاری میم حنا کو اینیورسری وش کریں۔ ہیپی ویڈنگ اینیورسری میم حنا وقاص احمد۔ میم حنا خدا سے دعا ہے کہ خدا آپ کو ہر خوشی سے اور اولادِ صالحہ عطا فرمائے آمین۔ میم سمعیہ اور میم حنا اپنی دعاؤں میں ہمیشہ مجھے یاد رکھیے گا اللہ حافظ عاصمہ، عمائمہ نور سب کو سالگرہ مبارک ہو۔

اقرا لیاقت چدھڑ...... حافظ آباد

کچھ اپنوں کے نام

کچھ اپنوں سے کہوں گی کہ بدگمانی رشتوں میں دراڑیں ڈالتی ہے لہٰذا بدگمانی سے بچیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کروں گی جنہوں نے مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دیا۔ اسپیشلی ان کزنز کا جو اس وقت ہمارا سہارا بنے جب ہم حقیقتاً بے سہارا تھے کچھ رشتوں کے چہروں سے نقاب اٹھے تو کچھ رشتے محبت و خلوص کے بھی ملے۔ میرے بڑے ماموں محمد رفیق شہزاد ساغر اور چھوٹے ماموں کرامت علی شاکر کے لیے میرے پاس نہ تو شکریہ کے الفاظ ہیں بس دعا ہے کہ اللہ ان کی زندگیوں کو خوشیوں سے بھر دے میرے ماموں ہمیشہ شاد و آباد رہیں، آمین اور چاچو لوگ اور پاپا جی آپ سے یہ کہوں گی زندگی جیسی بھی تھی اس قدر تلخ پہلے کبھی نہ تھی ہماری امی کی ڈیتھ کے بعد آپ کے دلوں پر کچھ تو اثر ہونا چاہیے تھا میرا دل آپ سے ہمیشہ ناراض رہے گا ہاں مگر اتنا ضرور کہوں گی پاپا آئی مس یو۔ میں اپنی فرینڈز کو بہت مس کرتی ہوں جو مجھے پری کہتی تھی ان سے اتنا کہوں گی تمہاری پری خوش نہیں ہے اور میری کزن اینڈ بیسٹ فرینڈ موزل رحمان دعا کرنا ہماری دوستی ہمیشہ مثالی رہے۔ میں نے ہمیشہ اپنی کزنز کو فرینڈز سمجھا اپنی سسٹر ریما کو فرینڈ سمجھا بدلے میں سب سے جو چاہا وہ خلوص ہی ہے میری کزنز اینڈ فرینڈ سلمیٰ نایاب اور شگفتہ تبسم ہمیشہ خوش رہیں میری کلاس فیلوز فرینڈ زینیہ آصف، فائزہ ظفر، عتیقہ، اقرا، سحرش، مہتاب، جویریہ (زندہ دل) مصافیہ، سمیعہ، صبا اور دو کلاس فیلوز فرینڈز ارم اور سارہ سب کو سلام اور میرے سخت رویے پر معذرت جانے سے پہلے

سب سے کہوں گی خلوص سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

ارم غزل جنت...... منڈی بہاؤالدین

لولی گرلز کے نام

انیس، انجم، ثوبیہ، نواز اعوان کیسی ہو آپ لوگ، اقرا آفرین فائزہ بلال آپ کی کمی بہت محسوس ہو رہی ہے۔ آپ بھی جلدی سے آ جاؤ میری بہت ہی پیاری فرینڈ اجالا ارسل کو بھی میرا ہیلو ہائے شہناز اقبال، شازیہ اقبال ہم آپ کے چھوٹے موٹے دوست ہی نہیں بڑے اسٹینڈرڈ کے لوگ ہیں ہاہاہا۔ فریحہ شبیر شاہ نکدر کیا آپ شائلہ مصطفیٰ کو جانتی ہیں؟ وہ بھی شاہ نکدر سے ہیں اور آپ کی بچپن کی دوست غالباً نور سحر ایبٹ آباد کافی سیڈ ہوگی، پلوشہ گل آپ کے پاپا کی ڈیتھ کے بارے میں پڑھ کر دکھ ہوا۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے آمین۔ پروین افضل شاہین، کائنات عابد، نادیہ یوسف کو اور باقی آنچل کی بہنوں کو میرا بہت سارا سلام۔

شزا بلوچ...... جھنگ

نازیہ کنول نازی اور اپنوں کے نام

سب سے پہلے نازو جی اسلام علیکم اللہ سے دعا ہے کہ آپ خیریت سے ہوں میں جب جب آپ کو پڑھتی ہوں ایسے لگتا ہے کہ آپ میں میرے احساسات بولتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا اور آپ کا ذہن کیسے اتنے ملتے جلتے ہیں آپی آپ بہت اچھا لکھتی ہیں آپ جب لکھتی ہیں میں چونک جاتی ہوں یا اللہ ایسا بھی ہوتا ہے نازو جی میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں آئی لائک یو سو مچ پلیز کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی جواب ضرور دینا۔ مصباح، باجی سعدیہ، سیرت، فوزیہ، عذرا اور میرے پیارے بھانجے حنظلہ کو ڈھیر سا پیار اور سلام۔

عاصمہ عنبرین عنبر...... تلہ گنگ

آنچل فرینڈز 80 سوئٹ کزنز کے نام

میری طرف سے بدلتے موسم کا خوشگوار سا سلام قبول ہو، شاہ زندگی، ماہ رخ سیال، سدرہ، طیبہ افضل، (جو مجھے بھول گئی) طیبہ نذیر، نورین شفیع (شادی کی بہت بہت مبارک) امبر گل، حیا عباس، فریحہ شبیر، قراۃ العین، صائمہ، ثمرین، آنسہ شبیر، کنول رباب، نادیہ یاسین، فاخرہ ایمان، ایس انمول، کائنات عابد، (یار کوئی میسج لکھیں میرے نام خاموشی کیوں......؟) مسکان (قصور) کیسی ہیں آپ سب؟ مہر گل، دعا گل آپ کا ایڈریس نہیں ہے ورنہ عیدی ضرور بھیجتی میں آپ کے لیے۔ منزہ حیدر، عائشہ خان، اینڈ پلوشہ گل میرا خود بہت دل کرتا ہے آپ سے رابطہ قائم کرنے کو مگر میں پرسنل سیل نہیں رکھتی خط کے ذریعے آدھی ملاقات رہے گی۔ پارس شاہ جو دل کہے کہو، شمع کھو پیلی کی طرح شمو کہو یا مسکان مجھے آپ کی طرف سے ادا کیا ہر لفظ اچھا

گے گا۔ نورین شاہد یار آپ کی افسانے کی خواہش جلد پوری کروں گی ان شاء اللہ۔ صبا کے ایس یار انٹری دو۔ شاہد شاہ میری طرف سے انگیجمنٹ بہت بہت مبارک ہو، اوئے عامر جاوید تمہارے مزاج کیوں ہائی ہورہے ہیں تمہاری ایک عادت پر بہت غصہ آتا ہے کہ تم ہر بات بھولتے ہو۔

شمع مسکان...... جام پور

نازیہ کنول نازی کے نام

السلام علیکم! نازیہ کنول نازی آپ بہت اچھا لکھتی ہیں برف کے آنسو اپنے اختتام کو پہنچا آپ کے اگلے ناول کی منتظر ہوں بہر حال مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے کہ جب ایک لڑکی کا نکاح ہوتا ہے تو اس کے ولی کا اس کے پاس موجود ہونا لازمی ہے لڑکی کے ولی کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہوتا لیکن آپ کے ناول میں زائر ملک ثانیہ سے جا کر نکاح کر لیتا ہے جبکہ ثانیہ کا کوئی ولی موجود نہیں تھا کیا ایسے نکاح ہو جاتا ہے پلیز جواب ضرور دیجیے گا ویسے مجھے آپ کے تمام ناولز میں سے جھیل، کنارہ، کنکر بہت پسند آیا خصوصاً حور عین کا کردار پڑھ کر دکھ ہوا تھا نازیہ آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ آپ کو کشمیر کی بیٹیوں پر کوئی کہانی لکھنی چاہیے۔

اقراء منظور...... عارفوالہ

پاکستان کی کھلتی ہوئی کلیوں کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! سباس گل، شاہ زندگی، ایمن وفا، فاخرہ گل، کنول رباب، سار یہ چوہدری، نادیہ حسین، پروین افضل شاہین، انیس انجم، صبا نواز، پری وش گوندل، مدیحہ شبیر، طیبہ نذیر، حفصہ بتول، یاسمین عندلیب، دلکش مریم، ام مریم، شمائلہ کاشف، اقراء صغیر احمد، سمیرا شریف طور، نزہت جبیں ضیاء، نبیلہ ابرار راجہ، نادیہ فاطمہ رضوی، سمیرا غزل صدیقی، جویریہ سالک، شہلا عامر، حنا احمد، ایمان وقار، ہما احمد، روبین احمد، طلعت آغاز، خدیجہ احمد، نازیہ کنول نازل اور میمونہ رومان آپ سب کیسی ہیں۔ میں ٹھیک ہوں آپ سب کو بہت مس کررہی تھی۔ نازیہ کنول نازی جی آپ کا نام مجھے بے حد پسند ہے اور آپ بھی بہت دل کرتا ہے آپ سے بات کرنے کو مگر...... چلو چھوڑیں یہ بتائیں کہ کیا میں آپ کا نمبر لے سکتی ہوں؟ سمیرا جی مجھے آپ کا ناول ٹوٹا ہوا تارہ بہت پسند ہے اور اقراء صغیر جی بھیگی پلکوں پر بہت اچھا تھا۔ ام مریم جی مجھے ہے حکم اذاں بہت اچھا جا رہا ہے سباس گل جی آپ کا اعتبار عشق بہت پسند آیا شمائلہ کاشف کے کھٹے میٹھے جوابات بہت مزہ دیتے ہیں۔ شگفتہ شفیق، رابعہ علی، ماہم مرزا، اسماء عارف، نگینہ علی اور ثمینہ حسن میں تم سب کو بہت یاد کررہی ہوں پلیز میرے پاس آجاؤ آئی مس یو سو مچ۔ اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ۔

تسلیم شہزادی...... کمالیہ (اسلام پورہ)

شاہ زندگی اور ایس بتول شاہ کے نام

السلام علیکم! دوستوں کیسی ہو، شاہ زندگی مجھے یاد رکھنے کا شکریہ اور بتول شاہ تم میری بیسٹ فرینڈ ٹھیک ہے نا سناؤ کیا کرتی ہو آج کل۔ ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا اور سالگرہ مبارک اور مریم ڈیئر میں تم سے ناراض تو ہو نہیں سکتی۔ اس کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔ صوفیہ جی اور نوشی جی آپ بھی ہمیں جواب دے دیں۔

خنساء عبدالمالک...... گوجر خان

نازیہ آپی سمیرا آپی اور کرسٹل گرلز کے نام

نازیہ آپی سمیرا آپی اور سب دوستوں کو السلام علیکم! نازیہ اور سمیرا آپی آپ دونوں بہت پیارا لکھتی ہو نازیہ آپی آپ کی گہری اداسی اور درد سے مجھے بے انتہا عشق ہے۔ سمیرا آپی آپ کی تو سادگی اور محبت بے مثال ہے۔ میری آپ دونوں سے ریکوئسٹ ہے کہ پلیز آپ دونوں اپنی نظر ضرور اتارا کریں مسکان جاوید ایمان فاطمہ میری کرسٹل گرلز کیسی ہو آپ دونوں میں بہت یاد کرتی ہوں آپ دونوں کو شمع مسکان اینڈ عائشہ خان آپ دونوں نے مجھے یاد کیا اور میرا دل گلاب کے پھول کی طرح کھل گیا بہت اچھا لکھتی ہو آپ دونوں کا نمبر مل سکتا ہے، جواب ضرور دینا حافظہ سمیرا کرن ملک کہاں ہو آپ دونوں جھنگ میں آپ دونوں کو بہت مس کررہی ہوں۔ شمع ناز کنیل آپ کہاں ہو آمنہ امداد آپ کیسی ہو اور میں سرگودھا میں بلاک نمبر 14 میں رہتی ہوں خنساء عباس ثوبیہ نذیر اور نورین آپ سب کا بہت شکریہ۔

سمیر تعبیر...... سرگودھا

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! غزالہ راؤ فصیحہ آصف اور فری آپی کو کتابوں کی اشاعت کی مبارک باد۔ فضہ رائے کیسی ہو کیا ہو رہا ہے آج کل گھر والے کیسے ہیں جاناں میں تمہیں یاد ہوں اتنا کافی ہے میرے لیے، صنم ناز ایمان بٹ مجھے شادی کی مبارک باد دینے کا شکریہ۔ ساریہ چوہدری کدھر ہو اور کیسی ہو نورین شاہد یاد کرنے کا شکریہ۔ شازیہ فاروق، اریبہ شاہ، پروین افضل، نوشی، امبر گل، سباس گل، آپ سب کیسی ہیں نوشی اور امبر گل میں نے اپنا نمبر بھی دیا تم دونوں کو مگر تم لوگوں نے رابطہ نہیں کیا نہ ہی نرجس رانی نے۔ ثوبیہ مرزا ڈیئر سسٹر کیسی ہو۔ شہنیل یونس یار تمہاری کوئی خیر خبر نہیں ہے ٹھیک تو ہو نا۔ شگفتہ خان ثوبی عمرے کی بہت بہت مبارک ہو، سنیاں زرگر آپ کی والدہ کی وفات کا بے حد افسوس ہوا اللہ ان کو جنت میں جگہ دے آمین۔ حمیرا نگاہ بیٹی کیسی ہے تمہاری، صنم ناز تمہارا اسٹوڈیو اور پارلر کیسا چل رہا ہے۔ آپ سب مجھے یاد ہیں بس کچھ ماہ حاضری نہیں دے سکی آنچل میں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

بشریٰ باجوہ......اوکاڑہ

ہر لفظ ابو جان اور بھائیوں کے نام

میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میرے پیارے ابو اس بھری دنیا میں ان سرد ہواؤں کے سپرد کرکے شہر خموشاں میں بسیرا کرلیں گے۔ آنچل ریڈرز اینڈ رائٹرز پلیز دعا کریں کہ ان کی آخری خوابگاہ ہمیشہ نور سے منور رہے وہاں سدا بہار رہے، خدا پاک میرے ابو جان کی مغفرت فرمائے آمین۔ بیمار تو بہت پہلے سے تھے لیکن تھے تو ہم سب کے درمیان ہمیں دنیا کے سرد و گرم سے بچانے کے لیے ہمارے سروں پر سائباں کی طرح 26 اگست منگل کے دن دوپہر ساڑھے تین بجے میرے ہی ہاتھوں میں دم دے دیا۔ اس وقت میں اتنی مجبور اور بے بس تھی کہ کچھ نہ کرسکی۔ بس دیکھتی رہی موت آئی اور اچک کرلے گئی۔ جو ہمیں کبھی روتا نہیں دیکھ سکتے تھے روتا بلکتا چھوڑ کر چلے گئے۔ میرے پیارے ابو، آہ، کدھر سے لاؤں فرینڈز دعا کریں کہ میری ماں ہمیشہ پر سکون رہے انہیں کبھی کچھ نہ ہو۔ ہمارے پاس صرف ماں ہے اور ہاں میرے بھائیوں یوسف، آصف اور احمد پلیز صبر اور حوصلے کے ساتھ رہنا کیونکہ اب تم تینوں نے ہی امی سمیعہ، آصفہ اور رمشا کو سنبھالنا ہے خدا پاک تمہیں ہمیشہ کامیابیاں دے اور کوئی دکھ تمہیں کبھی چھو کر بھی نہ گزرے۔ میرے پیارے ابو، فی امان اللہ خدا پاک آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔

ماریہ کاشف......دریا خان

دل میں رہنے والوں کے نام

السلام علیکم! پیاری آپی یکم دسمبر کو آپ کی برتھ ڈے ہے تو میری طرف سے آپ کو بہت بہت مبارک ہو، کیسا لگا میرا وش کرنے کا نیا انداز، ہیلو آپی کی جان میری کیوٹ اینڈ سوئٹ پیاری بھانجی مانو آپ کی برتھ ڈے 29 دسمبر کو ہے تو آپ کو برتھ ڈے مبارک ہو، آپ ایسے چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے آپی کو مت گھورو میری جان نکل جائے گی آپ کے یوں دیکھنے سے...... آپ کیوں منہ پھلا رہے ہیں۔ ہم آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کی بھی 30 کو برتھ ڈے ہے مائی ڈیئر فیانسی پپی برتھ ڈے ٹو یو آپ بے شک بھول جائیں مگر ہم نہیں۔

نوشین مشتاق......جوئیہ

آنچل فرینڈز اینڈ کمپیوٹر کلاس کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے آنچل فرینڈز شکریہ شمع مسکان اور طیبہ نذیر اور فریحہ کا بھی ویسے آپ نے نام تو نہیں لکھا تھا لیکن میں سمجھ گئی، ہاہاہا۔ (ارے بھئی سمجھدار جو ہوں) اور شمع دوستی کس چیز سے ملی کی تھی یہ تو بتاؤ طیبہ میرے وش کرنے سے آپکو خوشی ہوئی آپ کو خوش دیکھ کر مجھے ڈبل خوشی ہوئی۔ جی کمپیوٹر کلاس

امید ہے سب اپنے خرچے پر خوش ہوں گے، ہاہاہا۔ اسما، شمائلہ، اقصیٰ، انیلہ، صائمہ، ساجدہ، کرن، جو جو ہے، زوبینہ سب ٹھیک ہو نیلم اور نازیہ یار تھوڑا کھایا کرو لگتا تو ہے نہیں اُمبرین دماغ کو کھول کر رکھا کرو پھر لیا کرو امبرین کبھی منہ بند بھی رکھا کرو ہر وقت کھی کھی۔ شازیہ کبھی اپنے پیسوں سے بھی لے کر پڑھ لیا کرو ہاہاہا۔ (جسٹ جوق) اوہ یاد آیا صبا 7 دسمبر کو آپ کی برتھ ڈے ہے خدا سے دعا ہے کہ وہ آپ کو ہر جائز مقصد میں کامیاب کرے آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھنا آپ کی اپنی۔

کرن ملک......جتوئی

آنچل کی پریوں اور اپنوں کے نام

میری تمام سوئٹ اور کیوٹ دوستوں کو میرا ڈھیروں سلام روبی علی، خنسا عباس، شاہ زندگی، سنیاں زرگر، نورین شاہد، ایس بتول شاہ، اقصیٰ زرگر آپ سب کیسی ہیں۔ ہادیہ عبید آپ لوگوں کی دعاؤں سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ شکر ہے اللہ کا آپ سب سناؤ کیسی جارہی ہے زندگی۔ روبی علی آپ کا بے تاب انداز بہت دل کو اچھا لگا۔ آپ پیغام کبوتر کے ہاتھوں نہ بھیجنا اگر آپ چاہو ہم ڈائریکٹ بھی رابطہ کرسکتے ہیں خنسا اور شاہ زندگی میں آپ لوگوں سے ڈائریکٹ رابطہ کرنا چاہتی ہوں پلیز جواب ضرور دینا خنسا عبید اور ہادیہ اپنی ماسو کی دعائیں پاکر بہت خوش ہوئے ہیں۔ سنیاں زرگر ڈیئر میں بھی اس تکلیف سے گزر چکی ہوں۔ آپ کے خلوص کا بہت شکریہ آپ مجھے ان شاء اللہ ہمیشہ اپنے ساتھ پائیں گی ہر چند کے ہم خلوص کا دعویٰ نہیں کرتے، دوستو آپ سب بہنوں کی دعا ہے ہم نے چھوٹی سسٹر کی شادی کردی ہے دعا کریں کہ وہ سدا سکھی رہے اور میں نے جاب بھی شروع کردی ہے 20 اکتوبر کو عبید تمہاری سالگرہ تھی نا میری جان عبیدی اللہ تمہاری عمر دراز کرے اور تم دونوں بہن بھائی کو نیک بنائے آمین۔ ہادی اور تم دونوں میرے گھر کی ہماری زندگی کی رونقیں ہو اللہ یونہی تم لوگوں کو سلامت رکھے تم لوگوں کو دیکھ کر ہی میں جیتی ہوں، اللہ تم لوگوں کو زندگی کے ہر مقام پر ڈھیروں کامیابیاں اور آسانیاں عطا فرمائے، آمین 15 اکتوبر کو تمہاری سالگرہ تھی ہم سب اور اسپیشلی عبید کی طرف سے ڈھیروں مبارکاں۔ 13 اکتوبر کو نمیرا تمہاری شادی تھی سوری یار میں حنا کی شادی کی وجہ سے شرکت نہیں کرسکی معذرت خواہ ہوں۔ آپ کی دعاؤں کی طلبگار۔

نگینہ عمران......چیچہ وطنی

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

سبز گنبد

سبز گنبد جو دیکھو گے زمانہ بھول جاؤ گے
کبھی جو طیبہ جاؤ گے تو آنا بھول جاؤ گے
تمہارے سامنے ہوگا کبھی جب گنبد خضراء
نظر جم جائے گی اس پر ہٹانا بھول جاؤ گے
نہ اتراؤ زیادہ حسن پر اے چاند تاروں تم
رخ انور کے آگے جگمگانا بھول جاؤ گے
نبی ﷺ کے در کی سوکھی روٹیوں میں ایسی لذت ہے
شہنشاہوں کے در کا آب و دانہ بھول جاؤ گے

علمہ اشمشاد حسین...... کورنگی کراچی

تدبیر

کوئی طریقہ، کوئی سلیقہ
کوئی تدبیر بتلاؤ مجھ کو
وہ میرا رہے سدا
فقط میرا......

سامعہ ملک پرویز...... بھیرہ خانپور

غلاف خانہ کعبہ

❖ یہ ہر سال ذی الحج کے مہینے میں تبدیل کیا جاتا ہے۔
❖ اس کی قیمت دو کروڑ ریال ہے۔
❖ اس کا وزن 670 کلوگرام ہے۔
❖ یہ خالص ریشم کے کپڑے کا بنتا ہے۔
❖ اس کی تیاری میں 150 کلوگرام خالص سونا' چاندی لگتا ہے۔
❖ اس کا سائز 658 مربع میٹر ہے۔
❖ یہ 47 حصوں پر مشتمل ہے۔
❖ ہر حصہ 14 میٹر لمبا اور 95 سینٹی میٹر چوڑا ہے۔
❖ اس کو تبدیل کرنے میں 4 گھنٹے لگتے ہیں سبحان اللہ

روبی علی...... سیدوالہ

شکوہ جواب شکوہ

"ارے میاں ضرب کلیم! ابھی کہاں ہو ضرب کلیم؟ میاں ضرب کلیم ابھی تک زبور عجم کو اسکول لے کر نہیں گئے' جاؤ اور ذرا پیام مشرق کو میرے پاس بھیج دو۔"

"مولوی صاحب یہ کیا؟" میں نے حسرت زدگی کے عالم میں پوچھا۔ "یہ ضرب کلیم' یہ زبور عجم......"

"ہاں میاں' مولوی عبدالصمد خان نے فخر سے اپنی گنجی چندیا کھجاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اقبال سے بڑی عقیدت ہے وہ میرے محسن ہیں' وہ میرے رازق ہیں۔ انہوں نے میرا گھر بھر دیا' میں ان کا معتقد ہوں میں نے اظہار عقیدت کے طور پر اپنے سب بچوں کے نام ان کی تصانیف پر رکھ دیئے ہیں۔ ضرب کلیم چھٹی کلاس میں پڑھتا ہے' بی بی زبور عجم دوسری جماعت کی طالبہ ہے پیام مشرق گھڑی ساز کی دکان پر کام سیکھ رہا ہے۔ بال جبریل قرآن پاک حفظ کر رہا ہے۔ اسرار خودی کالج میں زیر تعلیم ہے بلکہ میں نے اپنی بیوی غفورن بی بی کا نام بانگ درا رکھ چھوڑا ہے۔

اندر سے دستک ہوئی "ذرا سننا مولوی صاحب" مولوی صاحب دروازے کی طرف لپکے۔

"ہاں پھوپی فاطمہ کوئی خوش خبری ہے کیا؟"

"ہاں مولوی صاحب! مبارک ہو خدا نے آپ کو جڑواں بچے دیئے ہیں' دونوں لڑکے ہیں۔" مولوی صاحب آ کر بیٹھ گئے خوشی سے ان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"خدا نے دو بچے ایک دم عطا کیے ہیں میاں!"

"مبارک باد قبول کریں مولوی صاحب!"

"ہاں میاں خدا کا احسان ہے' اچھا میاں خدا تمہاری خیر کرے' ان کے نام تو بتاؤ۔ اقبال کی کتابوں کے نام تو قریب قریب ختم ہو گئے تاہم دماغ لڑاؤ' اچھے سے دو نام سوچو۔"

"سوچ لیے مولوی صاحب! سوچ لیے۔"

"ہاں ہاں بتاؤ۔"

"شکوہ اور جواب شکوہ۔"

(ڈاکٹر صفدر محمود کی سدا ربہار سے اقتباس)

شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھاکشن

کھٹے میٹھے ٹوٹکے

❖ اگر آپ کا وزن زیادہ ہے اور لوگ آپ پر ہنستے ہیں نیز آپ پتلا ہونا چاہتی ہیں تو نیوز چینل باقاعدگی سے دیکھیں امید ہے وزن کم ہوگا۔

❖ اگر آپ کو خوش گوار خواب نظر نہیں آتے اور ڈر لگتا ہے تو سونے سے پہلے آئینہ ضرور دیکھیں' کبھی ڈر نہیں لگے گا۔

❖ اگر آپ میٹھے خواب دیکھنا چاہتی ہیں تو سونے سے پہلے آنکھوں میں چینی ڈال لیا کریں اس سے آپ کو میٹھے خواب نظر آئیں گے۔

❖ اگر آپ کے شوہر گھر سے زیادہ تر باہر رہتے ہیں بلکہ اکثر راتوں کو بھی غائب ہوجاتے ہوں تو فکر نہ کریں' اپنے آپ کو خوش رکھیں اور ہر وقت خوب بن سنور کر تیار رہیں' شوہر گھبرا کر گھر پر رہنا شروع کردیں گے۔

❖ اگر آپ کھانا بناتے ہوئے اکثر جلادیتی ہیں اور گھر والوں کے طعنے سننے پڑتے ہیں تو گھبرائیں نہیں' جلے ہوئے سالن کو برنال لگا کر پیش کریں' اس طرح گھر والوں کی جلن بھی ختم ہوگی اور سالن کی بھی۔

عائشہ پرویز...... کراچی

دل ایک سپر ہائی وے

نماز کے دوران دل میں غیر اختیاری وسوسے آنے کی وجہ سے مایوس یا پریشانی کا شکار ہونے کی بالکل ضرورت نہیں' دراصل انسان کا قلب تو ایک سپر ہائی وے کی مانند ہے اس پر شاہی سواریاں بھی گزرتی ہیں۔ امیر کبیر بھی چلتے ہیں' غریب اور فقیر بھی گزرتے ہیں۔ خوب صورتیوں اور بدشکلوں کی بھی یہی گزرگاہ ہے' نیکو کاروں' پارساؤں' مجرموں اور گناہ گاروں کے لیے بھی یہ شارع عام ہے۔

عافیت اس میں ہے کہ اس شاہراہ پر جیسی بھی ٹریفک آئے اسے خاموشی سے گزرنے دیا جائے اگر اس ٹریفک کی طرف متوجہ ہوکر اسے بند کرنے یا اس کا رخ موڑنے کی کوشش کی گئی تو دل کی سڑک پر پہیہ جام ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ اس راستے کا ٹریفک سگنل صرف سبز بتی پر مشتمل ہوتا ہے اس میں سرخ بتی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

باتیں یاد رکھنے کی

✦ خواب اور خوشبو دونوں ہی آزاد ہیں' دونوں قید نہیں ہوسکتے میرے خواب اور تمہاری خوشبو۔

✦ درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھو کیونکہ تم بھی اپنے پروردگار سے یہی امید رکھتے ہو۔

✦ اے اللہ میں تجھ سے اپنے ظرف کے مطابق مانگتی ہوں تُو مجھے اپنی شان کے مطابق عطا فرما۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

آواز

جب کسی ضرورت مند کی آواز تم تک پہنچے تو تم اللہ کا شکر ادا کرو کیونکہ اللہ نے اس کی مدد کے لیے تم کو پسند کیا ہے ورنہ وہ اکیلا ہی کافی ہے سب کے لیے۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

دل سے نکلے ہیں لفظ

✦ رشتے کا تقاضہ اس بات میں نہیں کہ کوئی تمہیں مکمل کردے لیکن کوئی تو ایسا ہونا چاہیے جس کے ساتھ تم اپنے ادھورے پن کو بانٹ سکو۔

✦ کسی کے بُرا کہہ دینے سے نہ ہم بُرے ہوجاتے ہیں نہ وہ اچھے' ہر شخص اپنی زبان سے اپنا ظرف دکھاتا ہے نہ کہ دوسرے کا عکس۔

✦ انسان تب سمجھ دار نہیں ہوتا جب وہ بڑی بڑی باتیں کرنے لگے بلکہ تب سمجھ دار ہوتا ہے جب وہ چھوٹی چھوٹی باتیں سمجھنے لگے۔

حافظہ سمیرا...... 157 این بی

کھانا

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعوت کی اور صرف اتنا کھانا پکوایا جو کہ آپ دونوں کے لیے کافی ہوجائے۔ کھانے کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"انصار میں سے تیس معززین کو بلاؤ" جب وہ تیس کھانا کھا کر چلے گئے تو کھانا اتنا ہی موجود تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ "ساٹھ آدمی اور بلاؤ" چنانچہ وہ بھی بلالیے گئے پھر ارشاد فرمایا کہ "ستر آدمی اور بلاؤ" وہ بھی آئے اور پیٹ بھر کر کھا گئے لیکن کھانا پھر بھی اتنا ہی موجود تھا' یہ دیکھ کر سب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں اس دن ایک سواسی آدمیوں نے کھانا کھایا۔

سنبلِ زرگر، اقصیٰ زرگر...... جوڑہ

نظم

کون...... کس مقام پر بچھڑ گیا

ہم سے
کچھ یاد نہیں
یاد رہا تو بس اتنا
کہ جو بچھڑ گیا

ایک بار
وہ پھر دوبارہ
ملا نہیں

کاجل شاہ...... خانیوال

مہکتی کلیاں

○ یقین کرنے کے بعد کسی بھی ثبوت کی گنجائش نہیں رہتی۔

○ دنیا میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ بے وقوف پر یقین اور اچھے پر شک کیا جاتا ہے۔

○ جھوٹ بولنے کے لیے شرمندہ ہونے کا حوصلہ چاہیے۔

مہوش نورین مشی...... جھنگ صدر

محبت قلب

کچھ لمحے بڑے فیصلہ کن ہوتے ہیں' اس وقت یہ طے ہوتا ہے کہ کون شخص کس کا بنایا جائے گا' جس طرح کسی خاص درجہ حرارت پر پہنچ کر ٹھوس اور مائع گیس میں بدل جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی خاص گھڑی بڑی نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ اس وقت ایک قلب کی سوئیاں کسی دوسرے قلب کے تابع کردی جاتی ہیں پھر جو وقت پہلے کا رہتا ہے وہی وقت دوسرے قلب کی گھڑی بتاتی ہے۔ جو موسم جو رُت' جو دن پہلے قلب میں طلوع ہوتا ہے وہی دوسرے آئینے میں منعکس ہوجاتا ہے۔ دوسرے قلب کی اپنی زندگی ساکت ہوجاتی ہے اس کے بعد اس میں صرف بازگشت کی آواز آتی ہے۔

اقتباس: راجہ گدھ

مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ

سمجھوتہ

ایک نوآموز شاعر نے ایڈیٹر سے شکوہ کیا۔

"آپ لوگوں نے شاعروں اور ادیبوں پر یہ پابندی لگا رکھی ہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔"

"یہ تو ہم نے حالات سے سمجھوتہ کیا ہوا ہے۔" ایڈیٹر نے گہری سانس لے کر کہا۔

"حالات سے سمجھوتہ کیا مطلب؟" نوآموز شاعر نے حیرت سے دریافت کیا۔

"بعض لوگوں کے بارے میں تو ہمارا یہ پابندی لگانے کو جی چاہتا ہے کہ وہ کاغذ کے کسی طرف بھی نہ لکھیں۔"

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

ذرا غور کیجیے

◉ ہم اندھیرے سے ڈرنے والے بچے کو آسانی درگزر کرسکتے ہیں لیکن زندگی کا حقیقی المیہ یہ ہے کہ لوگ روشنی سے ڈرتے ہیں (ایمل کروتگی)۔

◉ اپنی خوشی کے لیے دوسروں کی مسرت کو خاک میں نہ ملاؤ (برٹرینڈ رسل)

◉ مجھے بتاؤ کہ تمہارے دوست کون ہیں' میں تمہیں بتاؤں گا تم کون ہو (سروانٹس)

◉ انسان آنسوؤں اور مسکراہٹوں کے درمیان لٹکا ہوا پنڈولم ہے (ہائرن)

الفت عباسی اینڈ فائزہ عباسی...... چناری آزاد کشمیر

لونہال

مجھے بچوں کی پانچ عادتیں بہت پسند ہیں:۔

• وہ رو رو کر مانگتے ہیں اور اپنی منوالیتے ہیں۔
• وہ مٹی سے کھیلتے ہیں یعنی غرور و تکبر خاک میں ملادیتے ہیں۔
• جھگڑتے ہیں، لڑتے ہیں پھر صلح کرلیتے ہیں یعنی دل میں حسد، بغض اور کینہ نہیں رکھتے۔
• جو مل جائے وہ کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں زیادہ جمع کرنے کی حرص نہیں کرتے۔
• مٹی کے گھر بناتے ہیں کھیل کر گرادیتے ہیں یعنی بتاتے ہیں کہ یہ دنیا مقام بقا نہیں بلکہ مقام فنا ہے۔

بشریٰ طاہر.....لیاقت آباد کراچی

کڑوا سچ

⌘ انسان ماں کے پیٹ سے برائی نہیں سیکھ کر آتا بلکہ اس کے اردگرد بسنے والے لوگ اور اس کے حالات ہی اسے بُرا بناتے ہیں۔
⌘ اگر ہم کسی شخص سے صرف اس لیے تعلق ترک کرتے ہیں کہ وہ بُرے کام کرتا ہے تو اس کے آدھے گناہوں کے ذمہ دار ہم ہوتے ہیں کیونکہ ہم نے اس کی اصلاح کرنے کی کوشش نہیں کی۔

امشاج جنت.....فیصل آباد

خزانہ معلومات

⌘ برصغیر کے پہلے اردو اخبار کا نام جہاں نما ہے۔
⌘ آزاد نظم کی ابتدا پہلے فرانس سے ہوئی۔
⌘ جاسوسی کہانیوں کی ملکہ ادیبہ اگاتھا کرسٹی کو کہتے ہیں۔
⌘ دہلی کا پہلا اردو اخبار "اردو اخبار" کے نام سے 1837ء میں شائع ہوا۔
⌘ دہلی کے سب سے پہلے اردو ماہنامہ کا نام "ماہنامہ زبان" تھا۔
⌘ اردو کا سب سے پہلا ناول "مراۃ العروس" ہے۔
⌘ علامہ اقبال کا پہلا مجموعہ کلام بانگ درا 1924ء میں شائع ہوا۔
⌘ اردو کی سب سے پہلی تنقیدی کتاب مقدمہ شعروشاعری ہے۔
⌘ اردو کی سب سے پہلی ناول نگار خاتون "رشید النساء بیگم" ہیں۔
⌘ اردو کے پہلے جاسوسی ناول نگار "ظفر عمر" تھے۔
⌘ دنیا کی سب سے پہلی کتاب 1457ء میں شائع ہوئی۔
⌘ پاکستان میں سب سے پہلا سفرنامہ بیگم اختر ریاض الدین نے لکھا۔

عائشہ رانا.....فیصل آباد

اچھی باتیں

❁ اگر غلط فہمیاں دور نہ کی جائیں تو وہ نفرتوں میں بدل جاتی ہیں۔
❁ اہمیت دکھ کی نہیں بلکہ دکھ دینے والی کی ہوتی ہے دور بھاگیے ایسے دوستوں سے جو کھیل ہی کھیل میں زندگی سے کھیل جاتے ہیں۔
❁ کسی ایک انسان کو متاع کُل سمجھنا زندگی برباد کرنے کے مترادف ہے کیونکہ توحید کی صفت صرف اللہ کے لیے ہے۔
❁ ایسا ادب جو صرف برائیوں کے بارے میں باتیں کرے اس ماں کی مانند ہے جو اپنے بچوں کو ادب نہ سکھائے اور صرف اس کے بارے میں بولتی رہے۔
❁ جذبات انسانی میں سب سے زیادہ کار آمد جذبہ امید ہے۔

نادیہ عباس دیا قریشی.....موسیٰ خیل

دوست

انسان کو ایسا دوست تلاش کرنا چاہیے جو سونے کی طرح ہو اگر شیشے جیسا دوست تلاش کروگے تو وہ کسی روز ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا اور اس کی قیمت نہیں رہے گی۔ جبکہ سونے کے سو ٹکڑے ہوجائیں تو بھی اس کی قدر قیمت کم نہیں ہوتی۔

عظمیٰ ظہور احمد.....عارف والہ

باتوں سے خوشبو آئے

❁ انا اور خودداری بہت ہی اچھی چیزیں ہیں لیکن بے جا انا اکثر آپ کو تنہا کردیتی ہے۔

❁ جس دروازے سے شک اندر آتا ہے محبت اور اعتماد اس دروازے سے باہر نکل جاتے ہیں۔

❁ محبت اظہار نہیں مانگتی مگر کبھی کبھی اظہار کر دینا چاہیے دوسروں کو مطمئن کرنے کے لیے۔

ماہ رخ سیال.....سرگودھا

زندگی کے رہنما اصول

❁ بدترین شخص وہ ہے جس کے ڈر سے لوگ اس کی عزت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

❁ خونی رشتوں سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

❁ اس شخص پر دوزخ حرام ہے جو نرم مزاج اور نرم خو ہو۔

❁ دولت مت جمع کرو کفن میں جیب نہیں ہوتی۔

❁ دنیا کے بازار میں زندگی کا سب سے قیمتی سکہ حوصلہ ہے۔

❁ بلند حوصلہ بلند مقاصد کی تکمیل ہے۔

❁ بھوکا سو یا رہنا مقروض ہو کر اٹھنے سے بہتر ہے۔

❁ ہم دولت سے ہم نشین حاصل کر سکتے ہیں دوست نہیں۔

❁ زندگی میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں۔

خوف مرگ.....شدت مرض.....ذلت قرض

ماریہ کنول ماہی.....چک ورکاں

خیال میرا خوشبو سا

☐ کمزور انسان کبھی معاف نہیں کر سکتا' معاف کرنا مضبوط لوگوں کی صفت ہے۔

☐ گناہوں کی بدبو کی وجہ سے ہماری دعائیں مردہ ہو جاتی ہیں۔

☐ تم اچھا کرو اور زمانہ تم کو بُرا سمجھے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے بجائے اس کے کہ تم بُرا کرو اور زمانہ تم کو اچھا سمجھے۔

☐ اتنے غلط نصیب نہیں جتنے غلط رویے ہیں۔

☐ انسان اپنے اوصاف سے ہی عظیم ہے کبھی بلند مینار پر بیٹھنے سے عقاب نہیں بن جاتا۔

عابدہ غوری.....کوٹ چھٹہ

انمول موتی

☐ انسان محبت صرف اک بار کرتا ہے اور باقی محبتیں اس کو بھلانے کے لیے کرتا ہے۔

☐ محبت اور نفرت اگر حد سے بڑھ جائیں تو جنون کی حد میں داخل ہو جاتی ہے۔

☐ ہم خیال لوگ ہم سفر ہو تو زندگی آسان ہو جاتی ہے۔

☐ خوب صورتی چند دن کی حکومت ہے۔

☐ اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ بتاؤ زندگی کیا ہے؟ ہتھیلی پر ذرا سی خاک رکھنا اور اڑا دینا۔

فیاض اسحاق مہیانہ.....سلانوالی

احساس

کائنات کی سب سے مہنگی چیز "احساس" ہے جو دنیا کے ہر انسان کے پاس نہیں ہوتی۔

گلناز مان.....مان

آنسو

خواجہ حسن بصریؒ ایک روز مسجد کی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے اور خوف خدا سے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اتفاق سے آپ نے چھت سے نیچے گلی میں جھانکا تو آپ کے آنسو ایک راہ گیر پر جا پڑے اس آدمی نے اوپر دیکھ کر کہا۔

"بھئی یہ قطرے پاک تھے یا ناپاک؟"

آپ نے فرمایا: "میرے بھائی کپڑے دھولو یہ مجھ گناہ گار کے آنسو ہیں تم کو جو بھی تکلیف پہنچی ہے اس کے لیے خدارا معاف کر دو۔"

ملالہ اسلم.....خانیوال

yaadgar@aanchal.com.pk

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے رب ذوالجلال کے بابرکت نام سے جو وحدہ لاشریک ہے۔ دسمبر کا شمارہ حاضر خدمت ہے اس اداس دسرد موسم کے سب رنگوں کو آنچل میں سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے دسمبر کی یخ بستہ شامیں فرحت آپا کے بچھڑنے کی یادیں بھی اپنے ساتھ لاتی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ قارئین سے دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں۔

نگہت بشیر...... ڈنگہ۔ السلام علیکم! زندگی کی روٹین دن بدن مصروف سے مصروف ہوتی جارہی ہے لیکن اس دفعہ فرحانہ ملک کی ناگہانی موت کا سن کر رہا نہیں گیا۔ یہ دنیا فانی ہے سب ہی نے چلے جانا ہے مگر کچھ لوگوں کو جانے کی بڑی جلدی ہوتی ہے یا پھر خدا کو انہیں اپنے پاس بلانے کی جلدی ہوتی ہے۔ ہر غم سے بیگانہ ہنستی آنکھیں مسکراتے ہونٹ فضا میں گونجتے قہقہے موج مستیاں کرتے پھر اسی فرد کی اچانک موت کسی کہانی میں کچھ ایسا پڑھ کے گھنٹوں شاک کی سی کیفیت میں بیٹھے رہتے ہیں اور اسے بھلائے نہیں بھول پاتے مگر یہ سب تو حقیقت ہے کوئی خیالی کہانی نہیں ہے کوئی بھیانک خواب نہیں ہے کیا ہم اس حقیقت کو بھلا پائیں گے؟ رہ رہ کر ان کے بچوں کا خیال ستاتا ہے کہ وہ کیسے ماں کے بغیر رہیں گے لیکن پھر یہی دعا کرتی ہوں کہ اللہ انہیں صبر دے اور ان چاروں کو جو ناگہانی موت کا شکار ہوئے اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

☆ ڈیئر نگہت! آپ کے تمام سوالوں کے جوابات در جواب آں میں موجود ہیں۔

حرا قریشی...... ملتان۔ وہ لحظہ وقت جو ایک فرد کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کردیتا ہے کسی ذی روح کو گہری نیند سلا دیتا ہے۔ بس اسی لمحے اسی وقت اور اسی گھڑی نے مجھے میرے قلم کو یک دم بیدار کردیا ہے خاموشی آنکھیں ملتی پوری طرح ہوش میں آچکی ہے اردگرد احاطہ کیے سائے آگے بڑھتے بڑھتے اپنے ساکت لبوں کو جنبش دینے لگے ہیں۔ دست نازک ہالہ بنائے بجانب افق بلند ہوگئے ہیں میری سماعت میں کئی لوگوں کے الفاظ مدار کی صورت اپنی گردش شروع کرچکے ہیں اس لیے مجھے یہ خوف قدرے ہراساں کررہا ہے کہ کہیں حقیقت کے لبادے میں لپٹے صائمہ اکرام کے یہ الفاظ مجھے اپنی لپیٹ میں نہ لے لیں۔ نازیہ کنول کی دکھ بھری اذیت سے لبریز مختصر لب کشائی میرے رو پہلو آنسوؤں کو سکوں کی مانند صفحہ قرطاس پر نہ بکھیر دے دل ناتواں میں سیلابی کیفیت برپا ہے سو بڑی مشکل سے بند باندھ پائے ہیں۔ میں فرحانہ کو نہیں جانتی کبھی ان کی تحریر نہیں پڑھی لیکن یہ کیسا تعلق ہے یہ کیسا رشتہ ہے جو مجھے آبدیدہ کیے جارہا ہے ہاں شاید یہ تعلق ہے وہ جو قلم کار کا قاری کے ساتھ ہوتا ہے اور مجھے یہ سب پڑھ کر ان سے انسیت ہوئی جارہی ہے۔ لہٰذا ان کے ایصال ثواب کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں اور عبادات حاضر ہیں قبول کیجیے۔ فرحانہ کا چلے جانا میرے آئینہ خانے میں آنے کی خصوصی وجہ ہے رب سوہنا انہیں اپنی بارگاہ خاص میں جگہ عطا فرمائے اور اپنے محبوب اور خاص الخاص بندوں میں شامل کرے آمین۔ کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے منہ پورے کا پورا کھل جاتا ہے کہ جناب من! یہ روشن اور بہت ہی تابناک تارا کیسے پیارے آنچل ڈائجسٹ کی گود میں جاگرا ہے؟ جی کیا سمجھے...... میں نازیہ جی کی بات کررہی ہوں لکھتے لکھتے ان کے قلم نے خوب سے خوب تر کی طرف قدم بڑھائے ہیں۔ "بھوک" ایک خوب صورت موضوع کا چناؤ دلکش پیرائے میں دیدہ زیب انداز لیے اختتامی مراحل تک پہنچایا گیا۔ حقیقت ہے کہ بھوک سے بڑھ کر کوئی بدترین برتن نہیں پیٹ کی خاطر کیا کیا کرنا پڑتا ہے کوئی کئی دن فاقوں کی صعوبت جھیلتے لوگوں سے پوچھے۔ "بچھڑا کچھ اس ادا سے" ہلکی پھلکی تحریر رومانوی انداز لیے ہوئے بھی بوریت یک دم اڑن چھو ہوگئی۔ عباد اور سبرینہ کی نوک جھونک لطف کا عنصر بڑھاتی رہی۔ "لکھ ہواؤں کے سنگ" اور "روشنی کا سفر" بھی اچھی کاوش تھی۔ آئینہ میں سب قارئین کے تبصرے بھرپور اور مزہ دے گئے یادگار لمحے بس ٹھیک رہے کوئی شاندار تاثر نہ چھوڑ سکے۔ نیرنگ خیال میں فاخرہ گل کی حروف بے زباں خوب رہی۔ فرصت نایاب سے نکالے ان چند لمحوں کی قدر کرتے ہوئے آئینہ میں اپنا عکس دیکھنے کی اجازت دیجیے گا۔

شریک محفل رہیے گا۔

☆ پیاری بہن! دلکش انداز بیان اور منفرد اسلوب تحریر کا حامل آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔

فرحت اشرف گھمن...... سید والا۔ السلام علیکم! فرحانہ ناز ملک کی وفات کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے بالکل اسی طرح میری ماں نے ہمارا ساتھ چھوڑا تھا کوئی پل ایسا نہیں جب ماں کی کمی محسوس نہ کی ہو۔ ہر موقع پر ان کی یاد میں آنکھیں نم رہتی ہے ناول تو کچھ خاص نہ لگی۔ حمد و نعت بہت اچھی تھی سلسلہ وار ناول "ٹوٹا ہوا تارا" بہت سلو چل رہا ہے پلیز آپی اس کی رفتار تیز کریں اور اب جلد حقیقت کھول دیں سسپنس ختم کریں۔ "موم کی محبت" راحت وفا کا ناول بھی یقیناً اچھی کاوش ثابت ہوگا ناولٹ "مجھے ہے حکم اذاں" میں فاطمہ کو چارون کے لیے اپنے بھائی کے گھر چلے جانا چاہیے تاکہ عباس کا دماغ ٹھکانے آجائے۔ "کوئی غمگسار ہوتا" میں جہانزیب جیسا باپ بھی سنگ دل ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کے وجود سے انکار کرے مہر کے حوصلے اور صبر کو داد دی۔ "ہائے وہ زود پشیماں" صبا نے اتنے منفرد موضوع کا انتخاب کیا پڑھ کر مزہ آگیا۔ فضہ کی تحریر اچھی تھی اس مرتبہ دونوں مکمل ناول سپرہٹ گئے شازیہ نے بہت بہترین لکھا۔ افسانے ابھی پڑھے نہیں بیاض دل سعدی رمضان، ندا فاطمہ کے شعر اچھے لگے۔ "دوست کا پیغام آئے" میں سعدیہ نے میری دوستی قبول کی میں نے آپ کا پیغام رات کو پڑھا تو یقین مانو خوشی کے مارے ساری رات نیند نہیں آئی (ہے ناخوشی کی بات ہاہا) یادگار لمحے میں ثناء ریاض نے بہت متاثر کیا باقی سب کچھ اچھا تھا۔ نیرنگ خیال میں نعیم انصر ہاشمی کی نظم "ماں کی نذر" پڑھ کر آنکھیں ماں کے لیے بہت برسیں۔ اللہ حافظ۔

ملالہ اسلم...... خانیوال۔ السلام علیکم! حسب توقع آنچل 25 کو ہی مل گیا تھا سرورق پیارا تھا۔ سرگوشیاں، حمد و نعت سے فیض یاب ہونے کے بعد دانش کدہ سے مستفید ہوئے۔ ارے یہ کیا اتنی پیاری لڑکی ہمیں تنہا چھوڑ کر چلی گئی موت برحق ہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور ان کے لواحقین کو صبر و جمیل عطا کرے آمین۔ "موم کی محبت" فی الحال کچھ نہیں کہوں گی لیکن موضوع کچھ ہٹ کے ہے۔ زبردست ام مریم آپی مزا آگیا مگر پلیز سکندر اور عباس کا دماغ ٹھیک کردیں۔ ملالہ کی جان آنچل کی شان کیا بات ہے آپ کی مگر آپی پلیز کاشفہ کو دور کریں انا سے ورنہ میں ماردوں گی۔ ڈاکٹر صاحبہ آپ کی کاوش تو کمال کی تھی، صفدر زمان جیسے لوگوں نے ہی عورت ذات کو اتنا کم تر سمجھا ہوا تھا۔ عانیہ اور تابی کا رول زبردست تھا، ناولٹ میں صبا مظفر اور حمیرا نگاہ نمبر لے گئیں۔ یار یوشع کا مطلب بھی بتا دیتیں؟ ویسے ایشا کا رول زبردست تھا، پڑھ کر مزہ آیا۔ افسانے سب نے زبردست لکھے لیکن نازی اپیا اور شازیہ فاروق ٹاپ پر رہی۔ "بھوک" نے میری بھوک بھی جگا دی ہے۔ بیاض دل میں سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے مگر اپنا نام نہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ "ڈش مقابلہ" میں ہمیشہ سے ٹرائی کرتی ہوں اور داد دیتی ہوں۔ نیرنگ خیال میں نعیم انصر، فاخرہ گل، نزہت جبین، طیبہ نذیر نے اچھا لکھا۔ سیدہ عطیہ آپ کا اعلان میں نے فوراً سے بیشتر اپنی ڈائری کے صفحات کی زینت بنا دیا۔ "دوست کے نام پیغام" سب کے اچھے لگے مگر یار میرے لیے کوئی نہیں۔ یادگار لمحے میں شبانہ امین راجپوت، فریحہ شبیر، ناہید بشیر، عائشہ پرویز، پروین افضل نے اچھا لکھا گویا یادگار لمحے زبردست تھے۔ ماریہ جی اکتوبر میں آپ نے یادگار لمحے میں مسٹر رائٹ لکھا تھا، میرے دل سے بے اختیار دعا نکلی تھی، تمہیں رائٹ کہنے والا مسٹر رائٹ جلد ہی مل جائے (ہاہا)۔ آئینہ میں سب کے تبصرے پرفیکٹ تھے لیکن ماریہ کنول، پروین افضل، سمیرا تعبیر اینڈ ارم کمال نے اچھا تبصرہ کیا۔ ہم سے پوچھیے میں شمائل آپی کے جواب ہمیشہ کی طرح مزے کے تھے بلاشبہ نومبر کا شمارہ پرفیکٹ از پرفیکٹ تھا۔ اپنا اور خود سے وابستہ تمام مخلص رشتوں کا خیال رکھیے گا، اللہ حافظ۔

☆ ملالہ ڈیئر! امید ہے جادوئی آئینے میں اپنا رخ روشن جھلملاتا دیکھ کر تمام خفگی و ناراضگی دور ہوگئی ہوگی۔

آنسہ شبیر...... ڈوگہ، گجرات۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! آنچل 26 کو ملا ٹائٹل کچھ خاص متاثر نہ کرسکا، سرگوشیاں پڑھیں خدا ہماری اس پاک سرزمین پر رحم کرے۔ بہن فرح ناز ملک کے متعلق پڑھ کر افسوس ہوا لیکن موت ایک حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے آمین۔ "موم کی محبت" راحت وفا جی آپ نے تو محبت کے ہر رنگ کو کوزے میں بند کردیا ہے عارض کے بارے میں پڑھا پر خوشی اس بات کی ہوئی کہ قابل علاج ہے۔ زیبا کا ماضی بھی عارض ہوگا یقیناً...... "ٹوٹا ہوا تارا" مصطفیٰ کی جان بچی (آہ......) شکر ہے اللہ کا بے اختیار منہ سے نکلا۔ شہوار نے وہاں نہ جا کر غلطی کی ہے وہ اس کا شوہر تھا کوئی غیر نہیں جب مصطفیٰ نے کال نہیں سنی تو ایک سکون سا وجود میں سرائیت کر گیا (جیسے کو تیسا)۔ کاشفہ تو ولید

کے پیچھے ہی پڑھ گئی ہے ولید کا انا کی طرف مائل ہونا خوش آئند ہے۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' عباس کو غرور کس بات کا ہے اسے مُردوں کا خیال ہے اور جو زندہ لاش بن کے رہ گئی ہے اس کی پروا نہیں ہے شکر ہے فاطمہ کو زینب کا بتایا گیا سبق یاد آ یا۔ ایک سبق تو ہمیں بھی ملا کہ اللہ ہی وہ دوست ہے جو اپنے بندے کو ہر عیب سمیت قبول کرتا ہے۔ ہمیں پہلے ہی سے علم تھا کہ سکندر لاریب کا ساتھ یہ رویہ رکھے گا لیکن وہ تو بے عزت کرنے پہ آ گیا ہے باقی ناول زیر مطالعہ ہے۔ آئینہ میں سب کا عکس لاجواب تھا' بیاض دل بھی لاجواب تھا۔ سانسوں نے وفا کی اور منظور خدا ہوا تو دلوں پر دستک دینے ضرور آؤں گی۔

مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ۔ آداب عرض ہے جناب! آنچل کا ٹائٹل اس مرتبہ کچھ دل کو نہیں بھایا (معذرت)۔ حمد و نعت بہت زبردست تھیں' انکل مشتاق بے شک بہت زبردست مؤلف ہیں۔ یہاں سے ڈائریکٹ ایک ٹرن لے کر نیچے ڈاکٹر ہما جہانگیر کے ناول ''لکھ ہواؤں کے سنگ'' اس قدر بے رحم والد...... بے اختیار جھر جھری آئی' اور آل ناول بہت زبردست تھا۔ شازیہ مصطفیٰ ''بچھڑا کچھ اس ادا سے'' عباد پر بہت غصہ آیا' پتا نہیں کیسے اتنا ہرٹ کر کے ایک سوری سے کام چلا لیتے ہیں یہ لوگ لیکن اینڈ اچھا تھا۔ سویرا فلک کے ناولٹ ''تیرے آنے کا انتظار رہا'' ہائے گاڈ جو کس قدر بونگی ہیروئن تھی' پڑھ کر بہت ہنسی آئی اور مائی سویٹ ام مریم جی! یہ کیا بھئی لاریب اور سکندر کا پیچ اپ اتنا پھیکا۔ تھوڑا سا سکندر کو ہنسا ہی دیتیں' مجھے عباس بالکل بھی نہیں پسند خود غرض سا۔ بیاض دل میں فریحہ شبیر کا شعر پسند آیا اور طیبہ نذیر کی نظم ''دنیا'' بہت اچھی لگی اور دلکش مریم ڈیئر! آپ کا بے حد شکریہ آپ کو میرا شعر پسند آیا۔ آخر میں دعا ہے کہ اس ارض پاک پر ہمیشہ امن کے سائے لہرائیں اور امید کی خوشی کے جگنو ٹمٹمائے...... آمین فی امان اللہ۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہائو الدین۔ السلام علیکم! خیریت بخیریت احوال آنکہ...... نومبر کے شمارے کا سرورق مجھے کیا یقیناً کسی کی بھی پسندیدگی کی سند حاصل نہ کر سکا ہوگا' اندرونی صفحات پر پہنچے تو گہرے دکھ اور صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ فرحانہ ناز ملک سمیت گھر کے چار افراد کا جنازہ' قیامت صغریٰ کا منظر ان کے اہل و عیال نے دیکھا اللہ اتنی بڑی آزمائش سے کسی کو دوچار نہ کرے آمین۔ پورا رسالہ ہی سوگوار لگا جس شوق اور دلچسپی سے رسالے کو پڑھا کرتی تھی وہ خوشی مفقود تھی جب بھی رسالہ پڑھنے کے لیے کھولتی ہوں فرحانہ کے لیے لکھے گئے الفاظ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگا دیتے ہیں' دل درد کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ رسالے کے ہر سلسلے میں میری تحریریں موجود ہیں مگر ان کے شائع ہونے کی جو خوشی ہے وہ کہیں گم ہو کر رہ گئی ہے یاد ہے تو فرحانہ کے بن ماں کے بچے یاد ہے تو فرحانہ کا زخموں سے چُور بیٹا دل سے ہر لمحہ اس کی زندگی اور صحت و سلامتی کے لیے دعا نکلتی ہے اللہ ان کے بچوں اور اہل و عیال کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔

☆ ڈیئر حمیرا! آپ کے سچے جذبات و احساسات کا اظہار ہر لفظ سے ہو رہا ہے آپ کے یہ جذبات قابل قدر ہیں۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری باجی! سدا گنگنائیں اور مسکرائیں آمین۔ یہ سال بھی غروب ہونے پر ہے کیا کھویا کیا پایا کچھ پتا نہیں چلتا بس زندگی ہے جو چلی جا رہی ہے' اس ماہ کا ٹائٹل پسند نہیں آیا آنچل کا ٹائٹل آنچل کے بغیر جچتا نہیں۔ دانش کدہ سے اپنے کمزور ایمان کی دیواروں کو مضبوط کیا' فرحانہ ناز ملک کی المناک موت نے ذہن کو ماؤف کر دیا' موت کیسی بے رحم ہوتی ہے کیسے ہنستی' مسکراتی زندگی کو روند کر قبر کی گہرائیوں میں پہنچا دیتی ہے لیکن خدا کی مرضی' ہر حال میں مقدم ہے تمام رائٹرز نے اپنے غم کی شدت کو بیان کیا اللہ تعالیٰ فرحانہ ناز ملک کو اپنے وجوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے بچوں اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ سلسلے وار ناول ''موم کی محبت'' میں صفدر بے چارے پر بہت ترس آتا ہے۔ ''بھوک'' نے تو کئی ساعتوں تک ذہن و دل کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ''تو ہی ہے سایہ'' طلعت نظامی کی بہت ہی شاندار تحریر تھی' بڑے بڑے ہی ہوتے ہیں جو اپنے تجربوں اور معاملہ فہمی سے مشکل موقعوں سے مکھن سے بال کی طرح نکال لیتے ہیں۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' میں مصطفیٰ کی خیریت پڑھ کر جان میں جان آئی' شہوار کو چاہیے اپنی انا کو دھکے مارے اور نئی زندگی کو مصطفیٰ کے سنگ خوش آمدید کہے (کیوں شہوار کرو گی نا)۔ ''بچھڑا کچھ اس ادا سے'' میں بلآخر عباد نے اپنی فوں فاں کے بعد سبرینہ کے حق کو تسلیم کر کے اپنے لیے خوشیوں کے در کھول لیے دیگر تحریروں میں ''تیرے آنے کا انتظار رہا'' کوئی غمگسار ہوتا' ہائے وہ زود و پشیماں'' اور ''عجب ہے محبت غضب ہے چاہت'' سپر سے بھی اوپر کی تحریریں تھیں۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' سکندر بس اتنا ہی ستم ڈھانا جتنا ہماری پیاری اور نازک سی لاریب سہہ سکے۔ فاطمہ تمہیں چاہیے

کہ عباس کی دنیا سے فی الحال نکل جاؤ۔ بیاض دل میں پروین افضل شاہین رابعہ اسلم راہی منزہ بھٹی فائقہ سکندر حیات اور فائزہ بھٹی کے اشعار غضب کے تھے۔ یادگار لمحے میں فوزیہ خورشید سلیم شبانہ امین راجپوت اور نصرت عارف کے مراسلات حاصل مطالعہ ٹھہرے۔ دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیغامات بہت اچھے تھے پر افسوس کوئی بھی میرے لیے نہیں تھا (خیر کوئی بات نہیں)۔ آئینہ میں سب کے تبصرے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ہم سے پوچھیے میں پلوشہ گل نادیہ کیسین عائشہ رانا حافظہ سمیرا کے سوالات اور آپ کے جوابات نے مزاح کا بھرپور تڑکا لگایا بقیہ تمام سلسلے بھی لاجواب اور بے مثال رہے اچھا باجی اب اجازت دیں فی امان اللہ۔

☆ پیاری ارم! شگفتہ انداز برجستہ الفاظ میں لکھا آپ کا تبصرہ پسند آیا۔

لاڈو ملک...... دیپالپور۔ السلام علیکم! سردیوں کا آغاز ہو چکا ہے اور میرا فیورٹ موسم میں آنچل کی ساتھ شیئر کرنا چاہتی ہوں بہت اپنا ہے آنچل بھی۔ جانتی ہوں آئینہ میں یوں نہیں لکھتے پر میں طویل عرصے اور آنچل میں منفرد انداز میں شرکت چاہتی ہوں پلیز توجہ فرمایئے گا آنچل میں کوئی نہ کوئی اسٹوری تو ہوتی ہی ہے جو قارئین کی موسٹ فیورٹ ہوتی ہے لیکن پچھلے کچھ سالوں سے تو سلسلہ وار کہانیوں میں ایک نہیں دو یا تین موسٹ فیورٹ جا رہی ہیں اگرچہ ہم کچھ عرصہ سے آنچل سے دور رہے پر بے خبر نہیں آنچل آج بھی فیورٹ ہے بس گزارش ہے وہ جو فرحت خالہ کے دور کا انداز تھا آنچل کا سادہ اور بناوٹ سے پاک وہ لوٹا دیں۔ اس دور میں لے جائیں آنچل کو جو بہت سکون دیتا تھا۔ فرحت خالہ بہت یاد آتی ہیں بہت مہرباں تھیں۔ باقی آنچل اچھا جا رہا ہے لیکن سلسلہ وار کہانیوں کے علاوہ جو کہانیاں ہیں ان میں وہ جان نہیں ہے یا فقط میری رائے میں ایسا ہے۔ آنچل میں کوئی تبدیلی لائیں جو آگے نہیں پیچھے کو جائے مجھے آنچل کا پچھلا دور زیادہ پسند ہے ندامت منایئے گا۔ اریبہ شاہ تم جلدی آنچل میں کم بیک کرو یار آئی مس یو۔ کرن آپی آپ بھی ربیع الاول میں آپ کی شادی ہے اللہ مبارک کرے وہ حسین پل آمین آنچل کے لیے نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر لاڈو! آپ کی منفرد تجاویز نوٹ کرلی ہیں جلد عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات۔ السلام علیکم! آنچل فیملی کیسے ہیں سب؟ آنچل مجھے 22 تاریخ کو مل گیا تھا فرحانہ ناز ملک اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دیں اور لواحقین کو اللہ تعالیٰ صبر عطا فرمائے آمین۔ "موم کی محبت" مجھے بھی لگ رہا ہے زیبا کا عارض کے ساتھ چکر رہ چکا ہے جب صفدر کو پتا چلے گا تو شاید دونوں دوستوں میں دراڑ آجائے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" شہوار کو چاہیے اب اپنا رویہ مصطفیٰ سے صحیح رکھے۔ "مجھے ہے حکم اذاں" عباس تو بہت ظالم انسان پتھر دل لیکن امید ہے ٹھیک ہو جائے گا اور سکندر اب کیا کر رہا ہے لاریب اپنی غلطیوں پر پشیمان ہے اب بس کردیں زندگی کو مزید مت الجھائیں۔ شگفتہ خان عمرے کی سعادت بہت مبارک ہو۔ مدیحہ نورین مہک تو ہر بار کی طرح آنچل میں ہر سلسلے میں مہکتی ہوئی نظر آتی رہتی ہیں۔ "ہم سے پوچھیے" میں پروین افضل رانی اسلام نادیہ کیسین مونا شاہ قریشی آپ نے تو قہقہہ لگانے پر مجبور کردیا۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی اگلے ماہ تک اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

روما شہزادی...... دیونہ منڈی، گجرات۔ السلام علیکم! آنچل اس دفعہ 27 کو مل گیا لیکن ٹائٹل ذرا بھی اچھا نہیں تھا۔ فرحانہ ناز ملک کی حادثاتی موت کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا اللہ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ حمد و نعت پڑھنے کے بعد سب سے پہلے اپنی فیورٹ اسٹوری "ٹوٹا ہوا تارا" پر پہنچے مصطفیٰ کے ساتھ بہت برا ہوا لیکن شکر ہے کہ شہوار اب اس کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گی اس کے علاوہ ولید اور انا کو بھی ملا دیں اور یہ کاشفہ بی بی کو تو کوئی بھی خودکشی کرنے سے نہ روکے ڈھوکے باز ہے ان کا سارا خاندان بس ولید کو وہ مصیبت میں نہ پھنسا دے۔ اس کے بعد "مجھے ہے حکم اذاں" کا لگتا ہے اینڈ ایک دو قسطوں میں ہو جائے گا۔ سکندر کی انا کو بھی ختم کردیں اور عباس اور فاطمہ کو بھی ملا دیں تاکہ اس بے چاری کی بھی آزمائش ختم ہو جائے۔ سلسلے وار ناول "موم کی محبت" میں راحت وفا نے شرمین کو کیا بنایا ہوا ہے اس کو گھر میں بھی سکون نہیں ملتا اور آفس میں بھی...... زیبا اور صفدر کی کہانی بھی الجھی ہے کوئی سمجھ نہیں آرہا کہ دونوں کیا کھیل کھیل رہے ہیں آنچل دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

سارہ علی...... سوہاوہ گجر خان۔ السلام علیکم! نومبر کے آنچل ٹائٹل پر میری فیورٹ عیشا نور جلوہ افروز تھی' دیکھ کے خوشی ہوئی آنچل کا شمارہ اس دفعہ بھی لاجواب تھا' ناول' ناولٹ' افسانے سب لاجواب تھے۔ راحت آپی کا پورا ناول ہی اچھا ہے اب بات ہو جائے ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی' سمیرا آپی بہت زبردست لکھتی ہیں آپ...... آپ کی کہانی ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' بہت زبردست کہانی تھی' میں اینڈ کی کچھ اقساط پڑھ نہ سکی' اللہ حافظ۔

☆ گڑیا اگر اب ایسا دوبارہ ہو تو آپ اپنے دکان دار سے آنچل تبدیل کرلیا کریں۔

امشاج' کائنات' سدرہ...... فیصل آباد۔ دراصل ہم پہلی دفعہ بزم آئینہ میں شرکت کررہی ہیں' ماڈل کو دیکھ کر ہمارے تاثرات ایسے ہوگئے جیسے منہ میں کڑوا بادام آ گیا ہو اس کے بعد ہم چھلانگ لگا کر ''ٹوٹا ہوا تارا'' پر پہنچے' سمیرا آپی پلیز تابندہ بوا کا ماضی کھول دیں اور باقی کہانی بہت اچھی جارہی ہے اور پھر ہم نے ''مجھے ہے حکم اذاں'' کا دروازہ کھٹکھٹایا' دروازہ لاریب میڈم نے کھولا بھئی ام مریم آپی اب ذرا سکندر کی اکڑ ختم کردیں اور یہ عباس کچھ زیادہ ہی اوور ایکٹنگ کررہا ہے اور نندنی بھی حد سے زیادہ اس کے سامنے بچھی جارہی ہے۔ اچھا اب ہم چلتے ہیں دراصل باقی ناول ابھی پڑھا نہیں' سمجھا کریں نا ہم پڑھنے والی ننھی منی سی بچیاں ہیں' ہائے شہلا آپی اور یہ عائشہ نور محمد کہاں غائب ہوگئی ہیں' پلیز واپس آجائیں۔

☆ پیاری امشاج! خوش آمدید۔

مائرہ تارڑ' فیضہ اکبر...... چکمنبر' سرگودھا۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیا حال ہے آپی جی مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ میرا بھی خط شامل ہوا ہے اور مائرہ مجھ سے بہت زیادہ لڑتی کہ میں نے اس کا نام نہیں لکھا۔ نازی آپی آپ نے بہت پیارا لکھا۔ سمیرا آپی میری شہزادی! آپ نے ہمیشہ ہی بہت خوب صورت لکھا آپ کا ناول مجھے بہت پسند ہے خاص کرانا اور شہوار کا چادر لینا اور شہوار کا نقاب کرنا بہت اچھا لگا۔ شہوار اور مصطفیٰ کی مہندی کا فنکشن ہمیشہ یاد رہے گا آپی جی فرحانہ ناز کی موت کا سن کر بہت افسوس ہوا' بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے لیکن ہم زبان سے وہی بات نکالیں گے جس پر ہمارا رب راضی ہو' اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ سباس آپی اور عشنا آپی آپ کدھر ہیں؟ شاہ زندگی جاناں چکوال آپ کدھر ہیں؟ رانی اسلام' پروین افضل شاہین' فرحت اشرف جٹ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور جس نے دوستی کرنی ہے ہم حاضر ہیں؟ صدف' فریضہ' مائرہ' سونیا کو پیار بھرا سلام۔ اللہ ہمارے آنچل کو اور ترقی دے آمین' اللہ حافظ والسلام۔

مائرہ کنول ماہی...... چلک ورکاں۔ السلام علیکم! اس دفعہ تو آنچل نے بہت پریشان کیا پہلے 23'24 کو ہی مل جاتا تھا اس دفعہ بہت لیٹ ملا۔ ماڈل کچھ خاص نہیں بس سو سو سی...... پھر پڑی نظر آسمان تیری لحد پر' یقین مانیے میری آنکھ چھلک پڑی' اللہ پاک انہیں جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے آمین۔ پھر ہم نے چھلانگ لگائی ''موم کی محبت'' پر تو یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ ایک فرنگی لڑکی کے لیے بوبی نے اپنی ماں کی محبت کو بھلا دیا۔ شرمین سے بات کرتا ہے تو اس کے گن گانے لگتا ہے اور زیبا جس لڑکے سے پیار کرتی تھی وہ سو فیصد عارض ہی ہے جو پہلی قسط میں اسے کال آئی تھی وہ یقیناً زیبا ہی کی تھی یہ میرا نظریہ ہے پھر پڑھا ''ٹوٹا ہوا تارا'' تو اس کی کہانی میری سمجھ سے بالاتر ہے' وہ اس طرح کہ پہلے شہوار ایسا کرتی تھی' اور اب مصطفیٰ بدلے پر اتر آیا ہے۔ ولید کو انا کی خاموش محبت کا علم ہوگیا ہے چاہے اس نے اظہار نہیں بھی کیا' اور آپی اس ایاز کا خود ہی قتل کردیں ورنہ میں نے کردینا ہے اور اس قسط میں عباس اور رابعہ کا ذکر ہی نہیں آیا۔ تابندہ بوا حویلی چھوڑ کر خالہ بی کے پاس کیوں گئیں؟ جاسوسی کہانی بنا رکھی ہے۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' میں لاریب کے ساتھ سکندر بھائی بہت اچھا کررہے ہیں تاکہ اسے پتا تو چلے کہ عزت نفس پر وار کرنا کسے کہتے ہیں اس نے بھی سکندر کی بڑی ہتک کی ہے۔ اب اس کا تاوان تو بھرے' اس کے بعد ''تو ہی ہے سایہ'' افسانہ پڑھ کر ہنسی بھی بہت آئی اور سبق بھی ملا کہ بڑوں کی باتیں چاہے کڑوی ہوں مگر ہوتی بڑی سبق آموز ہیں۔ ''بچھڑا کچھ اس ادا سے'' اور ''لکھ ہواؤں کے سنگ'' دونوں ناول بہت پسند آئے۔ آپی نازی کا افسانہ ''بھوک'' پڑھا تو میرے تو آنسو نکل آئے یار! باقی ناولٹ اور افسانے ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ یادگار لمحے بھی اے ون تھے' ہم سے پوچھیے پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ پروین افضل جب بھی سوال کرتی ہیں اپنے میاں کے نام پر ان کی چغلی ہی کرتی نظر آتی ہیں ہاہاہاہا...... مائنڈ مت کرنا' اللہ حافظ۔

مریم بٹ' تمثیلہ بٹ...... گجرات۔ السلام علیکم ڈیئر شہلا آپی! نومبر کا آنچل خلاف معمول 25 اکتوبر کو ہی مل گیا'

سب سے پہلے سرگوشیاں کو زیر مطالعہ لایا‘ ہم فرحانہ ناز ملک کی ڈیتھ کی خبر تو پہلے ہی سن چکی تھیں لیکن سرگوشیوں میں ان کے بارے میں پڑھ کر دل خون کے آنسو رویا۔ ”آسمان تیری لحد پر“ میں رائٹرز بہنوں کی ان سے محبت کا اندازہ ہوا‘ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اس کے بعد دوست کا پیغام آئے دیکھا تو اس میں اپنا خط پڑھ کر سیروں خون بڑھ گیا۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ اسٹوری پڑھ رہی تھی کہ اچانک نظر ایک تعارف پر پڑی ارے یہ کیا یہ تو اپنا ہی تعارف شائع ہوا ہے‘ واہ جی سچی مزا آ گیا۔ شہوار نے ایک دفعہ پھر کم عقلی سے کام لیتے ہوئے مصطفی کو ناراض کر دیا‘ نا معلوم اس شہوار کی بچی کو کب عقل آئے گی۔ ”مجھے ہے حکم اذاں“ پڑھی اُم مریم جی یہ سکندر صاحب کو کون سی بوٹی سونگھائی ہے جو انگارے ہی چباتے رہے ہیں ساری اسٹوری میں۔ لاریب بی بی اور فاطمہ کو مزید کسی آزمائش میں مبتلا نہ کیجیے گا اور پلیز عباس کو بھی تھوڑا سا کول مائنڈ کر دیں‘ اس کے ساتھ ہی اللہ حافظ۔

وجیہہ بتول...... کوٹلی‘ آزاد کشمیر۔ آنچل کی نگارشات میں مجھے سب سے زیادہ مالک یوم الدین اچھا لگتا ہے اس سے اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے اس کے بعد حمد و نعت بھی دل کو منور کر دیتی ہیں۔ آئینہ کی تو میں دل دادہ ہوں وہاں بہنوں کے مختصر تبصرے پڑھ کر بہت مزہ آتا ہے اور ہم سے پوچھیے شمائلہ آنی کے جوابات کا تو کوئی جواب ہی نہیں آنچل کی ایک ایک تحریر بہترین ہے بے شک یہ تنہائی کا بہت اچھا ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو یوں ہی قائم و دائم رکھے اور آنچل سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو اور ہمارے پیارے وطن کو امن اور سلامتی والا ملک بنائے آمین۔

سامعہ ملک پرویز...... خان پور۔ ڈیئر شہلا آپی! آنچل اسٹاف اینڈ ریڈرز میری جانب سے محبتوں سے لبالب سلام آنچل ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ساتھ ترقی کے سفر کی جانب گامزن ہے اس کے سبھی سلسلے آگہی و خود شناسی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان و نگاہ اور قلب و روح کو منور کرتے ہوئے باقی سلسلوں کی جانب بڑھے۔ ام مریم اور سمیرا شریف کے ناول بہت خوب صورت پیرہن اوڑھے ہوئے اختتام کے مراحل کی جانب رواں دواں نظر آئے۔ سلسلے وار ناولز کے بعد باری آئی نازی آپی کی تحریر کی جس میں ”بھوک“ مفلسی اور امید حاصل نے یک دم افسوس زدہ آہ نکالی کاش ہمارے معاشرے میں معاشرتی و معاشی انصاف ہوتا تو کوئی بچہ بھوکے پیٹ رات بسر نہ کرتا مگر صد افسوس یہاں معاشی استحصال اور دولت ارتکاز ایک رواج بن چکا ہے اس کے علاوہ بھی سب تحاریر زبردست ہیں اور پُر اثر بھی۔ شاعری میں سبھی کے انتخابات پسند آئے‘ بیاض دل میں سبھی کے اشعار من پسند تھے۔ باقی سلسلے بھی اپنی روشنی دور حد نگاہ تلک پھیلاتے نظر آئے اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ یا الٰہی بطفیل محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری سرزمین پاک کو امن‘ محبت‘ اتحاد و یکجہتی اور انصاف کا گہوارہ بنا دے اور ہم سب کو ہدایت کے راستے پر گامزن فرما آمین۔ طلب گار دعا۔

انعم چوہدری...... جتوئی۔ شہلا آپی آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کو میرا الفت بھرا اسلام۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف تو جناب ٹائٹل گرل تو نائس لیکن ہیئر اسٹائل میں کچھ خاص پسند نہ آیا۔ حمد و نعت سے لطف اندوز ہونے کے بعد فرحانہ نازکی ڈیتھ کی خبر افسردہ کر گئی۔ سلسلہ وار ناول میں ”ٹوٹا ہوا تارا“ زبردست‘ سمیرا جی بس اب مصطفی کو جلدی سے صحت مند کر دیں۔ مکمل ناول میں ڈاکٹر ہما جہانگیر اور شازیہ مصطفی دونوں ہی برابر رہیں‘ ویل ڈن ام مریم! کہانی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے افسانے بھی سب اچھے تھے لیکن بھوک میں نازی آپی نے حدید اور عجیرہ دونوں کو مار کر کہانی کو کچھ زیادہ ہی یادگار بنا دیا۔ بیاض دل میں سباس گل پروین افضل اور کنزیٰ رحمان کے اشعار بہت پسند آئے۔ بیوٹی گائیڈ میں موضوع قدرے مختلف تھا اور ٹپس بھی خاصے نیچرل تھے۔ یادگار لمحوں میں راؤ تہذیب کا نعتیہ قطعہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈوبا ہوا تھا‘ حفصہ کنول کے انمول موتی حقیقتاً انمول تھے آئینہ میں مونا شاہ قریشی کا تبصرہ دلچسپ تھا۔

☆ ڈیئر انعم! خوش آمدید۔

زرین سترو...... چکوال۔ پیاری شہلا آپی قارئین اینڈ رائٹرز السلام علیکم! اس دفعہ آنچل میں آسمان تیری لحد پر پڑھ کر بہت افسوس ہوا سب کی طرح مجھے بھی یقین نہیں آتا کہ اتنی پیاری رائٹر اب ہمارے درمیان نہیں ہیں اللہ ان کے درجات بلند کرے اللہ ان کے بیٹے کو جلد صحت یاب کرے آمین۔ صائمہ اکرم چوہدری اور دیگر ان کی فرینڈ رائٹرز کو میری طرف سے تعزیت۔ وہ بہت

اچھی مصنفہ تھیں۔ نازی کا افسانہ ”بھوک“ پڑھا‘ پڑھ کر رونا آ گیا۔ اب بات ہو جائے کچھ سلسلے وار ناول کی ”موم کی محبت“ میں شرمین کو اس کے حصے کی خوشیاں مل جانی چاہیے اور طبیح کو اس کی زندگی میں واپس نہیں آنا چاہیے وہ اس قابل ہی نہیں بس عارض اس کے ساتھ مخلص رہے اور زیبا کے گناہ گار ہونے کا تجسس بھی ختم کرے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ پڑھ کر وہی ہوا جس کا ڈر تھا مصطفیٰ کو گولی لگ گئی اور وہ بھی دو اب تو شہوار کو اپنی انا کی دیوار گرا دینی چاہیے کتنی ڈھیٹ ہے وہ۔ مکمل ناول میں ”لکھ ہواؤں کے سنگ“ میں ڈاکٹر ہما نے کلر کہار کی جھیل کا کہا ہے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ وہ چکوال شہر کے بالکل ساتھ ہے اور بہت خوب صورت جگہ ہے۔ ام مریم نے جتنا خوب صورت اپنی کہانی کا نام لکھا ہے اتنا خوب صورت لکھتی بھی ہیں ہر کردار پر ان کی گرفت مضبوط ہے بس عباس کی الجھن دور کریں باقی ناولٹ اور افسانے بھی بہت اچھے رہے۔ بیوٹی گائیڈ میں سردیوں کے حوالے سے کچھ نسخے بتائیں آپ کے لیے ہمیشہ دعا گو اور دعاؤں کی طلب گار اللہ حافظ۔

سدرہ رحمن...... بہاولپور۔ السلام علیکم! سویٹ‘ کیوٹ سی شہلا آپا کیسی ہیں آپ؟ امید ہے خیر خیریت سے ہوں گی آپ اور تمام آنچل فیملی‘ ہاں جی تو میں ہوں سدرہ رحمن بہاولپور سے تشریف لائی ہوں‘ کوئی پانی شانی ہی پوچھ لیں جناب...... اوہو جناب ہماری یہ بے تکلفی بہت پرانی ہے۔ بہت پرانی تبصرہ نگار ہوں جی فرحت بوا جانی کی وفات کے بعد قلم نے بھی ساتھ نہیں دیا۔ ”موم کی محبت“ سلسلہ وار ناول میں موم کہیں بھی نظر نہیں آ رہی فی الحال‘ راحت آپی آپ خود تو وفا کا پیکر ہیں تو اس کہانی میں آپ محبتوں کے کون سے بھیانک روپ ہم پر آشکار کرنا چاہتی ہیں‘ زندگی کی تلخ حقیقتوں اور محبت کی کھٹی میٹھی باتوں سے لبریز ناول بہت خوب صورتی سے موم کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ سمیرا آپی ٹوٹے ہوئے تاروں کو خوب صورتی اور مہارت کے ساتھ جوڑنے میں لگی ہوئی ہیں۔ اب آتے ہیں مکمل ناول کی طرف ”لکھ ہواؤں کے سنگ“ ڈاکٹر ہما آپ نے کیا سوچ کے یہ ناول لکھا؟ ضرور جواب دیجیے گا۔ باپ کی شفقت اور رحمت پر آپ نے نہایت ہی بد کردار دکھایا‘ ناول میں بہت کمی سی محسوس ہوئی آپ ہر پہلو کو اچھے سے بیان کرنے میں ناکام رہی ہیں کیوں کہ آپ نے ایسی کوئی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ تنقید برائے اصلاح ہے‘ سنو اس پر دل بُرا مت کیجیے گا اور تسلی سے اپنا ناول دوبارہ پڑھ کر دیکھیے گا۔ ”بچھڑا کچھ اس ادا سے“ شازیہ جی نے وہی پرانی سی روایتی سی کچھ حقیقت پر مبنی کہانی پر لکھا‘ ناولٹ میں سے ”کوئی غمگسار ہوتا“ حمیرا جی نے اچھا لکھا۔ ثمر کی ذریعے اس کی والدہ مہر کی غمگساری بہت اچھے طریقے سے کروائی ساتھ میں بیٹے کا کردار بھی بہت خوب اچھے طریقے سے نبھایا جن پہلو پر مرد کہتے ہیں ہم مجبور تھے اس کو بہت خوب صورتی سے بیان کیا کہ مرد کبھی مجبور نہیں ہوتا۔ ”مجھے ہے حکم اذاں“ ام مریم ناولٹ اتنا لمبا؟ خیر تو ہے اور ہاں پلیز جلدی سے دی اینڈ کریں اور فاطمہ کو بھی کچھ اقساط میں سکون اور محبت دے دیں۔ افسانوں میں ”بھوک“ نازیہ کنول نازی کا افسانہ بہت دردناک پہلو کو بیان کرتا نازیہ آپی کی ہمت ہے۔ ایسے پہلوؤں پر ہماری پیاری پیاری رائٹرز کو قلم اٹھانے کی ہمت ہونی چاہیے پتا نہیں کتنے لوگ معاشرے میں بگاڑ کا سبب بن رہے ہیں۔ باقی تمام سلسلے اچھے تھے ”آپ کی شخصیت“ کو کیوں ختم کیا گیا بہت افسوس ہوا میرا فیورٹ سلسلہ تھا‘ اپنا خیال رکھیے گا اگلے ماہ تک اللہ حافظ۔

☆سدرہ ڈیئر! اب یہ رابطہ بحال رکھیے گا۔

کنیز فضہ ہاشمی...... عارف والہ ‘ضلع پاکپتن شریف: السلام علیکم! خداوند عالم سے دعا ہے کہ بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا آنچل اور پیارا پاکستان دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین اور اللہ تعالیٰ موجودہ حکمرانوں کو ہدایت سے نوازے آمین۔ ”آسمان تیری لحد پر“ شبنم افشانی دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ جس ہستی کی موت کا تذکرہ تھا اگرچہ میری اس سے زندگی میں کبھی براہ راست بات چیت نہ ہوئی ہے نہ وہ مجھے جانتی ہے تاہم میں اسے بڑے اچھے طریقے سے جان گئی تھی‘ نٹ کھٹ انداز تحریر نے دل میں یک دم جگہ بنالی اور ایک آدھ بار اس کا انٹرویو پڑھا۔ میں اس بُرے حادثے سے بے خبر تھی جونہی یہ سب پڑھا تو میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ فرحانہ کا اک تصوراتی چہرہ جو اس کی تحریروں میں نظر آتا ہے آنکھوں کے سامنے گڈمڈ ہو جاتا۔ بہرحال اتنے الفاظ اور ایسا ہی درد میرے سینے میں موجزن ہے جسے میں الفاظ کا پیراہن بھی نہیں دے سکتی تاہم پروردگار سے میں اس کی بلندی درجات کے لیے ضرور دعا گو ہوں۔ بہرحال میرے آنچل کا شکریہ جس نے مجھے پہچان دی ہے‘ میں خود بھی اپنی کہانی کو تنقیدی نگاہ سے دیکھ چکی ہوں مجھے خود کافی کمی لگی۔

☆امید ہے آئندہ آپ ان اصلاحات کو مدنظر رکھ کر لکھیں گی۔

بینش خان...... بھاولنگر۔ السلام علیکم! سب سے پہلے سرگوشیاں پڑھیں اس کے بعد ہماری بہت پیاری رائٹر فرحانہ کے بارے میں پتا چلا جسے پڑھ کر بہت افسوس ہوا اللہ انہیں جنت میں جگہ دے آمین۔ اس کے بعد "موم کی محبت" ناول پڑھا بہت سلو جارہا ہے پلیز اس کو تھوڑا انٹرسٹنگ کریں آپی آپ سے گزارش ہے آنچل کے تمام سلسلے بے حد اچھے ہیں، پلیز عفت سحر طاہر کا سلسلہ وار ناول آنچل میں شروع کریں، شکریہ۔

سائرہ داؤد...... ڈی جی خان۔ سب سے پہلے آنچل اسٹاف کو سلام فرحانہ ناز ملک کی ناگہانی موت کی افسوسناک خبر تو گیارہ اکتوبر کو ہی فیس بک پر پتا چل گئی تھی "آسمان تیری لحد پر" جس طرح رائٹرز نے ان کے بارے میں لکھا اسے پڑھ کر آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اب تھوڑا آنچل پر تبصرہ کرلوں "ٹوٹا ہوا تارا" ہمیشہ کی طرح بیسٹ تھی افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ نازیہ آپی کا افسانہ شاید پہلے بھی شائع ہوچکا تھا۔ ہمیں شدت سے انتظار ہے۔ مکمل ناول دونوں ہی زبردست تھے لیکن شازیہ بازی لے گئیں لیکن ہما جی نے بھی کچھ کم نہیں لکھا۔ شبانہ امین نے زیرو پوائنٹ میں سے زبردست اقتباس دیا ہوا تھا۔ غزل میں فاخرہ گل آرایہ کنول اور فریدہ خانم بیسٹ رہیں، باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے، وطن عزیز کے لیے بہت سی دعائیں، اللہ حافظ۔

امن...... میاں چنوں۔ السلام علیکم! آنچل میں پہلی دفعہ شرکت کررہی ہوں، تمام رسالوں سے تعلق تو گزشتہ آٹھ سالوں سے ہے لیکن آنچل سے باقاعدہ تعلق تین سال پہلے ہوا تب سے اب تک یہ تعلق نہیں ٹوٹا۔ اس دفعہ کا پورا شمارہ ہی زبردست تھا، خاص طور پر "مجھے ہے حکم اذاں" میرا پسندیدہ ناول ہے۔ سب لکھاری بہنیں بہت اچھا لکھتی ہیں، اللہ آنچل کی پوری ٹیم اور تمام شرکت کرنے والی بہنوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔

☆ڈیئر امن! خوش آمدید۔

کے ایم مقامی...... کھڈیاں قصور۔ السلام علیکم! آپی ہم پچھلے دوماہ سے لیٹ زدگان میں شریک ہورہے ہیں، کیا ہمیں حاضر زدگان میں جگہ ملے گی (ہاہاہا)۔ "مجھے ہے حکم اذاں" عباس کو سیدھا کریں، صبا مظفر نے ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کردیا۔ "کوئی غمگسار ہوتا" بھی اچھی کہانی تھی، اللہ حافظ۔

رابعہ عمران چوہدری...... رحیم یار خان۔ فرحانہ ناز ملک کی ڈیتھ کا سن کر بہت دکھ ہوا اور شازیہ چوہدری کی یاد نے بھی رلا دیا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک ان کے گھر والوں کو صبر عطا فرمائے آمین۔ ڈاکٹر ہما جہانگیر کا مکمل ناول اچھا تو لگا مگر بہت طویل تھا، نازیہ کنول نازی کی تحریر "بھوک" نے بہت رلایا۔ طلعت نظامی کی کہانی بہت اچھی لگی بخت آور کا کردار بہت اچھا لگا اور بخت آور کی بہن جیسی لڑکیوں کے لیے یہ ایک سبق آموز کہانی تھی۔ صبا مظفر کی کہانی پڑھ کر بہت مزہ آیا، بہت دلچسپ تحریر تھی۔ ایشا اور یوشع دونوں کا کردار بہت اچھا لگا۔ حمیرا نگاہ کی تحریر بھی پسند آئی مجموعی طور پر تمام رسالہ بہت ہی خوب صورت اور معیاری تحریروں سے بھرا ہوا تھا اور نازیہ آپی ایک دفعہ پھر آپ کی تحریر کی تعریف کرنا چاہوں گی یقیناً آپ بہت خوب صورت دل موہ لینے والی تحریریں لکھتی ہیں۔ اللہ پاک ہمارے آنچل کو آپ کی خوب صورت تحریروں سے سجاتا اور سنوارتا ہے سب رائٹرز جو نئی ہیں وہ بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں کیپ اٹ اپ اور سب کو میری طرف سے سلام۔ چار دن پہلے میرے تایا سسر کی ڈیتھ ہوگئی تھی ان کے لیے بھی دعا کیجیے گا، اللہ پاک سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

☆ڈیئر رابعہ! رب تعالیٰ آپ کے تایا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے آمین۔

❖ اب اس دعا کے ساتھ رخصت چاہوں گی کہ آنے والا سال ہمارے لیے رحمتوں کا پیامبر ثابت ہو اور ملکی وسیاسی حوالے سے بھی امن کا ضامن ٹھہرے آمین۔

aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: بارش شروع ہوتے ہی میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین پھسلنے کے لیے باہر کیوں نکل جاتے ہیں؟

ج: پھسلنے کے لیے نہیں بلکہ وہ برساتی مینڈک بن کر نکلتے ہیں۔

س: ساون برستا ہے تو ہر طرف ہریالی چھا جاتی ہے بھلا بتایئے جب میرے میاں برستے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟

ج: چھاجوں مینہ برستا ہے وہ بھی ان ہی کی آنکھوں سے آپ کی گرج چمک کے نتیجے میں۔

س: پانچ سال ہوگئے ہیں شادی کو میں جب بھی ان کو ہنی مون کا کہتی ہوں وہ مجھے ہاتھ میں شہد کی بوتل پکڑا کر آسمان کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں یہ لو ہنی اور وہ رہا مون...... میں کیا کروں؟

ج: تھوڑا اور انتظار کرلو پھر ہنی ہاتھ میں ہوگا اور مون میاں جی کے سر پر چمکتا نظر آئے گا، سب کہو آمین۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: محبت تو قربانی مانگتی ہے اور شادی؟

ج: سلب آزادی قید حیات وہ بھی بامشقت۔

س: رائی سے پہاڑ کیسے بنایا جاتا ہے؟

ج: تم نے اس پہاڑ پر چڑھنا ہے کیا۔

س: جب وہ دھواں دھار غصہ کررہے ہوتو ایسے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

ج: فریج سے ٹھنڈے پانی بوتل نکال کر سر پر ڈال دو بس سب ٹھیک ہوجائے گا خودبخود۔

س: دلدار کی دلداریاں کیسے نبھائیں؟

ج: کچھ لے دے کے۔

س: کہتے ہیں کہ شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے اور شیرنی؟

ج: شیر کی باتوں سے آج کل پرہیز ہی کیا کروں کہیں کوئی دھرنا......

س: تم سے ملنا باتیں کرنا بڑا اچھا لگتا ہے کیوں بھلا؟

ج: تمہیں ہی لگتا ہوگا۔ ہم سے پوچھو ہمیں کیا لگتا ہے...... اف۔

س: دو اور دو کتنے ہوتے ہیں جلدی سے بتائیں؟

ج: دو اور دو کو چھوڑو، جلدی سے نو دو گیارہ ہوجاؤ۔

یاسمین کنول...... پسرور

س: خوب صورت لوگ خوب صورت باتیں کیوں نہیں کرتے؟

ج: نہیں ہم تو ہر روز صبح وشام کرتے ہیں۔

س: کون سا موسم زیادہ حسین ہوتا ہے؟

ج: پیار کا موسم، یہی سننا چاہتی ہوں نا وہ بھی اپنے ان سے۔

س: محبت، الفت، مسرت اور شادمانی میں کیا بات مشترک ہے؟

ج: محبت، الفت، مسرت تینوں بہنیں ہیں جبکہ شادمانی ان کی ممانی ہیں۔

صبا ریاض، صبا قمر...... خانیوال

س: شمائلہ آپی پہلی دفعہ آئے ہیں کیا آپ ہمارا استقبال کریں گی۔

ج: بہاروں پھول برساؤ، وہ بھی سوکھے ہوئے۔

س: آپی جی گھر والے رسالہ پڑھنے نہیں دیتے، کیا کریں؟

ج: رسالے کے ساتھ ساتھ نصابی کتابیں بھی پڑھتیں تو یہ پابندی نہ لگتی۔

س: آپی بڑی شدت سے انتظار ہے، بھلا کس کا؟

ج: دسمبر کے آنے کا آئس کریم کھانے کا۔

س: عید کے دن تیار ہوکر آئینہ دیکھا تو کیا ہوا؟

ج: ایک بھوتنی کا دیدار ہوا اور کیا ہونا تھا بھلا۔

ثانیہ مغل...... للیانی سرگودھا

س: اپیا، کیا ہمارے سوالات آپ کو ملنا بند ہوگئے۔

ج: آپ کے سوالات ڈاکیا کھا جاتا ہے۔

س: کبھی کبھی زندگی بہت بد ذائقہ لگتی ہے کیا کیا جائے؟
ج: تمہیں بد ہضمی کی شکایت ہے اور کوئی بات نہیں۔
س: گزشتہ چند دنوں سے مجھے بے پناہ چھینکیں آرہی ہیں کہیں آپ تو نہیں مجھے......
ج: توبہ توبہ، ہم کیوں یاد کریں، ہاں ڈاکٹر صاحب ضرور یاد کرتے ہیں تمہیں، جاؤ انجکشن لگواؤ۔
س: وہ کیا ہے کہ آج کل اچھے موسم نے ہمارے مزاج صاحب پہ بہت اچھا اثر ڈالا ہے آپ پہ کیا ڈالا ہے؟
ج: کوئی موسم ہو دل میں ہے تمہاری یاد کا موسم
کہ بدلا ہی نہیں جاناں تمہارے بعد کا موسم

سنفیاں زرگر، اقصیٰ زرگر......جوڑہ

س: آپی جان کیا حال ہیں آپ کے؟
ج: الحمدللہ بخیر ہیں۔
س: آپی لڑکیوں کو شادی کے بعد گھر کیوں چھوڑنا پڑتا ہے لڑکے کیوں نہیں چھوڑتے؟
ج: لڑکے صرف لمبی لمبی چھوڑتے ہیں اور کچھ نہیں۔
س: آپی آپ کے خیال میں ایک عورت بھی مرد کا مقابلہ کرسکتی ہے؟
ج: تم نے کشتی کرانی ہے کیا۔
س: آپی آپ مجھے بہت ہی زیادہ اچھی لگتی ہو میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں؟
ج: خوابوں کی نگری میں پہنچ جاؤ۔

سمیرا تعبیر......سرگودھا

س: شمائلہ آپی کیسی ہیں آپ سنا ہے کہ آپ نے بہت یاد کیا تھا مجھے کیا یہ سچ ہے؟
ج: کہتے ہیں جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔
س: آپی کل رات وہ ہمارے خواب میں آئے اتنے خوب صورت لگ رہے تھے کہ ہم ان سے کچھ کہنے والے تھے کہ ایک دم بھلا کیا ہوا؟
ج: بیڈ سے نیچے گر گئی ہوں گی۔
س: آپی جس سے آپ ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں وہی ہمیشہ آپ کو درد دیتا ہے کیوں بتائیں نا؟
ج: تو بی بی اس درد سے کچھ سیکھو اور آئندہ کے لیے باز آجاؤ۔
س: یہ اتنے برے برے منہ مت بنائیں جا رہی ہوں، کوئی اچھی سی دعا میرے لیے؟
ج: شکر ہے تم جا رہی ہو، خوش رہو۔

الفت عباسی، فائزہ عباسی......آزاد کشمیر

س: شمائلہ آپی مزاج کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے کیوں جی؟
ج: تمہاری آمد پر مزاج بگڑ جاتا ہے۔
س: آپی چپکے سے ایک بات تو بتائیں کہ آپ شیطان کی طرح مشہور کیوں ہیں؟
ج: میری خالہ، مجھ سے زیادہ تو آپ مشہور ہیں۔
س: اگر آپ آنچل کی ایڈیٹر بن جائیں تو آپ کے کیا تاثرات ہوتے؟
ج: مت پوچھو۔
س: آنکھیں پھیرنے والے کو طوطا چشم کہتے ہیں اور منہ پھیرنے والوں کو کیا کہتے ہیں؟
ج: آنکھوں کے ساتھ منہ بھی پھر جاتا ہے تمہیں اتنا بھی نہیں پتا۔

نصرت عارف......گاؤں واربرٹن

س: شمائلہ آپی کیا بات ہے آپ بول کیوں نہیں رہی، کیا عید پر گوشت زیادہ کھا لیا تھا؟
ج: اپنی طرح سمجھا ہے کیا ندیدی۔
س: ویسے آپی میری عید تو بہت اچھی گزری اور......
ج: بن بلائے مہمان بنوگی تو عید تو اچھی ہوگی نا۔
س: آپی آپ کو پتا ہے میں نے عید پر سب سے زیادہ کس کو یاد کیا؟
ج: اونٹ کو تا کہ اس کا بھی گوشت محفوظ کرلیں۔
س: آپی ویسے آپ نے عید کے دن ہمارے گھر گوشت کیوں نہیں بھیجا؟
ج: لو، اگر تمہیں گوشت بھیجتی تو خود کیا فاقہ کرتی۔

س: میں نے بھیجا تھا آپ کو ملا کے نہیں......

ج: ملا تھا مگر گوشت نہیں، صبر۔

شزا بلوچ......جھنگ

س: آداب عرض ہے کیسی ہیں آپ، یہ تو نہیں پوچھوں گی ٹھیک ہی ہوں گی۔

ج: آداب عرض کی بجی سلام فرض ہے، وعلیکم السلام۔

س: ہمارے سوالات کے جوابات دینے کے لیے کتنے نمبر کا چشمہ استعمال کرتی ہیں آپ؟

ج: لو کر دی ناں پرانی بات۔

س: بلوچی ڈش بجھاؤں گی آپ کو، ٹیسٹ کر کے بنانا کیسی لگی۔

ج: کنجوس لوگوں بجھوا بھی دو کب سے انتظار ہے۔

س: آپی ساون آیا ہے سب کچھ چھوڑ کر آ جانا تو......

ج: پھر کام کون کرے گا آئی اماں۔

مدیحہ نورین مہک......برنالی

س: اداس رتوں میں ملال کیوں؟

ج: ہماری جیسی خوب صورت جو نہیں۔

س: دل ایک ہوتا ہے پھر انسان کیوں کہتا ہے کہ ایک دل ہے کہ کام کروں ایک دل ہے کہ نہ کروں؟

ج: اور پھر جو تیسرا دل کہتا ہے وہی انسان کرتا ہے۔

س: وہ آئے گھر ہمارے خدا کی قدرت؟

ج: کبھی ہم مہک کو اور کبھی مہک کے جانے کی گھڑی دیکھتے ہیں۔

س: دل کا موسم ہر موسم پر حاوی کیوں رہتا ہے؟

ج: کیوں کہ دل تو پاگل ہے نا......

س: من کا پنچھی بہکا کیوں جا رہا ہے؟

ج: موسم جو عاشقانہ ہے، مہک زیادہ نہ بہک جانا۔

س: دعا میں یاد رکھیے گا رب راکھا۔

ج: رب راکھا، خوش رہا کر کڑیے۔

عائشہ پرویز......کراچی

س: آپی جی سیٹ ہے زندگانی میں؟

ج: تم نے اپ سیٹ کرنا ہے دھرنا دے کر ہماری زندگانی کو کیا؟

س: آپی تمام رومانوی داستانوں (ہیر رانجھا، لیلی مجنوں، سسی پنوں، سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں، رومیو جیولٹ) میں مرد حضرات ہی کیوں کنوارے رہے؟

ج: ان بے چاروں کو کنوارے ہی رہنے دو آپ کی داستان والے میاں جی تو کنوارے نہیں ہیں یہی کافی ہے بس۔

س: مرد آخر بے چارہ کیوں ہوتا ہے؟

ج: اس کا چارہ عورت جو کھا جاتی ہے۔

س: آپی بجلی کی لوڈ شیڈنگ ہفتہ میں یومیہ یوں رہی، سات گھنٹے، نو گھنٹے، بارہ گھنٹے، اٹھارہ گھنٹے، سولہ گھنٹے، چودہ گھنٹے اور سترہ گھنٹے ان کے بدلے میں واپڈا والوں کو جو عوام سے سننے کو ملتی ہے وہ موم بتی سامنے رکھ کر بیان کریں۔

ج: چپ کر جاؤ، ان کے گھر میں بھی لوگ رہتے ہیں۔

س: آپی جی ہنستی مسکراتی رہیں مجھے بھی دعا سے نوازیے پھر آؤں گی آپ کو تنگ کرنے تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

ج: ابھی جا کر اپنے میاں جی کو تنگ کرو، اللہ ہی حافظ ہے اس بے چارے کا۔

سعدیہ رمضان سعدی......186 پی

س: شمائل جانو کیسی ہیں؟

ج: اف یہ انداز تخاطب، میدان مار لیا تم نے تو یار۔

س: جگہ دینے کا شکریہ؟

ج: فرش پر بھی جگہ نہ دیتے تو مرض بڑھ جاتا نا آپ کا۔

س: ہم اپنی تمام خوش فہمیوں سمیت جا رہے ہیں اپنی خوب صورت دعا سے نواز دیجیے؟

ج: تو جاؤ نا، خوش رہو اپنے خرچہ پر۔

ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا

کومل شہزادی سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرے مسائل شائع کیے بغیر حل بتائیں۔

محترمہ آپ PITUITRIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں، آپ مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ایفروڈائٹ اور ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

ادریس احمد عادل کراچی سے لکھتے ہیں کہ ازدواجی تعلق قائم کرنے کے قابل نہیں رہا میرے مسئلے کا حل بتائیں۔

محترم آپ SELENIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ام کوث مومن سے لکھتی ہیں کہ مجھے موٹاپا ہے اور دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے اس کے بال روکھے اور کمزور ہیں بہت ہی بے رونق ہوگئے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ مبلغ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام HAIR GROWER ضرور لکھیں ایک ہفتے میں آپ کو ہیئر گروور گھر پہنچ جائے گا۔

یاسر خان ساہیوال سے لکھتے ہیں کہ مجھے جریان کا مسئلہ ہے پلیز اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترم آپ ACID PHOS 3X کے 5 قطرے تین وقت روزانہ آدھا کپ پانی میں ڈال کر استعمال کریں۔

کائنات عابد فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ خط شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ GRAPHITES 200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک مرتبہ پیا کریں نظر کے لیے CINIRARIA-EYE DROPS رات سوتے وقت آنکھوں میں ڈالا کریں اور اپنی امی کو CALCHICUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ استعمال کرائیں 3 ماہ تک۔

اقصیٰ امانت فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے اور بہن کے چہرے پر بال ہیں ایفروڈائٹ منگوانے کا طریقہ اور قیمت بتائیں۔

محترمہ آپ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام APHRODITE ضرور لکھیں ایک ہفتے میں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

مزدلفہ گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر موٹے موٹے مردوں کی طرح بال ہیں اور یہی حال میری خالہ کا ہے اور سر کے بال بھی بہت کمزور ہیں دونوں مسئلوں کے لیے کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ مبلغ 2400 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ منی آرڈر فارم کے آخر میں 2 بوتل ایفرڈائٹ اور ایک ہیئر گروور ضرور لکھیں یہ دوائیں ایک ہفتے میں آپ کے گھر پہنچ جائیں گی۔ ان پر لکھی ہوئی ترکیب استعمال سے آپ کے مسئلے حل ہوجائیں گے۔

فرزانہ کوثر منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر حل بتائیں۔

محترمہ آپ CICUTA VIROSA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں دانتوں کا مسئلہ دانتوں کے ڈاکٹر کو دکھائیں۔

سدرہ بتول جھنگ سے لکھتی ہیں کہ ہمارا مسئلہ شائع کیے بغیر حل بتائیں۔

محترمہ آپ اپنی امی کو CYCLAMEN-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ دوسرے JABORANDI-30 کے قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ استعمال کریں اور کزن کو ENECIO

AURIUS-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ استعمال کریں۔

محمد نعمان ملتان سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کریں۔

محترم آپ STAPHISAGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ استعمال کریں۔

شہزاد عامر کراچی سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز فرمائیں۔

محترم آپ ACID PHOS-3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

شبانہ سیف 21 چک شمالی سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بالوں کا مسئلہ ہے خشکی ہے اور گرتے ہیں پلیز کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY -Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور ہیئر گروور کے لیے 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ایک ہفتے میں ہیئر گروور آپ کو مل جائے گا۔

ملک مسرت حسین چکوال سے لکھتے ہیں کہ مجھے ایفروڈائٹ اور ہیئر گروور بھیج دیں رقم میں بعد میں بھیج دوں گا۔

محترم آپ مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں تو ہیئر گروور اور ایفروڈائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا ہمارے کلینک سے دوا منگوانے کا یہی طریقہ ہے تمام لوگ اس پر عمل کرتے ہیں دوائیں وی پی نہیں کی جاتیں۔

عائشہ کھاریاں سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ ایفروڈائٹ کے لیے 900 روپے میرے کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں ایفروڈائٹ آپ کو گھر پہنچ جائے گا طریقہ استعمال اس پر لکھا ہوگا پڑھ کر استعمال کریں۔

نعمان کراچی سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 12 سال ہے میرا قد چھوٹا ہے برائے مہربانی کوئی اچھی سی دعا تجویز کردیں۔

محترم آپ CALCIUM PHOS- 6X کی 4,4 گولی تین وقت روزانہ لیں۔ BHARIUM CARB 200 کے 10 قطرے ہر آٹھویں دن آدھا کپ پانی میں ڈال کر ایک ٹائم پی لیا کریں۔

نعیمہ حسن ڈیرہ اسماعیل خان سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر علاج تجویز کریں۔

محترمہ آپ CALC CARB-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور JODUM-1000 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 15 دن میں ایک بار پیا کریں۔ 6 ماہ کا کورس مکمل کرلیں اور اپنی امی کو CARB VEG-6 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

صبا امجد آنادہ گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میرے پاؤں کی ایڑیاں بہت زیادہ پھٹتی ہیں سردیوں میں تو خون بھی نکلتا ہے کہ مجھ سے چلا پھرا بھی نہیں جاتا پلیز اس کی اچھی سی دوا بتادیں بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ نے ہمارے لیے نیک تمنائیں رکھیں اس کے لیے آپ کا بہت شکریہ۔ آپ NATRUM CARB-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

اظہر شہزاد وہاڑی سے لکھتے ہیں کہ میرا سر تیزی سے گنجا ہو رہا ہے آدھے سر کے بال اڑ چکے ہیں والد صاحب کے سر کے بال بھی نہیں ہیں تمام بال اڑ چکے ہیں اور میں بہت دبلا پتلا ہوں میرے جسم پر گوشت نہ ہونے کے برابر ہے مجھے کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ ALFAFA-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔ مبلغ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے سر پر گھنے بال پیدا ہوں گے 5,6 بوتل کا استعمال لازمی کرنا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

آمنہ سعید لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرے بالوں کا مسئلہ ہے ہیئر گروور استعمال کر رہی ہوں اس کے ساتھ کوئی کھانے کی دوا بھی بتائیں جس سے جلدی فائدہ ہو۔

محترمہ آپ PHOS PHRUS 200 کے 5 قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار پی لیا کریں اور ہیئر گروور کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

قمر الدین سیالکوٹ سے لکھتے ہیں کہ میرا پروسٹیٹ کا مسئلہ ہے بہت تکلیف میں ہوں اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترم آپ CONIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

سدرہ کنول لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرے بائیں بریسٹ میں گلٹی ہے تکلیف نہیں ہے اس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں کوئی مناسب علاج بتائیں۔

محترمہ آپ CALC FLOUR- 6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھا لیا کریں۔

صدف کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرا ماہانہ نظام خراب ہے کمی سے ہوتا ہے اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA- 3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ثنا کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن بہت بڑھا ہوا ہے اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔

سارہ گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ مجھے پیشاب میں بہت جلن ہوتی ہے اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ CANTHORIS- 3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ماہ نور کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر چھائیاں ہیں دوست مذاق اڑاتی ہیں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ BERBARIS AQUIF Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

محمد یونس ملتان سے لکھتے ہیں کہ میں بہت مشکل میں ہوں کئی بیماریاں ایسی ہیں جو پیچھا نہیں چھوڑتی تفصیل لکھ رہا ہوں میڈیکل رپورٹ بھی بھیج رہا ہوں کوئی مناسب علاج تجویز کریں۔

محترم اتنی ساری بیماریوں کا علاج اتنی دور سے ممکن نہیں اس کے لیے معائنہ بہت ضروری ہے آپ کسی اچھے مقامی ہومیوپیتھی ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

مبین احمد ایبٹ آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا سر کا آدھا حصہ گنجا ہو چکا ہے چکنی جلد نکل آئی ہے دوست مذاق بناتے ہیں۔

محترم آپ مبلغ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ہیئر گروور آپ کو گھر پہنچ جائے گا 6,5 بوتل کے استعمال سے سر کے بال گھنے اور مضبوط ہو جائیں گے۔

ندا ندیم قریشی کوہاٹ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر مردوں کی طرح داڑھی جیسے بال ہیں بہت شرمندگی ہوتی ہے میرا بھی مسئلہ حل کریں۔

محترمہ آپ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ایفروڈائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا 4,3 بوتل کے استعمال سے ان شاء اللہ آپ کا چہرہ مستقل طور پر بالوں سے صاف ہو جائے گا۔

گلزار بیگم جہلم سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 17 سال ہے نسوانی حسن نہ ہونے کے برابر ہے اس کا کوئی علاج بتائیں میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ SABALSERRULATIUM- Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور مبلغ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گا ان شاء اللہ قدرتی حسن بحال ہوگا۔

نائلہ جہانگیر خانیوال سے لکھتی ہیں میرے بریسٹ بھاری ہیں ان کا بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ CHIMA FILLA- 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا

کریں اور 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گا اور ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

عظمیٰ بتول لالاموسیٰ سے لکھتی ہیں کہ میں کراچی آئی تھی میں نے اپنی بیماری کا آپ سے علاج کرایا تھا اور اللہ کے فضل سے صحت یاب ہوگئی تھی آج تک وہ بیماری مجھے دوبارہ نہیں ہوئی اب میری بہن کو وہی شکایت ہورہی ہے تفصیل لکھ رہی ہوں خط شائع کیے بغیر علاج تجویز کریں۔

محترمہ آپ بہن کو KALMIA- 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں۔

مریم فاطمہ ٹنڈو آدم سے لکھتی ہیں کہ مجھے خراشدار سیلان کی شکایت ہے بیرونی اعضاء پر زخم پڑ جاتے ہیں میں بہت پریشان ہوں کافی علاج کیے صرف وقتی فائدہ ہوتا ہے۔

محترمہ آپ KREOSOT- 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

خورشید بیگم میانوالی سے لکھتی ہیں کہ مجھے ماہانہ غسل کے بعد شدید سیلان کی شکایت ہے۔

محترمہ آپ EUPION- 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

شاہین کراچی سے لکھتی ہیں کہ مجھے کئی قسم کی بیماریاں ہیں بہت علاج کرائے مگر فائدہ نہیں ہوتا میرے لیے بھی کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ کو باقاعدہ علاج کی ضرورت ہے معائنہ کے بعد ہی دوا تجویز کی جاسکتی ہے۔ صبح 10 تا ایک بجے شام 6 تا 9 بجے کلینک پر تشریف لائیں ان شاء اللہ آپ کا علاج ہوجائے گا۔

ندا لاہور سے لکھتی ہیں کہ مجھے شدید کھانسی ہے جو رات میں زیادہ ہوتی ہے شدید بے چینی رہتی ہے۔

محترمہ آپ ARSENIC- 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔ کھٹی اور ٹھنڈی اشیاء سے پرہیز کریں۔

رشیدہ ندیم قریشی کراچی سے لکھتی ہیں کہ مجھے کچھ زنانہ امراض لاحق ہیں میں آپ کے کلینک پر آنا چاہتی ہوں کیا لیڈی ڈاکٹر موجود ہوتی ہیں۔

محترمہ آپ اتوار کے علاوہ کسی بھی دن کلینک تشریف لائیں صبح کے وقت ڈاکٹر سیدہ حسن بانو اور شام کے وقت ڈاکٹر شازیہ ارم موجود ہوتی ہیں۔

ندیم خانیوال سے لکھتے ہیں کہ مجھے ازدواجی تعلق قائم کرنے میں بہت شرمندگی ہوتی ہے بچپن کی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے۔

محترم آپ ACID PHOS- 3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

لبنیٰ کنول سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر دوا تجویز فرمادیں۔

محترمہ آپ SEPIA- 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عاصم چیچہ وطنی سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز فرمادیں۔

محترم آپ SELENIUM- 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

کلثوم بیگم ملتان سے لکھتی ہیں کہ میں نے 600 روپے بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ ارسال کیے تھے مجھے ہیئر گرور ابھی تک نہیں ملا۔

محترمہ بارہا لکھا جاچکا ہے کہ رقم لفافے میں رکھ کر نہ بھیجی جائے لفافے سے رقم چوری ہوجاتی ہے رقم ہمیشہ منی آرڈر کے صحیح طریقے پر ارسال کی جائے صحیح طریقہ ڈاکخانے سے معلوم کرلیا کریں۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا۔ آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔

محرم کی باتیں

حنا احمد

محرم الحرام

قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

محرم الحرام اسلامی تقویم کا اہم ترین مہینہ ہے۔اس ماہ مبارک میں قبل از اسلام بھی ہر قسم کی جنگ و جدل سے پرہیز کیا جاتا تھا اور لڑنا حرام سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے اس مہینہ کو محرم الحرام کہا جاتا ہے یہ مہینہ اسلام سے پہلے بھی مقدس مانا جاتا تھا عام الفیل کا واقعہ اس مہینے میں ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق محرم کی دس تاریخ اسلام سے پہلے کے مذاہب میں بھی مقدس مانی جاتی تھی بعض انبیا علیہ السلام سے وابستہ اہم واقعات بھی اس مہینہ کی دس تاریخ کو ہی رونما ہوئے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام کی مغفرت کا واقعہ، طوفان نوح، حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے نجات پانا، یہ سب واقعات اسی روز پیش آئے یہودی ہمیشہ سے دس محرم کے روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے کیونکہ بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے اسی دن یعنی دس محرم کو نجات ملی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے دس محرم کے روزے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے بعد محرم کا مہینہ مسلمانوں میں ایک تاریخی حادثے واقعہ کربلا کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا۔ کیونکہ تاریخی روایت کے مطابق دس محرم کو میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور پیارے نواسے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت عزیز و پیاری صاحب زادی خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے ہیں۔

یقیناً محرم کا مہینہ اہل ایمان کے لیے مقدس مہینوں میں شمار ہوتا ہے اور یہ اسلامی تقویم کا پہلا مہینہ بھی ہے اس کے بارے میں مسلمان فرقوں میں طرح طرح کے وسوسے اندیشے اور غلط روایات مشہور کر دی گئیں جن کا اسلام اور اسلامی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

سیدنا حسینؓ اور شہادت حسینؓ

ہمارے سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے جو فاروق اعظم اور سبط رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی یاد دلاتا ہے اور اسلامی کلینڈر کا آخری مہینہ ذی الحجہ ہمیں ذبح عظیم کی یاد دلاتا ہے اسلام اپنے نفس، اپنے مفادات، اپنی اغراض کو اللہ کی رضا کے لیے قربان کر دینے کا نام ہے۔

پہلی صدی ہجری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا نے اسلام اور اسلامی طرز حیات کو برقرار رکھنے کے لیے کربلا کا انتخاب کیا اور یوں کربلا قیامت تک کے لیے شہادت، قربانی اور جاں نثاری کا استعارہ بن گیا۔

شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر مختصر گفتگو سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے جو محبت اور تعلق خاطر تھا اس کا ذکر کر دیا جائے۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت زید بن ارقم ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا۔

"جوان سے لڑے گا میں ان سے لڑوں گا اور جوان سے صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ (ترمذی)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت نہیں رکھتا اور یہی بات انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے حد مشابہت رکھتے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا کے دین کی حفاظت کے لیے ایسی قربانی پیش کی کہ قیادت تک کے لیے نہ صرف مسلمانوں کے لیے ایک نظیر قائم ہوگئی بلکہ اعلیٰ اقدار حیات کے ماننے والے ہر شخص کے لیے واقعہ کربلا بے غرضی، قربانی اور باطل کے خلاف انسانی جدوجہد کی علامت بن گیا۔

عروسہ معین......کراچی

سبزیاں استعمال کریں صحت مند رہیں

ہمارے روزمرہ کے استعمال میں سبزیاں آتی ہیں قدرت نے ان میں بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت بھی رکھی ہے۔ اگر ہم ان سبزیوں کو متواتر اور صحیح طریقے سے استعمال کریں تو یہ ہمیں بہت سی بیماریوں اور پریشانیوں سے بچاسکتی ہیں۔ غذا کا مقصد انسان کی بقا ہے بھوک کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے محض پیٹ بھرنا ہی مقصود نہیں بلکہ ایسی غذا کا استعمال کرنا ضروری ہے جو ہمارے جسم کو بھرپور توانائی بخش سکے۔ خون میں اچھی غذا کی شمولیت تمام جسم کو چاق و چوبند رکھتی ہے اسلامی طب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غذا کو بنیادی اہمیت شروع سے ہی دی گئی ہے اور غذاؤں سے علاج کیا گیا۔

غذا پر کنٹرول کرنے سے انسان بہت سی بیماریوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''انسان نے اپنے پیٹ سے بڑے کسی برتن کو نہیں بھرا۔'' کھانا اس قدر کھانا چاہیے کہ کمر سیدھی رہے اگر آنتوں کی وسعت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کا ایک حصہ کھانے کے لیے رکھا جائے دوسرا پانی کے لیے اور تیسرا ہوا کے لیے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''معدہ انسان کے جسم میں حوض کی مانند ہے۔ اس سے جسم میں ہر طرف نالیاں جاتی ہیں اگر معدہ درست ہو تو یہ تمام نالیاں صحت مند اشیا لے کر جائیں گی اگر معدہ بیمار تو نالیاں بھی بیماری لے کر جائیں گی۔''

شاید یہی وجہ ہے کہ آج کل غذا کے ماہرین کو بلند مقام حاصل ہے۔ وہ بڑے سے بڑے مرض کا علاج سبزیوں سے کرتے ہیں اور کامیاب ہیں۔ گہرے سبز رنگ کی سبزیاں اہم غذائی خزانہ ہیں جو قدرت نے فیاضانہ طور پر عطا فرمایا ہے ان میں دیکھا جائے تو پروٹین سے لے کر فولاد، کیلشیم، تیل بھی شامل ہوتا ہے اور وہ خاص جز بھی شامل ہیں جو چربی اور تیل کو حیاتین الف میں تبدیل کردیتا ہے۔ جسم میں اس حیاتین کی وجہ سے بینائی متاثر ہوتی ہے اکثر ممالک میں ہری سبزیاں استعمال نہ کرنے سے نابیناؤں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی ادارہ صحت اور ماہرین صحت اب ہری سبزیوں کے استعمال پر زور دے رہے ہیں ہماری غذا میں چند بنیادی اجزا شامل ہیں ان سے ہی غذائیت کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔ پروٹین، کاربوہائیڈریٹ، وٹامن، روغنیات، نمکیات و معدنی عناصر اور پانی غذا کے اہم جز ہیں اور ہر چیز کی حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے۔

ہالہ سلیم......کراچی